تشریح الہدایۃ
شرح اردو
ہدایۃ
جلد ۱۱
مؤلف
مولانا نصیب اللہ
(ابن الحاج عبد الصمد مالیزی نور اللہ مرقدہ)
مکتبۃ الارشد کوئٹہ
0301-3725288.0313-8895104

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَصْلٌ فِي الْجَنِينِ

یہ فصل جنین کے بیان میں ہے۔

جنین ماں کے رحم میں موجود بچے کو کہتے ہیں جب اس کے بعض اعضاء ظاہر ہو جائیں۔ ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مصنف بندہ کے اجزاءِ حقیقیہ کو تلف کرنے کے احکام کے بیان سے فارغ ہو گئے اب یہاں سے حکمی جزء یعنی جنین کو تلف کرنے کے احکام کو شروع فرمایا؛ کیونکہ جنین اپنی ماں کے جزء کے حکم میں ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَةٍ فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا فَفِيهِ غُرَّةٌ وَهِيَ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ ، قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

فرمایا: اور اگر کسی نے مارا عورت کو پیٹ پر، پس گرایا اس نے مردہ جنین، تو اس میں ایک غرہ ہے، اور غرہ دیت کے عشر کا نصف، مصنف نے فرمایا

مَعْنَاهُ دِيَةُ الرَّجُلِ ، وَهَذَا فِي الذَّكَرِ ، وَفِي الْأُنْثَى عُشْرُ دِيَةِ الْمَرْأَةِ. وَكُلٌّ مِنْهُمَا خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ.

اس کا معنی ہے مرد کی دیت، اور یہ مذکر میں ہے، اور مؤنث میں عورت کی دیت کا عشر ہے، اور ہر ایک ان دونوں میں سے پانچ سو درہم ہیں

{۲}وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ لِأَنَّهُ لَمْ يُتَيَقَّنْ بِحَيَاتِهِ، وَالظَّاهِرُ لَا يَصْلُحُ حُجَّةً لِلِاسْتِحْقَاقِ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ مَا

اور قیاس یہ ہے کہ واجب نہ ہو کچھ؛ کیونکہ متیقن نہیں ہے اس کی حیاۃ، اور ظاہر حجت نہیں بن سکتا ہے استحقاق کے لیے، وجہِ استحسان وہ حدیث ہے

رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ {فِي الْجَنِينِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ قِيمَتُهُ خَمْسُمِائَةٍ} وَيُرْوَى " أَوْ خَمْسُمِائَةٍ".

جو مروی ہے کہ حضور نے فرمایا: جنین میں غرہ ہے یعنی غلام یا باندی جس کی قیمت پانچ سو درہم ہو۔ اور مروی ہے "أَوْ خَمْسُمِائَةٍ"

{۳}فَتَرَكْنَا الْقِيَاسَ بِالْأَثَرِ ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَنْ قَدَّرَهَا بِسِتِّمِائَةٍ نَحْوُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ{۴} وَهِيَ

پس ہم نے چھوڑ دیا قیاس کو اثر کی وجہ سے، اور وہ حجت ہے اس پر جس نے مقرر کیا ہے چھ سو کو جیسے امام مالک اور امام شافعی۔ اور غرہ

عَلَى الْعَاقِلَةِ عِنْدَنَا إذَا كَانَتْ خَمْسَمِائَةِ دِرْهَمٍ. وَقَالَ مَالِكٌ : فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ بَدَلُ الْجُزْءِ.

عاقلہ پر واجب ہے ہمارے نزدیک جبکہ پانچ سو درہم ہوں، اور امام مالک فرماتے ہیں اس کے مال میں ہے؛ کیونکہ یہ بدل ہے جزء کا۔

{۵}وَلَنَا أَنَّهُ ﷺ { قَضَى بِالْغُرَّةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ } ، وَلِأَنَّهُ بَدَلُ النَّفْسِ وَلِهَذَا سَمَّاهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دِيَةً

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور نے فیصلہ فرمایا غرہ کا عاقلہ پر، اور اس لیے کہ یہ بدلِ نفس ہے، اسی لیے نام رکھا ہے اس کا حضور نے دیت

حَيْثُ قَالَ " دُوهُ " وقالوا : { أَنَدِي مَنْ لَا صَاحَ وَلَا اسْتَهَلَّ } الحديث ، إلَّا أنْ تُعْرَفَ [illegible]

چنانچہ فرمایا دیت ادا کرو اس کی، اور عاقلہ نے کہا: کیا ہم دیت ادا کریں اس کی جس نے نہ چیخا اور نہ آواز نکالی، البتہ غرہ [illegible]

مَادُونَ خَمْسِمِائَةٍ{٦}وَتَجِبُ فِي سَنَةٍ،وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لِأَنَّهُ بَدَلُ النَّفْسِ وَلِهَذَا يَكُونُ مَوْرُوثًا

پانچ سو سے کم۔ اور غرہ واجب ہوگا ایک سال میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے تین سالوں میں؛ کیونکہ یہ بدل نفس ہے، اسی لیے یہ موروث ہوتا ہے

بَيْنَ وَرَثَتِهِ .وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ قَالَ : بَلَغَنَا

اس کے ورثہ کے درمیان۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو مروی ہے محمد بن الحسنؒ سے، انہوں نے کہا کہ ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَعَلَهُ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي سَنَةٍ، وَلِأَنَّهُ إنْ كَانَ بَدَلَ النَّفْسِ مِنْ حَيْثُ إنَّهُ نَفْسٌ عَلَى حِدَةٍ فَهُوَ بَدَلُ

حضورؐ نے مقرر فرمایا عاقلہ پر ایک سال میں، اور اس لیے کہ اگر غرہ نفس کا بدل ہے اس حیثیت سے کہ وہ علیحدہ نفس ہے تو وہ بدل ہے

الْعُضْوِ مِنْ حَيْثُ الِاتِّصَالِ بِالْأُمِّ فَعَمِلْنَا بِالشَّبَهِ الْأَوَّلِ فِي حَقِّ التَّوْرِيثِ ، وَبِالثَّانِي فِي حَقِّ التَّأْجِيلِ إلَى سَنَةٍ،

عضو کا اس حیثیت سے کہ ماں کے ساتھ متصل ہے پس ہم نے عمل کیا پہلے شبہ پر توریث کے حق میں، اور دوسرے شبہ پر ایک سال تک تاجیل کے حق میں

لِأَنَّ بَدَلَ الْعُضْوِ إذَا كَانَ ثُلُثَ الدِّيَةِ أَوْ أَقَلَّ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ الْعُشْرِ يَجِبُ فِي سَنَةٍ

؛کیونکہ بدلِ عضو جب ثلث دیت ہو یا اقل ہو اور زیادہ ہو نصف عشر سے تو واجب ہوتا ہے ایک سال میں،

بِخِلَافِ أَجْزَاءِ الدِّيَةِ لِأَنَّ كُلَّ جُزْءٍ مِنْهَا عَلَى مَنْ وَجَبَ يَجِبُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ{٧}وَيَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى

برخلاف دیت کے اجزاء کے؛ کیونکہ ہر جزء دیت میں سے جس پر واجب ہوتا ہے وہ واجب ہوتا ہے تین سالوں میں۔ اور برابر ہے اس میں مذکر و مؤنث

لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ فِي الْحَيَّيْنِ إنَّمَا ظَهَرَ التَّفَاوُتُ لِتَفَاوُتِ مَعَانِي الْآدَمِيَّةِ

ہماری روایت کردہ روایت کے اطلاق کی وجہ سے۔ اور اس لیے کہ دو زندوں میں تفاوت ظاہر ہوگا آدمیت کے معانی کے تفاوت کی وجہ سے

وَلَا تَفَاوُتَ فِي الْجَنِينِ فَيُقَدَّرُ بِمِقْدَارٍ وَاحِدٍ وَهُوَ خَمْسُمِائَةٍ . {٨} فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ

اور تفاوت نہیں ہے جنین میں، پس مقدر ہوگا ایک ہی مقدار کے ساتھ، اور وہ پانچ سو درہم ہیں۔ پھر اگر عورت نے زندہ جنا پھر مر گیا

فَفِيهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ حَيًّا بِالضَّرْبِ السَّابِقِ ، وَإِنْ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا ثُمَّ مَاتَتْ الْأُمُّ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ

تو اس میں کامل دیت ہے؛ کیونکہ اس نے تلف کر دیا زندہ کو سابقہ ضرب سے، اور اگر ماں نے گرایا مردہ، پھر مر گئی ماں، تو اس پر دیت ہے

بِقَتْلِ الْأُمِّ وَغُرَّةٌ بِإِلْقَائِهَا ؛ وَقَدْ صَحَّ { أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَضَى فِي هَذَا بِالدِّيَةِ وَالْغُرَّةِ }

ماں کو قتل کرنے کی وجہ سے اور غرہ ہے اس کو گرانے کی وجہ سے، اور صحیح ثابت ہے کہ حضورؐ نے فیصلہ فرمایا اس میں دیت اور غرہ کا۔

{۹}وَإِنْ مَاتَتِ الْأُمُّ مِنَ الضَّرْبَةِ ثُمَّ خَرَجَ الْجَنِينُ بَعْدَذَلِكَ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ فِي الْأُمِّ وَدِيَةٌ فِي الْجَنِينِ؛ لِأَنَّهُ

اور اگر مر گئی ماں مارنے کی وجہ سے پھر نکلا جنین اس کے بعد زندہ، پھر مر گیا تو اس پر دیت ہے ماں میں اور دیت ہے جنین میں؛ کیونکہ یہ

قَاتِلُ شَخْصَيْنِ . وَإِنْ مَاتَتْ ثُمَّ أَلْقَتْ مَيِّتًا فَعَلَيْهِ دِيَةٌ فِي الْأُمِّ وَلَا شَيْءَ فِي الْجَنِينِ {۱۰}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:

قاتل ہے دو شخصوں کا۔ اور اگر ماں مر گئی پھر گرایا مردہ، تو اس پر دیت ہے ماں میں، اور کچھ نہیں ہے جنین میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے

تَجِبُ الْغُرَّةُ فِي الْجَنِينِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ مَوْتُهُ بِالضَّرْبِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَلْقَتْهُ مَيِّتًا وَهِيَ حَيَّةٌ.

واجب ہو گا غرہ جنین میں؛ کیونکہ بظاہر اس کی موت ضرب کی وجہ سے ہے پس ہو گیا جیسے اس نے گرایا ہو مردہ اس حال میں کہ ماں زندہ ہو

وَلَنَا أَنَّ مَوْتَ الْأُمِّ أَحَدُ سَبَبَيْ مَوْتِهِ لِأَنَّهُ يَخْتَنِقُ بِمَوْتِهَا

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ماں کی موت جنین کی موت کے دو سببوں میں سے ایک ہے؛ کیونکہ بچے کا دم گھٹ جاتا ہے ماں کی موت سے،

إِذْ تَنَفُّسُهُ بِتَنَفُّسِهَا فَلَا يَجِبُ الضَّمَانُ بِالشَّكِّ . {۱۱}قَالَ : وَمَا يَجِبُ فِي الْجَنِينِ

اس لیے کہ بچے کا سانس لینا ماں کے سانس لینے سے ہے، پس واجب نہ ہو گا ضمان شک سے۔ فرمایا: اور جو کچھ واجب ہو جائے جنین میں

مَوْرُوثٌ عَنْهُ ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ نَفْسِهِ فَيَرِثُهُ وَرَثَتُهُ - وَلَا يَرِثُهُ الضَّارِبُ،

وہ میراث ہے اس کی طرف سے؛ کیونکہ یہ اس کے نفس کا بدل ہے پس میراث میں لیں گے اس کو اس کے ورثہ، اور وارث نہ ہو گا اس کا ضارب

حَتَّى لَوْضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَتِهِ فَأَلْقَتِ ابْنَهُ مَيِّتًا فَعَلَى عَاقِلَةِ الْأَبِ غُرَّةٌ وَلَا يَرِثُ مِنْهَا؛ لِأَنَّهُ قَاتِلٌ بِغَيْرِ حَقٍّ مُبَاشَرَةً وَلَا مِيرَاثَ لِلْقَاتِلِ

حتیٰ کہ اگر مارا اپنی بیوی کے پیٹ پر، پس اس نے گرایا اس کا مردہ بیٹا تو باپ کے عاقلہ پر غرہ ہو گا، اور باپ اسکا وارث نہ ہو گا؛ کیونکہ باپ ناحق مباشرۃً قاتل ہے، اور میراث نہیں ملتی قاتل کو۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی آدمی نے ایک عورت کو پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے اس نے مردہ جنین ڈال دیا تو اس میں ایک غرہ واجب ہے یعنی دیت کے دسویں حصے کا نصف ہے، غرہ کا معنی اول شئی ہے تو چونکہ دیت کی یہ مقدار سب سے کم اور پہلی مقدار ہے اس لیے اس کو غرہ کہا۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ دیت کے دسویں حصے کے نصف کا معنی یہ ہے کہ مرد کی دیت کے دسویں حصے کا نصف ہے اور نصف العشر مذکر میں ہے اور مؤنث میں عورت کی دیت کا دسواں حصہ واجب ہو گا۔ پھر خواہ مرد کی دیت میں سے دسویں حصے کا نصف ہو یا عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہو دونوں میں سے ہر ایک پانچ سو درہم ہے؛ کیونکہ مرد کی دیت دس ہزار درہم ہے تو اس

کا دسواں حصہ ہزار ہے اور دسویں کا نصف پانچ سو درہم ہیں اور عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف یعنی پانچ ہزار درہم ہے تو اس کا دسواں حصہ پانچ سو درہم ہے۔

﴿۲﴾ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جنین کے بارے میں کچھ واجب نہ ہو؛ کیونکہ ماں کے پیٹ میں اس کی زندگی متیقن نہیں ہے پس یہ قطعی نہیں کہ وہ پیٹ میں زندہ تھا ضارب کے مارنے سے مر گیا البتہ ظاہر حال یہ ہے کہ وہ زندہ تھا اور مارنے سے مر گیا مگر ظاہر حال اس لائق نہیں ہوتا کہ استحقاق غرہ وغیرہ کے لیے حجت ہو جیسا کہ "کتاب القضاء" میں گذر چکا کہ ظاہر حال صرف اس لیے کافی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے کسی دعوی کو دفع کیا جائے اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ سے کوئی امر لازم کیا جائے۔

﴿۳﴾ لیکن یہاں ہم نے مذکورہ قیاس کو ترک کر دیا اور استحساناً غرہ کا حکم دیا وجہِ استحسان وہ حدیث ہے جو حضور ﷺ سے روایت کی گئی کہ آپ نے فرمایا کہ "جنین کے حق میں غرہ ایک غلام یا باندی ہے جس کی قیمت پانچ سو درہم ہو" اور یوں بھی مروی ہے کہ "یا پانچ سو درہم ہیں"[1] پس ہم نے قیاس کو اس حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے غرہ کی مقدار چھ سو درہم بیان کی ہے ہماری یہ حدیث ان دونوں حضرات پر حجت ہے۔

﴿۴﴾ اور یہ غرہ ہمارے نزدیک ضارب کی مددگار برادری پر لازم ہوگا بشرطیکہ پانچ سو درہم ہوں؛ کیونکہ پانچ سو درہم سے کم مددگار برادری پر نہیں ہوتا ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ غرہ مارنے والے کے مال میں واجب ہوگا؛ کیونکہ یہ جزء کا بدل ہے یعنی جنین حاملہ عورت کا جزء تھا جس کا عوض یہ غرہ ہے اور جزء کا عوض مارنے والے پر ہوتا ہے لہٰذا یہ غرہ بھی مارنے والے پر ہوگا۔

﴿۵﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے غرہ کا حکم مددگار برادری پر دیدیا لہٰذا یہ غرہ مارنے والے کے مال میں واجب نہ ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ مال جان کا ہے یعنی بچہ کی جان کا عوض ہے یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو دیت النفس

([1]) قُلْت: الْأَوَّلُ غَرِيبٌ، وَرِوَايَةُ: أَوْ خَمْسُمِائَةٍ، عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ فِي مُعْجَمِهِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمُرِّيُّ ثَنَا الْمِنْهَالُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ تَمَّامٍ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ الْهُذَلِيِّ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ فِينَا رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: حَمَلُ بْنُ مَالِكٍ، لَهُ امْرَأَتَانِ: إحداهما هُذَلِيَّةٌ، وَالْأُخْرَى عَامِرِيَّةٌ، فَضَرَبَتْ الْهُذَلِيَّةُ بَطْنَ الْعَامِرِيَّةِ، بِعَمُودِ خِبَاءٍ، أَوْ فُسْطَاطٍ، فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا فَانْطَلَقَ بِالضَّارِبَةِ إلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَعَهَا أَخٌ لَهَا يُقَالُ لَهُ: عِمْرَانُ بْنُ عُوَيْمِرٍ، فَلَمَّا قَصُّوا عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دُوهُ"، فَقَالَ لَهُ عِمْرَانُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَدِي مَنْ لَا أَكَلَ وَلَا شَرِبَ، وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ؟ وَمِثْلُ هَذَا يُطَلُّ فقالَ عليه السلام: "دَعْنِي مِنْ رَجَزِ الأعراب، فيه غرة، عبداً، أَوْ أَمَةٌ، أَوْ خَمْسُمِائَةٍ، أَوْ فَرَسٌ، أَوْ عِشْرُونَ وَمِائَةُ شَاةٍ"، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إنَّ لَهَا ابْنَيْنِ، هُمَا سَادَةُ الْحَيِّ، وَهُمْ أَحَقُّ أَنْ يَعْقِلُوا عَنْ أُمِّهِمْ، قَالَ: "أَنْتَ أَحَقُّ أَنْ تَعْقِلَ عَنْ أُخْتِك مِنْ وَلَدِهَا"، قَالَ: مَا لِي شَيْءٌ أَعْقِلُ، قَالَ: يَا حَمَلُ بْنَ مَالِكٍ وَكَانَ يَوْمَئِذٍ عَلَى صَدَقَاتِ هُذَيْلٍ، وَهُوَ زَوْجُ الْمَرْأَتَيْنِ، وَأَبُو الْجَنِينِ الْمَقْتُولِ اقْبِضْ مِنْ تَحْتِ يَدِك مِنْ صَدَقَاتِ هُذَيْلٍ عِشْرِينَ وَمِائَةَ شَاةٍ، فَفَعَلَ. (نصب الراية: 5ص158)

فرمایا چنانچہ ضارب کے ورثہ سے فرمایا کہ "تم لوگ اس کی دیت دو" تو اس کو دیت فرمایا، اور حضور ﷺ کے اس حکم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس جماعت نے جس کا معاملہ تھا کہا کہ "کیا ہم دیت دیں ایسی جان کی جو نہ چلایا اور نہ رویا ہے"[1] جس میں بھی اس کو دیت کہا ہے لہٰذا یہ جان کا عوض ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب یہ جان کا عوض ہے تو ہونا چاہیئے کہ پانچ سو سے کم ہونے کی صورت میں بھی مددگار برادری اس کو برداشت کرے؟ جواب یہ ہے کہ یہ من وجہ جزء کا بدل ہے اس لیے مددگار برادری پانچ سو درہم سے کم برداشت نہیں کرتی ہے چنانچہ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے۔

﴿٦﴾ پھر اس کا ادا کرنا مددگار برادری پر ایک سال میں واجب ہوگا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مال بھی تین سال میں ادا کرنا واجب ہوگا؛ کیونکہ یہ بھی نفس کا بدل ہے یہی وجہ ہے کہ یہ غرہ اس بچہ کے وارثوں میں میراث ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ خبر پہنچی کہ حضور ﷺ نے اس غرہ کو مددگار برادری پر ایک سال میں لازم کیا[2]، لہٰذا ایک سال میں ادا کرنا واجب ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم اس غرہ کو ہر طرح سے دیت نفس نہیں ٹھہراتے جس میں تین سال کی مہلت ہوتی ہے؛ کیونکہ اگر یہ غرہ اس لحاظ سے نفس کا عوض ہے کہ بچہ ایک علیحدہ جان ہے تو دوسرے اعتبار سے یہ عضو کی دیت ہے؛ کیونکہ وہ اپنی ماں کے ساتھ متصل تھا اب تک پیدا نہیں ہوا تھا تو گویا مجرم نے اس عورت کا ایک عضو کاٹ کر علیحدہ کر دیا پس اس غرہ میں دو طرح کی مشابہت ہے ایک اعتبار سے علیحدہ نفس کی دیت ہے اور دوسرے اعتبار سے عضو کی دیت ہے، پس میراث جاری ہونے کے حق میں ہم نے اول شبہ پر عمل کیا چنانچہ کہا کہ یہ علیحدہ نفس کی دیت ہے تو جنین کے ورثہ اس کو میراث میں پائیں گے اور میعاد کے حق میں ہم نے دوسری مشابہت پر عمل کیا کہ ایک سال میں قاتل کی مددگار برادری اس کو ادا کرے گی؛ کیونکہ عضو کی دیت جب جان کی دیت کا ثلث یا کم ہو اگرچہ دسویں حصہ کے نصف سے زائد ہو تو اس کو ایک سال میں ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اور نفس کے اجزاء کی دیت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ دیت کا ہر جزء جس پر واجب ہوگا وہ تین ہی سالوں میں ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

﴿٧﴾ اور غرہ واجب ہونے میں جنین مذکر اور مؤنث برابر ہے دونوں کے لیے قاتل پر غرہ یا پانچ سو درہم واجب ہوں گے؛ کیونکہ جو حدیث ہم نے روایت کی وہ مطلق ہے مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جنین میں غرہ غلام یا باندی ہے"۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ زندہ مذکر اور مؤنث میں تفاوت اسی وجہ سے ظاہر ہوا کہ آدمیت کے معنی میں تفاوت ہے یعنی

([1]) حوالہ بالا۔

([2]) قلت: غریب. (نصب الرایۃ: 5ص 160)

مذکر مال کا بھی مالک ہوتا ہے اور نکاح کا بھی مالک ہوتا ہے جبکہ مؤنث فقط مال کی مالکہ ہوتی ہے نہ کہ نکاح کی لہٰذا ان دونوں میں خصائص آدمیت میں تفاوت پایا جاتا ہے جبکہ جنین میں یہ تفاوت نہیں ہے اس لیے جنین کے لیے مقدار واحد مقدر ہوگی اور وہ پانچ سو درہم ہیں۔

﴿۸﴾ اگر مضروبہ عورت نے زندہ بچہ ڈال دیا پھر وہ مر گیا تو اس کے حق میں پوری دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ مجرم ضارب نے زندہ بچے کو پیدائش سے پہلے کی ضرب سے تلف کیا اس لیے پوری دیت واجب ہوگی۔ اور اگر مضروبہ عورت نے اس کو مردہ ڈال دیا پھر ماں مر گئی تو ماں کے قتل کی وجہ سے دیت اور جنین ڈالنے کی وجہ سے غرہ واجب ہوگا؛ کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی صورت میں دیت اور غرہ کا حکم فرمایا تھا[1]۔

﴿۹﴾ اور اگر ضرب کی وجہ سے ماں مر گئی پھر اس کے بعد جنین اس سے زندہ پیدا ہوا پھر وہ بھی مر گیا تو اس پر ایک دیت ماں کی واجب ہوگی اور دوسری جنین کی واجب ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں ضارب نے دو شخصوں کو قتل کیا ہے لہٰذا دو دیتیں واجب ہوں گی۔ اور اگر ضرب سے مضروبہ عورت مر گئی پھر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا، تو ضارب پر عورت کی دیت واجب ہوگی اور جنین کے لیے کچھ واجب نہیں ہوگا۔

﴿۱۰﴾ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنین کے لیے بھی غرہ واجب ہوگا؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی موت بھی ضرب کی وجہ سے واقع ہوئی ہے پس یہ ایسا ہے جیسے عورت نے زندہ ہونے کی حالت میں اس کو مردہ گرایا کہ اس صورت میں بالاتفاق جنین کا مرنا ضرب کی وجہ سے قرار دیا جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ماں کا مرنا جنین کے مرنے کے دو سببوں میں سے ایک ہے یعنی جنین یا ضرب سے مرا یا ماں کی موت سے مرا؛ کیونکہ جنین اپنی ماں کے مرنے سے گھٹ کر مر جاتا ہے اس لیے کہ ماں ہی کے سانس لینے سے جنین سانس لیتا ہے پس شک پیدا ہوا کہ جنین کی موت ان سببوں میں سے کس سے واقع ہوئی ہے اور شک کی وجہ سے تاوان واجب نہیں ہوگا۔

﴿۱۱﴾ اور جو کچھ جنین کے لیے واجب ہو وہ اس سے اس کے وارثوں کے لیے میراث ہوگا اگرچہ وہ مردہ گرا ہو؛ کیونکہ غرہ جنین کی جان کا بدل ہے تو اس کے وارث اس کو میراث پائیں گے۔ اور مارنے والا اس کا وارث نہ ہوگا؛ کیونکہ قاتل اپنے مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے اگرچہ باپ ہو حتی کہ اگر ایک مرد نے اپنی حاملہ بیوی کو پیٹ میں مارا جس سے اس نے ضارب کے نطفہ سے

---

[1] علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: نَظَرْتُ الْكُتُبَ السِّتَّةَ إلَّا النَّسَائِيَّ فَلَمْ أَجِدْهُ بِهَذَا الْمَعْنَى، وَالَّذِي فِي الْكُتُبِ السِّتَّةِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لِحْيَانَ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ، أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا، وَلِزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا، (نصب الرایۃ: 5ص161)

مردہ بیٹا گرادیا تو ضارب باپ کی مددگار برادری پر غرہ واجب ہوگا اور باپ اس غرہ سے اپنے مردہ بیٹے کی میراث نہیں پائے گا؛ کیونکہ باپ مباشرۃً ناحق طور پر اس کا قاتل ہوا اور قاتل کے لیے میراث نہیں ہوتی ہے۔

{۱}قَالَ : وَفِي جَنِينِ الْأَمَةِ إِذَا كَانَ ذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيمَتِهِ

فرمایا: اور باندی کے جنین میں اگر وہ مذکر ہو اس کی قیمت کا نصف عشر ہے

لَوْ كَانَ حَيًّا وَعُشْرُ قِيمَتِهِ لَوْ كَانَ أُنْثَى {۲}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : فِيهِ عُشْرُ قِيمَةِ الْأُمِّ ، لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنْ وَجْهٍ

اگر وہ زندہ ہو، اور اس کی قیمت کا عشر ہے اگر وہ مؤنث ہو، اور فرمایا امام شافعیؒ نے اس میں ماں کی قیمت کا عشر ہے؛ کیونکہ یہ جزء ہے من وجہ

وَضَمَانُ الْأَجْزَاءِ يُؤْخَذُ مِقْدَارُهَا مِنَ الْأَصْلِ .وَلَنَا أَنَّهُ بَدَلُ نَفْسِهِ لِأَنَّ ضَمَانَ الطَّرَفِ لَا يَجِبُ

اور اجزاء کا ضمان ان کے بقدر اصل سے لیا جاتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ اس کے نفس کا بدل ہے؛ کیونکہ عضو کا ضمان واجب نہیں ہوتا ہے

إِلَّا عِنْدَ ظُهُورِ النُّقْصَانِ مِنَ الْأَصْلِ ، وَلَا مُعْتَبَرَ فِي ضَمَانِ الْجَنِينِ فَكَانَ بَدَلَ نَفْسِهِ

مگر جب ظاہر ہو جائے اصل کا نقصان، اور اعتبار نہیں ہے اصل کے نقصان کا جنین کے ضمان میں، پس یہ اس کے نفس کا بدل ہے

فَيُقَدَّرُ بِهَا . {۳}وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَجِبُ ضَمَانُ النُّقْصَانِ لَوِ انْتَقَصَتِ الْأُمُّ

پس اسے جنین کے نفس کے ساتھ مقدر کیا جائے گا، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے واجب ہوگا نقصان کا ضمان اگر ماں میں نقصان پیدا ہوا

اعْتِبَارًا بِجَنِينِ الْبَهَائِمِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الضَّمَانَ فِي قَتْلِ الرَّقِيقِ ضَمَانُ مَالٍ عِنْدَهُ عَلَى مَا نَذْكُرُ

قیاس کرتے ہوئے جانوروں کے جنین پر، اور یہ اس لیے کہ ضمان رقیق کے قتل میں ضمان مال ہے ان کے نزدیک جیسا کہ ہم ذکر کریں گے

إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى،فَصَحَّ الِاعْتِبَارُ عَلَى أَصْلِهِ . {۴}قَالَ : فَإِنْ ضُرِبَتْ فَأَعْتَقَ الْمَوْلَى مَا فِي بَطْنِهَا ثُمَّ أَلْقَتْهُ

ان شاء اللہ تعالیٰ، پس صحیح ہے قیاس ان کی اصل پر۔ فرمایا: اگر باندی ماری گئی پھر آزاد کیا مولیٰ نے وہ جو اس کے پیٹ میں ہے پھر اس نے گرایا

حَيًّا ثُمَّ مَاتَ فَفِيهِ قِيمَتُهُ حَيًّا وَلَا تَجِبُ الدِّيَةُ وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ الْعِتْقِ ؛ لِأَنَّهُ

زندہ جنین، پھر وہ مر گیا تو اس میں اس کی قیمت ہے زندہ ہونے کی حالت کی، اور واجب نہ ہوگی دیت اگرچہ مرا ہو عتق کے بعد؛ کیونکہ اس نے

قَتَلَهُ بِالضَّرْبِ السَّابِقِ وَقَدْ كَانَ فِي حَالَةِ الرِّقِّ فَلِهَذَا تَجِبُ الْقِيمَةُ دُونَ الدِّيَةِ ، وَتَجِبُ قِيمَتُهُ

قتل کیا اس کو ضربِ سابق سے، اور وہ تھا حالتِ رقیت میں، اسی لیے واجب ہوگی قیمت نہ کہ دیت، اور واجب ہوگی اس کی قیمت

حَيًّا لِأَنَّهُ بِالضَّرْبِ صَارَ قَاتِلًا إِيَّاهُ وَهُوَ حَيٌّ فَنَظَرْنَا إِلَى حَالَتَيِ السَّبَبِ وَالتَّلَفِ.

حالتِ حیاۃ کی؛ کیونکہ وہ قتل کرنے والا ہے اس کو اس حال میں کہ وہ زندہ تھا پس ہم نے دیکھا سبب اور تلف دونوں حالتوں کی طرف۔

﴿۵﴾وَقِيلَ : هَذَا عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَجِبُ قِيمَتُهُ مَا بَيْنَ كَوْنِهِ مَضْرُوبًا إلَى كَوْنِهِ غَيْرَ مَضْرُوبٍ

اور کہا گیا ہے کہ یہ شیخین کے نزدیک ہے، اور امام محمد کے نزدیک واجب ہوگی اس کی وہ قیمت جو اس کے مضروب اور غیر مضروب ہونے کے مابین ہو

لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ قَاطِعٌ لِلسِّرَايَةِ عَلَى مَا يَأْتِيك بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . ﴿۶﴾قَالَ : وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِينِ

؛کیونکہ اعتاق روکنے والا ہے سرایت کو جیسا کہ تفصیل آئے گی تیرے سامنے بعد میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: اور کفارہ نہیں ہے جنین میں

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ تَجِبُ لِأَنَّهُ نَفْسٌ مِنْ وَجْهٍ فَتَجِبُ الْكَفَّارَةُ احْتِيَاطًا .وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهَا

اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہے؛ کیونکہ یہ نفس ہے من وجہ، پس واجب ہوگا کفارہ احتیاطاً۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ میں

مَعْنَى الْعُقُوبَةِ وَقَدْ عُرِفَتْ فِي النُّفُوسِ الْمُطْلَقَةِ فَلَا تَتَعَدَّاهَا .وَلِهَذَا لَمْ يَجِبْ كُلُّ الْبَدَلِ . ﴿۷﴾قَالُوا

سزا کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور سزا جانی گئی ہے نفوس مطلقہ میں، پس ان سے متعدی نہ ہوگی، اسی لیے واجب نہیں ہوتا ہے پورا بدل، مشائخ نے کہا ہے

إلَّا أَنْ يَشَاءَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ ارْتَكَبَ مَحْظُورًا ، فَإِذَا تَقَرَّبَ إلَى اللَّهِ تَعَالَى كَانَ أَفْضَلَ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُ

مگر یہ کہ ضارب چاہے؛ کیونکہ اس نے ارتکاب کیا ہے ممنوع کا، پس جب اس نے تقرب حاصل کیا اللہ کا تو یہ افضل ہے اس کے لیے اور استغفار کرے

مِمَّا صَنَعَ﴿۸﴾وَالْجَنِينُ الَّذِي قَدْ اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ بِمَنْزِلَةِ الْجَنِينِ التَّامِّ فِي جَمِيعِ هَذِهِ الْأَحْكَامِ ؛لِإِطْلَاقِ مَا

اس سے جو اس نے کیا ہے۔ اور وہ جنین جو ظاہر ہوئے ہوں اس کے بعض اعضاء بمنزلہ جنین تام ہے مذکورہ تمام احکام میں؛ اس حدیث کے اطلاق کی وجہ سے

رَوَيْنَا﴿۹﴾وَلِأَنَّهُ وَلَدٌ فِي حَقِّ أُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالنِّفَاسِ وَغَيْرِ ذَلِكَ ، فَكَذَا فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ

جو ہم روایت کر چکے، اور اس لیے کہ وہ ولد ہے ام ولد ہونے، انقضاءِ عدت اور نفاس وغیرہ کے حق میں، پس اسی طرح اس حکم کے حق میں ہے

وَلِأَنَّ بِهَذَا الْقَدْرِ يَتَمَيَّزُ مِنْ الْعَلَقَةِ وَالدَّمِ فَكَانَ نَفْسًا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

اور اس لیے کہ اس قدر خلقت سے وہ ممتاز ہوگا لوتھڑے اور خون سے، پس یہ نفس ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔﴿۱﴾اگر حاملہ باندی کو پیٹ پر مارا جس سے وہ جنین ڈال گئی تو باندی کے جنین میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ لڑکا ہو تو اس کی قیمت کے دسویں حصے کا نصف ہوگا اس حساب سے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کیا قیمت ہوتی، اور اگر جنین لڑکی ہو تو اس کی مذکورہ قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔

{۲}امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہو گا؛ کیونکہ یہ جنین ایک اعتبار سے اپنی ماں کا جزء ہے یعنی ماں اصل اور جنین فرع ہے اور اجزاء کا تاوان لینے میں تاوان کی مقدار کا اندازہ اصل سے لگایا جاتا ہے تو یہاں بھی اصل (ماں) سے حساب لگایا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غرہ خود نفس جنین کا عوض ہے اور اس کی ماں کے کسی عضو کا عوض نہیں ہے؛ کیونکہ اعضاء میں سے کسی عضو کا تاوان واجب نہیں ہوتا ہے مگر یہ کہ اصل میں کوئی نقص ظاہر ہو جائے حتی کہ اگر اصل میں نقصان ظاہر نہ ہوا تو تاوان واجب نہیں ہوتا ہے حالانکہ جنین کے تاوان میں مذکورہ نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے چنانچہ یہ حکم کسی کے نزدیک نہیں کہ اگر ماں میں نقصان ہو تو جنین کا تاوان واجب ہو گا ورنہ نہیں بلکہ جنین کی جان کو تلف کرنے سے غرہ بہر حال واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ تاوان نفس جنین کا عوض ہے اس لیے اس کا اندازہ نفس جنین کی قیمت سے لگایا جائے گا نہ کہ اس کی ماں کی قیمت سے۔

{۳}رہا یہ کہ ماں کے نقصان کے لیے کچھ واجب ہو گا یا نہیں؟ تو ظاہر الروایت یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تاوان مطلقاً واجب ہو گا، اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت نوادر میں یہ منقول ہے کہ اگر ماں میں نقصان آیا تو نقصان کا تاوان واجب ہو گا جیسے جانوروں کے جنین میں ہوتا ہے یعنی جانور کے بچہ ڈالنے میں اگر جانور میں نقصان آیا تو تاوان واجب ہو گا ورنہ واجب نہ ہو گا، اسی طرح یہاں بھی ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رقیق کے قتل میں جو تاوان ہوتا ہے وہ تاوان مالی ہے جانی نہیں ہے چنانچہ ہم اس کو "باب جنایۃ المملوک" میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے تو امام ابو یوسفؒ کی اصل پر یہ قیاس صحیح ہے پس جانوروں پر قیاس کرنا اسی بنیاد پر صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ تاوان مالی ہو اور اگر جانی جرم میں داخل ہو تو بہائم پر قیاس کا کوئی معنی نہیں ہے۔

فتوی:۔ ظاہر الروایت راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشھید: قال شمس الائمۃ ان وجوب البدل فی جنین الامۃ قول ابی حنیفۃ ومحمد وھو الظاھر من قول ابی یوسف ایضاً فھو قول ائمتنا الثلاثۃ (ھامش الھدایۃ:4ص596)

{۴}اگر کسی نے دوسرے کی باندی کو پیٹ میں مارا پس مولیٰ نے اس کو آزاد کیا جو اس کے پیٹ میں ہے پھر وہ جنین کو زندہ ڈال گئی پھر جنین مر گیا تو جنین کی قیمت اس کے زندہ ہونے کے حساب سے واجب ہو گی اور دیت واجب نہ ہو گی اگرچہ وہ آزاد ہونے کے بعد مرا ہو؛ کیونکہ مارنے والے نے اس کو ایسی ضرب سے قتل کیا جو آزاد ہونے سے پہلے واقع ہوئی تھی حالانکہ ضرب کے وقت وہ غلامی کی حالت میں تھا یہی وجہ ہے کہ اس کی قیمت واجب ہوئی دیت واجب نہ ہوئی، پھر اس کے زندہ ہونے کی قیمت اس وجہ سے واجب ہوئی

کہ ضارب اس کو ایسی حالت میں قتل کرنے والا ہوا کہ وہ زندہ تھا پس ہم نے اس مسئلہ میں حالت سبب اور حالت تلف دونوں کا لحاظ رکھا چنانچہ حالت سبب کا لحاظ کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ سبب قتل تو اس کی ضرب ہے جو اس کی غلامی کی حالت میں واقع ہوئی اس لیے قیمت واجب ہوگی دیت واجب نہ ہوگی، اور حالت تلف کا لحاظ کر کے ہم نے کہا کہ سبب تلف اس وقت ہوا کہ وہ زندہ تھا تو زندہ کی قیمت واجب ہوگی۔

{۵} بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ شیخینؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مضروب ہونے اور غیر مضروب ہونے کی درمیانی قیمت واجب ہوگی حتی کہ اگر غیر مضروب کی قیمت ہزار درہم ہو اور مضروب کی آٹھ سو، تو ضارب کے ذمہ دوسو درہم واجب ہوں گے؛ کیونکہ آزاد کرنا سرایت زخم کو قطع کرنے والا ہے لہٰذا قیمت واجب نہ ہوگی بلکہ تفاوت واجب ہوگا چنانچہ آئندہ (جنایتِ مملوک کے بیان میں) ان شاء اللہ تعالیٰ بیان آئے گا۔ خلاصہ یہ کہ زخم اگر سرایت کر کے جان تلف کردے تو یہ زخم محکم قتل ہوتا ہے تو اس کی قیمت واجب ہوگی لیکن اگر درمیان میں مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک سرایت کا حکم مٹ جاتا ہے؛ کیونکہ اب استحقاق جس شخص کے لیے ہے وہ متعین نہیں ہو سکتا اس لیے کہ حالت زخم میں مولیٰ اور حالتِ آزادی میں مظلوم مستحق ہے لہٰذا سرایت کا حکم مٹ جاتا ہے اس لیے قیمت واجب نہ ہوگی بلکہ تفاوت واجب ہوگا۔

{۶} ہمارے نزدیک جنین کو قتل کرنے میں کفارہ نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واجب ہے؛ کیونکہ جنین بھی ایک اعتبار سے ایک نفس اور جان ہے لہٰذا احتیاطاً کفارہ واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ میں عقوبت کا معنی موجود ہے اور عقوبات صرف شریعت کی اجازت سے معلوم ہوتے ہیں اور شرعی اجازت سے کفارہ صرف ایسی جان کے عوض معلوم ہوا ہے جو نفس مطلق اور کامل ہو پس کامل نفس سے غیر کامل (جنین) کی طرف متجاوز نہ ہوگا اور جنین ایک اعتبار سے علیحدہ جان ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ ماں کا جزء ہے تو ہر طرح سے کامل نفس نہ ہوا اس لیے اس کے عوض میں کفارہ نہ ہوگا، جنین کامل نفس نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مقابلے میں پورا عوض واجب نہیں ہوتا یعنی کامل دیت واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ غرہ واجب ہوتا ہے۔

{۷} مشائخ نے کہا ہے کہ اگر ضارب اپنے اختیار سے کفارہ ادا کردے تو یہ بہتر ہوگا؛ کیونکہ وہ ایک ممنوع کام کا مرتکب ہوا تو اگر اس نے کفارہ میں رقبہ مؤمنہ کو آزاد کر کے جناب باری تعالیٰ میں تقرب چاہا تو یہ اس کے لیے افضل ہوگا؛ کیونکہ نیکی برائی کو مٹادیتی ہے، پس جو حرکت اس سے سرزد ہوئی ہے اس سے استغفار کرے۔

﴿۸﴾اور جس جنین کی تھوڑی خلقت ظاہر ہوئی ہو مثلاً سر یا ہاتھ وغیرہ بنا ہو اور دیگر اعضاء نہ بنے ہوں تو وہ بھی مذکورہ تمام احکام میں پورے جنین کے درجے میں ہے؛ اس حدیث کے اطلاق کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے؛ کیونکہ اس میں فرمایا کہ "جنین کے بارے میں غرہ غلام یا باندی ہے" تو جنین مطلق ہے جو پوری خلقت کے جنین اور تھوڑی خلقت کے جنین میں سے ہر ایک کو شامل ہے۔

﴿۹﴾دوسری دلیل یہ ہے کہ جنین ناقص بھی ام ولد ہونے کے حق میں ولد شمار ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی باندی سے وطی کی اور وہ حاملہ ہوگئی پھر وہ اس طرح ناتمام بچہ جن گئی تو یہ باندی اس ناتمام جنین کی وجہ سے اپنے مولیٰ کی ام ولد بن جائے گی جیسے کامل جنین جننے سے ام ولد بن جاتی ہے، اسی طرح یہ جنین عدت گذرنے کے حق میں ولد شمار ہے مثلاً اگر زوج نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دی پھر وہ اس طرح ناتمام جنین جن گئی تو اس کی عدت گذر جائے گی جیسے کامل جنین جننے سے عدت گذر جاتی ہے، اسی طرح نفاس ثابت ہونے وغیرہ احکام میں بھی ایسا ناتمام جنین بچہ شمار ہوتا ہے مثلاً کسی عورت کے پیٹ سے اس طرح ناتمام جنین گرا تو وہ نفاسہ ہو جائے گی پس جیسے ان احکام میں ناتمام جنین کامل شمار ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے عورت کو پیٹ پر مارا جس سے وہ ناتمام جنین ڈال گئی تو ضارب پر اس ناتمام جنین کے بارے میں غرہ واجب ہوگا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ جنین اسی قدر ناقص خلقت کی وجہ سے لوتھڑے اور خون سے ممتاز ہو جاتا ہے تو وہ نفس انسانی ہو گیا اس لیے اس میں غرہ واجب ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ مَا يُحْدِثُ الرَّجُلُ فِي الطَّرِيقِ

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں جن کو آدمی بناتا ہے راستے میں۔

مصنف "مباشرۃً قتل کرنے کے احکام سے فارغ ہو گئے اب یہاں سے قتل کا سبب بننے کے احکام کو بیان کرنا چاہتے ہیں چونکہ مباشرۃً قتل بلا واسطہ ہے اور قتل کا سبب بننے میں واسطہ پایا جاتا ہے اس لیے مباشرۃً قتل کے احکام کو مقدم کیا، اور یا یہ وجہ ہے کہ مباشرۃً قتل کا وقوع بکثرت ہے اس لیے اس کے احکام کو مقدم کیا ہے۔

﴿۱﴾قَالَ: وَمَنْ أَخْرَجَ إِلَى الطَّرِيقِ الْأَعْظَمِ كَنِيفًا أَوْ مِيزَابًا أَوْ جُرْصُنًا أَوْ بَنَى دُكَّانًا فَلِرَجُلٍ مِنْ عُرْضِ النَّاسِ

فرمایا: اور جس نے نکالا بڑے راستے کی طرف بیت الخلاء یا پرنالہ یا جرصن یا بنایا چبوترہ تو کسی بھی شخص کے لیے عوام الناس میں سے حق ہے

أَنْ يَنْزِعَهُ؛ ﴿۲﴾لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ صَاحِبُ حَقٍّ بِالْمُرُورِ بِنَفْسِهِ وَبِدَوَابِّهِ فَكَانَ لَهُ حَقُّ النَّقْضِ، كَمَا

کہ اسے دور کر دے؛ کیونکہ ہر ایک صاحبِ حق ہے گذرنے کا بنفسہ اور اپنے جانور کو گذارنے کا، پس اس کو حق ہوگا توڑنے کا جیسا کہ

فِي الْمِلْكِ الْمُشْتَرَكِ فَإِنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ حَقَّ النَّقْضِ لَوْ أَحْدَثَ غَيْرُهُمْ فِيهِ شَيْئًا فَكَذَا فِي الْحَقِّ الْمُشْتَرَكِ.

ملکِ مشترک میں، کہ ہر ایک کو حق ہے توڑنے کا اگر پیدا کر دی اس میں کوئی چیز شرکاء کے علاوہ نے، پس اسی طرح حق مشترک میں بھی ہے

{۳}قَالَ : وَيَسَعُ لِلَّذِي عَمِلَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ مَا لَمْ يَضُرَّ بِالْمُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّ لَهُ

فرمایا: اور گنجائش ہے اس کے لیے جس نے کوئی چیز بنائی کہ فائدہ اٹھائے اس سے جب تک کہ مضر نہ ہو مسلمانوں کے لیے؛ کیونکہ اس کے لیے

حَقَّ الْمُرُورِ وَلَا ضَرَرَ فِيهِ فَيُلْحَقُ مَا فِي مَعْنَاهُ بِهِ ، إِذِ الْمَانِعُ

حق مرور ہے، اور مرور میں ضرر نہیں ہے، تو ملحق کر دیا جائے گا وہ جو مرور کے معنی میں ہے مرور کے ساتھ؛ اس لیے کہ روکنے والا

مُتَعَنِّتٌ{۴}فَإِذَا أَضَرَّ بِالْمُسْلِمِينَ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ}

سرکش ہے، پس اگر مضر ہو مسلمانوں کے لیے تو مکروہ ہے اس کے لیے؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "نہ ضرر ہے اور نہ اضرار اسلام میں"۔

{۵}قَالَ : وَلَيْسَ لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الدَّرْبِ الَّذِي لَيْسَ بِنَافِذٍ أَنْ يَشْرَعَ كَنِيفًا أَوْ مِيزَابًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ؛

فرمایا: اور نہیں ہے کسی ایک کے لیے اس گلی والوں میں سے جو نافذہ نہیں ہے کہ نکالے بیت الخلاء اور نہ پرنالہ مگر ان کی اجازت سے

لِأَنَّهَا مَمْلُوكَةٌ لَهُمْ وَلِهَذَا وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ لَهُمْ عَلَى كُلِّ حَالٍ ، فَلَا يَجُوزُ التَّصَرُّفُ أَضَرَّ بِهِمْ

؛ کیونکہ یہ ان کی مملوک ہے، اور اسی لیے ثابت ہے شفعہ ان کے لیے ہر حال میں، پس جائز نہیں ہے تصرف خواہ مضر ہو ان کے لیے

أَوْلَمْ يَضُرَّ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ . {۶}وَفِي الطَّرِيقِ النَّافِذِ لَهُ التَّصَرُّفُ إِلَّا إِذَا أَضَرَّ لِأَنَّهُ يَتَعَذَّرُ الْوُصُولُ إِلَى إِذْنِ الْكُلِّ،

یا مضر نہ ہو مگر ان کی اجازت سے، اور نافذہ گلی میں اس کو تصرف کا حق ہے مگر یہ کہ وہ مضر ہو؛ کیونکہ متعذر ہے پہنچنا سب کی اجازت تک

فَجُعِلَ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ كَأَنَّهُ هُوَ الْمَالِكُ وَحْدَهُ حُكْمًا كَيْ لَا يَتَعَطَّلَ عَلَيْهِ طَرِيقُ الِانْتِفَاعِ، وَلَا كَذَلِكَ غَيْرُ النَّافِذِ

پس ہر ایک کے حق میں یہ قرار دیا گیا کہ گویا وہ مالک ہے تنہا حکماً؛ تاکہ معطل نہ ہو اس پر انتفاع کی راہ، اور اس طرح نہیں ہے غیر نافذہ

لِأَنَّ الْوُصُولَ إِلَى إِرْضَائِهِمْ مُمْكِنٌ فَبَقِيَ عَلَى الشَّرِكَةِ حَقِيقَةً وَحُكْمًا{۷}قَالَ: وَإِذَا أَشْرَعَ فِي الطَّرِيقِ رَوْشَنًا

؛ کیونکہ پہنچنا ان کی رضامندی تک ممکن ہے پس باقی رہی وہ شرکت پر حقیقۃً وحکماً۔ فرمایا: اور اگر نکالا راستے میں روشن دان

أَوْمِيزَابًا أَوْنَحْوَهُ فَسَقَطَ عَلَى إِنْسَانٍ فَعَطِبَ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ سَبَبٌ لِتَلَفِهِ مُتَعَدٍّ

یا پرنالہ وغیرہ، پھر وہ گر گیا کسی انسان پر، پس وہ ہلاک ہوا، تو دیت اس کے عاقلہ پر ہے؛ کیونکہ وہ مسبب ہے اس کو تلف کرنے کا تعدی کرنے والا ہے

بِشَغْلِهِ هَوَاءَ الطَّرِيقِ ، وَهَذَا مِنْ أَسْبَابِ الضَّمَانِ وَهُوَ الْأَصْلُ .{8}وَكَذَلِكَ إِذَا سَقَطَ شَيْءٌ مِمَّا

راستے کی فضاء کو مشغول کرنے کی وجہ سے، اور یہ اسباب ضمان میں سے ہے، اور یہی ضابطہ ہے، اور اسی طرح جب گر جائے کوئی چیز ان سے

ذَكَرْنَا فِي أَوَّلِ الْبَابِ - وَكَذَا إِذَا تَعَثَّرَ بِنَقْضِهِ إِنْسَانٌ أَوْ عَطِبَتْ بِهِ دَابَّةٌ ، وَإِنْ

جو ہم ذکر کر چکے شروع باب میں، اور اسی طرح جب پھسل جائے اس کے ملبہ سے کوئی انسان یا ہلاک ہو جائے اس سے جانور، اور اگر

عَثَرَ بِذَلِكَ رَجُلٌ فَوَقَعَ عَلَى آخَرَ فَمَاتَا فَالضَّمَانُ عَلَى الَّذِي أَحْدَثَهُ فِيهِمَا ؛ لِأَنَّهُ

پھسل گیا اس سے کوئی آدمی اور واقع ہوا دوسرے پر، پس دونوں مر گئے تو ضمان اس پر ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے دونوں میں؛ کیونکہ وہ

يَصِيرُ كَالدَّافِعِ إِيَّاهُ عَلَيْهِ{9} وَإِنْ سَقَطَ الْمِيزَابُ نُظِرَ فَإِنْ أَصَابَ مَا كَانَ مِنْهُ فِي الْحَائِطِ رَجُلًا فَقَتَلَهُ

ہو جاتا ہے جیسے دھکا دینے والا اول کو ثانی پر۔ اور اگر گر گیا پرنالہ تو دیکھا جائے گا اگر لگا وہ حصہ جو دیوار میں ہے کسی شخص کو، پس قتل کر دیا اس کو

فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِيهِ لِمَا أَنَّهُ وَضَعَهُ فِي مِلْكِهِ{10} وَإِنْ أَصَابَهُ مَا كَانَ خَارِجًا

تو ضمان نہیں ہے اس پر؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا نہیں ہے اس میں؛ کیونکہ اس نے رکھا ہے اپنی ملک میں، اور اگر لگا اس کو وہ جو خارج تھا

مِنَ الْحَائِطِ فَالضَّمَانُ عَلَى الَّذِي وَضَعَهُ ؛ لِكَوْنِهِ مُتَعَدِّيًا فِيهِ ، وَلَا ضَرُورَةَ لِأَنَّهُ

دیوار سے تو ضمان اس پر ہے جس نے اس کو رکھا ہے؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس میں، اور اس کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے لیے

يُمْكِنُهُ أَنْ يُرَكِّبَهُ فِي الْحَائِطِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ ، وَلَا يُحْرَمُ عَنِ الْمِيرَاثِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَاتِلٍ حَقِيقَةً

ممکن ہے کہ لگادے اس کو اپنی دیوار میں، اور کفارہ نہیں ہے اس پر، اور نہ محروم ہوگا میراث سے؛ کیونکہ یہ قاتل نہیں ہے حقیقۃً۔

وَلَوْ أَصَابَهُ الطَّرَفَانِ جَمِيعًا وَعُلِمَ ذَلِكَ وَجَبَ نِصْفُ الدِّيَةِ وَهُدِرَ النِّصْفُ كَمَا إِذَا جَرَحَهُ سَبُعٌ وَإِنْسَانٌ،

اور اگر لگے اس کو دونوں طرف، اور معلوم ہوا یہ، تو واجب ہوگا نصف اور رائیگاں ہوگا نصف جیسے اگر زخمی کر دے اس کو درندہ اور انسان

وَلَوْ لَمْ يُعْلَمْ أَيُّ طَرَفٍ أَصَابَهُ يَضْمَنُ النِّصْفَ ؛ اعْتِبَارًا لِلْأَحْوَالِ{11} وَلَوْ أَشْرَعَ جَنَاحًا إِلَى الطَّرِيقِ

اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کونسی جانب لگی ہے اس کو تو ضامن ہوگا نصف کا؛ اعتبار کرتے ہوئے احوال کا۔ اور اگر نکالا روشن دان راستے کی طرف

ثُمَّ بَاعَ الدَّارَ فَأَصَابَ الْجَنَاحُ رَجُلًا فَقَتَلَهُ أَوْ وَضَعَ خَشَبَةً فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ بَاعَ الْخَشَبَةَ وَبَرِئَ

پھر فروخت کیا گھر، پھر روشن دان لگا کسی شخص کو، پس قتل کر دیا اس کو یا لکڑی رکھ دی راستے میں، پھر فروخت کر دی لکڑی اور شرط کر لی براءت کی

إِلَيْهِ مِنْهَا فَتَرَكَهَا الْمُشْتَرِي حَتَّى عَطِبَ بِهَا إِنْسَانٌ فَالضَّمَانُ عَلَى الْبَائِعِ

مشتری سے لکڑی کے ہر امر سے، پس چھوڑ دیا اس کو مشتری نے یہاں تک کہ ہلاک ہوا اس سے کوئی انسان، تو ضمان بائع پر ہے۔

لِأَنَّ فِعْلَهُ وَهُوَ الْوَضْعُ لَمْ يَنْفَسِخْ بِزَوَالِ مِلْكِهِ وَهُوَ الْمُوجِبُ﴿١٢﴾ وَلَوْ وَضَعَ

؛ کیونکہ اس کا فعل، اور وہ لکڑی رکھنا ہے، فسخ نہیں ہوا ہے اس کی ملکیت زائل ہونے سے، اور یہی موجب ضمان ہے۔ اور اگر رکھ دیا

فِي الطَّرِيقِ جَمْرًا فَأَحْرَقَ شَيْئًا يَضْمَنُهُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِيهِ . وَلَوْ حَرَّكَتْهُ

راستے میں انگار، پس اس نے جلادی کوئی چیز تو ضامن ہوگا اس کا؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا ہے اس میں، اور اگر حرکت دی اس کو

الرِّيحُ إلَى مَوْضِعٍ آخَرَ ثُمَّ أَحْرَقَ شَيْئًا لَا يَضْمَنُهُ ؛ لِنَسْخِ الرِّيحِ فِعْلَهُ ، وَقِيلَ

ہوا نے دوسری جگہ کی طرف، پھر اس نے جلادی کوئی چیز، تو ضامن نہ ہوگا اس کا؛ بوجہ فسخ کرنے ہوا کے اس کے فعل کو، اور کہا گیا ہے

إذَا كَانَ الْيَوْمُ رِيحًا يَضْمَنُهُ لِأَنَّهُ فَعَلَهُ مَعَ عِلْمِهِ بِعَاقِبَتِهِ وَقَدْ أَفْضَى إلَيْهَا

کہ اگر ہوا والا دن ہو تو ضامن ہوگا اس کا؛ کیونکہ اس نے ایسا کام کیا کہ اس کو علم ہے اس کے انجام کا، اور وہ پہنچ گیا انجام کو،

فَجُعِلَ كَمُبَاشَرَتِهِ .

پس قرار دیا جائے گا اس کی مباشرت کی طرح۔

تشریح:۔﴿۱﴾ اگر کسی نے بڑے اور عام راستہ کی طرف بیت الخلاء نکالا یا پرنالہ نکالا یا جرصن نکالا یا چبوترہ بنایا تو لوگوں میں سے ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس کو توڑ دے مراد یہ کہ شارع عام ہر مسلمان کا حق ہے خواہ شریف ہو یا رذیل ہو۔ جرصن اصل عربی لفظ نہیں بلکہ دخیل ہے بعض نے اس کا معنی برج سے کیا ہے اور بعض نے زینہ اور بعض نے اس کا معنی راستہ کے اوپر گذر گاہ سے کیا ہے کہ راستہ کے دونوں طرف دیوار ہوں دونوں کو ملانے کے لیے راستہ کے اوپر گذر گاہ بنائے تاکہ ادھر سے ادھر جانے میں پریشانی نہ ہو۔

﴿۲﴾ بہر حال شارع عام میں اس طرح کی تعمیر کو ہر کوئی توڑ سکتا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ شارع عام میں ہر شخص کو خود بھی آمد و رفت کا حق حاصل ہے اور اپنے جانور سواری وغیرہ کے لانے اور لے جانے کا بھی حق حاصل ہے اس لیے اس کو توڑنے کا اختیار ہر ایک کو حاصل ہوگا جیسے مشترک ملک میں اگر شرکاء کے علاوہ کوئی غیر ان کی اس ملک میں کوئی چیز ایجاد کرے تو ہر ایک شریک اس کو توڑ سکتا ہے اسی طرح حق مشترک میں بھی ہر حق دار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نئی ایجاد شدہ چیز کو توڑ دے۔

﴿۳﴾اور جس شخص نے اس طرح کی کوئی چیز شارع عام پر ایجاد کی تو اس کو اس چیز سے نفع حاصل کرنے کا اختیار ہوگا یعنی اس سے نفع حاصل کرنے سے گنہگار نہ ہوگا بشرطیکہ اس حد تک نہ پہنچے کہ گذرنے والوں کے لیے مضر ہو؛ کیونکہ بنانے والے کو خود اس راستہ میں آمدورفت کا حق حاصل ہے اور اس کی آمدورفت میں کوئی ضرر بھی نہیں ہے تو جو چیز آمدورفت کے معنی میں ہو وہ بھی آمدورفت کے انتفاع کے ساتھ لاحق کی جائے گی یعنی آمدورفت کے انتفاع کی طرح اس انتفاع کا بھی حق حاصل ہوگا؛ کیونکہ جو شخص اس سے روکنے والا ہے وہ سرکش ہے یعنی بلاوجہ جھگڑا کرتا ہے اور فقہاء کے عرف میں سرکش وہ ہے جو اپنے نفع سے منکر ہو اور مسلمان بھائی کا نفع اپنا نفع شمار ہوتا ہے تو اس سے جھگڑا کرنا تعنت ہے اور متعنت کا دعویٰ معتبر نہیں اس لیے اس کا روکنا معتبر نہ ہوگا۔

﴿۴﴾پس اگر مسلمانوں کے لیے مضر ہو تو بنانے والے کو خود اس سے نفع اٹھانا مکروہ تحریکی ہے ؛کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اسلام میں نہ ضرر ہے اور نہ ضرار ہے[1]"، ضرر یہ کہ دوسرے کو ناحق نقصان وناگواری پہنچائے اور ضرار یہ کہ باہم ایک دوسرے پر تعدی کریں یعنی ایک دوسرے کو ضرر پہنچائے اور دوسرا اول کو اس سے زیادہ ضرر پہنچائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

﴿۵﴾جو کوچہ آر پار نہ ہو اس کے رہنے والوں میں سے کسی کو اختیار نہیں کہ کوچہ کی طرف کوئی بیت الخلاء نکالے یا پرنالہ نکالے مگر یہ کہ کوچہ والے اجازت دیں تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ کوچہ اس میں رہنے والوں کی ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے کوچہ والوں کے لیے اس میں شفعہ ہر حال میں ثابت ہوتا ہے خواہ فروخت شدہ مکان کے ساتھ اتصال ہو یا نہ ہو، پس اس کوچہ میں کسی ایک کے لیے تصرف کا اختیار کسی حال میں نہیں خواہ اس کا تصرف دوسروں کے لیے مضر ہو یا نہ ہو البتہ کوچہ والوں کی اجازت سے جائز ہے۔

﴿۶﴾اور جو کوچہ آر پار ہو تو اس میں کسی ایک کو تصرف کرنے کا اختیار ہے البتہ اگر ایسا تصرف ہو جو دوسروں کے لیے مضر ہو تو پھر جائز نہیں :دلیل یہ ہے کہ ہر ایک کی اجازت حاصل کرنا متعذر ہے تو ہر کوچہ والوں میں سے ہر ایک کے حق میں ایسا قرار دیا گیا کہ گویا صرف یہی اس کا مالک ہے؛ یہ اس لیے تاکہ اس کے حق میں اس کوچہ سے نفع حاصل کرنے کا طریقہ معطل اور مسدود نہ ہو جائے؛ کیونکہ اگر سب کی اجازت شرط ہو اور وہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے تو ہر ایک معذور اور مجبور بیٹھا رہے گا۔

([1])رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ فِي سُنَنِهِ فِي الْأَحْكَامِ أَخْبَرَنَا أَبُو الْمُغَلِّسِ عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ خَالِدٍ النُّمَيْرِيُّ عن الفضل بْنِ سُلَيْمَانَ النُّمَيْرِيِّ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ إسْحَاقَ بْنِ يَحْيَى بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ عَنْ جَدِّ أَبِيهِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنْ لَا ضَرَرَ، وَلَا ضِرَارَ، انتهى. قَالَ ابْنُ عَسَاكِرَ فِي أَطْرَافِهِ: وَأَظُنُّ إسْحَاقَ لَمْ يُدْرِكْ جَدَّهُ، انتهى. وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ: رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ أَيْضًا أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا، قَالَ: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ،(نصب الراية:5ص163)

اور یہ بات ایسے کوچہ میں نہیں ہے جو آر پار نہ ہو؛ کیونکہ ایسے کوچہ والے محدود ہوتے ہیں جن کی رضامندی حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے تو یہ کوچہ حقیقۃً اور حکماً ان کے درمیان مشترک ہے، پس اس میں ہر شخص کو مستقل مالک قرار دینا ممکن نہیں ہے اس لیے ایک شخص دوسروں کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

{۷} اگر کسی نے عام راستہ میں روشن دان یا پرنالہ یا ان کی طرح کوئی اور چیز نکالی پس وہ کسی شخص پر گر گئی جس سے وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت روشن دان یا پرنالہ والے کی مددگار برادری پر واجب ہو گی؛ کیونکہ اس نے مقتول کے تلف ہونے کا سبب پیدا کیا ہے اور راستے کی فضاء کو مشغول کرنے میں وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور سبب پیدا کرنا اور تجاوز کرنا اسبابِ ضمان میں سے ہے پس قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ مباشر ضامن ہوتا ہے اور اگر مباشر نہ ہو بلکہ سبب پیدا کرنے والا ہو تو اگر تعدی بھی پائی گئی تو ضامن ہو گا اس لیے مذکورہ صورت میں مقتول کی دیت اس کی مددگار برادری پر لازم ہو گی۔

{۸} اسی طرح اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز گری جن کو ہم نے ابتداءِ باب میں ذکر کیا ہے یعنی بیت الخلاء، پرنالہ وغیرہ جس سے کوئی شخص ہلاک ہوا تو بھی اس کی مددگار برادری دیت کی ضامن ہو گی؛ کیونکہ یہ شخص جس نے بیت الخلاء یا جرصن وغیرہ بنایا تھا اس نے اس کی ہلاکت کا سبب پیدا کیا لہٰذا اس کی مددگار برادری ضامن ہو گی۔

اسی طرح اگر اس بیت الخلاء یا پرنالہ وغیرہ کے ملبہ سے کسی نے ٹھوکر کھائی یا اس کی وجہ سے کوئی جانور تلف ہوا تو بھی بنانے والا ضامن ہو گا؛ کیونکہ یہی شخص اس کے تلف ہونے کا سبب پیدا کرنے والا ہے۔ اور اگر اس ملبہ سے کوئی آدمی پھسل کر دوسرے آدمی پر گر پڑا پس دونوں مر گئے تو دونوں کا ضمان اس شخص پر ہو گا جس نے یہ چیز ایجاد کی ہے؛ کیونکہ ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا بنانے والے نے اول پھسلنے والے کو دوسرے شخص پر دھکیل دیا ہے اس لیے دونوں کا ضامن ہو گا۔

{۹} اگر کسی نے شارعِ عام پر پرنالہ بنایا تھا اور وہ کسی پر گرا تو اس میں دیکھا جائے گا کہ اگر پرنالہ کا وہ حصہ جو دیوار میں تھا کسی شخص کو لگا اور اس کو ہلاک کیا تو بنانے والے پر تاوان نہیں ہو گا؛ کیونکہ وہ اس کے بنانے میں تجاوز کرنے والا نہیں ہے اس لیے کہ اس نے اس کو اپنی ملکیت میں بنایا ہے۔ اور اگر پرنالہ کا وہ حصہ لگا جو دیوار سے باہر ہے جس سے وہ شخص مر گیا تو اس کا تاوان اسی شخص پر ہو گا جس نے پرنالہ بنایا ہے؛ کیونکہ وہ اس طرح بنانے میں تجاوز کرنے والا ہے اور اس کو کوئی مجبوری بھی نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اس کو دیوار میں مرکب کر سکتا تھا۔ اور بنانے والے پر قتل کا کفارہ بھی واجب نہ ہو گا اور وہ مقتول کی میراث سے محروم بھی نہیں ہو گا؛ کیونکہ یہ شخص حقیقۃً قاتل نہیں ہے بلکہ حکماً قاتل ہے اور حقیقۃً قاتل وہ چیز ہے جس کے لگنے سے وہ مر گیا ہے اور کفارہ حقیقۃً قتل کرنے میں واجب ہوتا ہے اس لیے یہاں کفارہ واجب نہ ہو گا اور نہ میراث سے محروم ہو گا۔

{۱۰} اور اگر مقتول کو پرنالہ کی دونوں جانب لگیں یعنی دیوار کے اندر جس قدر ہے وہ بھی لگا اور جو دیوار کے باہر ہے وہ بھی لگا اور یہ کسی دلیل سے معلوم ہوا کہ دونوں جانب لگی ہیں تو نصف دیت واجب ہوگی اور نصف دیت باطل ہوگی، جیسے اس صورت میں کہ ایک شخص کو ایک درندہ اور ایک انسان نے زخمی کیا اور وہ ان دونوں زخموں سے مر گیا تو اگر دونوں معلوم ہوں تو زخمی کرنے والے پر نصف دیت واجب ہوگی اور درندہ کی نصف دیت ساقط ہوگی۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پرنالہ کی کون سی جانب اس کو لگی ہے تو بھی پرنالہ بنانے والا سب احوال کا اعتبار کرتے ہوئے نصف دیت کا ضامن ہوگا یعنی اگر اس کو دیوار کی جانب لگی ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر باہر کی جانب لگی ہو تو کل دیّت کا ضامن ہوگا پس یوں قرار دیا جائے گا کہ دونوں جانب لگی ہیں اس لیے نصف دیت کا ضامن ہوگا۔

{۱۱} اگر ایک شخص نے شارع عام کی طرف روشن دان نکالا پھر اس نے یہ مکان فروخت کر دیا پھر مذکورہ روشن دان کسی شخص کو لگا اور اس کو قتل کیا، یا کسی نے راستے میں لکڑی ڈالی پھر اس نے یہ لکڑی فروخت کی اور مشتری سے اس کی بابت براءت کی یعنی اس کو کامل قبضہ دے دیا پھر مشتری نے اس لکڑی کو یہیں چھوڑ دیا پھر اس سے کوئی آدمی تلف ہوگا، تو دونوں صورتوں میں تاوان بائع پر واجب ہوگا؛ کیونکہ تاوان کو واجب کرنے والا بائع کا فعل تھا اور بائع کا فعل اس کی مِلک زائل ہونے سے فسخ نہیں ہوا لہٰذا تاوان بائع پر آئے گا۔

{۱۲} اگر کسی نے راستے میں انگارا رکھا پس اس نے کسی کی کوئی چیز جلا دی تو رکھنے والا ضامن ہوگا؛ کیونکہ یہ کام اسی شخص نے کیا ہے اور وہ اپنے فعل کے انجام کو بھی جانتا ہے کہ یہ انگارا کسی کا نقصان کر سکتا ہے اور اس کا یہ فعل اس نقصان تک مفضی بھی ہو گیا تو یہ افضاء اس طرح قرار دیا جائے گا کہ گویا اس شخص نے مباشرۃً یہ نقصان کیا ہے اس لیے انگارا رکھنے والا شخص ضامن ہوگا۔ بعض مشائخؒ نے کہا ہے کہ اگر یہ دن ایسا ہو جس میں زور سے ہوا چلتی ہو تو انگارا رکھنے والا اب بھی ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس شخص نے انگارا رکھنے کا انجام جاننے کے باوجود ایسا کیا، اور آخر اسی حد تک نوبت پہنچ بھی گئی کہ اس نے نقصان کر لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے جان بوجھ کر خود جلا دیا اس لیے ضامن ہوگا۔

{۱} وَلَوِ اسْتَأْجَرَ رَبُّ الدَّارِ الْعَمَلَةَ لِإِخْرَاجِ الْجَنَاحِ أَوِ الظُّلَّةِ فَوَقَعَ فَقَتَلَ إِنْسَانًا قَبْلَ أَنْ

اور اگر اجارہ پر لیا مکان کے مالک نے معماروں کو روشن دان یا سائبان نکالنے کے لیے، پس وہ گر گیا اور قتل کر دیا کسی انسان کو پہلے اس سے

يَفْرُغُوا مِنَ العَمَلِ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمْ ؛ لِأَنَّ التَّلَفَ بِفِعْلِهِمْ - وَمَا لَمْ يَفْرُغُوا

کہ فارغ ہو جائیں معمار اس عمل سے تو ضمان معماروں پر ہے؛ کیونکہ تلف ان کے فعل سے ہوا ہے، اور جب تک کہ وہ فارغ نہ ہو جائیں

لَمْ يَكُنِ الْعَمَلُ مُسَلَّمًا إِلَى رَبِّ الدَّارِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ انْقَلَبَ فِعْلُهُمْ قَتْلًا حَتَّى وَجَبَتْ عَلَيْهِمُ الْكَفَّارَةُ، وَالْقَتْلُ غَيْرُ دَاخِلٍ

وہ سپرد کرنے والے نہیں ہیں مکان کے مالک کو، اور یہ اس لیے کہ ہو گیا ان کا فعل قتل، حتی کہ واجب ہے ان پر کفارہ، اور قتل داخل نہیں ہے

فِي عَقْدِهِ فَلَمْ يَنْتَقِلْ فِعْلُهُمْ إِلَيْهِ فَاقْتَصَرَ عَلَيْهِمْ {۲} وَإِنْ سَقَطَ بَعْدَ فَرَاغِهِمْ فَالضَّمَانُ

اس کے عقد میں، پس منتقل نہ ہو گا ان کا فعل مالک کی طرف، پس مقصور ہو گا ان پر۔ اور اگر وہ گر گیا ان کے فارغ ہونے کے بعد تو ضمان

عَلَى رَبِّ الدَّارِ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّهُ صَحَّ الِاسْتِئْجَارُ حَتَّى اسْتَحَقُّوا الْأَجْرَ وَوَقَعَ فِعْلُهُمْ عِمَارَةً وَإِصْلَاحًا فَانْتَقَلَ

مالکِ مکان پر ہے استحساناً؛ کیونکہ صحیح ہے اجارہ پر لینا حتی کہ وہ مستحق ہو چکے اجرت کے، اور واقع ہو گیا ان کا فعل تعمیر اور اصلاح، پس منتقل ہوا

فِعْلُهُمْ إِلَيْهِ فَكَأَنَّهُ فَعَلَ بِنَفْسِهِ فَلِهَذَا يَضْمَنُهُ {۳} وَكَذَا إِذَا صَبَّ الْمَاءَ فِي الطَّرِيقِ فَعَطِبَ

ان کا فعل مالک کی طرف پس گویا اس نے بنفسہ یہ کام کیا، اس لیے وہ اس کا ضامن ہو گا، اور اسی طرح جب ڈال دے پانی راستے میں پس ہلاک ہوا

بِهِ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ، وَكَذَا إِذَا رَشَّ الْمَاءَ أَوْ تَوَضَّأَ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِيهِ بِإِلْحَاقِ الضَّرَرِ بِالْمَارَّةِ

اس سے کوئی انسان یا جانور، اور اسی طرح اگر چھڑک دیا پانی یا وضو کیا؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس میں گذرنے والوں کو ضرر لاحق کرنے سے

بِخِلَافِ مَا إِذَا فَعَلَ ذَلِكَ فِي سِكَّةٍ غَيْرِ نَافِذَةٍ وَهُوَ مِنْ أَهْلِهَا أَوْ قَعَدَ أَوْ وَضَعَ مَتَاعَهُ؛ لِأَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ

برخلاف اس کے اگر اس نے یہ کام کیا غیر نافذہ گلی میں اور وہ اس کے باشندوں میں سے ہو یا بیٹھ گیا یا رکھ دیا اپنا سامان؛ کیونکہ ہر ایک کو حق ہے

أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ فِيهَا لِكَوْنِهِ مِنْ ضَرُورَاتِ السُّكْنَى كَمَا فِي الدَّارِ الْمُشْتَرَكَةِ. {۴} قَالُوا: هَذَا إِذَا رَشَّ

کہ کرلے یہ کام اس میں؛ کیونکہ یہ رہائش کی ضرورتوں میں سے ہے جیسا کہ مشترکہ مکان میں، مشائخؒ نے کہا ہے کہ یہ جب چھڑک دے

مَاءً كَثِيرًا بِحَيْثُ يُزْلَقُ بِهِ عَادَةً، أَمَّا إِذَا رَشَّ مَاءً قَلِيلًا كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا يُزْلَقُ بِهِ

بہت زیادہ پانی اس طرح کہ پھسل جاتا ہو اس سے عادۃً، رہا یہ کہ اگر چھڑک دے تھوڑا پانی جیسا کہ وہ معتاد ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ نہیں پھسلتا ہے

عَادَةً لَا يَضْمَنُ {۵} وَلَوْ تَعَمَّدَ الْمُرُورَ فِي مَوْضِعِ صَبِّ الْمَاءِ فَسَقَطَ لَا يَضْمَنُ الرَّاشُّ؛ لِأَنَّهُ صَاحِبُ عِلَّةٍ

اس سے عادۃً تو ضامن نہ ہو گا۔ اور اگر جان بوجھ کر گذرا پانی گرنے کی جگہ میں، پس گر گیا، تو ضامن ہو گا چھڑکنے والا؛ کیونکہ وہ صاحبِ علت ہے

وَقِيلَ: هَذَا إِذَا رَشَّ بَعْضَ الطَّرِيقِ لِأَنَّهُ يَجِدُ مَوْضِعًا لِلْمُرُورِ وَلَا أَثَرَ لِلْمَاءِ فِيهِ،

اور کہا گیا ہے کہ یہ جب ہے کہ چھڑک دے بعض راستے پر؛ کیونکہ وہ پاتا ہے جگہ گذرنے کے لیے، اور اثر نہیں ہے پانی کا اس میں،

فَإِذَا تَعَمَّدَ الْمُرُورَ عَلَى مَوْضِعِ صَبِّ الْمَاءِ مَعَ عِلْمِهِ بِذَلِكَ لَمْ يَكُنْ عَلَى الرَّاشِّ شَيْءٌ،{٦}وَإِنْ رَشَّ

پس اگر قصداً مرور کیا پانی گرنے کی جگہ پر باوجود کہ وہ جانتا ہے اس کو تو نہ ہوگی پانی چھڑکنے والے پر کوئی چیز، اور اگر چھڑک دیا

جَمِيعَ الطَّرِيقِ يَضْمَنُ لِأَنَّهُ مُضْطَرٌّ فِي الْمُرُورِ؛وَكَذَلِكَ الْحُكْمُ فِي الْخَشَبَةِ الْمَوْضُوعَةِ فِي الطَّرِيقِ فِي أَخْذِهَا جَمِيعَهُ

پورے راستے پر تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ وہ مجبور ہے گذرنے میں، اور یہی حکم ہے راستے میں رکھی ہوئی لکڑی کے متعلق پورا راستہ گھیرنے

أَوْ بَعْضَهُ{٧} وَلَوْ رَشَّ فِنَاءَ حَانُوتٍ بِإِذْنِ صَاحِبِهِ فَضَمَانُ مَا عَطِبَ عَلَى الْآمِرِ

اور بعض گھیرنے میں، اور اگر پانی چھڑکا دیا دوکان کی فناء میں صاحبِ دوکان کی اجازت سے تو ضمان اس چیز کا جو ہلاک ہو جائے آمر پر ہے

اسْتِحْسَانًا .وَإِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا لِيَبْنِيَ لَهُ فِي فِنَاءِ حَانُوتِهِ فَتَعَقَّلَ بِهِ إِنْسَانٌ

استحساناً۔ اور اگر اجارہ پر لیا مزدور تاکہ عمارت بنائے اس کے لیے اس کی دوکان کی فناء میں پھر پھسل گیا اس سے کوئی انسان اس کے کام سے

بَعْدَ فَرَاغِهِ فَمَاتَ يَجِبُ الضَّمَانُ عَلَى الْآمِرِ اسْتِحْسَانًا،وَلَوْ كَانَ أَمَرَهُ بِالْبِنَاءِ فِي وَسَطِ الطَّرِيقِ فَالضَّمَانُ عَلَى الْأَجِيرِ؛

فارغ ہونے کے بعد، پس وہ مر گیا تو واجب ہوگا ضمان آمر پر استحساناً، اور اگر ہو اس کا امر کرنا کوئی چیز بنانے کا وسط طریق میں تو ضمان مزدور پر ہے

لِفَسَادِ الْأَمْرِ . {٨}قَالَ : وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلِفَ بِذَلِكَ إِنْسَانٌ

؛فسادِ امر کی وجہ سے۔ فرمایا: اور جو شخص کنواں کھودے مسلمانوں کے راستے میں یا رکھے کوئی پتھر، پس تلف ہوا اس سے کوئی انسان

فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ ، وَإِنْ تَلِفَتْ بِهِ بَهِيمَةٌ فَضَمَانُهَا فِي مَالِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِيهِ

تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے، اور اگر تلف ہوا کوئی جانور تو اس کا ضمان اس کے مال میں ہے؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس میں

فَيَضْمَنُ مَا يَتَوَلَّدُ مِنْهُ ، غَيْرَ أَنَّ الْعَاقِلَةَ تَتَحَمَّلُ النَّفْسَ دُونَ الْمَالِ فَكَانَ ضَمَانُ الْبَهِيمَةِ فِي مَالِهِ

پس ضامن ہوگا اس کا جو پیدا ہوتا ہے اس سے ، البتہ عاقلہ تحمل کرتا ہے نفس کا نہ کہ مال کا پس ہوگا جانور کا ضمان اس کے مال میں،

{٩}وَإِلْقَاءُ التُّرَابِ وَاتِّخَاذُ الطِّينِ فِي الطَّرِيقِ بِمَنْزِلَةِ إِلْقَاءِ الْحَجَرِ وَالْخَشَبَةِ لِمَا ذَكَرْنَا ، بِخِلَافِ مَا

اور مٹی ڈالنا اور کیچڑ ڈالنا راستے میں پتھر اور لکڑی ڈالنے کے درجے میں ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔ بر خلاف اس کے

إِذَا كَنَسَ الطَّرِيقَ فَعَطِبَ بِمَوْضِعِ كَنْسِهِ إِنْسَانٌ حَيْثُ لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَعَدٍّ

جب جھاڑو دے راستے کو، پس ہلاک ہو جائے اس کے جھاڑو دینے کی جگہ میں کوئی انسان کہ ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا نہیں ہے

فَإِنَّهُ مَا أَحْدَثَ شَيْئًا فِيهِ إِنَّمَا قَصَدَ دَفْعَ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ ، حَتَّى لَوْ جَمَعَ

اس لیے کہ اس نے کوئی چیز پیدا نہیں کی ہے اس میں، بلکہ اس نے قصد کیا ہے تکلیف وہ چیز کو دور کرنے کا راستے سے حتی کہ اگر اس نے جمع کردیا

الْكُنَاسَةَ فِي الطَّرِيقِ وَتَعَقَّلَ بِهَا إِنْسَانٌ كَانَ ضَامِنًا لِتَعَدِّيهِ بِشَغْلِهِ

کوڑا کرکٹ راستے میں اور پھسل گیا اس سے کوئی انسان تو وہ ضامن ہوگا؛ بوجہ اس کے تعدی کرنے کے راستے کو مشغول رکھنے سے۔

﴿۱۰﴾ وَلَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَنَحَّاهُ غَيْرُهُ عَنْ مَوْضِعِهِ فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ فَالضَّمَانُ عَلَى الَّذِي نَحَّاهُ

اور اگر رکھا پتھر پھر دور کردیا اس کو دوسرے نے اس جگہ سے، پس ہلاک ہوا اس سے کوئی انسان تو ضمان اس پر ہوگا جس نے اس کو دور کردیا

لِأَنَّ حُكْمَ فِعْلِهِ قَدِ انْتَسَخَ لِفَرَاغِ مَا شَغَلَهُ ، وَإِنَّمَا اشْتُغِلَ بِالْفِعْلِ الثَّانِي مَوْضِعٌ آخَرُ

کیونکہ اس کے فعل کا حکم فسخ ہوچکا؛ بوجہ فارغ ہونے اس کے جو اس نے مشغول کیا تھا، اور مشغول ہوا دوسرے کے فعل سے دوسری جگہ

﴿۱۱﴾ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ فِي الْبَالُوعَةِ يَحْفِرُهَا الرَّجُلُ فِي الطَّرِيقِ ، فَإِنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ بِذَلِكَ أَوْ أَجْبَرَهُ

اور جامع صغیر میں ہے اس گٹر کے متعلق جس کو کھود دیتا ہے آدمی راستے میں، تو اگر اس کو امر کیا ہو بادشاہ نے اس کا یا مجبور کیا تھا اس کو

عَلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ حَيْثُ فَعَلَ مَا فَعَلَ بِأَمْرِ مَنْ لَهُ الْوِلَايَةُ

اس پر تو ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں ہے اس لیے کہ اس نے جو کام کیا وہ اس کے امر سے کیا جس کو ولایت حاصل ہے

فِي حُقُوقِ الْعَامَّةِ ﴿۱۲﴾ وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَهُوَ مُتَعَدٍّ ؛ إِمَّا بِالتَّصَرُّفِ فِي حَقِّ غَيْرِهِ أَوْ بِالِافْتِيَاتِ

حقوق عامہ میں، اور اگر وہ بادشاہ کے حکم کے بغیر ہو تو وہ تعدی کرنے والا ہے، یا تو غیر کے حق میں تصرف کرنے سے یا پیش قدمی کرنے سے

عَلَى رَأْيِ الْإِمَامِ أَوْهُوَمُبَاحٌ مُقَيَّدٌبِشَرْطِ السَّلَامَةِ،وَكَذَاالْجَوَابُ عَلَى هَذَاالتَّفْصِيلِ فِي جَمِيعِ مَا فُعِلَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ

امام کے حکم پر یا وہ مباح ہے مقید ہے سلامتی کی شرط کے ساتھ، اور یہی حکم ہے اس تفصیل کے مطابق ان تمام کاموں میں جو کرلے عام راستے میں

مِمَّا ذَكَرْنَاهُ وَغَيْرِهِ لِأَنَّ الْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ ﴿۱۳﴾ وَكَذَا إِنْ حَفَرَهُ فِي مِلْكِهِ لَا يَضْمَنُ ؛ لِأَنَّهُ

جن کو ہم ذکر کرچکے اور ان کے علاوہ؛ کیونکہ سبب مختلف نہیں۔ اور اسی طرح اگر کھودا اپنی ملک میں تو ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ

غَيْرُ مُتَعَدٍّ . وَكَذَا إِذَا حَفَرَهُ فِي فِنَاءِ دَارِهِ ؛ لِأَنَّ لَهُ ذَلِكَ لِمَصْلَحَةِ دَارِهِ وَالْفِنَاءُ

تعدی کرنے والا نہیں ہے اور اسی طرح جب کھودے اپنے گھر کی فناء میں؛ کیونکہ اس کو یہ حق ہے اپنے گھر کی مصلحت کے لیے، اور فناء

فِي تَصَرُّفِهِ .وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَ الْفِنَاءُ مَمْلُوكًا لَهُ أَوْ كَانَ لَهُ حَقُّ الْحَفْرِ فِيهِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ،

اس کے تصرف میں ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ جب ہے کہ فناء مملوک ہو اس کی، یا اس کو حق ہو کھودنے کا اس میں؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں ہے

{۱۴}أَمَّاإِذَا كَانَ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ مُشْتَرَكًا بِأَنْ كَانَ فِي سِكَّةٍ غَيْرِ نَافِذَةٍ فَإِنَّهُ يَضْمَنُهُ لِأَنَّهُ مُسَبِّبٌ

رہا یہ کہ فناء مسلمانوں کی ایک جماعت کے لیے یا مشترک ہو بایں طور کہ غیر نافذ گلی میں ہو تو وہ اس کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ وہ ایسا مسبب ہے

مُتَعَدٍّ وَهَذَا صَحِيحٌ . {۱۵} وَلَوْ حَفَرَ فِي الطَّرِيقِ وَمَاتَ الْوَاقِعُ فِيهِ جُوعًا أَوْ غَمًّا

جو تعدی کرنے والا ہے، اور یہ صحیح ہے۔ اور اگر کنواں کھودا راستے میں اور مر گیا واقع ہونے والا شخص اس میں بھوک یا دم گھٹنے کی وجہ سے

لَاضَمَانَ عَلَى الْحَافِرِ عِندَأَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ مَاتَ لِمَعْنًى فِي نَفْسِهِ، وَالضَّمَانُ إِنَّمَا يَجِبُ

تو ضمان نہیں کھودنے والے پر امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ وہ مر گیا خود اس میں موجود معنی کی وجہ سے، جبکہ ضمان واجب ہوتا ہے

إِذَا مَاتَ مِنَ الْوُقُوعِ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ : إِنْ مَاتَ جُوعًا فَكَذَلِكَ ، وَإِنْ مَاتَ غَمًّا

اس وقت کہ مر جائے گرنے سے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے اگر مر گیا بھوک کی وجہ سے تو یہی حکم ہے اور اگر مر گیا دم گھٹنے کی وجہ سے

فَالْحَافِرُ ضَامِنٌ لَهُ لِأَنَّهُ لَا سَبَبَ لِلْغَمِّ سِوَى الْوُقُوعِ ، أَمَّا الْجُوعُ فَلَا يَخْتَصُّ بِالْبِئْرِ.

تو کھودنے والا ضامن ہے اس کا؛ کیونکہ کوئی سبب نہیں ہے غم کا سوائے گرنے کے، رہی بھوک تو وہ مختص نہیں ہے کنویں کے ساتھ،

وَقَالَ مُحَمَّدٌ:هُوَضَامِنٌ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا حَدَثَ بِسَبَبِ الْوُقُوعِ ، إِذْ لَوْلَاهُ لَكَانَ الطَّعَامُ قَرِيبًا مِنْهُ.

اور فرمایا امام محمدؒ نے وہ ضامن ہے تمام صورتوں میں؛ کیونکہ موت واقع ہوئی گرنے کی وجہ سے؛ اس لیے کہ اگر گرنا نہ ہوتا تو طعام تو اس کے قریب تھا۔

تشریح:۔{۱}اگر ایسا ہوا کہ مالک مکان نے شارع عام کی طرف روشن دان یا سائبان بنانے کے لیے کاریگروں کو اجارہ پر لیا کہ وہ یہ کام کر کے اس کے سپرد کریں اور وہ اپنی اجرت پالیں، پس کام پورا ہونے سے پہلے یہ روشن دان یا سائبان کسی شخص پر گرا جس سے وہ مر گیا تو اس شخص کی دیت انہیں کاریگروں پر واجب ہو گی؛ کیونکہ تلف ہونا انہیں لوگوں کے فعل سے واقع ہوا ہے اور جب تک یہ لوگ اس کام سے فارغ نہ ہوں تب تک یہ کام مالک مکان کے سپرد نہ ہو گا بلکہ خود کاریگروں کے پاس رہے گا تو گویا انہوں نے بے جا یہ چیز بنائی جس سے یہ شخص تلف ہوا اس لیے ضمان ان پر ہو گا؛ وجہ یہ ہے کہ انکا فعل معماری بدل کر قتل ہو گیا حتی کہ انہیں لوگوں پر کفارہ واجب ہو گا اور مستاجر کے عقدِ اجارہ میں قتل کرنا داخل نہیں ہے لہذا معماروں کا یہ فعل مستاجر کی جانب منتقل نہ ہو گا لہذا ان کا فعل انہیں تک مقصور رہے گا اس لیے ضمان انہیں پر واجب ہو گا اور مستاجر اس سے بری ہو گا۔

{۲}اگر روشن دان یا سائبان ان کاریگروں کے کام سے فارغ ہونے کے بعد کسی پر گرا اور وہ مر گیا تو استحساناً مقتول کی دیت مالک مکان پر واجب ہو گی؛ کیونکہ ان لوگوں کو اجارہ پر لینا صحیح واقع ہوا تھا حتی کہ یہ لوگ اجرت کے مستحق ہوئے تھے اور ان کا فعل

تعمیر اور اصلاح واقع ہو چکا تو ان کا فعل منتقل ہو کر مالک مکان کی طرف آیا تو گویا مالک مکان نے یہ کام خود کیا اور اس کا اپنا کام سلامتی کی شرط کے ساتھ مشروط ہے مگر جب سلامتی نہ رہی بلکہ اس سے کوئی شخص مر گیا تو وہ مقتول کی دیت کا ضامن ہو گا۔

{۳}اسی طرح اگر کسی شخص نے راستہ میں پانی بہایا جس سے کوئی آدمی یا جانور پھسل کر مر گیا تو یہ شخص ضامن ہو گا۔اسی طرح اگر راستے میں پانی چھڑکا دیا یا وضوء کیا جس سے کوئی آدمی یا جانور پھسل کر مر گیا تو ضامن ہو گا؛ کیونکہ وہ ایسا کرنے میں اس وجہ سے تجاوز کرنے والا ہے کہ اس نے راہ گیروں کو ضرر لاحق کیا اور تجاوز کرنے والا ضامن ہوتا ہے خواہ مباشر ہو یا متسبّب ہو۔اس کے برخلاف اگر اس نے یہ کام ایسے کوچہ میں کیا جو آرپار نہ ہو اور یہ شخص خود اسی کوچہ کا رہنے والا ہو، یا کوئی شخص کوچہ میں بیٹھا یا اپنا اسباب رکھ دیا اور اس سے کوئی انسان ہلاک ہوا تو ان صورتوں میں وہ ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ اس طرح کا کوچہ میں اس کوچہ کے رہنے والوں میں سے ہر ایک کو اس طرح کے افعال کا اختیار ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ امور کوچہ میں سکونت کی ضروریات میں سے ہیں جیسے مشترکہ مکان میں ہر ایک شریک کو اس مکان میں ان افعال کا اختیار ہوتا ہے جو سکونت کی ضروریات میں سے ہوں؛ بہر حال جب اس کو ان افعال کا اختیار حاصل ہے تو یہ شخص تجاوز کرنے والا نہیں ہے اس لیے ضامن بھی نہ ہو گا۔

{۴}اور مشائخ نے فرمایا کہ پانی چھڑکنے میں ضامن ہونے کا حکم ایسی صورت میں ہے کہ اس نے اتنا زیادہ پانی چھڑکا ہو کہ جس سے عادۃً آدمی پھسل جاتا ہو اور اگر اس نے قلیل پانی چھڑکا دیا جو معتاد سے زیادہ نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ عادۃً اتنے پانی سے کوئی نہیں پھسلتا ہے پھر اس سے پھسل کر کوئی ہلاک ہوا تو پانی چھڑکنے والا ضامن نہ ہو گا۔

{۵}اگر چلنے والا عمداً ایسی جگہ سے ہو کر چلا جہاں پانی بہایا گیا ہے پس وہ اس سے گر پڑا اور ہلاک ہوا تو پانی چھڑکنے والا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ چلنے والے نے خود گرنے کی علت پیدا کی لہذا ہلاکت خود اسی کی طرف منسوب ہو گی نہ کہ متسبّب کی طرف؛ اس لیے متسبّب ضامن نہ ہو گا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ عدم ضمان کا حکم اس وقت ہے کہ اس نے راستہ کے ایک حصہ میں پانی چھڑکا ہو؛ کیونکہ ایسی صورت میں چلنے والے کو گذرنے کے لیے ایسی جگہ ملے گی جہاں پانی کا اثر نہیں ہے پس وہ جب جان بوجھ کر عمداً ایسی جگہ سے ہو کر چلا جہاں پانی بہایا گیا ہے تو پانی بہانے والے پر کچھ واجب نہ ہو گا۔

{۶}اور اگر اس نے پورے راستہ میں پانی چھڑکا ہو پھر اس سے پھسل کر کوئی ہلاک ہوا تو پانی چھڑکنے والا ضامن ہو گا؛ کیونکہ چلنے والا مجبور ہو کر پانی میں چلے گا اس لیے تلف کی نسبت چلنے والے کی طرف نہ ہو گی بلکہ پانی چھڑکنے والے کی طرف ہو گی اس لیے پانی چھڑکنے والا ضامن ہو گا۔اسی طرح راستہ میں لکڑی ڈال دینے کی صورت میں بھی اسی تفصیل سے حکم ہو گا کہ اگر لکڑی نے پورا راستہ

گھیر لیا ہو تو لکڑی ڈالنے والا ضامن ہو گا اور اگر لکڑی نے تھوڑا راستہ گھیر لیا ہو باقی راستہ گذرنے والے کے لیے فارغ ہو تو لکڑی ڈالنے والا ضامن نہ ہو گا۔

{۷} اگر ستہ نے دوکان کے مالک کے حکم سے اس کی دوکان کے آگے چھڑکاؤ کر دیا تو جو چیز اس سے تلف ہوا استحساناً اس کا تاوان دوکان کے مالک کے ذمہ ہو گا۔ اگر کسی نے اپنی دوکان کے سامنے عمارت بنانے کے لیے کوئی مزدور رکھا پھر اس کے بنانے سے فارغ ہونے کے بعد کوئی آدمی اس سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو استحساناً اس کا تاوان مالکِ دوکان پر واجب ہو گا، اور اگر مالکِ دوکان نے اس کو راستہ کے درمیان میں عمارت بنانے کا حکم دیا ہو جس سے کوئی ہلاک ہوا تو اس کا تاوان معمار پر واجب ہو گا؛ کیونکہ مالکِ دوکان کا یہ حکم فاسد تھا اور جب آمر کا امر فاسد ہوا تو ماموز کا فعل آمر کی طرف منتقل نہ ہو گا اس لیے ضمان آمر پر نہ ہو گا بلکہ مامور پر ہو گا۔

{۸} اگر کسی نے مسلمانوں کے راستے میں کنواں کھودا، یا کوئی پتھر ڈال دیا جس سے کوئی آدمی تلف ہو گیا تو اس کی دیت اس فاعل کی مددگار برادری پر واجب ہو گی، اور اگر اس کی وجہ سے کوئی جانور تلف ہو گیا تو اس کا تاوان اس فاعل کے مال میں واجب ہو گا؛ کیونکہ فاعل مذکور اپنے اس فعل میں تجاوز کرنے والا ہے تو جو بات اس کے اس فعل سے پیدا ہو وہ اس کا ضامن ہو گا یعنی انسان کی جان اور جانور کی جان ضائع ہونے کا ضامن ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ مددگار برادری نفس کی دیت کی ضامن ہوتی ہے اور مال کی ضامن نہیں ہوتی اس لیے جانور کا تاوان خود اس کے مال میں واجب ہو گا۔

{۹} اگر کسی نے راستہ میں مٹی یا کیچڑ ڈال دی تو اس کا حکم وہی ہے جو پتھر یا لکڑی ڈالنے کا ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ اس فعل میں وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے اس لیے دیت لازم ہو گی۔ اس کے برخلاف اگر کسی شخص نے راستہ میں جھاڑو لگایا پس اس کے صاف کیے ہوئے مقام پر کوئی شخص پھسل کر مر گیا تو وہ ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ اس نے کوئی تجاوز نہیں کیا؛ کیونکہ اس نے راستہ میں کوئی چیز ایجاد نہیں کی بلکہ راستہ سے صرف کوڑا کرکٹ ہٹا دینے کا قصد کیا تھا اور یہ تو اچھی خصلت ہے اس لیے اس پر مواخذہ نہیں، ہاں اگر اس نے راستہ میں کوڑا جمع کر دیا ہو جس سے الجھ کر کوئی آدمی مر گیا تو اس صورت میں یہ شخص ضامن ہو گا؛ کیونکہ اس نے راستہ کو کوڑا کے ساتھ مشغول کر کے حد سے تجاوز کر دیا اور تجاوز کرنے والا ضامن ہوتا ہے۔

{۱۰} اگر ایک شخص نے ناجائز طور پر راستہ میں پتھر رکھا پھر دوسرے شخص نے اس کو دوسری جانب ہٹا دیا پھر کوئی شخص اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو اس کی دیت کا ضامن وہ شخص ہے جس نے پتھر کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھا ہے؛ کیونکہ اول

کے فعل کا حکم تو دوسرے شخص کے ہٹانے سے منسوخ ہو گیا تھا؛ کیونکہ وہ جگہ فارغ ہو گئی جس کو اس نے مشغول کیا تھا پس دوسری جگہ کو مشغول رکھنا اس دوسرے شخص کا فعل ہے اس لیے یہی شخص ضامن ہو گا۔

{۱۱}اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے راستہ میں بالوعہ (مکان کے بیچ میں وضو اور بارش کا پانی جمع ہونے کے لیے جو گڑھا کھودے اس کو بالوعہ کہتے ہیں) کھودا پس اس میں کوئی شخص تلف ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر حاکم نے اس کو بالوعہ کھودنے کا حکم دیا اور اسے بالوعہ کھودنے کے لیے مجبور کیا ہو تو وہ ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ جو کچھ اس نے کیا وہ اسی حاکم کے حکم سے کیا جس کو عام لوگوں کے حقوق میں ولایت عامہ حاصل ہے اور مامور کا فعل سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ شخص ضامن نہ ہو گا۔

{۱۲}اور اگر اس نے حاکم کے حکم کے بغیر یہ کام کیا تو وہ تجاوز کرنے والا ہے اس لیے ضامن ہو گا، اور یہ شخص تجاوز کرنے والا یا تو اس وجہ سے ہے کہ اس نے غیر کے حق میں تصرف کیا؛ کیونکہ راستہ سب کے درمیان مشترک ہوتا ہے، یا اس وجہ سے کہ اس نے حاکم کے حکم اور اس کی رائے سے سبقت اختیار کی ہے اس لیے اس کا یہ کام قابل مواخذہ ہے، اور یا اس وجہ سے کہ اس طرح کے مباح فعل کی اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی شخص کی سلامتی میں خلل واقع نہ ہو اور یہاں یہ شرط نہیں پائی گئی اس لیے یہ شخص ضامن ہو گا۔ اسی طرح جو بھی عام راستہ میں کوئی کام کرلے خواہ وہ کام ہوں جو ہم نے ذکر کیے یا ان کے علاوہ ہوں سب کا حکم اسی تفصیل کے مطابق ہے یعنی حاکم کی اجازت کی صورت میں ضمان نہیں اور اجازت کے بغیر ضمان واجب ہو گا؛ کیونکہ وجوب ضمان وعدم ضمان کی جو علت ہے وہ ایسے تمام افعال میں یکساں ہے کوئی تفاوت نہیں ہے لہذا سب کا حکم بھی یکساں ہو گا۔

{۱۳}اسی طرح اگر کسی نے اپنی ملک میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو بھی کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ اس نے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے مکان کی فناء میں کنواں کھودا ہو تو بھی وہ تجاوز کرنے والا نہیں ہے؛ کیونکہ اپنے مکان کی ضرورت کے لیے کنواں کھودنے کا اس کو اختیار حاصل ہے اور اپنے مکان کی فناء خود مکان کے مالک کے تصرف میں ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ مذکورہ فناء اس کی ملک ہو یا اس کو اس فناء میں کنواں کھودنے کا حق حاصل ہو مثلاً حاکم نے اس کو اجازت دی ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی اس میں ہلاک ہو گا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ اس نے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے۔

﴿۱۴﴾اور اگر یہ فناء عام مسلمانوں کی ملکیت ہو یا مشترک ہو مثلاً ایسے کوچہ میں واقع ہو جو آر پار نہ ہو کہ یہ سب اہل کوچہ کی ملکیت ہے تو اگر اس میں کسی نے کنواں کھودا اور کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہوا تو کنواں کھودنے والا ضامن ہو گا؛کیونکہ تلف ہونے کا سبب پیدا کرنے والا یہی شخص ہے پس ایسا کرنے میں یہ شخص حد سے تجاوز کرنے والا ہے اس لیے ضامن ہو گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے۔فناء سے مراد وہ میدان ہے جو مکان کے آگے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ کسی ضرورت کے وقت وہاں لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہو، اسی طرح فناء شہر وہ میدان ہے جو شہر کی ضروریات کے لیے اس کے آگے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

﴿۱۵﴾اگر کسی نے راستے میں کنواں کھودا پس جو شخص اس میں گرا وہ بھوک یا دم گھٹنے کی وجہ سے مر گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہو گا؛کیونکہ وہ اپنے سبب (بھوک) سے مر گیا جو خود اس کی ذات میں پیدا ہوا ہے جبکہ تاوان کنویں والے پر اس وقت واجب ہوتا ہے کہ وہ کنویں میں گر جانے کی وجہ سے مرے۔اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر بھوک سے مرا تو یہی حکم ہے کہ کنویں والا ضامن نہ ہو گا، اور اگر دم گھٹنے سے مر گیا تو کنواں کھودنے والا اس کا ضامن ہو گا؛کیونکہ کنویں میں گرنے کے علاوہ دم گھٹنے کا کوئی اور سبب نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں کنواں کھودنے والا ضامن ہو گا، باقی رہی بھوک تو اس کو کنویں کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں ہے کنویں کے باہر بھی بھوک سے مر جاتا ہے اس لیے اس صورت میں کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہو گا۔اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بھوک، اور دم گھٹنے دونوں صورتوں میں کنواں کھودنے والا ضامن ہو گا؛کیونکہ جو کچھ پیش آیا وہ اسی سبب سے ہے کہ وہ کنویں میں گرا ہے؛کیونکہ اگر یہ کنویں میں نہ گرتا تو طعام اس کے قریب تھا جس سے وہ موت کا یہ سبب دور کر سکتا تھا۔

فتویٰ:۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدر المنتقیٰ:(ولو مات الواقع فی البئر جوعاً)او عطشاً (اوغماً) ولو بسبب انبعاث العفونة (فلاضمان علی حافرہ وان) کان (بلا اذن) الامام ؛لان موته انما یضاف للحفر، لو لم یعرض عارض آخر، وھذا عندہ (وعند محمد علیه الضمان) فی الکل (وکذا) یضمن (عندابی یوسف فی الغم لافی الجوع)والفتوی علی قول الامام کما فی القھستانی عن الخلاصة (الدرّ المنتقیٰ تحت مجمع الانھر:4ص363)

﴿۱﴾قَالَ : وَإِنِ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ فَحَفَرُوهَا لَهُ فِي غَيْرِ فِنَائِهِ فَذَلِكَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ وَلَا شَيْءَ

فرمایا:اور اگر کسی نے اجارہ پر رکھا مزدوروں کو اور انہوں نے کنواں کھودا اس کے لیے اس کی فناء کے علاوہ میں، تو اس کا ضمان مستاجر پر ہو گا اور کچھ نہیں ہو گا

عَلَى الْأَجَرَاءِ إنْ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهَا فِي غَيْرِ فِنَائِهِ ؛ لِأَنَّ الْإِجَارَةَ صَحَّتْ ظَاهِرًا إذَا لَمْ يَعْلَمُوا

مزدوروں پر اگر وہ نہ جانتے ہوں کہ یہ اس کی فناء کے علاوہ میں ہے؛کیونکہ اجارہ صحیح ہوا ہے ظاہری اعتبار سے جب وہ نہ جانتے ہوں،

فَنُقِلَ فِعْلُهُمْ إلَيْهِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا مَغْرُورِينَ ، فَصَارَ كَمَا إذَا أَمَرَ آخَرَ بِذَبْحِ هَذِهِ الشَّاةِ

پس منتقل ہو جائے گا ان کا فعل مستاجر کی طرف؛ کیونکہ وہ دھوکہ شدہ ہیں، پس ہو گیا جیسے کوئی امر کرے دوسرے کو اس بکری کو ذبح کرنے کا

فَذَبَحَهَا ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّ الشَّاةَ لِغَيْرِهِ ،{۲}إلَّا أَنَّ هُنَاكَ يَضْمَنُ الْمَأْمُورُ وَيَرْجِعُ عَلَى الْآمِرِ لِأَنَّ الذَّابِحَ

پس اس نے ذبح کرلی بکری پھر ظاہر ہوا کہ وہ تو غیر کی بکری ہے، مگر وہاں ضامن ہو گا مامور اور وہ رجوع کرے گا آمر پر؛ کیونکہ ذابح

مُبَاشِرٌ وَالْآمِرُ مُسَبِّبٌ وَالتَّرْجِيحُ لِلْمُبَاشَرَةِ فَيَضْمَنُ وَيَرْجِعُ لِلْغُرُورِ ، وَهُنَا يَجِبُ

مباشر ہے اور آمر مسبب ہے، اور ترجیح مباشر کو ہوتی ہے پس وہ ضامن ہو گا اور رجوع کرے گا دھوکہ کی وجہ سے، اور یہاں واجب ہو گا

الضَّمَانُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ ابْتِدَاءً لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُسَبِّبٌ وَالْأَجِيرُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ وَالْمُسْتَأْجِرُ مُتَعَدٍّ فَيُرَجَّحُ

ضمان مستاجر پر ابتداء؛ کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں مُسبب ہے، اور مزدور تعدی کرنے والا نہیں ہے، اور مستاجر تعدی کرنے والا ہے پس ترجیح دی جائے گی

جَانِبُهُ{۳} وَإِنْ عَلِمُوا ذَلِكَ فَالضَّمَانُ عَلَى الْأُجَرَاءِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ أَمْرُهُ بِمَا لَيْسَ بِمَمْلُوكٍ لَهُ

اس کی جانب، اور اگر مزدوروں کو معلوم ہو یہ تو ضمان مزدوروں پر ہو گا؛ کیونکہ صحیح نہیں ہے اس کا امر کرنا ایسی چیز کا جو اس کی مملوک نہیں ہے

وَلَا غُرُورَ فَبَقِيَ الْفِعْلُ مُضَافًا إلَيْهِمْ{۴} وَإِنْ قَالَ لَهُمْ : هَذَا فِنَائِي وَلَيْسَ لِي

اور دھوکہ بھی نہیں ہے، پس باقی رہا فعل منسوب ان کی طرف۔ اور اگر کہا مزدوروں سے یہ میری فناء ہے، اور نہیں ہے میرے لیے

فِيهِ حَقُّ الْحَفْرِ فَحَفَرُوا وَمَاتَ فِيهِ إنْسَانٌ فَالضَّمَانُ عَلَى الْأُجَرَاءِ قِيَاسًا ؛ لِأَنَّهُمْ

اس میں کنواں کھودنے کا حق، پس انہوں نے کنواں کھودا، پھر مر گیا اس میں کوئی انسان، تو ضمان مزدوروں پر ہے قیاساً؛ کیونکہ وہ

عَلِمُوا بِفَسَادِ الْأَمْرِ فَمَا غَرَّهُمْ - وَفِي الِاسْتِحْسَانِ الضَّمَانُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ؛ لِأَنَّ كَوْنَهُ فِنَاءً لَهُ

جان گئے فسادِ امر کو، پس اس نے ان کو دھوکہ نہیں دیا ہے اور استحسان میں ضمان مستاجر پر ہے؛ کیونکہ اس کا فناء ہونا اس کے لیے

بِمَنْزِلَةِ كَوْنِهِ مَمْلُوكًا لَهُ لِانْطِلَاقِ يَدِهِ فِي التَّصَرُّفِ فِيهِ مِنَ الْقَاءِ الطِّينِ وَالْحَطَبِ

بمنزلۂ مملوک ہونا ہے اس کے لیے؛ اس کے قبضہ کے جاری ہونے کی وجہ سے اس میں تصرف کرنے میں یعنی مٹی اور لکڑی ڈالنا

وَرَبْطِ الدَّابَّةِ وَالرُّكُوبِ وَبِنَاءِ الدُّكَّانِ فَكَانَ الْأَمْرُ بِالْحَفْرِ فِي مِلْكِهِ ظَاهِرًا بِالنَّظَرِ إلَى مَا ذَكَرْنَا

اور جانور باندھنا اور سوار ہونا، اور چبوترا بنانا، پس امر کھودنے کا اس کی مِلک میں ہے ظاہراً؛ ہماری ذکر کردہ چیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے،

فَكَفَى ذَلِكَ لِنَقْلِ الْفِعْلِ إلَيْهِ . {۵}قَالَ : وَمَنْ جَعَلَ قَنْطَرَةً بِغَيْرِ إذْنِ الْإِمَامِ فَتَعَمَّدَ رَجُلٌ الْمُرُورَ

پس کافی ہے یہ نقل فعل کے لیے اس کی طرف۔ فرمایا: اور جس نے پُل بنایا امام کی اجازت کے بغیر، پس قصد کیا کسی شخص نے گذرنے کا

عَلَيْهَافَعَطِبَ فلاضَمَانَ عَلَى الَّذِي عَمِلَ القَنطَرَةَ،وَكَذٰلِكَ إِذَاوَضَعَ خَشَبَةًفِي الطَّرِيقِ فَتَعَمَّدَرَجُل الْمُرُورَعَلَيْهَا؛

اس پر، اور وہ ہلاک ہو گیا، تو ضمان نہیں اس پر جس نے پُل بنایا، اور اسی طرح اگر رکھی لکڑی راستے، پس کسی نے قصد کیا اس پر گذرنے کا

لِأَنَّ الْأَوَّلَ تَعَدٍّ هُوَ تَسْبِيبٌ ، وَالثَّانِي تَعَدٍّ هُوَ مُبَاشَرَةٌ فَكَانَتِ الْإِضَافَةُ إِلَى الْمُبَاشِرِ أَوْلَى ،﴿٦﴾وَلِأَنَّ تَخَلُّلَ

؛کیونکہ اول ایسی تعدی ہے جو تسبیب ہے اور ثانی ایسی تعدی ہے جو مباشرت ہے، پس نسبت مباشر کی طرف اولیٰ ہے، اور اس لیے کہ

فِعْلِ فَاعِلٍ مُخْتَارٍ يَقْطَعُ النِّسْبَةَ كَمَا فِي الْحَافِرِ مَعَ الْمُلْقِي .﴿٧﴾قَالَ : وَمَنْ حَمَلَ شَيْئًا

درمیان میں آنا فاعل مختار کا فعل قطع کر دیتا ہے نسبت کو جیسے کھودنے والے کے ساتھ گرانے والا۔ فرمایا: اور جس نے کوئی چیز اٹھائی

فِي الطَّرِيقِ فَسَقَطَ عَلَى إِنْسَانٍ فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ فَهُوَ ضَامِنٌ ، وَكَذَا إِذَا سَقَطَ فَتَعَثَّرَ بِهِ إِنْسَانٌ

راستے میں اور وہ گر گئی کسی انسان پر، پس ہلاک ہوا اس سے انسان، تو وہ ضامن ہو گا، اور اسی طرح اگر وہ چیز گر گئی اور پھسل گیا اس سے کوئی انسان

وَإِنْ كَانَ رِدَاءً قَدْ لَبِسَهُ فَسَقَطَ عَنْهُ فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ ، وَهَذَا اللَّفْظُ يَشْمَلُ الْوَجْهَيْنِ،

اور اگر چادر تھی کسی نے اوڑھ لیا تھا اس کو اور وہ گر گئی، پس ہلاک ہوا اس سے کوئی انسان تو ضامن نہ ہو گا، اور یہ لفظ شامل ہے دونوں صورتوں کو

﴿٨﴾وَالْفَرْقُ أَنَّ حَامِلَ الشَّيْءِ قَاصِدٌ حِفْظَهُ فَلَا حَرَجَ فِي التَّقْيِيدِ بِوَصْفِ السَّلَامَةِ،

اور فرق یہ ہے کہ شئی کو اٹھانے والا اس کی حفاظت کا قصد کرنے والا ہے، پس کوئی حرج نہیں وصفِ سلامتی کے ساتھ مقید کرنے میں،

وَاللَّابِسُ لَا يَقْصِدُ حِفْظَ مَا يَلْبَسُهُ فَيَتَحَرَّجُ بِالتَّقْيِيدِ بِمَا ذَكَرْنَا

اور پہننے والا قصد نہیں کرتا ہے اس کی حفاظت کا جس کو اس نے پہنا ہے پس حرج ہو گا مقید کرنے میں اس کے ساتھ جو ہم ذکر کر چکے،

فَجَعَلْنَاهُ مُبَاحًا مُطْلَقًا .﴿٩﴾وَعَنْ مُحَمَّدٍأَنَّهُ إِذَالَبِسَ مَالَايَلْبَسُهُ عَادَةًفَهُوَ كَالْحَامِلِ لِأَنَّ الْحَاجَةَلَاتَدْعُو إِلَى لُبْسِهِ

پس ہم نے قرار دیا اس کو مباح مطلقاً، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اس نے اگر پہنی ایسی چیز جو نہ پہنی جاتی ہو عادۃً تو وہ اٹھانے والے کی طرح

ہے کیونکہ حاجت داعی نہیں ہے اس کو پہننے کی۔

تشریح:۔﴿١﴾ایک شخص نے اجارہ پر چند مزدور مقرر کیے جنہوں نے اس کی فناء کے علاوہ دوسری جگہ میں اس کے لیے کنواں کھودا پھر اس میں کوئی ہلاک ہو گیا تو اس کا تاوان مستاجر کے ذمہ ہو گا اور مزدوروں پر کچھ واجب نہ ہو گا بشرطیکہ ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کنواں اس کی فناء کے علاوہ میں کھودا جا رہا ہے؛ کیونکہ جب مزدوروں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ کنواں مستاجر کی فناء کے علاوہ میں ہے تو اجارہ بظاہر صحیح ہے اس لیے مزدوروں کا یہ فعل (کنواں کھودنے کا فعل) مستاجر کی طرف منتقل ہو گا اس لیے اس کا تاوان

مستاجر کے ذمہ ہو گا، اور مزدوروں کے ذمہ اس لیے نہ ہو گا کہ مستاجر نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا ہے کہ ان کو اپنی فناء کے علاوہ میں لگا دیا ہے تو یہ معاملہ ایسا ہو گیا جیسے ایک شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ یہ بکری ذبح کر دو پس اس نے ذبح کر دی پھر ظاہر ہوا کہ یہ بکری آمر کے علاوہ کسی اور شخص کی ملک ہے اس صورت میں ضمان آمر پر ہو گا؛ کیونکہ آمر نے اس کو دھوکہ دیا ہے اسی طرح یہاں بھی مزدوروں کو دھوکا کھانے والے قرار دیا جائے گا۔

{۲} البتہ دونوں مسئلوں میں اس قدر فرق ہے کہ ذبح کے مسئلہ میں مامور ضامن ہو گا پھر وہ آمر سے تاوان واپس لے گا؛ کیونکہ مامور اپنے فعل سے ذبح کا مرتکب ہوا ہے اور آمر صرف سبب پیدا کرنے والا ہے اور مرتکب کو سبب پیدا کرنے والے پر ترجیح ہوتی ہے اس لیے مامور ضامن ہو گا البتہ آمر کے دھوکہ دینے کی وجہ سے مامور آمر سے رجوع کرے گا اور کنویں کے مسئلہ میں ابتداء مستاجر پر ضمان واجب ہوتا ہے؛ کیونکہ یہاں مستاجر اور مزدور میں سے ہر ایک سبب پیدا کرنے والا ہے مباشر کوئی نہیں ہے، اور سبب پیدا کرنے میں مزدور نے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے جبکہ مستاجر نے حد سے تجاوز کیا ہے اس لیے مستاجر کی جانب کو ترجیح حاصل ہوئی اس لیے ضمان ابتداء مستاجر پر واجب ہو گا۔

{۳} اور اگر مزدوروں کو یہ بات معلوم ہو کہ یہ فناء مستاجر کی ملک نہیں ہے تو اس صورت میں تاوان مزدوروں ہی پر واجب ہو گا؛ کیونکہ مستاجر کا ایسے کام کا حکم دینا صحیح نہیں تھا جو اس کی ملکیت نہیں ہے لہذا مزدوروں کا فعل مستاجر کی طرف منتقل نہ ہو گا، اور مستاجر نے ان کو دھوکا بھی نہیں دیا ہے؛ کیونکہ مزدور خود جانتے تھے کہ یہ جگہ اس کی مملوک نہیں ہے تو مزدوروں کا فعل خود انہیں کی جانب مضاف رہا اس لیے ضمان مزدوروں ہی پر واجب ہو گا۔

{۴} اگر مستاجر نے مزدوروں سے یہ کہا ہو کہ یہ فناء میری ملک ہے لیکن مجھے اس میں کنواں کھودنے کا حق حاصل نہیں ہے پس مزدوروں نے اس کے لیے کنواں کھودا پھر کوئی آدمی اس میں گر کر مر گیا تو قیاساً اس کا تاوان مزدوروں پر واجب ہو گا؛ کیونکہ مزدور جانتے تھے کہ مستاجر کا حکم فاسد ہے لہذا مستاجر نے ان کو دھوکہ نہیں دیا اس لیے تاوان مزدوروں پر واجب ہو گا۔ لیکن استحساناً مقتول کا تاوان مستاجر کے ذمہ واجب ہو گا؛ کیونکہ یہ جگہ اس کے مکان کے لیے فناء ہونا ایسا ہے جیسا کہ یہ جگہ اس کی ملک ہو؛ کیونکہ اس جگہ میں اس کے لیے تصرف کی قدرت حاصل ہے یعنی وہ ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے مثلاً مٹی اور لکڑیاں ڈال سکتا ہے اور اپنا جانور باندھ سکتا ہے، اور وہاں سوار ہو کر آ جا سکتا ہے اور وہاں چبوترہ بنا سکتا ہے پس ان تصرفات کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ اس نے کنواں اپنی ملک میں کھودنے کا حکم کیا ہے لہذا مزدوروں کا فعل مستاجر کی جانب منتقل ہونے کے لیے اس قدر کافی ہے اس لیے ضمان مستاجر پر ہو گا نہ کہ مزدوروں پر۔

{۵}اگر کسی نے سلطان کی اجازت کے بغیر پانی پر پل بنایا پھر کوئی شخص عمداً اس پل پر چلا اور اس سے گر کر ہلاک ہو گیا تو جس شخص نے پل بنایا ہے اس پر تاوان واجب نہ ہو گا۔اسی طرح اگر ایک شخص نے راستہ میں لکڑی ڈال دی پس راستہ خالی ہونے کے باوجود ایک شخص عمداً اس لکڑی پر چلا اور گر کر ہلاک ہو گیا تو بھی لکڑی ڈالنے والا ضامن نہ ہو گا؛کیونکہ اول شخص (پل بنانے والے لکڑی ڈالنے والے) نے اگرچہ تعدی کی ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر یہ کام کیا لیکن وہ ہلاکت کے لیے فقط سبب پیدا کرنے والا ہے مباشر نہیں ہے، اور دوسرا شخص (پل اور لکڑی پر گذرنے والا) تجاوز کرنے والا ہے؛کیونکہ گذرنے کے لیے دوسری جگہ موجود ہونے کے باوجود وہ پل اور لکڑی پر گذر رہا ہے تو یہ اس کی طرف سے تجاوز ہے اور مباشر بھی ہے یعنی ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس سے تلف ہو گیا تو ہلاکت کی نسبت مباشر کی طرف اولیٰ ہے اس لیے اول شخص ضامن نہ ہو گا۔

{٦}دوسری دلیل یہ ہے کہ سبب پیدا کرنے والے اور مسبب کے درمیان کسی فاعل مختار کا فعل حائل ہونا سبب پیدا کرنے والے کی جانب نسبت کو قطع کر دیتا ہے جیسے کسی نے کنواں کھودا اور دوسرے شخص نے ایک آدمی کو اس میں دھکیل دیا تو یہاں مقتول کے بارے میں ایک تو وہ شخص سبب ہے جس نے کنواں کھودا تھا دوسرا وہ جس نے اس کو دھکیل دیا ہے تو چونکہ دوسرے کا فعل اول کے فعل اور مقتول کے درمیان حائل ہے اور دوسرا فاعل مختار ہے یعنی اس نے اپنے اختیار سے یہ کام کیا ہے اور یہ اول کی طرف ہلاکت کی نسبت کو قطع کر دیتا ہے اس لیے دھکیلنے والا ضامن ہو گا اور کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہو گا، پس اسی طرح مذکورہ بالا مسئلہ میں پل بنانے والے یا لکڑی ڈالنے والے کے سبب کا اعتبار نہ ہو گا بلکہ عمداً چلنے والے نے خود اپنے آپ کو قتل کیا لہٰذا اسی کے فعل کا اعتبار ہو گا۔

{۷}اگر کوئی راستہ میں کوئی چیز وزنی چیز لاد کر چلے اور وہ کسی شخص پر گر جائے جس سے وہ ہلاک ہو جائے تو لادنے والا ضامن ہو گا؛کیونکہ راستہ میں اپنا سامان لاد کر چلنا مباح ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سلامتی رہے یعنی کسی کی جان یا مال تلف نہ ہو ورنہ مباح نہیں اس لیے ضامن ہو گا۔اسی طرح اگر یہ بوجھ اس سے گر گیا اور اس سے ٹھوکر کھا کر کوئی شخص ہلاک ہوا تو بھی یہ شخص ضامن ہو گا۔اور اگر ایک شخص راستہ میں چادر اوڑھے جا رہا تھا پس وہ چادر گری جس سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو چادر والا ضامن نہ ہو گا۔صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ (فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ فَهُوَ ضَامِنٌ) دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی خواہ اٹھائی ہوئی چیز کسی پر گرے اور وہ ہلاک ہو جائے یا اس سے کوئی الجھ کر ہلاک ہو جائے دونوں صورتوں میں سامان اٹھانے والا ضامن ہو گا۔

{۸}پس بوجھ لادنے اور چادر اوڑھنے کے حکم میں فرق ہوا اور وجہ فرق یہ ہے کہ جو شخص بوجھ لادتا ہے وہ اس کی حفاظت کا قصد رکھتا ہے پس اگر اس کے ساتھ یہ قید لگائی جائے کہ لادنا سلامتی کی شرط کے ساتھ مشروط ہے تو کوئی حرج نہ ہوگا لہذا اگر اس سے کوئی ہلاک ہوا تو اباحت کی شرط فوت ہوگئی اس لیے لادنے والا ضامن ہوگا، اور کپڑا پہننے والا اپنے ملبوس کپڑے کی حفاظت کا قصد نہیں رکھتا ہے تو اس کے ساتھ سلامتی کی شرط لگانے میں تنگی اور حرج ہے اس لیے ہم نے پہن کر چلنے کو مطلقاً مباح قرار دیا پس اگر اس سے کوئی ہلاک ہو جائے تو پہننے والا ضامن نہ ہوگا۔

{۹}اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر اس نے ایسا کپڑا پہنا جو پہنا نہیں جاتا ہے مثلاً فرش یا قالین اوڑھ کر چلا تو یہ شخص اس کو لادنے والے کے درجے میں ہوگا یعنی اس کے ساتھ بھی سلامتی کی قید ہوگی؛ کیونکہ ایسا کپڑا پہننے کی کوئی حاجت نہیں ہے لہذا اگر یہ گرا اور کوئی شخص اس سے ہلاک ہوا تو اوڑھنے والا ضامن ہوگا۔

{۱}قَالَ: وَإِذَا كَانَ الْمَسْجِدُ لِلْعَشِيرَةِ فَعَلَّقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فِيهِ قِنْدِيلًا أَوْ جَعَلَ

فرمایا: اور جب ہو مسجد کسی قوم کے لیے، پس لٹکائی ایک شخص نے ان میں سے قندیل، یا ڈال دیئے

فِيهِ بَوَارِيَ أَوْ حَصَاةً فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ لَمْ يَضْمَنْ ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي فَعَلَ ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ الْعَشِيرَةِ ضَمِنَ

اس میں بوریے یا کنکری اور ہلاک ہوا اس سے کوئی شخص، تو ضامن نہ ہوگا، اور اگر ہو وہ جس نے یہ کام کیا قوم کا غیر، تو ضامن ہوگا،

قَالُوا : هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يَضْمَنُ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا ، لِأَنَّ هَذِهِ مِنَ الْقُرَبِ

مشائخ نے کہا ہے یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا ضامن نہ ہوگا دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ یہ قربت میں سے ہے

وَكُلُّ أَحَدٍ مَأْذُونٌ فِي إِقَامَتِهَا فَلَا يَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ ، كَمَا إِذَا فَعَلَهُ بِإِذْنِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَسْجِدِ

اور ہر ایک ماذون ہے قربت قائم کرنے کا پس مقید نہ ہوگی سلامتی کی شرط کے ساتھ جیسا کہ اگر یہ کام کیا ہو اہل مسجد میں سے کسی ایک کی اجازت سے

{۲}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ التَّدْبِيرَ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَسْجِدِ لِأَهْلِهِ دُونَ غَيْرِهِمْ كَنَصْبِ الْإِمَامِ

اور امام صاحبؒ کی دلیل فرق ہے کہ وہ انتظام جو متعلق ہو مسجد کے ساتھ اہل مسجد کا کام ہے نہ کہ ان کے علاوہ کا جیسے امام مقرر کرنا،

وَاخْتِيَارِ الْمُتَوَلِّي وَفَتْحِ بَابِهِ وَإِغْلَاقِهِ وَتَكْرَارِ الْجَمَاعَةِ إِذَا سَبَقَهُمْ بِهَا غَيْرُ أَهْلِهِ فَكَانَ فِعْلُهُمْ

اور متولی منتخب کرنا، اور اس کا دروازہ کھولنا اور بند کرنا، اور تکرار جماعت جب سبقت کرے اس کے ساتھ اہل مسجد کے علاوہ، تو ان کا فعل

مُبَاحًا مُطْلَقًا غَيْرَ مُقَيَّدٍ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ وَفِعْلُ غَيْرِهِمْ تَعَدِّيًا أَوْ مُبَاحًا مُقَيَّدًا بِشَرْطِ السَّلَامَةِ،

مباح ہوگا مطلقا مقید نہ ہوگا سلامتی کی شرط کے ساتھ، اور ان کے غیر کا فعل تعدی ہوگا یا ایسا مباح جو مقید ہوگا سلامتی کی شرط کے ساتھ

{۳}وَقَصْدُ الْقُرْبَةِ لَا يُنَافِي الْغَرَامَةَ إِذَا أَخْطَأَ الطَّرِيقَ كَمَا إِذَا تَفَرَّدَ بِالشَّهَادَةِ عَلَى الزِّنَا وَالطَّرِيقُ فِيمَا

اور قصدِ قربت منافی نہیں ہے تاوان کے جب غلطی کرے طریقہ میں، جیسا کہ جب متفرد ہو شہادت کے ساتھ زنا پر، اور طریقہ جس مسئلہ میں

نَحْنُ فِيهِ الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَهْلِهِ . {۴}قَالَ : وَإِنْ جَلَسَ فِيهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ

ہمارا کلام ہے اجازت لینا ہے اہل مسجد سے۔ فرمایا: اور اگر بیٹھ گیا کوئی شخص مسجد میں اہل مسجد میں سے، پس ہلاک ہوا اس سے کوئی شخص

لَمْ يَضْمَنْ إِنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ ضَمِنَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يَضْمَنُ

تو ضامن نہ ہوگا اگر ہو وہ نماز میں، اور اگر نماز میں نہ ہو تو ضامن ہوگا، اور یہ امام صاحب ؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا: ضامن نہ ہوگا

عَلَى كُلِّ حَالٍ{۵}وَلَوْ كَانَ جَالِسًا لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ لِلتَّعْلِيمِ أَوْ لِلصَّلَاةِ أَوْ نَامَ فِيهِ فِي أَثْنَاءِ الصَّلَاةِ أَوْ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ

ہر حال میں ، اور اگر وہ بیٹھا ہو قراءۃِ قرآن یا تعلیم یا نماز کے لیے یا سو گیا اس میں دوران نماز میں، یا خارج نماز میں سو گیا،

أَوْ مَرَّ فِيهِ مَارٌّ أَوْ قَعَدَ فِيهِ لِحَدِيثٍ فَهُوَ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ{۶}وَأَمَّا الْمُعْتَكِفُ فَقَدْ قِيلَ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ، وَقِيلَ

یا گذرا اس میں گذرنے والا، یا بیٹھ گیا اس میں بات چیت کے لیے تو وہ اسی اختلاف پر ہے، رہا معتکف تو کہا گیا ہے کہ اسی اختلاف پر ہے، اور کہا گیا ہے کہ

لَا يَضْمَنُ بِالِاتِّفَاقِ . {۷}لَهُمَا أَنَّ الْمَسْجِدَ إِنَّمَا بُنِيَ لِلصَّلَاةِ وَالذِّكْرِ وَلَا يُمْكِنُهُ أَدَاءُ الصَّلَاةِ بِالْجَمَاعَةِ

ضامن نہ ہوگا بالاتفاق۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسجد بنائی جاتی ہے نماز اور ذکر کے لیے اور ممکن نہیں ہے نماز کی ادائیگی جماعت سے

إِلَّا بِانْتِظَارِهَا فَكَانَ الْجُلُوسُ فِيهِ مُبَاحًا لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ الصَّلَاةِ، أَوْ لِأَنَّ الْمُنْتَظِرَ لِلصَّلَاةِ فِي الصَّلَاةِ حُكْمًا بِالْحَدِيثِ

مگر اس کے انتظار سے، پس ہوگا بیٹھنا اس میں مباح؛ کیونکہ یہ نماز کی ضروریات میں ہے، اور اس لیے کہ منتظر نماز نماز میں ہے بحکم حدیث

فَلَا يَضْمَنُ كَمَا إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ . {۸}وَلَهُ أَنَّ الْمَسْجِدَ إِنَّمَا بُنِيَ لِلصَّلَاةِ ، وَهَذِهِ الْأَشْيَاءُ مُلْحَقَةٌ بِهَا

پس ضامن نہ ہوگا جیسے اگر وہ نماز میں ہو۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسجد بنائی گئی ہے نماز کے لیے اور یہ چیزیں ملحق ہیں نماز کے ساتھ

فَلَا بُدَّ مِنْ إِظْهَارِ التَّفَاوُتِ فَجَعَلْنَا الْجُلُوسَ لِلْأَصْلِ مُبَاحًا مُطْلَقًا وَالْجُلُوسَ لِمَا يُلْحَقُ بِهِ مُبَاحًا

پس ضروری ہے اظہارِ تفاوت، پس ہم نے قرار دیا اصل کے لیے بیٹھنے کو مباح مطلقا، اور ملحق بہ کے لیے بیٹھنے کو ایسا مباح قرار دیا

مُقَيَّدًا بِشَرْطِ السَّلَامَةِ وَلَا غَرْوَ أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ مُبَاحًا أَوْ مَنْدُوبًا إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَيَّدٌ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ كَالرَّمْيِ

جو مقید ہو سلامتی کی شرط کے ساتھ، اور کوئی تعجب نہیں کہ ہو فعل مباح یا مندوب حالانکہ وہ مقید ہو شرطِ سلامتی کے ساتھ جیسے تیر پھینکنا

إِلَى الْكَافِرِ أَوْ إِلَى الصَّيْدِ وَالْمَشْيِ فِي الطَّرِيقِ وَالْمَشْيِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا وَطِئَ غَيْرَهُ وَالنَّوْمِ فِيهِ إِذَا انْقَلَبَ عَلَى غَيْرِهِ

کافر کی طرف یا شکار کی طرف، اور چلنا راستے میں، اور چلنا مسجد میں جب روند ڈالے غیر کو، اور نیند مسجد میں جب پلٹ جائے دوسرے پر

﴿۹﴾ وَإِنْ جَلَسَ رَجُلٌ مِنْ غَيْرِ الْعَشِيرَةِ فِيهِ لِلصَّلَاةِ فَتَعَقَّلَ بِهِ إِنْسَانٌ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَضْمَنَ ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِيَ

اور اگر بیٹھ گیا آدمی قوم کے علاوہ مسجد میں نماز کے لیے پس پھسل گیا اس سے کوئی انسان تو چاہیئے کہ ضامن نہ ہو؛ کیونکہ مسجد بنائی گئی ہے

لِلصَّلَاةِ وَأَمْرُ الصَّلَاةِ بِالْجَمَاعَةِ إِنْ كَانَ مُفَوَّضًا إِلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ وَحْدَهُ

نماز کے لیے، اور نماز با جماعت کا معاملہ اگرچہ سپرد ہے اہل مسجد کے، لیکن ہر ایک کو مسلمانوں میں سے یہ اختیار ہے کہ نماز پڑھے اس میں تنہا

تشریح:۔﴿۱﴾ اگر کوئی مسجد کسی خاص قوم کے لیے ہو یعنی انہی لوگوں نے اس کی تعمیر کی ہو پس اگر انہی لوگوں میں سے کسی شخص نے اس مسجد میں قندیل لٹکائی یا اس میں بوریے ڈالے یا کنکریاں ڈالیں پس اس کی وجہ سے کوئی شخص تلف ہو گیا تو وہ ضامن نہیں ہو گا، اور اگر ان لوگوں کے علاوہ کسی اور شخص نے مذکورہ کام کیے پھر کوئی شخص اس سے تلف ہو گیا تو وہ ضامن ہو گا، مشائخ نے فرمایا کہ اہل مسجد اور دوسروں کے حکم میں فرق کا ہونا امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خواہ اہل مسجد نے کیا ہو یا غیر نے کیا ہو دونوں صورتوں میں ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ یہ انعال قربت کے قبیل سے ہیں اور قربات قائم کرنا مطلوب امر ہے اور ہر ایک کو ان کا اختیار ہوتا ہے تو اس میں سلامتی کی شرط نہ ہو گی اس لیے اگر اس سے کوئی شخص تلف ہوا تو وہ ضامن نہ ہو گا جیسے اگر غیر شخص نے یہ کام اہل مسجد میں سے کسی کی اجازت سے کیا تو ضامن نہیں ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل جس سے اہل مسجد اور غیر اہل مسجد میں فرق بھی ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ مسجد سے متعلق تدبیروں کا اختیار اہل مسجد کو ہے دوسروں کو نہیں ہے مثلاً امام مقرر کرنا، متولی منتخب کرنا، دروازہ کھولنا یا بند کرنا اور فرض نماز کی جماعت دوبارہ کرنا جبکہ اہل مسجد کے علاوہ دوسروں نے جماعت کر لی ہو یعنی ایسی صورت میں اہل مسجد کے لیے دوبارہ جماعت کرنے کا اختیار ہو گا پس ثابت ہوا کہ اہل مسجد کا فعل مطلقاً مباح ہے اس میں سلامتی کی شرط نہیں ہے اور اہل مسجد کے علاوہ دوسروں کا فعل یا تو تعدی ہے یا مباح ہے مگر یہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے اس لیے شرط نہ پائے جانے کی صورت میں ضامن ہو گا۔

﴿۳﴾ اور یہ جو تم نے کہا کہ یہ فعل قربت ہے قربت اور وجوبِ تاوان میں منافات ہے لہٰذا اس کی وجہ سے تاوان واجب نہیں ہونا چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں کہ قربت بھی ہو اور تاوان بھی واجب ہو؛ کیونکہ جب قربت کا طریقہ غلط ہو جائے تو قربت پر ثواب اور طریقہ پر سزا ملے گی جیسے کوئی شخص ثواب کی نیت سے تنہاء کسی زانی شخص پر زنا کی گواہی دے تا کہ اللہ

تعالیٰ کا حکم جاری ہو تو اس اعتبار سے یہ قربت ہے مگر اس کا طریقہ غلط ہے؛ کیونکہ زنا پر گواہی کے لیے شرط یہ ہے کہ چار آدمی ہوں جب یہ شرط نہ ہو تو یہی گواہی قذف بن جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو حدِ قذف ماری جائے گی تو دیکھیں اس صورت میں قربت اور سزا دونوں جمع ہیں، اور ہمارے اس مسئلہ میں بھی غیر کے لیے طریقہ یہ تھا کہ اہلِ مسجد میں سے کسی شخص سے اجازت لے لیتا جب اس نے اجازت نہ لی تو قربت اور تاوان دونوں جمع ہوں گے۔

{۴} اگر اہلِ مسجد میں سے کوئی شخص مسجد میں بیٹھا پس اس سے الجھ کر کوئی شخص تلف ہو گیا تو اگر بیٹھنے والا نماز میں ہو خواہ فرض ہو یا نفل ہو تو ضامن نہ ہو گا، اور اگر نماز میں نہ ہو تو ضامن ہو گا، اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہر حال میں ضامن نہ ہو گا یعنی خواہ نماز میں ہو یا نہ ہو بہر دو صورت ضامن نہ ہو گا۔

{۵} اور اگر قرآن پڑھنے کے لیے یا شرعی تعلیم کے لیے یا نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو، یا دورانِ نماز میں یا غیر نماز میں مسجد میں سو گیا، یا مسجد میں ہو کر گذرا، یا باتوں کے لیے مسجد میں بیٹھا تو اگر اسی حالت میں ٹھوکر کھا کر کوئی اس سے تلف ہوا تو اس میں بھی امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہی اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ضامن ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک ضامن نہ ہو گا۔

{٦} رہا معتکف تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس میں بھی یہی اختلاف ہے یعنی اگر معتکف سے ٹھوکر کھا کر کوئی شخص تلف ہوا تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معتکف ضامن ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک ضامن نہ ہو گا۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ معتکف بالاتفاق ضامن نہ ہو گا۔

{۷} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسجد تو نماز اور ذکر ہی کے لیے بنائی گئی ہے اور اس کے لیے جماعت سے نماز ادا کرنا ممکن نہیں تھا سوائے اس کے کہ نماز کا انتظار کرے تو اس کو مسجد میں بیٹھنا مباح تھا؛ کیونکہ یہ ضرورت نماز کے لیے ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں ہو وہ حدیث کی رُو سے حکماً نماز میں شمار ہوتا ہے لہٰذا ایسا شخص ضامن نہ ہو گا جیسے اگر کوئی حقیقۃً نماز میں ہو تو وہ ضامن نہیں ہوتا ہے۔

{۸} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسجد فقط نماز کے لیے بنائی گئی ہے نماز کے علاوہ دیگر اشیاء نماز کے ساتھ ملحق ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ملحق اور ملحق بہ میں فرق ہو پس ہم نے اصل نماز کے لیے بیٹھنا مطلقاً مباح قرار دیا اور دیگر ملحقات کے لیے بیٹھنا اس شرط کے ساتھ مباح قرار دیا کہ اس سے کسی کی سلامتی میں خلل نہ ہو، اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک فعل مباح یا مستحب

ہو حالانکہ اس کے ساتھ یہ قید ہو کہ اس سے کسی کی سلامتی میں خلل نہ آئے جیسے کافر کو تیر مارنا درست ہے بشرطیکہ مسلمان کو نہ لگے اور شکار کو تیر مارنا جائز ہے بشرطیکہ کسی انسان کی سلامتی میں خلل نہ آئے، اور راستہ میں چلنا بھی اس شرط کے ساتھ مباح ہے اور جیسے مسجد میں چلنا مباح ہے لیکن اگر دوسرے کو روند ڈالے تو ضامن ہوگا، اور اسی طرح مسجد میں سوجانا مباح ہے لیکن اگر دوسرے پر گر پڑے تو ضامن ہوگا۔

{۹} اگر مسجد والوں کے علاوہ کوئی اور شخص مسجد میں نماز کے لیے بیٹھا ہو پس اس سے اُلجھ کر کوئی آدمی مر گیا تو چاہیے کہ نمازی ضامن نہ ہو؛ کیونکہ مسجد تو نماز ہی کے لیے بنی ہے اور باجماعت نماز کا کام اگرچہ اہل مسجد کے سپرد ہے لیکن مسلمانوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ تنہا اس میں نماز پڑھے تو یہ شخص تجاوز کرنے والا نہیں اس لیے ضامن بھی نہ ہوگا۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ مَعْزِيًّا لِلزَّيْلَعِيِّ) فَإِنَّهُ نَقَلَ عَنِ الْحَلْوَانِيِّ: أَنَّ أَكْثَرَ الْمَشَايِخِ أَخَذُوا بِقَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى اهـ. وَنُقِلَ عَنْ صَدْرِ الْإِسْلَامِ: أَنَّ الْأَظْهَرَ مَا قَالَاهُ؛ لِأَنَّ الْجُلُوسَ مِنْ ضَرُورَاتِ الصَّلَاةِ، فَيَكُونُ مُلْحَقًا بِهَا. وَفِي الْعَيْنِيِّ بِقَوْلِهِمَا قَالَتِ الثَّلَاثَةُ وَبِهِ يُفْتَى اهـ ط. (ردّ المحتار:422/5)

فَصْلٌ فِي الْحَائِطِ الْمَائِلِ

یہ فصل جھکی ہوئی دیوار کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ نے اس سے پہلے راستے میں بیت الخلاء اور جرصن وغیرہ بنانے کے احکام بیان فرمائے چونکہ جھکی ہوئی دیوار میں بھی ان چیزوں کی طرح امکانِ ضرر ہے اس لیے اس فصل میں جھکی ہوئی دیوار کے احکام کو بیان فرماتے ہیں۔

{۱} قَالَ: وَإِذَا مَالَ الْحَائِطُ إِلَى طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ فَطُولِبَ صَاحِبُهُ بِنَقْضِهِ وَأُشْهِدَ عَلَيْهِ

فرمایا: اور اگر جھک گئی دیوار مسلمانوں کے راستے کی طرف، پس مطالبہ کیا گیا اس کے مالک سے اس کو توڑنے کا اور گواہ بنائے اس پر،

فَلَمْ يَنْقُضْهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ حَتَّى سَقَطَ ضَمِنَ مَا تَلِفَ بِهِ

مگر اس نے نہیں توڑا اس کو اتنی مدت میں جتنی میں وہ قادر تھا اس کے توڑنے پر یہاں تک کہ وہ گر گئی تو ضامن ہوگا اس کا جو تلف ہوا اس سے

مِنْ نَفْسٍ أَوْ مَالٍ ؛ {۲} وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَضْمَنَ لِأَنَّهُ لَا صُنْعَ مِنْهُ مُبَاشَرَةً ، وَلَا مُبَاشَرَةَ شَرْطٍ

نفس ہو یا مال ہو، اور قیاس یہ ہے کہ ضامن نہ ہو؛ کیونکہ نہ تو کوئی فعل پایا گیا مالک کی طرف سے مباشرۃً، اور نہ ایسی شرط کی مباشرت پائی گئی

هُوَ مُتَعَدٍّ فِيهِ ، لِأَنَّ أَصْلَ الْبِنَاءِ كَانَ فِي مِلْكِهِ ، وَالْمَيَلَانُ وَشَغْلُ الْهَوَاءِ لَيْسَ مِنْ فِعْلِهِ فَصَارَ

جس میں وہ تعدی کرنے والا ہو؛ کیونکہ اصل بناء اس کی مِلک میں تھی اور مائل ہونا اور فضاء کو مشغول رکھنا اس کا فعل نہیں، پس ہو گیا

كَمَاقَبْلَ الْإِشْهَادِ . ﴿۳﴾وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْحَائِطَ لَمَّا مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ فَقَدِ اشْتَغَلَ هَوَاءَ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ

جیسے اشہاد سے پہلے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ دیوار جب جھک گئی راستے کی طرف تو اس نے مشغول کر دیا مسلمانوں کے راستے کی فضاء کو

بِمِلْكِهِ وَرَفْعُهُ فِي يَدِهِ ، فَإِذَا تَقَدَّمَ إِلَيْهِ وَطُولِبَ بِتَفْرِيغِهِ يَجِبُ

اپنی ملک کے ساتھ اور اس کو دور کرنا اس کے بس میں تھا، پس جب پہلے کہہ دیا اس سے اور مطالبہ کیا گیا اس کو فارغ کرنے کا تو واجب ہے

عَلَيْهِ فَإِذَا امْتَنَعَ صَارَ مُتَعَدِّيًا بِمَنْزِلَةِ مَا لَوْ وَقَعَ ثَوْبُ إِنْسَانٍ فِي حِجْرِهِ يَصِيرُ مُتَعَدِّيًا بِالِامْتِنَاعِ

اس پر، پس جب وہ رُک گیا تو وہ تعدی کرنے والا ہے جیسے اگر واقع ہوا کسی کا کپڑا اس کی گود میں تو وہ ہو جائے گا تعدی کرنے والا رُکنے کی وجہ سے

عَنِ التَّسْلِيمِ إِذَا طُولِبَ بِهِ كَذَا هَذَا ، ﴿۴﴾بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الْإِشْهَادِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ هَلَاكِ الثَّوْبِ قَبْلَ الطَّلَبِ،

سپردگی سے جب اس سے مطالبہ کیا جائے اس کا، اسی طرح یہ ہے، برخلاف اشہاد سے پہلے کے؛ کیونکہ وہ طلب سے پہلے کپڑا ہلاک ہونے کے درجے میں ہے

﴿۵﴾وَلِأَنَّا لَوْ لَمْ نُوجِبْ عَلَيْهِ الضَّمَانَ يَمْتَنِعُ عَنِ التَّفْرِيغِ فَيَنْقَطِعُ الْمَارَّةُ حَذَرًا

اور اس لیے کہ اگر ہم واجب نہ کریں اس پر ضمان تو وہ باز رہے گا خالی کرانے سے، پس رُک جائیں گے گذرنے والے خوف محسوس کرنے کی وجہ سے

عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَيَتَضَرَّرُونَ بِهِ ، وَدَفْعُ الضَّرَرِ الْعَامِّ مِنَ الْوَاجِبِ وَلَهُ تَعَلُّقٌ بِالْحَائِطِ فَيَتَعَيَّنُ

اپنے نفسوں پر، پس ضرر اٹھائیں گے وہ اس سے، اور دفع کرنا ضررِ عام کو واجب ہے، اور مالک کا تعلق ہے دیوار کے ساتھ، پس وہ متعین ہوا

لِدَفْعِ هَذَا الضَّرَرِ ، وَكَمْ مِنْ ضَرَرٍ خَاصٍّ يُتَحَمَّلُ لِدَفْعِ الْعَامِّ مِنْهُ ، ﴿۶﴾ثُمَّ فِيمَا تَلِفَ

اس ضرر کو دفع کرنے کے لیے، اور کتنے ضررِ خاص ہیں جن کو برداشت کیا جاتا ہے ان سے عام ضرر کو دفع کرنے کے لیے۔ پھر جو تلف ہو جائیں

بِهِ مِنَ النُّفُوسِ تَجِبُ الدِّيَةُ وَتَتَحَمَّلُهَا الْعَاقِلَةُ ، لِأَنَّهُ فِي كَوْنِهِ جِنَايَةً دُونَ الْخَطَإِ فَيَسْتَحِقُّ

اس سے نفوس تو واجب ہو گی دیت، اور برداشت کریں گے اس کو عاقلہ؛ کیونکہ یہ جنایت ہونے میں خطاء سے کم ہے، پس مستحق ہو گا

فِيهِ التَّخْفِيفَ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى كَيْ لَايُؤَدِّيَ إِلَى اسْتِئْصَالِهِ وَالْإِجْحَافِ بِهِ ، وَمَا تَلِفَ بِهِ مِنَ الْأَمْوَالِ كَالدَّوَابِّ

اس میں تخفیف کا بطریقۂ اولیٰ؛ تاکہ مفضی نہ ہو اس کے استیصال اور تنگ ہونے کی طرف، اور جو تلف ہوں اس سے اموال جیسے جانور

وَالْعُرُوضِ يَجِبُ ضَمَانُهَا فِي مَالِهِ ، لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمَالَ ﴿۷﴾وَالشَّرْطُ التَّقَدُّمُ إِلَيْهِ

اور سامان، تو واجب ہے ان کا ضمان اس کے مال میں؛ کیونکہ عواقل برداشت نہیں کرتے ہیں مال کو، اور شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کہا جائے

وَطَلَبَ النَّقْضَ مِنْهُ دُونَ الْإِشْهَادِ ، وَإِنَّمَا ذَكَرَ الْإِشْهَادَ لِيَتَمَكَّنَ مِنْ إِثْبَاتِهِ عِنْدَ إِنْكَارِهِ

اور مطالبہ کرے توڑنے کا اس سے نہ کہ اشہاد، اور مصنفؒ نے ذکر کیا اشہاد کا اس لیے تاکہ ممکن ہو اس کا اثبات اس کے انکار کے وقت

فَكَانَ مِنْ بَابِ الِاحْتِيَاطِ . وَصُورَةُ الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ :اشْهَدُوا أَنِّي قَدْ تَقَدَّمْتُ إلَى هَذَا الرَّجُلِ

پس یہ باب احتیاط میں سے ہے، اور صورتِ اشہاد یہ ہے کہ آدمی کہے: تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اس شخص سے

فِي هَدْمِ حَائِطِهِ هَذَا ، وَلَا يَصِحُّ الْإِشْهَادُ قَبْلَ أَنْ يَهِيَ الْحَائِطُ لِانْعِدَامِ التَّعَدِّي

اس دیوار کے گرانے کے بارے میں، اور صحیح نہیں ہے اشہاد دیوار گرنے کے قریب ہونے سے پہلے؛ تعدی نہ ہونے کی وجہ سے۔

{۸}قَالَ : وَلَوْ بَنَى الْحَائِطَ مَائِلًا فِي الِابْتِدَاءِ قَالُوا : يَضْمَنُ مَا تَلِفَ بِسُقُوطِهِ مِنْ غَيْرِ إشْهَادٍ؛

فرمایا: اور اگر بنائی دیوار جھکی ہوئی شروع ہی سے، تو مشائخ نے کہا ہے کہ ضامن ہو گا اس کا جو تلف ہو جائے اس کے سقوط سے بغیر اشہاد کے

لِأَنَّ الْبِنَاءَ تَعَدٍّ ابْتِدَاءً كَمَا فِي إشْرَاعِ الْجَنَاحِ . {۹}قَالَ : وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ

کیونکہ بناء تعدی ہے شروع ہی سے جیسے روشن دان نکالنے میں۔ فرمایا: اور قبول کی جائے گی دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی

عَلَى التَّقَدُّمِ ؛ لِأَنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِشَهَادَةٍ عَلَى الْقَتْلِ ، وَشَرْطُ التَّرْكِ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ فِيهَا

پیشگی اطلاع دینے پر؛ کیونکہ یہ نہیں ہے قتل پر گواہی۔ اور شرط کی ہے ترک کی اتنی مدت میں کہ وہ قادر ہو اس کے توڑنے پر اس مدت میں

لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ إمْكَانِ النَّقْضِ لِيَصِيرَ بِتَرْكِهِ جَانِيًا ،{۱۰}وَيَسْتَوِي أَنْ يُطَالِبَهُ بِنَقْضِهِ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ

؛ کیونکہ ضروری ہے توڑنے کا امکان تاکہ ہو جائے اس کے ترک سے جانی، اور برابر ہے کہ مطالبہ کرے اس کے توڑنے کا مسلمان یا ذمی

لِأَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ شُرَكَاءُ فِي الْمُرُورِ فَيَصِحُّ التَّقَدُّمُ إلَيْهِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ رَجُلًا كَانَ أَوِ امْرَأَةً

؛ کیونکہ سب لوگ شریک ہیں گذرنے میں، پس صحیح ہے پیشگی اطلاع اس کو ہر ایک کی طرف سے ان میں سے، خواہ مرد ہو یا عورت،

حُرًّا كَانَ أَوْ مُكَاتَبًا، وَيَصِحُّ التَّقَدُّمُ إلَيْهِ عِنْدَ السُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ لِأَنَّهُ مُطَالَبَةٌ بِالتَّفْرِيغِ فَيَتَفَرَّدُ كُلُّ صَاحِبِ حَقٍّ بِهِ

آزاد ہو یا مکاتب، اور صحیح ہے پیشگی اطلاع دینا اس کو بادشاہ اور غیر بادشاہ دونوں کے پاس؛ کیونکہ یہ مطالبہ ہے تفریغ کا، پس متفرد ہو گا ہر صاحب حق اس کے ساتھ

تشریح:۔{۱}اگر کوئی دیوار مسلمانوں کے راستے کی طرف جھکی ہوئی ہو اور دیوار کے مالک سے اس کے توڑنے کا مطالبہ کیا گیا اور مطالبہ کرنے والے نے اس مطالبہ پر گواہ بھی قائم کر لیے، مگر دیوار کے مالک نے دیوار نہ توڑی حالانکہ اتنی مدت گذر گئی کہ اگر وہ اس کو توڑنا چاہتا تو توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ وہ دیوار گر پڑی تو اس سے اگر کوئی جان یا مال تلف ہوا تو دیوار کا مالک اس کا ضامن ہو گا۔

{۲} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضایہ ہے کہ مالک ضامن نہ ہو؛ کیونکہ اس میں دیوار کے مالک کی طرف سے کوئی فعل مباشرۃً نہیں پایا گیا اور نہ اس نے کسی ایسی شرط کی مباشرت کی ہے جس میں وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو؛ کیونکہ اصل دیوار اس کی مِلک میں ہے اور دیوار کا جُھکنا اور فضاء کو گھیر لینا مالک کا فعل نہیں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے گواہ قائم کر لینے سے پہلے اس دیوار کے گرنے سے کوئی جان یا مال تلف ہو جائے تو مالک ضامن نہیں ہوتا ہے اسی طرح گواہ قائم کرنے کے بعد بھی مالک ضامن نہ ہوگا۔

{۳} مگر استحساناً گواہ قائم کر لینے کے بعد مالک ضامن ہوگا؛ وجہِ استحسان یہ ہے کہ جب یہ دیوار شارع عام کی طرف جھکی تو اس نے اپنی مِلک کے ذریعہ سے مسلمانوں کے عام راستے کی فضاء کو گھیر لیا اور اس کا دور کرنا دیوار کے مالک کے اختیار میں ہے پس جب اس سے پہلے کہہ دیا گیا اور راستے کی فضاء کو خالی کرنے کا کا مطالبہ کیا گیا تو اس پر خالی کر دینا واجب ہوا پس جب وہ اس فضاء کو خالی کرنے سے رُک گیا تو حد سے تجاوز کرنے والا ٹھہرا جیسے اگر ایک شخص کا کپڑا دوسرے کی گود میں واقع ہوا تو مالک کے طلب کرنے کے بعد اگر اس نے سپرد کرنے سے انکار کیا تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو جاتا ہے ایسا ہی اس مسئلہ میں بھی ہے۔

{۴} باقی گواہ قائم کرنے سے پہلے جان یا مال تلف ہونے کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے گود میں گرا ہوا کپڑا اس کے مالک کے طلب کرنے سے پہلے اگر تلف ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں ہے۔

{۵} دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ہم دیوار کے مالک پر تاوان واجب نہ کریں تو وہ اس کے دور کرنے اور فضاء کو فارغ کرنے سے برابر انکار کرتا رہے گا تو راہگیروں کا راستہ اپنی جان کے خوف سے بند ہو جائے گا جس سے عام لوگ ضرر اٹھائیں گے جبکہ اس طرح کا عام ضرر دور کرنا واجب ہے اور چونکہ دیوار کے مالک ہی کو اس دیوار سے تعلق ہے تو وہی اس ضرر کو دفع کرنے کے لیے متعین ہے اور بکثرت اس طرح ہوتا ہے کہ خاص ضرر کو عام ضرر دور کرنے کے لیے برداشت کیا جاتا ہے لہٰذا عام لوگوں کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے مالک کے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا۔

{۶} پھر اس دیوار سے جو جانیں تلف ہوں ان کی دیت واجب ہوگی اور اس کو مددگار برادری برداشت کرے گی؛ کیونکہ اس میں قتل خطاء کی بنسبت کم جرم ہے تو دیوار کا مالک بدرجۂ اولیٰ اس میں تخفیف کا مستحق ہے تاکہ یہ اس کی بربادی اور استیصال کو مفضی نہ ہو جائے اور بہت زیادہ تنگ اور پریشان نہ ہو۔ اور اس دیوار سے جو اموال تلف ہوں جیسے جانور اور اسباب وغیرہ اس سے تلف ہوں

توان کا تاوان خود دیوار کے مالک کے مال میں واجب ہو گا؛ کیونکہ مددگار برادری مال کا تاوان برداشت نہیں کرتی ہے بلکہ وہ فقط نفس کی دیت برداشت کرتی ہے۔

{۷} اور شرط یہ ہے کہ دیوار کے مالک سے پہلے کہہ دیا جائے اور دیوار توڑنے کا مطالبہ کیا جائے اور گواہ قائم کرنا شرط نہیں ہے، اور مصنفؒ نے گواہ قائم کرنا اس لیے شرط کیا کہ اگر مالکِ دیوار انکار کرے کہ کسی نے مجھ سے دیوار دور کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ لوگوں نے اس سے مطالبہ کیا تھا لہٰذا گواہ قائم کرنا احتیاط کے قبیل سے ہے، اور گواہ قائم کرنے کی صورت یہ ہے کہ مطالبہ کرنے والا شخص گواہوں سے کہے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس شخص سے اس کی یہ دیوار توڑنے کے بارے میں پہلے کہہ دیا ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ دیوار گرنے کے قریب ہو جانے سے پہلے گواہ قائم کردینا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ جب تک دیوار درست ہے تو مالکِ دیوار کی جانب سے کوئی تعدی نہیں پائی جا رہی ہے اس لیے اس پر گواہ قائم کرنا بھی درست نہیں ہے۔

{۸} اگر ابتداء سے مالک نے دیوار جھکی ہوئی بنائی تو مشائخ نے فرمایا کہ اس کے گرنے سے جو نقصان ہوا اس کا یہ ضامن ہوگا اگرچہ کسی نے اس پر گواہ قائم نہ کیا ہو؛ کیونکہ دیوار کی تعمیر میں ابتداء سے تعدی واقع ہوئی ہے اور تعدی کرنے والا تعدی کے نتیجے میں تلف شدہ چیز کا ضامن ہوتا ہے جیسے روشندان نکالنے میں بالاتفاق ضامن ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ راستے کی فضاء کو مشغول کرکے تعدی کرنے والا ہے۔

{۹} اور دیوار دور کرنے کے مطالبہ پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے؛ کیونکہ یہ گواہی قتل پر نہیں واقع ہوئی تاکہ اس میں گواہوں کا فقط مرد ہونا شرط ہو بلکہ یہ گواہی غیر قتل پر ہے اس لیے اس میں عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔ امام قدوریؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مالک اس کو اتنی مدت تک نہ توڑے جتنی مدت میں وہ اس کو توڑ سکتا ہو؛ کیونکہ توڑنے کا امکان ضروری ہے تاکہ وہ اتنی مدت میں نہ توڑنے سے مجرم قرار پائے اور اس پر ضمان واجب کیا جاسکے۔

{۱۰} پھر توڑنے کے مطالبہ میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں بشرطیکہ وہ اس راستہ میں حقدار ہو؛ کیونکہ گذرنے کے حق میں تمام لوگ برابر ہیں تو ہر آدمی کی طرف سے تقدم مطالبہ صحیح ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو اور خواہ آزاد ہو یا مکاتب ہو، اور تقدم مطالبہ سلطان کے سامنے اور اس کے علاوہ ہر دو صورت میں صحیح ہے؛ کیونکہ یہ فضاء فارغ کرنے کا مطالبہ ہے لہٰذا ہر ایک حقدار اس حق کے ساتھ متفرد اور مستقل ہے اس لیے سلطان کے سامنے مطالبہ ضروری نہیں ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ رَجُلٍ فَالْمُطَالَبَةُ إِلَى مَالِكِ الدَّارِ خَاصَّةً ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ عَلَى الْخُصُوصِ ، وَإِنْ
فرمایا: اور اگر دیوار مائل ہوگئی کسی شخص کے گھر کی طرف تو مطالبہ کا حق صاحبِ گھر کو ہے خاص کر؛ کیونکہ حق اسی کو ہے خاص طور پر، اور اگر
كَانَ فِيهَا سُكَّانٌ لَهُمْ أَنْ يُطَالِبُوهُ لِأَنَّ لَهُمْ الْمُطَالَبَةَ بِإِزَالَةِ مَا شَغَلَ
اس میں رہنے والے ہوں تو ان کو حق ہے کہ اس کا مطالبہ کریں؛ کیونکہ ان کو مطالبے کا حق ہے اس چیز کو زائل کرنے کا جس نے مشغول کر رکھا ہو
الدَّارَ فَكَذَا بِإِزَالَةِ مَا شَغَلَ هَوَاءَهَا ،{۲}وَلَوْ أَجَّلَهُ صَاحِبُ الدَّارِ
مکان کو، پس اسی طرح اس چیز کے ازالے کا جس نے مشغول کر رکھا ہے اس کی فضاء کو۔ اور اگر مہلت دی دیوار کے مالک کو صاحبِ مکان نے
أَوْ أَبْرَأَهُ مِنْهَا أَوْ فَعَلَ ذَلِكَ سَاكِنُوهَا فَذَلِكَ جَائِزٌ ، وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِيمَا تَلِفَ بِالْحَائِطِ
یا بری کر دیا اس کو اس سے، یا یہ کام کیا مکان کے مکینوں نے تو یہ جائز ہے، اور ضمان نہیں ہے اس پر اس میں جو تلف ہو جائے دیوار سے
لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ فَأَجَّلَهُ الْقَاضِي أَوْ مَنْ أَشْهَدَ عَلَيْهِ
؛ کیونکہ حق ان کو ہے۔ برخلاف اس کے جب مائل ہو جائے راستے کی طرف، پس مہلت دے اس کو قاضی یا جس نے اس پر اشہاد کیا ہے
حَيْثُ لَا يَصِحُّ ، لِأَنَّ الْحَقَّ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَلَيْسَ إِلَيْهِمَا إِبْطَالُ حَقِّهِمْ .{۳}وَلَوْ بَاعَ
کہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ حق مسلمانوں کی جماعت کا ہے، اور نہیں ہے ان دونوں کو ان کا حق باطل کرنے کا اختیار۔ اور اگر فروخت کیا
الدَّارَ بَعْدَمَا أَشْهَدَ عَلَيْهِ وَقَبَضَهَا الْمُشْتَرِي بَرِئَ مِنْ ضَمَانِهِ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ بِتَرْكِ الْهَدْمِ
مکان کو اس پر اشہاد کے بعد اور قبض کیا اس کو مشتری نے تو بری ہو گا اس کے ضمان سے؛ کیونکہ جنایت گرانے کو چھوڑنے کی ثابت ہوتی ہے
مَعَ تَمَكُّنِهِ وَقَدْ زَالَ تَمَكُّنُهُ بِالْبَيْعِ ، بِخِلَافِ إِشْرَاعِ الْجَنَاحِ لِأَنَّهُ كَانَ جَانِيًا بِالْوَضْعِ
اس کی قدرت کے ساتھ اور زائل ہو گئی اس کی قدرت فروخت کرنے سے، برخلاف روشن دان نکالنے کے؛ کیونکہ وہ جانی ہے روشن دان رکھنے سے
وَلَمْ يَنْفَسِخْ بِالْبَيْعِ فَلَا يَبْرَأُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، وَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُشْتَرِي
اور روشن دان لگانا فسخ نہیں ہوا ہے فروخت کرنے سے پس بری نہ ہو گا اس تفصیل کے مطابق جو ہم ذکر کر چکے، اور ضمان نہ ہو گا مشتری پر
لِأَنَّهُ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ ، وَلَوْ أُشْهِدَ عَلَيْهِ بَعْدَ شِرَائِهِ فَهُوَ ضَامِنٌ لِتَرْكِهِ التَّفْرِيغَ
؛ کیونکہ اشہاد نہیں کیا گیا اس پر، اور اگر اشہاد کیا گیا اس پر اس کی خرید کے بعد تو وہ ضامن ہے؛ اس کے تفریغ ترک کرنے کی وجہ سے
مَعَ تَمَكُّنِهِ بَعْدَمَا طُولِبَ بِهِ ،{۴}وَالْأَصْلُ أَنَّهُ يَصِحُّ التَّقَدُّمُ إِلَى كُلِّ مَنْ يَتَمَكَّنُ مِنْ نَقْضِ الْحَائِطِ

اس کی قدرت کے باوجود بعد اس کے کہ مطالبہ کیا گیا اس کا۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ صحیح ہے پیشگی اطلاع ہر اس شخص کو جو قادر ہو دیوار توڑنے پر

وَتَفْرِيغِ الْهَوَاءِ ، وَمَنْ لَا يَتَمَكَّنُ مِنْهُ لَا يَصِحُّ التَّقَدُّمُ إِلَيْهِ كَالْمُرْتَهِنِ وَالْمُسْتَأْجِرِ وَالْمُودَعِ وَسَاكِنِ الدَّارِ

اور فضاء فارغ کرنے پر، اور جس کو قدرت نہ ہو صحیح نہیں ہے اس کو پیشگی اطلاع دینا جیسے مرتہن، مستاجر، مودع اور مکان کا رہائشی،

وَيَصِحُّ التَّقَدُّمُ إِلَى الرَّاهِنِ لِقُدْرَتِهِ عَلَى ذَلِكَ بِوَاسِطَةِ الْفِكَاكِ وَإِلَى الْوَصِيِّ وَإِلَى أَبِي الْيَتِيمِ أَوْ أُمِّهِ

اور صحیح ہے پیشگی اطلاع راہن کو؛ اس کی قدرت کی وجہ سے اس پر چھڑانے کے واسطے سے، اور وصی کو، اور یتیم کے باپ کو، یا اس کی ماں کو

فِي حَائِطِ الصَّبِيِّ لِقِيَامِ الْوِلَايَةِ ، {۵} وَذِكْرُ الْأُمِّ فِي الزِّيَادَاتِ وَالضَّمَانُ فِي مَالِ الْيَتِيمِ لِأَنَّ فِعْلَ هَؤُلَاءِ

بچے کی دیوار کے بارے میں؛ قیام ولایت کی وجہ سے، اور ماں کا تذکرہ زیادات میں ہے، اور ضمان یتیم کے مال میں ہو گا؛ کیونکہ ان لوگوں کا فعل

كَفِعْلِهِ، وَإِلَى الْمُكَاتَبِ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لَهُ ، وَإِلَى الْعَبْدِ التَّاجِرِ سَوَاءٌ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ لِأَنَّ وِلَايَةَ النَّقْضِ

یتیم کے فعل کی طرح ہے، اور مکاتب کو؛ کیونکہ ولایت اس کو حاصل ہے، اور تاجر غلام کو، خواہ اس پر دَین ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ توڑنے کی ولایت

لَهُ ، {٦} ثُمَّ التَّلَفُ بِالسُّقُوطِ إِنْ كَانَ مَالًا فَهُوَ فِي عُنُقِ الْعَبْدِ ، وَإِنْ كَانَ نَفْسًا فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الْمَوْلَى

اس کو حاصل ہے۔ پھر دیوار کے سقوط سے ہلاک شدہ اگر مال ہو تو وہ متعلق ہو گا غلام کی گردن کے ساتھ، اور اگر نفس ہو تو وہ مولیٰ کے عاقلہ پر ہو گا

لِأَنَّ الْإِشْهَادَ مِنْ وَجْهٍ عَلَى الْمَوْلَى وَضَمَانُ الْمَالِ أَلْيَقُ بِالْعَبْدِ وَضَمَانُ النَّفْسِ بِالْمَوْلَى {۷} وَيَصِحُّ التَّقَدُّمُ

؛ کیونکہ اشہاد من وجہ مولیٰ پر ہے، اور مال کا ضمان غلام کے ساتھ لائق ہے، اور نفس کا ضمان مولیٰ کے ساتھ، اور صحیح ہے پیشگی اطلاع

إِلَى أَحَدِ الْوَرَثَةِ فِي نَصِيبِهِ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ نَقْضِ الْحَائِطِ وَحْدَهُ لِتَمَكُّنِهِ مِنْ إِصْلَاحِ نَصِيبِهِ

ورثہ میں سے ایک کو اس کے حصہ میں، اگرچہ وہ قادر نہ ہو دیوار توڑنے پر تنہا؛ اس کے قادر ہونے کی وجہ سے اپنے حصے کی اصلاح پر

بِطَرِيقِهِ وَهُوَ الْمُرَافَعَةُ إِلَى الْقَاضِي . {۸} وَلَوْ سَقَطَ الْحَائِطُ الْمَائِلُ عَلَى إِنْسَانٍ بَعْدَ الْإِشْهَادِ فَقَتَلَهُ فَتَعَثَّرَ

طریقہ اصلاح سے، اور وہ مرافعہ ہے قاضی کو۔ اور اگر گر گئی جھکی ہوئی دیوار کسی انسان پر اشہاد کے بعد، پس قتل کر دیا اس کو پھر پھسل گیا

بِالْقَتِيلِ غَيْرُهُ فَعَطِبَ لَا يَضْمَنُهُ ؛ لِأَنَّ التَّفْرِيغَ عَنْهُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لَا إِلَيْهِ

مقتول کی وجہ سے دوسرا شخص اور ہلاک ہوا تو ضامن نہ ہو گا اس کا؛ کیونکہ راستہ خالی کرنا مقتول سے اولیاء پر ہے نہ کہ صاحب دیوار پر،

وَإِنْ عَطِبَ بِالنُّقْضِ ضَمِنَهُ ؛ لِأَنَّ التَّفْرِيغَ إِلَيْهِ إِذِ النُّقْضُ مِلْكُهُ وَالْإِشْهَادُ عَلَى الْحَائِطِ إِشْهَادٌ عَلَى النُّقْضِ

اور اگر ہلاک ہوا ملبہ سے تو اس کا ضامن ہو گا؛ کیونکہ تفریغ اسی پر ہے، اس لیے کہ ملبہ اسی کی ملک ہے، اور اشہاد دیوار پر اشہاد ہے ملبہ پر

لِأَنَّ الْمَقْصُودَ امْتِنَاعُ الشَّغْلِ{9} وَلَوْ عَطِبَ بِجَرَّةٍ كَانَتْ عَلَى الْحَائِطِ فَسَقَطَتْ بِسُقُوطِهِ
کیونکہ مقصود رُکنا ہے راستہ مشغول کرنے سے، اور اگر ہلاک ہوا دیوار پر رکھے ہوئے گھڑے کی وجہ سے پس وہ گر گیا دیوار کے گرنے سے

وَهِيَ مِلْكُهُ ضَمِنَهُ ؛ لِأَنَّ التَّفْرِيغَ إِلَيْهِ . وَإِنْ كَانَ مِلْكَ غَيْرِهِ لَا يَضْمَنُهُ ؛ لِأَنَّ التَّفْرِيغَ إِلَى مَالِكِهَا
اور وہ اس کی ملک ہو تو ضامن ہو گا اس کا؛ کیونکہ تفریغ اسی پر ہے، اور اگر وہ غیر کی ملک ہو تو ضامن نہ ہو گا اس کا؛ کیونکہ تفریغ اس کے مالک پر ہے

{10}قَالَ : وَإِنْ كَانَ الْحَائِطُ بَيْنَ خَمْسَةِ رِجَالٍ أُشْهِدَ عَلَى أَحَدِهِمْ فَقَتَلَ إِنْسَانًا ضَمِنَ خُمُسَ الدِّيَةِ
فرمایا: اور اگر دیوار مشترک ہو پانچ آدمیوں کے درمیان، اشہاد کیا گیا ان میں سے ایک پر، پھر قتل کر دیا کسی انسان کو تو ضامن ہو گا خُمس دیت کا

وَيَكُونُ ذَلِكَ عَلَى عَاقِلَتِهِ ، وَإِنْ كَانَتْ دَارٌ بَيْنَ ثَلَاثَةِ نَفَرٍ فَحَفَرَ أَحَدُهُمْ فِيهَا بِئْرًا
اور ہو گی یہ اس کے عاقلہ پر۔ اور اگر مکان مشترک ہو تین آدمیوں کے درمیان، اور کھودا ان میں سے ایک نے اس میں کنواں،

وَالْحَفْرُ كَانَ بِغَيْرِ رِضَا الشَّرِيكَيْنِ الْآخَرَيْنِ أَوْ بَنَى حَائِطًا فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ فَعَلَيْهِ ثُلُثَا الدِّيَةِ
اور کھودنا دیگر دو شریکوں کی رضامندی کے بغیر ہو، یا دیوار بنائی، پس ہلاک ہوا اس سے کوئی انسان، تو اس پر دو ثلث دیت ہے

عَلَى عَاقِلَتِهِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ فِي الْفَصْلَيْنِ
جس کی ادائیگی اس کے عاقلہ پر ہے اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا: صاحبینؒ نے اس کے عاقلہ پر نصف دیت ہے دونوں صورتوں میں

{11}لَهُمَا أَنَّ التَّلَفَ بِنَصِيبِ مَنْ أُشْهِدَ عَلَيْهِ مُعْتَبَرٌ ، وَبِنَصِيبِ مَنْ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ
صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تلف اس شخص کے حصہ سے جس پر اشہاد کیا گیا ہے معتبر ہے، اور تلف اس کے حصہ سے جس پر اشہاد نہیں کیا گیا ہے

هَدَرٌ ، فَكَانَا قِسْمَيْنِ فَانْقَسَمَ نِصْفَيْنِ كَمَا مَرَّ فِي عَقْرِ الْأَسَدِ وَنَهْشِ الْحَيَّةِ وَجَرْحِ الرَّجُلِ.
رائیگاں ہے، پس یہ دو قسمیں ہو گئیں، لہذا ضمان منقسم ہو گا نصف نصف جیسا کہ گذر چکا شیر کے زخمی کرنے، سانپ کے ڈسنے اور انسان کے زخمی کرنے میں

{12}وَلَهُ أَنَّ الْمَوْتَ حَصَلَ بِعِلَّةٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ الثِّقَلُ الْمُقَدَّرُ وَالْعُمْقُ الْمُقَدَّرُ ، لِأَنَّ أَصْلَ ذَلِكَ
اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت حاصل ہوئی ہے ایک علت سے اور وہ ثقل مقدر ہے اور عمق مقدر ہے؛ کیونکہ اصل اس کی

لَيْسَ بِعِلَّةٍ وَهُوَ الْقَلِيلُ حَتَّى يُعْتَبَرُ كُلُّ جُزْءٍ عِلَّةً فَتَجْتَمِعُ الْعِلَلُ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يُضَافُ
علت نہیں ہے اور وہ قلیل ہے حتی کہ ہر جزء علت ہو گا پس جمع ہو جائیں گی کئی علتیں، اور جب بات اس طرح ہے تو موت منسوب ہو گی

إِلَى الْعِلَّةِ الْوَاحِدَةِ ثُمَّ تُقْسَمُ عَلَى أَرْبَابِهَا بِقَدْرِ الْمِلْكِ ،{13}بِخِلَافِ الْجِرَاحَاتِ فَإِنَّ كُلَّ جِرَاحَةٍ عِلَّةٌ

علت کی طرف، پھر تقسیم کیا جائے اس علت کو اربابِ علت پر ملکیت کے حساب سے، بر خلافِ زخموں کے؛ کیونکہ ہر زخم علت ہے
لِلتَّلَفِ بِنَفْسِهَا صَغُرَتْ أَوْ كَبُرَتْ عَلَى مَا عُرِفَ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْمُزَاحَمَةِ أُضِيفَ إِلَى الْكُلِّ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ
تلف کا بنفسہ، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، البتہ مزاحمت کے وقت موت منسوب ہوگی کل کی طرف؛ عدم اولویت کی وجہ سے

تشریح:۔ {۱} اگر دیوار کسی شخص کے مکان کی جانب جھکی ہو تو توڑنے کا مطالبہ خاص کر اس مکان کے مالک کی طرف سے ہو؛ کیونکہ حق خاص کر اسی کو حاصل ہے، اور اگر اس مکان میں بہت لوگ رہتے ہوں تو ہر ایک کو اختیار حاصل ہوگا کہ اس سے دیوار دور کرنے کا مطالبہ کرے؛ کیونکہ جو چیز اس مکان کو مشغول رکھے اس کو دور کرنے کا مطالبہ ہر ایک کے اختیار میں ہے اسی طرح جو چیز اس مکان کی فضاء کو مشغول رکھے اس کے دور کرنے کا بھی ہر ایک مطالبہ کر سکتا ہے۔

{۲} اور اگر مالک مکان نے صاحب دیوار کو کچھ دنوں کی مہلت دیدی یا اس جنایت سے اس کو بری کر دیا یا اس مکان کے سب رہنے والوں نے ایسا کیا تو یہ جائز ہے اور دیوار سے جو کچھ تلف ہو تو صاحب دیوار اس کا ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ حق اہل مکان کو حاصل ہے اور انہوں نے اپنا یہ حق ساقط کر دیا اس لیے صاحبِ دیوار تاوان کا ضامن نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر مذکورہ دیوار عام راستے کی جانب جھکی ہو، اور دیوار کے مالک کو قاضی نے مہلت دیدی یا جس شخص نے اس پر گواہ قائم کیے تھے اس نے مہلت دی تو یہ مہلت دینا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ حق مسلمانوں کی جماعت کو حاصل ہے، اور قاضی یا گواہ قائم کرنے والے کو عام مسلمانوں کا حق مٹانے کا اختیار نہیں ہے۔

{۳} اگر صاحبِ دیوار پر مطالبہ کے گواہ قائم کر لینے کے بعد اس نے مذکورہ دیوار فروخت کر دی اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا تو بائع اس کے ضمان سے بری ہوگا؛ کیونکہ دیوار منہدم نہ کرنے سے جرم اس صورت میں ہے کہ اس کو منہدم کرنے کی قدرت حاصل ہو حالانکہ فروخت کی وجہ سے اس کی قدرت زائل ہو گئی اس لیے ضمان سے بری ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر مکان سے شارع عام کی طرف روشندان نکالا پھر مکان کو فروخت کر دیا پھر اس سے کوئی نقصان ہوا تو بائع ضامن رہے گا؛ کیونکہ مالکِ مکان کا یہ فعل ہی جرم تھا اور بیع کی وجہ سے وہ فسخ نہیں ہوا تو تاوان سے بری نہ ہوگا جیسے ہم نے سابق میں "بَابُ مَا يُحْدِثُ الرَّجُلُ فِي الطَّرِيقِ" میں ہم نے بیان کیا ہے۔ اور دیوار کا خریدار بھی ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ اس پر مطالبہ کے گواہ قائم نہیں کیے گئے ہیں۔

اور اگر [illegible] مطالبہ [illegible] ضامن ہو جائے [illegible] مطالبہ کے بعد اس نے فضاء کو خالی نہیں کیا [illegible] قدرت حاصل [illegible] اس لیے ضامن ہوگا۔

{۴} [illegible] اور فضاء خالی کرنے کی قدرت حاصل ہو اور [illegible] قدرت حاصل نہ ہو اس سے کہہ دینا اور مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے جیسے مرتہن یا مستاجر یا مودَع یا عاریۃً مکان [illegible] مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے، ہاں راہن سے مطالبہ صحیح ہے؛ کیونکہ راہن کو دیوار توڑنے کی قدرت اس طرح حاصل ہے کہ مرہون مکان کو چھڑالے اور جھکی ہوئی دیوار گرادے۔ اور نابالغ کے وصی سے بھی مطالبہ صحیح ہے اور نابالغ کے باپ یا اس کی ماں سے بھی مطالبہ صحیح ہے، [illegible] یہ دیوار نابالغ کی ملک ہو؛ کیونکہ ان لوگوں کی ولایت حاصل ہے اور امام محمدؒ نے ماں کا ذکر اپنی کتاب "زیادات" میں کیا ہے۔

{۵} اور اس دیوار کی وجہ سے جو تاوان لازم ہو وہ نابالغ کے مال میں ہوگا؛ کیونکہ اس کے والدین اور وصی کا فعل ایسا ہے جیسے خود نابالغ کا فعل، پس اگر ان سے دیوار دور کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور انہوں نے دیوار کو دور نہیں کیا یہاں تک کہ اس سے کوئی نقصان ہوا تو تاوان بچے کے مال میں واجب ہوگا۔ اور مکاتب کی ملک میں موجود مکان کی جھکی ہوئی دیوار کو دور کرنے کا مطالبہ مکاتب سے صحیح ہے؛ کیونکہ مکاتب کو اپنی کمائی میں ولایت حاصل ہے، اور تاجر غلام کے قبضہ میں موجود دیوار کو دور کرنے کا مطالبہ اسی غلام سے صحیح ہے خواہ اس پر قرضہ ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ اس کو دیوار توڑنے کی ولایت حاصل ہے۔

{۶} پھر دیوار گرنے سے جو چیز تلف ہو اس کو دیکھا جائے گا اگر وہ مال ہے تو اس کا تاوان اس تاجر غلام کی گردن میں واجب ہوگا یعنی اس تاوان کی ادائیگی کے لیے اس غلام کو فروخت کیا جائے گا جیسا کہ تجارتی قرضوں کے لیے اس کو فروخت کیا جاتا ہے۔ اور اگر تلف شدہ چیز کوئی جان ہو تو اس کی دیت اس غلام کے مولیٰ کی مددگار برادری پر واجب ہوگی؛ کیونکہ تاجر غلام پر مطالبہ کے گواہ قائم کرنا ایک اعتبار سے اس کے مولیٰ پر قائم کرنا ہے؛ کیونکہ مکان درحقیقت مولیٰ کی ملک ہے اور مالی تاوان لازم ہونا غلام سے زیادہ لائق ہے اور جانی تاوان اس کے مولیٰ سے زیادہ لائق ہے اس لیے جان کی دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔

{۷} اور دیوار دور کرنے کا مطالبہ وارثوں میں سے ایک وارث پر اس کے حصہ میں صحیح ہو جاتا ہے اگرچہ اس دیوار کو توڑنے کا اس کو تنہا اختیار نہیں ہے لیکن اس وجہ سے صحیح ہے کہ وہ اصلاح کے طریقہ سے اپنے حصہ میں اصلاح کر سکتا ہے اور اصلاح کا طریقہ

یہ ہے کہ قاضی کے حضور میں مرافعہ کرے کہ وہ دیگر شرکاء کو حکم کرے کہ وہ اس کے ساتھ مل کر دیوار توڑ دیں لیکن جب اس نے مرافعہ نہیں کیا تو یہ اس کی طرف سے حد سے تجاوز ہے اس لیے اپنے حصے کے بقدر ضامن ہوگا۔

{۸}اگر گواہ قائم کرنے کے بعد جھکی ہوئی دیوار کسی شخص پر گری پس اس کو ہلاک کر دیا پھر مقتول سے ٹھوکر کھا کر دوسرا شخص مر گیا تو دیوار کا مالک دوسرے مقتول کا ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ اول مقتول سے راستہ خالی کرنا اس کے اولیاء پر واجب ہے دیوار کے مالک کے ذمہ واجب نہیں ہے اس لیے جو کوئی اس سے تلف ہوا اس کا ضمان دیوار کے مالک پر نہ ہوگا۔ اور اگر دوسرا شخص اس دیوار کے ملبہ سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو دیوار کا مالک اس کی دیت کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ ملبہ سے راستہ صاف کرنا دیوار کے مالک کے ذمہ ہے؛ کیونکہ ملبہ اسی کی مِلک ہے اس لیے اس سے جو کوئی تلف ہوا تو اس کی دیت بھی مالک کے ذمہ ہوگی۔ اور دیوار کو دور کرنے کے لیے جو گواہ قائم کیے تھے وہی گواہ ملبہ دور کرنے کے مطالبہ کے بھی گواہ ہیں یعنی ملبہ اٹھانے کے لیے جدید گواہوں کو قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اشہاد سے مقصود یہ تھا کہ شارع عام کو فارغ کیا جائے خواہ دیوار سے فارغ کیا جائے یا ملبہ سے اور یہ گواہ اس نے قائم کر دیئے اس لیے مزید گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

{۹}اور اگر دیوار پر کوئی گڑھا رکھا ہوا تھا اور دیوار کے گرنے سے وہ بھی گرا جس سے اُلجھ کر کوئی آدمی تلف ہو گیا حالانکہ گڑھا اس کی مِلک تھا تو بھی وہ اس کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس پر راستہ خالی کرنا واجب تھا پس جب اس نے دیوار اور گڑھے کو نہیں ہٹایا تو کوتاہی اسی کی جانب سے ہے اس لیے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اور اگر گڑھا غیر کی مِلک ہو تو اس سے جو نقصان ہو دیوار کا مالک اس کا ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ راستے کی فضاء کو گڑھے سے خالی کرنا اس کے مالک پر واجب تھا تو اس کا مالک ضامن ہوگا دیوار کا مالک ضامن نہ ہوگا۔

{۱۰}اگر ایک جھکی دیوار پانچ آدمیوں میں مشترک ہو جن میں سے ایک شخص پر گواہ کو قائم کیا گیا پھر وہ دیوار گری جس نے ایک آدمی کو قتل کیا تو جس پر اشہاد کیا گیا ہے وہ اس مقتول کی دیت کے پانچویں حصے کا ضامن ہوگا اور یہ حصہ اس کی مددگار برادری پر لازم ہوگا۔ اور اگر مکان تین آدمیوں میں مشترک ہو پھر ان میں سے ایک شخص نے دیگر دو شریکوں کی رضامندی کے بغیر اس میں کنواں کھودا، یا کوئی دیوار بنائی پھر اس کنویں یا دیوار سے کوئی آدمی مر گیا تو اس کنواں کھودنے یا دیوار بنانے والے شریک پر دو تہائی دیت لازم ہوگی اور اس کی ادائیگی اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی، یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں (پانچ شرکاء اور تین شرکاء کی صورتوں) میں نصف دیت کی ادائیگی اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔

{۱۱} صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس پر اشہاد کیا گیا اس کے حصہ کی وجہ سے تلف ہونا معتبر ہے اور جن پر اشہاد نہیں کیا گیا ان کے حصہ کی وجہ سے تلف ہونا رائیگاں ہے یعنی معتبر نہیں ہے پس یہ دو قسمیں ہوئیں تو تاوان بھی دو حصے ہو کر تقسیم ہو گا جیسا کہ شیر کے زخمی کرنے اور سانپ کے کاٹنے اور آدمی کے زخمی کرنے کے مسئلہ میں گذر چکا کہ شیر اور سانپ کا زخم دونوں باطل ہیں اور آدمی کا زخمی کرنا معتبر ہے پس ایک قسم معتبر اور ایک قسم غیر معتبر ہے اس لیے زخمی کرنے والے آدمی پر نصف دیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہو گا۔

{۱۲} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت علتِ واحدہ کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور وہ دیوار کی خاص مقدار ثقل ہے اور کنویں کی خاص مقدار گہرائی ہے اور مقدار کی قید اس لیے لگائی کہ اصل ثقل اور گہرائی جبکہ وہ قلیل مقدار میں ہو موت کی علت نہیں ہے تو ایک خاص مقدار پر پہنچ کر علت ہے تو ہر ایک جزء اس کی علت نہ ہوا تا کہ کئی علتیں جمع ہو جائیں اور جب یہ ثابت ہوا کہ یہاں ایک ہی علت ہے تو مقتول کا مرنا اسی علتِ واحدہ کی جانب منسوب ہو گا پھر اس علت کو مکان کے مالکوں پر ہر ایک کی ملکیت کے بقدر تقسیم کیا جائے گا، پس دیوار کی صورت میں جس پر اشہاد ہوا ہے وہ پانچویں حصہ کا مالک ہے پس اسی قدر ضامن ہو گا اور مکان کی صورت میں کنواں کھودنے والا صرف تہائی کا مالک ہے جس کے بقدر وہ تعدی کرنے والا نہیں جبکہ بقیہ دُو شریکوں کے حصے کے بقدر وہ تعدی کرنے والا ہے؛ کیونکہ ان کی اجازت کے بغیر یہ کام کیا ہے تو ان کے حصے کے بقدر (دو تہائی) دیت کا ضامن ہو گا۔

{۱۳} باقی جراحات کے مسئلہ کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی شیر، سانپ اور آدمی کے زخمی کرنے کی صورت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اس میں کئی علتیں ہیں؛ کیونکہ ہر ایک جراحت بذات خود موت کی علت ہے خواہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو چنانچہ سابق میں معلوم ہوا، لیکن اس مسئلہ میں زخمی کرنے والے آدمی کے ساتھ شیر اور سانپ کا زخم مزاحم ہے تو موت ان سب کی جانب منسوب کی گئی؛ کیونکہ کسی زخم کو اولیٰ نہیں قرار دے سکتے، اگرچہ کوئی جراحت قلیل ہو، تو موت کی علت ہونے میں یہ سب برابر ہیں البتہ ان میں سے بعض معتبر اور بعض غیر معتبر ہیں تو متعدد غیر معتبر کو ایک قرار دیا یوں گویا دو علتیں ہیں، پس ضمان کے بھی دو حصے کر دئے ایک کو معتبر مانا اور دوسرے کو رائیگاں قرار دیا۔

فتوی:۔ امام صاحبؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: والراجح فی هذه المسئلة و التی سبقت أنفاً انما هو قول الامام ابی حنیفة عند اکثر المشائخ، و لایخفی انه لو کان الحفر والبناء باذن الشریکین الباقیین لایکون جنایة فلا ضمان علی واحد منهم(هامش الهدایة:4ص606)

بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهَا

یہ باب جانور کی جنایت اور جانور پر جنایت کے بیان میں ہے۔

مصنف انسان کی جنایت اور انسان پر جنایت کے بیان سے فارغ ہو گئے تو جانور کی جنایت اور جانور پر جنایت کے احکام کو شروع فرمایا چونکہ جانوروں میں عقل نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ جمادات کے ساتھ ملحق ہیں اس لیے ان کی جنایات کے بیان کو انسانوں کی جنایات کے بیان سے مؤخر کر دیا۔

{۱} قَالَ : الرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا أَوْطَأَتِ الدَّابَّةُ مَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا أَوْ رَأْسِهَا أَوْ كَدَمَتْ أَوْ خَبَطَتْ

فرمایا: سوار ضامن ہے اس کا جس کو روند ڈالے جانور خواہ روندا ہو ہاتھ سے یا پاؤں سے یا سر سے یا دانت سے کاٹا ہو یا اگلے پاؤں سے مارا ہو

وَكَذَا إِذَا صَدَمَتْ وَلَا يَضْمَنُ مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ ذَنَبِهَا ؛ {۲} وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُرُورَ فِي طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ

اور اسی طرح جب دھکا دیا ہو، اور ضامن نہ ہو گا اس کا جو ہلاک کر دے پچھلے پاؤں کی ٹاپ سے یا دم سے، اور ضابطہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستے میں گزرنا

مُبَاحٌ مُقَيَّدٌ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِي حَقِّهِ مِنْ وَجْهٍ وَفِي حَقِّ غَيْرِهِ مِنْ وَجْهٍ

ایسا مباح ہے جو مقید ہے شرطِ سلامتی کے ساتھ؛ کیونکہ وہ تصرف کر رہا ہے اپنے حق میں من وجہ اور غیر کے حق میں من وجہ

لِكَوْنِهِ مُشْتَرَكًا بَيْنَ كُلِّ النَّاسِ فَقُلْنَا بِالْإِبَاحَةِ مُقَيَّدًا بِمَا ذَكَرْنَا

اس کے مشترک ہونے کی وجہ سے تمام لوگوں کے درمیان، پس ہم نے ایسی اباحت کا قول کیا جو مقید ہے اس شرط کے ساتھ جو ہم ذکر کر چکے

لِيَعْتَدِلَ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ ، {۳} ثُمَّ إِنَّمَا يَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ فِيمَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ وَلَا يَتَقَيَّدُ

تاکہ برابر رہے رعایت جانبین کی۔ پھر مرور مقید ہے سلامتی کی شرط کے ساتھ اس صورت میں کہ ممکن ہو بچنا اس سے، اور مقید نہیں ہے

بِهَا فِيمَا لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَنْعِ عَنِ التَّصَرُّفِ وَسَدِّ بَابِهِ وَهُوَ مَفْتُوحٌ

سلامتی کے ساتھ اس صورت میں کہ ممکن نہ ہو بچنا اس سے؛ کیونکہ اس میں منع ہے تصرف سے اور بند کرنا ہے اس کا دروازہ حالانکہ وہ کھلا ہے

وَالِاحْتِرَازُ عَنِ الْإِيطَاءِ وَمَا يُضَاهِيهِ مُمْكِنٌ ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ ضَرُورَاتِ التَّسْيِيرِ فَقَيَّدْنَاهُ

اور بچنا روندنے اور اس کے مشابہ سے ممکن ہے؛ کیونکہ یہ چلانے کی ضرورتوں میں سے نہیں ہے، پس ہم نے مقید کر دیا اس کو

بِشَرْطِ السَّلَامَةِ عَنْهُ ، وَالنَّفْحَةُ بِالرِّجْلِ وَالذَّنَبِ لَيْسَ يُمْكِنُهُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ مَعَ السَّيْرِ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَمْ يَتَقَيَّدْ بِهِ

سلامتی کی شرط کے ساتھ، اور کھر اور دم سے مارنے سے احتراز ممکن نہیں ہے جانور پر چلنے کے ساتھ، پس مقید نہ ہو گا سلامتی کے ساتھ

{۴} فَإِنْ أَوْقَفَهَا فِي الطَّرِيقِ ضَمِنَ النَّفْحَةَ أَيْضًا ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنِ الْإِيقَافِ

اور اگر اس نے جانور کو کھڑا کر دیا راستے میں تو لات مارنے کا بھی ضامن ہوگا؛ کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے احتراز کھڑا کرنے سے،

وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ عَنِ النَّفْحَةِ فَصَارَ مُتَعَدِّيًا فِي الْإِيقَافِ وَشَغْلِ الطَّرِيقِ بِهِ فَيَضْمَنُهُ.

اور اگرچہ ممکن نہیں ہے لات مارنے سے، پس ہو گیا وہ تعدی کرنے والا کھڑا کرنے اور اس کے ساتھ راستہ مشغول کرنے سے، پس وہ ضامن ہوگا اس کا

{۵} قَالَ : وَإِنْ أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ بِرِجْلِهَا حَصَاةً أَوْ نَوَاةً أَوْ أَثَارَتْ غُبَارًا أَوْ حَجَرًا صَغِيرًا فَفَقَأَ عَيْنَ إِنْسَانٍ

فرمایا: اور اگر پھینکی جانور نے اپنے اگلے پاؤں سے یا پچھلے پاؤں سے کنکری، یا گٹھلی، یا اڑایا غبار، یا چھوٹا پتھر، پس پھوڑ دی کسی انسان کی آنکھ

أَوْ أَفْسَدَ ثَوْبَهُ لَمْ يَضْمَنْ ، وَإِنْ كَانَ حَجَرًا كَبِيرًا ضَمِنَ ؛ لِأَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ ، إِذْ

یا خراب کر دیا کسی کا کپڑا تو ضامن نہ ہو، اور اگر بڑا پتھر ہو تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ پہلی صورت میں ممکن نہیں ہے بچنا اس سے؛ کیونکہ

سَيْرُ الدَّوَابِّ لَا يَعْرَى عَنْهُ ، وَفِي الثَّانِي مُمْكِنٌ لِأَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنِ السَّيْرِ عَادَةً ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ بِتَعْنِيفِ الرَّاكِبِ،

جانور کا چلنا خالی نہیں ہوتا ہے اس سے، اور دوسری صورت میں ممکن ہے؛ کیونکہ وہ الگ ہوتا ہے چلنے سے عادةً، اور یہ سوار کی سختی سے ہے

وَالْمُرْتَدِفُ فِيمَا ذَكَرْنَا كَالرَّاكِبِ لِأَنَّ الْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ . {۶} قَالَ : فَإِنْ رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ

اور پچھلا سوار اس میں جو ہم ذکر کر چکے سوار کی طرح ہے؛ کیونکہ وجہ مختلف نہیں ہوتی۔ فرمایا: اور اگر جانور نے لید کی یا پیشاب کیا راستے میں

وَهِيَ تَسِيرُ فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ السَّيْرِ فَلَا يُمْكِنُهُ

اس حال میں کہ وہ چلتا ہو، پس ہلاک ہوا اس سے انسان تو ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ چلنے کے لوازم میں سے ہے پس ممکن نہیں ہے اس کے لیے

الِاحْتِرَازُ عَنْهُ ؛ وَكَذَا إِذَا أَوْقَفَهَا لِذَلِكَ ؛ لِأَنَّ مِنَ الدَّوَابِّ مَا لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْإِيقَافِ،

بچنا اس سے، اور اسی طرح جب وہ روک دے اس کو اس کے لیے؛ کیونکہ بعض جانور ایسے ہیں جو پیشاب وغیرہ نہیں کرتے مگر کھڑے کرنے سے

وَإِنْ أَوْقَفَهَا لِغَيْرِ ذَلِكَ فَعَطِبَ إِنْسَانٌ بِرَوْثِهَا أَوْ بَوْلِهَا ضَمِنَ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ

اور اگر جانور کو کھڑا کر دیا اس کے علاوہ کے لیے پھر ہلاک ہوا کوئی انسان اس کی لید یا پیشاب سے تو ضامن ہوگا؛ کیونکہ تعدی کرنے والا ہے

فِي هَذَا الْإِيقَافِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ ضَرُورَاتِ السَّيْرِ ، {۷} ثُمَّ هُوَ أَكْثَرُ ضَرَرًا بِالْمَارَّةِ مِنَ السَّيْرِ لِمَا أَنَّهُ

اس کھڑے کرنے میں؛ کیونکہ یہ چلنے کے لوازم میں سے نہیں، پھر یہ زیادہ ہے ضرر میں چلنے والوں کے لیے چلنے سے؛ کیونکہ کھڑا کرنا

أَدْوَمُ مِنْهُ فَلَا يَلْحَقُ بِهِ {۸} وَالسَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا

دائی ہے چلنے سے، پس یہ چلنے کے ساتھ لاحق نہ ہوگا۔ اور پیچھے سے ہانکنے والا ضامن ہے اس کا جو نقصان کرے اگلے پاؤں سے نہ پچھلے پاؤں سے

وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا دُونَ رِجْلِهَا . وَالْمُرَادُ النَّفْحَةُ

اور آگے سے کھینچنے والا ضامن ہے اس کا جو نقصان کرے اپنے اگلے پاؤں سے نہ اس کا جو پچھلے پاؤں سے ہو، اور مراد لات مارنا ہے

قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : هٰكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ . وَإِلَيْهِ مَالَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ وَوَجْهُهُ

مصنفؒ فرماتے ہیں اسی طرح ذکر کیا ہے امام قدوریؒ نے اپنی مختصر میں، اور اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں بعض مشائخ، اور اس کی وجہ یہ ہے

أَنَّ النَّفْحَةَ بِمَرْأَى عَيْنِ السَّائِقِ فَيُمْكِنُهُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ وَغَائِبٌ عَنْ بَصَرِ الْقَائِدِ

کہ لات مارنا سائق کی آنکھ کے سامنے ہوتا ہے پس ممکن ہے اس کے لیے بچنا اس سے، اور غائب ہے آگے سے کھینچنے والے کی آنکھ سے

فَلَا يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ . {۹} وَقَالَ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ : إِنَّ السَّائِقَ لَا يَضْمَنُ النَّفْحَةَ أَيْضًا وَإِنْ كَانَ يَرَاهَا

پس ممکن نہیں ہے اس کے لیے بچنا اس سے۔ اور فرمایا اکثر مشائخ نے کہ ہانکنے والا بھی ضامن نہیں ہے لات مارنے کا اگرچہ وہ اس کو دیکھ رہا ہو

إِذْ لَيْسَ عَلَى رِجْلِهَا مَا يَمْنَعُهَا بِهِ فَلَا يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ . بِخِلَافِ

کیونکہ نہیں ہوتی جانور کے پاؤں پر ایسی چیز کہ روک دے جانور کو اس کے ذریعہ، پس ممکن نہیں ہے اس کے لیے بچنا اس سے، برخلاف

الْكَدْمِ لِإِمْكَانِهِ كَبْحَهَا بِلِجَامِهَا . وَبِهٰذَا يَنْطِقُ أَكْثَرُ النُّسَخِ وَهُوَ الْأَصَحُّ . {۱۰} وَقَالَ

دانت سے کاٹنے کے؛ کیونکہ ممکن ہے اس کو کھینچنا اس کی لگام سے، اور اسی کی تصریح کی ہے اکثر نسخوں نے اور یہی اصح ہے۔ اور فرمایا

الشَّافِعِيُّ : يَضْمَنُونَ النَّفْحَةَ كُلُّهُمْ لِأَنَّ فِعْلَهَا مُضَافٌ إِلَيْهِمْ . وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا

امام شافعیؒ نے کہ ضامن ہوں گے لات مارنے کے سب لوگ؛ کیونکہ جانور کا فعل منسوب ہے ان کی طرف، اور ان پر حجت وہی ہے

ذَكَرْنَاهُ ، وَقَوْلُهُ ﷺ { الرِّجْلُ جُبَارٌ } وَمَعْنَاهُ النَّفْحَةُ بِالرِّجْلِ . {۱۱} وَانْتِقَالُ الْفِعْلِ بِتَخْوِيفِ الْقَتْلِ

جو ہم ذکر کر چکے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "پاؤں ہدر ہے" اس کا معنی ہے لات مارنا پاؤں سے، اور فعل کا انتقال قتل کا خوف دلانے کے لیے ہوتا ہے

كَمَا فِي الْمُكْرَهِ وَهٰذَا تَخْوِيفٌ بِالضَّرْبِ . {۱۲} قَالَ : وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَكُلُّ شَيْءٍ ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ

جیسے مکرَہ میں ہے، اور یہ تخویف ہے ضرب کی۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ضامن ہوتا ہے سوار اس کا ضامن ہوگا

ضَمِنَهُ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ ؛ لِأَنَّهُمَا مُسَبِّبَانِ بِمُبَاشَرَتِهِمَا شَرْطَ التَّلَفِ وَهُوَ تَقْرِيبُ الدَّابَّةِ إِلَى مَكَانِ الْجِنَايَةِ

ہانکنے والا اور کھینچنے والا؛ کیونکہ یہ دونوں مسبب ہیں شرطِ تلف کی مباشرت کی وجہ سے، اور وہ قریب کرنا ہے جانور کو مکانِ جنایت کے

فَيَتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ فِيمَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ كَالرَّاكِبِ ۔ إلَّا أَنَّ عَلَى الرَّاكِبِ الْكَفَّارَةَ فِيمَا

پس یہ مقید ہوگا شرطِ سلامتی کے ساتھ اس چیز میں جس سے احتراز ممکن ہو جیسے راکب، البتہ راکب پر کفارہ ہے اس صورت میں کہ

أَوْطَأَتْهُ الدَّابَّةُ بِيَدِهَا أَوْ بِرِجْلِهَا : وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِمَا وَلَا عَلَى الرَّاكِبِ فِيمَا وَرَاءَ الْإِيطَاءِ،

جانور کسی کو روند ڈالنے اپنے اگلے پاؤں سے پچھلے پاؤں سے، اور کفارہ نہیں ہے ان دونوں پر اور نہ راکب پر روندنے کے علاوہ میں؛

لِأَنَّ الرَّاكِبَ مُبَاشِرٌ فِيهِ لِأَنَّ التَّلَفَ بِثِقَلِهِ وَثِقَلِ الدَّابَّةِ تَبَعٌ لَهُ ، لِأَنَّ سَيْرَ الدَّابَّةِ مُضَافٌ إلَيْهِ

کیونکہ راکب مباشر ہے اس میں، اس لیے تلف اس کے ثقل سے ہے اور ثقل جانور تابع ہے اس کا؛ کیونکہ جانور کا چلنا منسوب ہے اس کی طرف

وَهِيَ آلَةٌ لَهُ وَهُمَا مُسَبِّبَانِ لِأَنَّهُ لَا يَتَّصِلُ مِنْهُمَا إلَى الْمَحَلِّ شَيْءٌ ،وَكَذَا الرَّاكِبُ

اور وہ آلہ ہے اس کا، اور قائد و سائق دونوں مسبب ہیں؛ کیونکہ متصل نہیں ہے ان کی طرف سے محل کے ساتھ کوئی چیز، اور اسی طرح راکب ہے

فِي غَيْرِ الْإِيطَاءِ ، وَالْكَفَّارَةُ حُكْمُ الْمُبَاشَرَةِ لَا حُكْمُ التَّسَبُّبِ ،{13}وَكَذَا يَتَعَلَّقُ بِالْإِيطَاءِ فِي حَقِّ الرَّاكِبِ

روندنے کے علاوہ میں، اور کفارہ حکم مباشرت ہے نہ کہ حکم تسبیب، اور اسی طرح متعلق ہوتا ہے روندنے کے ساتھ راکب کے حق میں؛

حِرْمَانُ الْمِيرَاثِ وَالْوَصِيَّةِ دُونَ السَّائِقِ وَالْقَائِدِ لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْمُبَاشَرَةِ{14} وَلَوْ كَانَ رَاكِبٌ وَسَائِقٌ

حرمان میراث اور وصیت، نہ کہ سائق اور قائد کے حق میں؛ کیونکہ یہ مختص ہے مباشرت کے ساتھ۔ اور اگر راکب اور سائق ہوں

قِيلَ : لَا يَضْمَنُ السَّائِقُ مَا أَوْطَأَتِ الدَّابَّةُ ؛ لِأَنَّ الرَّاكِبَ مُبَاشِرٌ فِيهِ لِمَا ذَكَرْنَاهُ

تو کہا گیا ہے کہ ضامن نہ ہوگا سائق اس کا جو روند ڈالے جانور؛ کیونکہ راکب مباشر ہے اس میں؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے

وَالسَّائِقُ مُسَبِّبٌ ، وَالْإِضَافَةُ إلَى الْمُبَاشِرِ أَوْلَى .وَقِيلَ : الضَّمَانُ عَلَيْهِمَا لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ سَبَبُ الضَّمَانِ.

اور سائق مسبب ہے، اور اضافت مباشر کی طرف اولیٰ ہے، اور کہا گیا ہے کہ ضمان دونوں پر ہے؛ کیونکہ ہر ایک سببِ ضمان ہے۔

تشریح:۔{1}جو شخص جانور پر سوار ہو تو جانور جو کچھ روند ڈالے سوار اس کا ضامن ہوگا خواہ اگلے پاؤں سے یا پچھلے پاؤں سے یا سر سے یا کاٹ کر زخمی کر دے یا اگلے پاؤں سے مار دے، اسی طرح اگر دھکے سے تلف کر دے تو بھی ضامن ہوگا۔ اور اگر پچھلے پاؤں کی ٹاپ سے مار دیا، یا دُم سے تلف کر دیا تو اس کا ضامن نہ ہوگا۔

{2}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے عام راستہ میں چلنا مباح ہے مگر سلامتی کی قید کے ساتھ مقید ہے یعنی شرط یہ ہے کہ اس کے چلنے سے کسی کو ضرر نہ پہنچے؛ کیونکہ شارع عام میں چلنا ایک وجہ سے اپنے حق میں

تصرف ہے اور من وجہ دوسرے کے حق میں تصرف ہے؛ کیونکہ اس طرح کا راستہ تمام لوگوں کے درمیان میں مشترک ہے تو اس میں خود گذرنے والے کا بھی حق ہے اور دوسرے لوگوں کا بھی حق ہے اور جو بھی تصرف ایسا ہو کہ من وجہ اپنے حق میں ہو اور من وجہ غیر کے حق میں ہو تو وہ سلامتی کی قید کے ساتھ مشروط ہوتا ہے اس لیے ہم نے اس راہ میں چلنا اس قید کے ساتھ مباح قرار دیا کہ کسی کی سلامتی کو ضرر نہ پہنچے تاکہ جانبین (گذرنے والے اور دیگر لوگوں) کے حق کی رعایت اور لحاظ ہو۔

{۳} پھر واضح رہے کہ سلامتی کی قید صرف ان چیزوں میں ہے جن سے بچنا ممکن ہو اور جن امور سے بچنا ممکن نہیں ہے ان میں سلامتی کی قید نہیں ہے؛ کیونکہ جس امر سے بچنا غیر ممکن ہو اس میں سلامتی کی قید لگانا اس تصرف سے منع کرنے کے معنی میں ہوگا اور اس تصرف کے باب کو بند کرنا ہوگا گویا ایسے راستہ میں چلنے کی اجازت ہی کو ختم کر دیا حالانکہ یہ اجازت موجود ہے ختم نہیں ہے تو جو امر اس تصرف کے لیے مانع ہو وہ خود ممنوع ہوگا اس لیے غیر ممکن الاحتراز میں سلامتی کی قید ممنوع ہوگی۔ پس جانور کے روند ڈالنے اور اس طرح کے دیگر امور سے بچنا چونکہ ممکن ہے؛ کیونکہ جانور کو لے چلنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی کو روند ڈالے لہٰذا ہم نے جانور کے چلانے کو اس قید کے ساتھ مقید کر دیا کہ وہ کسی کو پامال نہ کرے یعنی اس سے کسی کی سلامتی کو ضرر نہ پہنچے۔ باقی پچھلی ٹاپ سے یا دُم سے ضرر پہنچانا ایسی چیز ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے یعنی جانور پر چلنے کی حالت میں اس سے نہیں بچا جا سکتا ہے کہ وہ کسی کو پچھلی ٹاپ یا دُم سے نقصان پہنچائے؛ کیونکہ یہ سوار کے پیچھے ہوتا ہے تو اس سے سلامتی کی قید بھی نہیں ہے لہٰذا اگر پچھلی ٹاپ یا دُم سے کسی کو نقصان پہنچایا تو سوار اس کا ضامن نہ ہوگا۔

{۴} اگر سوار نے جانور کو راستہ میں کھڑا کیا ہو تو اس صورت میں اس کی پچھلی ٹاپ کے نقصان کا بھی ضامن ہوگا؛ کیونکہ اگرچہ پچھلی ٹاپ سے بچنا ممکن نہیں ہے مگر راستہ میں کھڑا کرنے سے بچنا تو ممکن ہے تو راستہ میں کھڑا کرنے اور راستہ کو مشغول رکھنے میں سوار حد سے تجاوز کرنے والا ہے اس لیے وہ نقصان کا ضامن ہوگا۔

{۵} اگر جانور نے اپنے اگلے پاؤں یا پچھلے پاؤں سے کنکریاں یا کھجور کی گٹھلیاں اُڑائیں یا غبار یا چھوٹی کنکریاں اُڑائیں جس سے کسی شخص کی آنکھ کو پھوڑ دیا یا اس کا کپڑا برباد کر دیا تو سوار ضامن نہ ہوگا، اور اگر بڑا پتھر اڑایا تو ضامن ہوگا؛ دلیل یہ ہے کہ پہلی صورت سے بچنا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ جانور کی رفتار ان امور سے خالی نہیں ہوتی ہے، اور دوسری صورت سے بچنا ممکن ہے؛ کیونکہ عادۃً جانور کی رفتار بڑے پتھر پھینکنے سے خالی ہوتی ہے، مگر یہاں جو بڑا پتھر پھینکا تو یہ سوار کی سختی اور سرزنش سے پیش آیا اس لیے سوار اس کا ضامن ہوگا۔ واضح رہے کہ جن صورتوں میں سوار ضامن ہوتا ہے ان صورتوں میں جو شخص سوار کی ردیف میں ہو یعنی جانور پر سوار کے پیچھے

بیٹھا ہو وہ بھی ضامن ہو گا؛ کیونکہ وجہ ضمان میں دونوں کے حق میں کچھ فرق نہیں ہے یعنی جس طرح کہ جانور سوار کے قبضہ اور تصرف میں ہے اسی طرح ردیف کے قبضہ اور تصرف میں ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک ہے۔

{٦}اگر راستہ میں چلنے کی حالت میں جانور نے راستے میں لید یا پیشاب کیا جس سے پھسل کر کوئی آدمی مر گیا تو سوار ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ لید یا پیشاب کرنا چلنے کی ضروریات میں سے ہے جس سے احتراز ممکن نہیں ہے۔اور اگر سوار نے پیشاب یا لید کرنے کے لیے جانور کو راستہ میں کھڑا کر دیا جس سے کوئی ہلاک ہوا تو بھی سوار ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ بعض جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بغیر کھڑا کیے پیشاب یا لید نہیں کرتے ہیں اس لیے اس سے چارہ نہیں ہے۔اور اگر اس نے لید اور پیشاب کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لیے کھڑا کر دیا ہو پھر کوئی شخص اس کے پیشاب یا لید سے پھسل کر مر گیا تو سوار ضامن ہو گا؛ کیونکہ وہ اس طرح کھڑا کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے؛ کیونکہ یہ چلنے کی ضروریات میں سے نہیں ہے اس لیے اس سے احتراز ممکن ہے پھر احتراز نہیں کیا تو نقصان کا ضامن ہو گا۔

{٧}سوال یہ کہ بے شک کھڑا کرنا چلنے کی ضروریات میں سے نہیں ہے لیکن اپنے جانور میں تصرف کے اعتبار سے لے چلنا اور کھڑا کرنا دونوں برابر ہیں لہذا کھڑا کرنے کا بھی وہی حکم ہو گا جو چلنے کا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کھڑا کرنا لے چلنے کی بنسبت گذرنے والوں کے لیے زیادہ مضر ہے؛ کیونکہ لے چلنے کی بنسبت کھڑا کرنے میں دوام زیادہ ہوتا ہے لہذا کھڑا کرنے کو لے چلنے کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے ساتھ لاحق نہیں کیا جا سکتا ہے۔

{٨}جو شخص جانور کو پیچھے سے ہانکتا ہو وہ ہر ایسے نقصان کا ضامن ہے جو جانور کے اگلے پاؤں یا پچھلے پاؤں سے پہنچے، اور جو شخص جانور کو آگے سے کھینچتا ہو وہ صرف جانور کے اگلے پاؤں کے نقصان کا ضامن ہو گا اور اس کے پچھلے پاؤں کے نقصان کا ضامن نہیں ہو گا، اور پچھلے پاؤں کے نقصان سے مراد اس کے پچھلے پاؤں کے کھر سے مارنا ہے۔صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ ایسا ہی امام قدوریؒ نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے، اور اسی جانب بعض مشائخ نے میلان کیا ہے؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلی لات تو پیچھے سے ہانکنے والے کے سامنے ہوتی ہے پس اس کے لیے اس سے بچاؤ کرنا ممکن ہے اس لیے وہ ضامن ہو گا، اور آگے سے کھینچنے والے کی نظر سے غائب ہے تو اس کے لیے اس سے احتراز ممکن نہیں ہے اس لیے وہ ضامن نہ ہو گا۔

{٩}اور اکثر مشائخ نے فرمایا کہ پیچھے سے ہانکنے والا بھی پچھلی لات کا ضامن نہ ہو گا اگرچہ وہ اس کو دیکھتا ہے؛ کیونکہ جانور کے پاؤں پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ اس کو لات مارنے سے روکے تو ہانکنے والے کے لیے بھی اس سے بچاؤ ممکن نہ

ہوگا اس لیے ہانکنے والا بھی ضامن نہ ہوگا۔ باقی منہ سے کاٹنے کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اس صورت میں کھینچنے والا ضامن ہوگا؛ کیونکہ وہ باگ کھینچ کر اس سے روک سکتا ہے پس اس سے بچاؤ ممکن ہونے کی وجہ سے آگے سے کھینچنے والا ضامن ہوگا، اور اکثر نسخوں میں اسی کی تصریح ہے اور یہی اصح ہے۔

{۱۰} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سوار ہو یا پیچھے سے ہانکتا ہو یا آگے سے کھینچتا ہو یہ سب پچھلی لات کے ضامن ہوں گے؛ کیونکہ جانور کا فعل انہیں لوگوں کی جانب منسوب ہے لہٰذا یہ لوگ نقصان کے ضامن ہوں گے۔ مگر امام شافعیؒ پر حجت وہی دلیل ہے جو ہم نے اوپر بیان کی یعنی اس سے بچاؤ اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "پاؤں ہدر ہے[1]"، جس کا معنیٰ یہ ہے کہ جانور کے پاؤں کی لات سے جو نقصان ہو اس کا کوئی ضامن نہیں بلکہ رائیگاں ہے۔

{۱۱} رہا فعل کا منتقل ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل وہاں منتقل ہوتا ہے جہاں اکراہ تام ہو یعنی اس کو قتل سے ڈرائے جیسے کسی کو مجبور کیا اور ڈرایا کہ اگر تو فلاں شخص کا مال ضائع نہ کرے تو میں تجھے قتل کروں گا اس نے مجبور ہو کر فلاں کا مال تلف کر دیا تو مجبور کا یہ فعل اس جبر کرنے والے کی جانب منتقل ہوتا ہے؛ کیونکہ اس نے تعمیل نہ کرنے پر جان تلف کر دینے سے ڈرایا ہے اور یہاں اکراہ تام نہیں ہے اس لیے کہ فقط مارنے کی دھمکی ہے جس کا درجہ کم ہے اس لیے اس میں مجبور کا فعل مجبور کرنے والے کی طرف منتقل نہ ہوگا۔

{۱۲} جامع صغیر میں ایک ضابطہ ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا سوار ضامن ہوتا ہے اسی کا ضامن ہانکنے والا اور کھینچنے والا بھی ہوگا؛ کیونکہ یہ دونوں تلف کرنے کی شرط کے مباشر ہونے کی وجہ سے نقصان کا سبب بننے والے ہیں اور وہ شرط یہ ہے کہ انہوں نے جانور کو ایسی جگہ کے قریب کر دیا جہاں یہ جرم سرزد ہوا تو جس امر سے بچنا ممکن ہو اس سے سلامتی شرط ہوگی جیسے سوار کا یہی حال ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ جانور نے اگر اپنے ہاتھ یا پاؤں سے کوئی آدمی روند ڈالا تو سوار پر اس کی وجہ سے کفارہ لازم ہوگا اور کھینچنے یا ہانکنے والے پر کفارہ نہ ہوگا اور روندنے کے علاوہ دوسری صورت میں سوار پر بھی کفارہ نہیں ہے؛ روندنے کی صورت میں اس لیے کفارہ واجب ہوگا کہ روندنے کی صورت میں سوار مباشر ہے؛ کیونکہ سوار کے بوجھ سے یہ آدمی مر گیا ہے اور جانور کا بوجھ سوار کے بوجھ کا تابع ہے؛ کیونکہ جانور کا چلنا اس کے سوار کی جانب منسوب ہوتا ہے اور جانور سوار کا آلہ ہو جاتا ہے؛ جبکہ

([1]) رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي كِتَابِ الْآثَارِ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "العجماء جُبَارٌ، وَالرِّجْلُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ"، انْتَهَى. وَهُوَ مُعْضَلٌ. (نصب الراية: 5ص176)

کھینچنے اور ہانکنے والا قتل کا مباشر نہیں بلکہ سبب پیدا کرنے والا ہے؛ کیونکہ کھینچنے اور ہانکنے والے کی طرف سے محل (مقتول کے جسم) میں کوئی چیز لاحق نہیں ہوئی ہے۔

اسی طرح روندنے کے علاوہ دوسری صورتوں میں سوار کی طرف سے بھی محل (مقتول) میں کوئی چیز متصل نہیں ہوتی ہے لہٰذا ان صورتوں میں سوار پر بھی کفارہ نہیں ہے؛ کیونکہ کفارہ مباشرت کا حکم ہے نہ کہ سبب پیدا کرنے کا اس لیے روندنے کی صورت میں سوار پر کفارہ ہوگا، اور کھینچنے اور ہانکنے والے پر کسی حال میں کفارہ نہیں۔

{۱۳}اسی طرح سوار کے حق میں روندنے کی صورت میں میراث اور وصیت سے محروم ہونا بھی متعلق ہوتا ہے یعنی روندنے کی صورت میں سوار مقتول کی میراث اور وصیت سے بھی محروم ہوتا ہے، جبکہ کھینچنے والا اور ہانکنے والا مقتول کی میراث اور وصیت سے محروم نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ میراث سے محرومی کا تعلق مباشرت کے ساتھ خاص ہے اور مباشر سوار ہے جبکہ ہانکنے اور کھینچنے والا مباشر نہیں ہے بلکہ مسبّب ہے اس لیے یہ دو ضامن نہ ہوں گے۔

{۱۴}اگر جانور پر ایک سوار ہو اور ایک اس کو پیچھے سے ہانکتا ہو پس جانور نے جان یا مال کو روند ڈالا، تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہانکنے والا ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ سوار مباشر ہے اس لیے کہ اس نے اپنے بوجھ سے تلف کیا ہے، جبکہ ہانکنے والا اس کا سبب پیدا کرنے والا ہے اور جرم کی اضافت ایسے شخص کی طرف اولیٰ ہے جو مباشر ہو، نہ کہ سبب پیدا کرنے والے کی طرف۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ضمان سوار اور ہانکنے والا دونوں پر واجب ہوگا؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک سببِ ضمان ہے اور مسبّب مباشر کے ساتھ اس وقت ضامن نہیں ہوتا ہے جس وقت کہ سببِ تنہاء تلف کرنے والا نہ ہو ورنہ مسبّب اور مباشر دونوں ضامن ہوں گے، یہی قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: وقد اختلف الترجیح والتصحیح واکثر المشائخ رجحوا هذا القول وان ذکرہ المصنف بلفظ قیل الذی یشعر بالتضعیف فالمختار ان الضمان علیهما وبه جزم الامام الزیلعی والقهستانی وابن العابدین الشامی(هامش الهدایة:4ص608)

موجودہ دور میں گاڑیوں وغیرہ کے نقصان کا حکم:

ہمارے موجودہ دور میں جو سواریاں رائج ہیں، مثلاً سائیکل، رکشہ، گاڑی، کار، بس، ٹرک وغیرہ۔ ان سب کا حکم راکب دابہ کا ہے۔ لہٰذا ان سواریوں کے ذریعہ کسی کو نقصان پہنچے تو راکب ضامن ہوگا البتہ ان سواریوں میں آگے پیچھے کے نقصان میں کوئی تفریق نہیں ہے جیسے جانور کے اندر تفریق ہے۔ اس لئے کہ جانور متحرک بالارادہ ہے، لہٰذا اگر جانور نے پیچھے سے کسی کو لات ماردی تو اس کو راکب کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ بخلاف گاڑی کے کہ وہ متحرک بالارادہ نہیں

ہے ،اس لئے گاڑی کی ہر حرکت راکب کی طرف منسوب ہوگی ،لہذا وہ(مباشر ہونے کی وجہ سے)ہر صورت میں ضامن ہوگا۔............البتہ ڈرائیور کا مباشر ہونا ضروری ہے ورنہ ضامن نہ ہوگا،مثلاً ایک شخص صحیح طریقے سے اصول ٹریفک کے مطابق کار چلاتا ہوا جارہا ہے،اچانک ایک شخص صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کار کے سامنے کود گیا اور ہلاک ہوگیا تو اس صورت میں اس مباشرت کو سائق سیارہ(ڈرائیور)کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا،بلکہ یہ کہا جائے گا کہ گویا کہ اس شخص نے خودکشی کی ہے ،لہذا مباشرت کی نسبت خود اس کی ذات کی طرف ہوگی ،ڈرائیور کی طرف نہیں ہوگی،لہذا ڈرائیور ضامن نہیں ہوگا۔(تقریر ترمذی:۱/۳۳۴)

ف:۔اسی طرح اگر کسی نے صحیح سلامت گاڑی شارع عام پر اصول کے مطابق چلائی درمیان سفر اچانک گاڑی میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے گاڑی ڈرائیور کے قابو سے نکل گئی اور کسی شخص کو کچل دیا یا کسی کی کوئی چیز تلف کردی تو اس صورت میں ڈرائیور ضامن نہ ہوگا لما قال شیخ الاسلام مفتی محمد تقی العثمانی مدظلهم:اذاكانت السيارة سليمة قبل السير بها وكان السائق يتعهدها تعهداً معروفاً،ثم طرأعليها خلل مفاجئ في جهاز من اجهزتها،حتى خرجت السيارة من قدرة السائق ومكنته من ضبطها فصدمت انساناً فقد افتت اللجنة الدائمة للبحوث والافتاء في المملكة العربية السعودية ،بأنه لاضمان على السائق وكذالک لو انقلبت بسبب ذالک على احد اوشئ فمات اوتلف فلا ضمان عليه (بحوث في قضايافقهية معاصرة:ص۳۱۳)

ف:۔اور اگر حادثہ کسی تیسرے شخص کے فعل سے وقوع پذیر ہوا ہو مثلاً ڈرائیور اصول کے مطابق گاڑی چلا رہا تھا کہ کسی دوسرے شخص نے چلتی گاڑی کے سامنے کسی شخص کو پھینکا، گاڑی نے اس کو روند ڈالا، تو اس صورت میں وہ پھینکنے والا ضامن ہوگا ڈرائیور ضامن نہ ہوگا۔اور اگر حادثے سے متاثر شخص نے خود کوئی ایسا فعل کیا جو حادثے کا زیادہ موثر سبب بنا مثلاً ڈرائیور اصول کے مطابق گاڑی چلا رہا تھا کہ اچانک کوئی شخص اتنے کم فاصلے سے گاڑی کے سامنے آیا کہ اب گاڑی کو روکنا اور اس شخص کو بچانا ڈرائیور کے لئے ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بھی ڈرائیور ضامن نہ ہوگا(ماخوذ عن بحوث في قضايا فقهية معاصرة:ص۳۱۲)

{۱}قَالَ : وَإِذَا اصْطَدَمَ فَارِسَانِ فَمَاتَا فَعَلَى عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دِيَةُ الْآخَرِ ، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ:

فرمایا:اور اگر ٹکرا گئے دو سوار، اور دونوں مر گئے تو ہر ایک کے عاقلہ پر ان دونوں میں دیت ہے دوسرے کی،اور فرمایا امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے

يَجِبُ عَلَى عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ دِيَةِ الْآخَرِ لِمَا رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَلِأَنَّ

کہ واجب ہے دونوں میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر نصف دیت دوسرے کی؛ کیونکہ یہی مروی ہے حضرت علیؓ سے، اور اس لیے کہ

كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَاتَ بِفِعْلِهِ وَفِعْلِ صَاحِبِهِ ، لِأَنَّهُ بِصَدْمَتِهِ آلَمَ نَفْسَهُ وَصَاحِبَهُ فَيُهْدَرُ

ہر ایک ان دونوں میں سے مر گیا اپنے فعل اور اپنے ساتھی کے فعل سے؛ اس لیے کہ اپنے ٹکر سے تکلیف دی خود کو اور اپنے ساتھی کو، پس ہدر ہوگا

نِصْفُهُ وَيُعْتَبَرُ نِصْفُهُ، كَمَا إِذَا كَانَ الِاصْطِدَامُ عَمْدًا ، أَوْ جَرَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَفْسَهُ وَصَاحِبَهُ جِرَاحَةً أَوْ حَفَرَا

اس کا نصف اور معتبر ہوگا اس کا نصف، جیسے اگر ہو ٹکراؤ عمداً یا زخمی کر دیا ہر ایک نے ان دونوں میں خود کو اور اپنے ساتھی کو، اور یا دونوں نے کنواں کھودا

عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ بِئْرًا فَانْهَارَ عَلَيْهِمَا يَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا النِّصْفُ فَكَذَا هَذَا . ﴿٢﴾ وَلَنَا أَنَّ الْمَوْتَ يُضَافُ

شارع عام پر اور وہ گر گیا ان دونوں پر تو واجب ہوگا ان دونوں میں سے ہر ایک پر نصف، پس اسی طرح یہ بھی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

إِلَى فِعْلِ صَاحِبِهِ لِأَنَّ فِعْلَهُ فِي نَفْسِهِ مُبَاحٌ وَهُوَ الْمَشْيُ فِي الطَّرِيقِ فَلَا يَصْلُحُ

کہ موت منسوب ہے اس کے ساتھی کے فعل کی طرف؛ کیونکہ اس کا فعل اپنے نفس میں مباح ہے اور وہ چلنا ہے راستے میں، اور صلاحیت نہیں رکھتا ہے

مُسْتَنَدًا لِلْإِضَافَةِ فِي حَقِّ الضَّمَانِ ، كَالْمَاشِي إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِالْبِئْرِ وَوَقَعَ فِيهَا لَا يُهْدَرُ شَيْءٌ مِنْ دَمِهِ،

اضافت کا ضمان کے حق میں جیسے کوئی چلنے والا جب اس کو معلوم نہ ہو کنواں اور گر گیا کنویں میں تو رائیگاں نہ ہوگا کچھ اس کے خون میں سے

وَفِعْلُ صَاحِبِهِ وَإِنْ كَانَ مُبَاحًا،لَكِنَّ الْفِعْلَ الْمُبَاحَ فِي غَيْرِهِ سَبَبٌ لِلضَّمَانِ كَالنَّائِمِ إِذَا انْقَلَبَ عَلَى غَيْرِهِ ﴿٣﴾ وَرُوِيَ

اور اس کے ساتھی کا فعل اگرچہ مباح ہے لیکن غیر میں فعل مباح سبب ہے ضمان کا جیسے سویا ہوا جب الٹ جائے غیر پر، اور مروی ہے

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَوْجَبَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كُلَّ الدِّيَةِ فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَاهُ فَرَجَّحْنَا بِمَا

حضرت علیؓ سے کہ انہوں واجب فرمایا ہر ایک پر ان دونوں میں پوری دیت، پس متعارض ہو گئیں دونوں روایتیں، اور ہم نے ترجیح دی اس سے

ذَكَرْنَا ، وَفِيمَا ذُكِرَ مِنَ الْمَسَائِلِ الْفِعْلَانِ مَحْظُورَانِ فَوَضَحَ الْفَرْقُ . ﴿٤﴾ هَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا

جو ہم ذکر کر چکے، اور جو مسائل ذکر کئے گئے ہیں ان میں دونوں فعل ممنوع ہیں، پس واضح ہو گیا فرق، اور یہ جو ہم نے ذکر کیا اس وقت ہے

كَانَا حُرَّيْنِ فِي الْعَمْدِ وَالْخَطَإِ ، وَلَوْ كَانَا عَبْدَيْنِ يُهْدَرُ الدَّمُ فِي الْخَطَإِ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَعَلَّقَتْ بِرَقَبَتِهِ

کہ دونوں آزاد ہوں عمد اور خطاء میں۔ اور اگر وہ دونوں غلام ہوں تو رائیگاں ہوگا خون خطاء میں؛ کیونکہ جنایت متعلق ہوتی ہے اس کی گردن کے ساتھ

دَفْعًا وَفِدَاءً ، وَقَدْ فَاتَتْ لَا إِلَى خَلَفٍ مِنْ غَيْرِ فِعْلِ الْمَوْلَى فَهُدِرَ ضَرُورَةً ، ﴿٥﴾ وَكَذَا فِي الْعَمْدِ

غلام دینے یا فدیہ دینے کے حوالے سے، اور وہ فوت ہو گئی بلا بدل مولیٰ کے فعل کے بغیر، پس رائیگاں ہوگا لازماً، اور اسی طرح عمد میں ہے

لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا هَلَكَ بَعْدَمَا جَنَى وَلَمْ يَخْلُفْ بَدَلًا ،{6}وَلَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا

؛کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں سے ہلاک ہوا جنایت کرنے کے بعد، اور نہیں چھوڑا کوئی بدل۔ اور اگر دونوں میں سے ایک آزاد

وَالْآخَرُ عَبْدًا فَفِي الْخَطَإِ تَجِبُ عَلَى عَاقِلَةِ الْحُرِّ الْمَقْتُولِ قِيمَةُ الْعَبْدِ فَيَأْخُذُهَا وَرَثَةُ الْمَقْتُولِ الْحُرِّ ،

اور دوسرا غلام ہو تو خطاء میں واجب ہوگی مقتول آزاد کے عاقلہ پر غلام کی قیمت، پس لے لیں گے اس کو آزاد مقتول کے ورثہ، اور باطل

حَقُّ الْحُرِّ الْمَقْتُولِ فِي الدِّيَةِ فِيمَا زَادَ عَلَى الْقِيمَةِ؛ لِأَنَّ عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ تَجِبُ الْقِيمَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لِأَنَّهُ ضَمَانُ الْآدَمِيِّ

آزاد مقتول کا حق دیت میں اس میں کہ زائد ہو قیمت پر؛ کیونکہ طرفین کی اصل پر واجب ہے قیمت عاقلہ پر؛ اس لیے کہ یہ آدمی کا ضمان ہے

فَقَدْ أَخْلَفَ بَدَلًا بِهَذَا الْقَدْرِ فَيَأْخُذُهُ وَرَثَةُ الْحُرِّ الْمَقْتُولِ وَيَبْطُلُ مَا زَادَ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الْخَلَفِ

اور غلام نے بدل چھوڑا اسی مقدار میں پس لے لیں گے اس کو آزاد مقتول کے ورثہ، اور باطل ہو گا اس سے زائد؛ خلیفہ نہ ہونے کی وجہ سے

{7}وَفِي الْعَمْدِ يَجِبُ عَلَى عَاقِلَةِ الْحُرِّ نِصْفُ قِيمَةِ الْعَبْدِ لِأَنَّ الْمَضْمُونَ هُوَ النِّصْفُ فِي الْعَمْدِ، وَهَذَا الْقَدْرُ يَأْخُذُهُ

اور عمد میں واجب ہو گی آزاد کے عاقلہ پر غلام کی نصف قیمت؛ کیونکہ مضمون نصف ہے عمد میں اور اسی قدر لے گا مقتول کا ولی

وَلِيُّ الْمَقْتُولِ ، وَمَا عَلَى الْعَبْدِ فِي رَقَبَتِهِ وَهُوَ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ يَسْقُطُ بِمَوْتِهِ إِلَّا قَدْرَ مَا أَخْلَفَ مِنْ الْبَدَلِ

اور جو غلام پر ہے اس کی گردن میں آزاد کی نصف دیت ساقط ہوگی اس کی موت سے مگر بدل کی اتنی مقدار کے بقدر جو غلام نے چھوڑا ہے

وَهُوَ نِصْفُ الْقِيمَةِ{8}قَالَ :وَمَنْ سَاقَ دَابَّةً فَوَقَعَ السَّرْجُ عَلَى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ ضَمِنَ، وَكَذَا عَلَى هَذَا سَائِرُ أَدَوَاتِهِ

اور وہ نصف قیمت ہے۔ فرمایا: اور جس نے ہانکا جانور اور واقع ہوئی زین کسی شخص پر پس قتل کر دیا اس کو تو ضامن ہوگا، اور یہی حکم اس کے دیگر سامانوں کا ہے

كَاللِّجَامِ وَنَحْوِهِ ، وَكَذَا مَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِي هَذَا التَّسْبِيبِ ، لِأَنَّ الْوُقُوعَ بِتَقْصِيرٍ

جیسے لگام وغیرہ، اور اسی طرح جو لادا جاتا ہے اس پر؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس تسبیب میں؛ اس لیے کہ وقوع تقصیر کی وجہ سے ہے

مِنْهُ وَهُوَ تَرْكُ الشَّدِّ أَوْ الْإِحْكَامِ فِيهِ ،{9}بِخِلَافِ الرِّدَاءِ لِأَنَّهُ لَا يُشَدُّ فِي الْعَادَةِ ، وَلِأَنَّهُ

اس کی طرف سے، اور وہ ترک ہے باندھنے اور مضبوطی کو اس میں، برخلاف چادر کے؛ کیونکہ وہ نہیں باندھی جاتی ہے عادۃً، اور اس لیے کہ

قَاصِدٌ لِحِفْظِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ كَمَا فِي الْمَحْمُولِ عَلَى عَاتِقِهِ دُونَ اللِّبَاسِ عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَيُقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ

قصد کرنے والا ہے ان چیزوں کی حفاظت کا جیسے اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے سامان کی، نہ کہ لباس کی جیسا کہ گذر چکا سابق میں، پس مقید ہوگا

شرطِ سلامتی کے ساتھ۔

تشریح:۔{۱}اگر دو سوار آپس میں خطاءً ٹکرا گئے اور یہ دونوں آزاد ہوں پس ٹکرانے سے دونوں مر گئے تو ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی۔امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی نصف دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ آپؓ نے ہر ایک کی مددگار برادری پر نصف دیت کا حکم فرمایا[1]۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی موت اس کے اپنے فعل اور ساتھی کے فعل سے واقع ہوئی؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دھکے سے اپنی ذات کو اور اپنے ساتھی کو دُکھ پہنچایا اور یہی دُکھ موت کا سبب ہے تو اس کا نصف باطل اور نصف معتبر ہوگا جیسے اگر باہم ٹکرانا عمداً ہو، یا ہر ایک نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی کو زخمی کیا، یا دو شخصوں نے شارع عام پر کنواں کھودا جو انہیں دونوں پر گر پڑا تو ان تینوں صورتوں میں یہی حکم ہے کہ ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی نصف دیت واجب ہوگی تو ایسا ہی یہاں بھی ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی نصف دیت واجب ہوگی۔

{۲}ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر ایک کی موت کی نسبت دوسرے کے فعل کی جانب ہے؛ کیونکہ ہر ایک کا فعل اپنے نفس کے بارے میں مباح تھا یعنی ہر ایک کا فعل راستے میں چلنا ہے جو مباح ہے تو اس کا یہ فعل تاوان واجب ہونے کے لیے مستند نہیں ہو سکتا یعنی اس کی طرف وجوبِ تاوان کی نسبت نہیں کی جا سکتی ہے جیسے کوئی چلنے والا اگر راستے میں کنواں نہ جانتا ہو اور اس میں گر پڑے تو اس کا خون باطل نہیں ہوتا ہے باوجود کہ فقط کنویں کا وسطِ طریق میں ہونا اس کی موت کا سبب نہیں ہے بلکہ اس کے کنویں کی طرف چلنے کا بھی دخل ہے مگر اس کے چلنے کا اعتبار نہیں اس لیے اس کی دیت واجب ہوگی۔ اور اس کے ساتھی کا فعل اگرچہ مباح ہے لیکن مباح فعل بھی دوسرے کے حق میں سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہوتا ہے اس لیے دوسرے کے حق میں ضمان کا سبب ہوگا جیسے سونے والا شخص اگر دوسرے پر گر پڑے اور وہ تلف ہو جائے تو تاوان واجب ہوتا ہے۔

{۳}اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت آئی ہے کہ آپؓ نے دونوں میں سے ہر ایک پر پوری دیت واجب کی[2]، یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتیں متعارض ہوئیں تو ہم نے قیاس کے ذریعہ اسی روایت کو ترجیح دی مطلب یہ کہ جب دو روایتیں متعارض ہوئیں تو دونوں ساقط ہو گئیں اور ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا جس سے یہی ثابت ہوا کہ ہر ایک پر پوری دیت واجب ہو۔ اور جن مسائل

([1])قُلْتُ: غَرِيبٌ،(نصب الراية:5ص171)

([2])علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه فِي فَارِسَيْنِ اصْطَدَمَا أَنَّهُ أَوْجَبَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ دِيَةِ الْآخَرِ، وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ أَوْجَبَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كُلَّ دِيَةِ الْآخَرِ، قُلْتُ: الْأَوَّلُ: غَرِيبٌ، وَالثَّانِي: رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ فِي الْقَسَامَةِ أَخْبَرَنَا أَشْعَثُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَجُلَيْنِ صَدَمَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَضَمَّنَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ يَعْنِي الدِّيَةَ،(نصب الراية:5ص171)

سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے ان میں دونوں فعل ممنوع ہیں اور ممنوع فعل موجبِ ضمان ہوتا ہے لہذا متن کے مسئلہ اور ان مسائل میں فرق ہے اس لیے ان سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

{۴}یہ حکم جو ہم نے بیان کیا یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں ٹکرانے والے آزاد ہوں خواہ یہ فعل عمداً واقع ہو یا خطاءً واقع ہو، اور اگر دونوں ٹکرانے والے غلام ہوں تو خطاء ٹکرانے کی صورت میں دونوں کا خون باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ جرم اسی غلام کی گردن سے متعلق ہوا تھا کہ وہ اس جرم میں مقتول کے وارثوں کو دیا جاتا، یا اس کا مولیٰ اس کا فدیہ دیا جاتا حالانکہ مرنے کی وجہ سے غلام کی گردن اس طرح فوت ہوئی کہ اس نے اپنے خلیفہ کے طور پر کوئی چیز نہیں چھوڑی اور یہ مولیٰ کے فعل کے بغیر ہوا ہے لہذا مولیٰ پر بھی تاوان واجب نہیں پس لازمی طور پر اس کا خون باطل ہوگا۔

{۵}اسی طرح اگر دونوں غلاموں نے عمداً ایک دوسرے سے ٹکرماری تو بھی یہی حکم ہے کہ دونوں کا خون باطل ہوا؛ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک غلام جرم کے بعد مر گیا اور اس نے اپنا کوئی خلیفہ اور عوض بھی نہیں چھوڑا پس بلاعوض اس کے مولیٰ پر اس کا فدیہ دینا بھی واجب نہ ہوگا۔

{۶}اور اگر دونوں ٹکرانے والوں میں سے ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام ہو تو خطاء کی صورت میں آزاد مقتول کی مددگار برادری پر غلام کی قیمت واجب ہوگی پس اس کو آزاد مقتول کے ورثہ لے لیں گے؛ کیونکہ آزاد بھی قتل ہوا ہے پس اس کی دیت کے طور پر غلام کی یہ قیمت آزاد کے ورثہ لے لیں گے اور غلام کی قیمت سے زائد جو آزاد کی دیت ہوگی وہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ طرفینؒ کے اصول کے موافق آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی قیمت واجب ہے؛ کیونکہ یہ آدمی کا تاوان ہے اور آدمی کا تاوان عاقلہ پر ہوتی ہے، اور چونکہ غلام نے اپنی قیمت کے بقدر اپنا خلیفہ چھوڑا تو آزاد مقتول کے ورثہ غلام کے بجائے یہی قیمت لے سکتے ہیں اور آزاد کی دیت تک جو کچھ اس قیمت سے زائد رہا وہ اس وجہ سے باطل ہو گیا کہ قیمت کے بقدر کے علاوہ غلام کی جگہ کوئی چیز موجود نہیں ہے اس لیے غلام کی قیمت سے زائد مقدار دیت باطل ہوگی۔

{۷}اور اگر یہ ٹکرانا عمداً ہو تو آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی نصف قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ عمد کی صورت میں نصف تاوان مضمون ہے اور اس نصف قیمت کو غلام مقتول کا ولی لے لے گا اور رہی آزاد مقتول کی نصف دیت جو غلام مذکور کی گردن میں واجب ہوئی تھی تو وہ غلام کے مرنے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی سوائے بدل کی وہ مقدار جو غلام نے اپنے بدلے میں چھوڑدی ہے یعنی

غلام کی نصف قیمت جو غلام نے اپنے بدلے میں چھوڑی ہے اس کو آزاد مقتول کے وارث لے لیں گے اور اس سے زیادہ آزاد کی نصف دیت تک جو کچھ رہا وہ باطل ہو گا۔

{۸} اگر کسی شخص نے جانور ہانکا اور اس کی زین کسی شخص پر گر پڑی جس سے وہ مر گیا تو جانور کو ہانکنے والا ضامن ہو گا اور یہی حکم اس جانور کے دیگر آلات کا بھی ہے مثلاً لگام وغیرہ گرنے سے کوئی شخص تلف ہوا تو بھی ہانکنے والا ضامن ہو گا، اسی طرح جو چیز جانور پر لادی جاتی ہے وہ اگر کسی پر گری اور وہ مر گیا تو بھی ہانکنے والا ضامن ہو گا؛ کیونکہ ہانکنے والا اس سبب کو پیدا کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے؛ کیونکہ گر پڑنا اسی کے قصور سے واقع ہوا ہے اور قصور یہ ہے کہ اس نے لادی ہوئی چیز کو باندھنا یا مضبوط باندھنا چھوڑ دیا ہے تو گویا اس نے ہاتھ سے گرا دیا ہے اس لیے ضامن ہو گا؛ کیونکہ تعدی کے وصف کے ساتھ سبب بننا موجب ضمان ہوتا ہے۔

{۹} اور یہ حکم چادر کے مسئلہ کے برخلاف ہے یعنی اگر کسی نے چادر اوڑھی ہوئی تھی اور اس سے اُلجھ کر کوئی انسان ہلاک ہوا تو چادر والا ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ چادر کو باندھنے کی عادت نہیں ہوتی ہے لہٰذا یہ حد سے تجاوز کرنے والا نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سواری کی زین وغیرہ کی حفاظت کا قصد کیا جاتا ہے جیسے کندھے پر لادی ہوئی چیز کی حفاظت کا قصد کیا جاتا ہے جبکہ لباس (چادر) میں یہ بات نہیں ہوتی چنانچہ سابق میں بیان ہو چکا تو زین وغیرہ کو سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید کیا جائے گا؛ کیونکہ اس قید میں حرج نہیں ہے تو جہاں یہ شرط نہ پائی جائے وہاں ضمان واجب ہو گا۔

{۱} قَالَ : وَمَنْ قَادَ قِطَارًا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا أَوْطَأَ ، فَإِنْ وَطِئَ بَعِيرٌ إِنْسَانًا ضَمِنَ

فرمایا: اور جو کھینچے اونٹوں کی قطار، تو وہ ضامن ہو گا اس کا جو روند ڈالے، پس اگر روند ڈالا اونٹ نے انسان کو تو ضامن ہو گا

بِهِ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ ؛ لِأَنَّ الْقَائِدَ عَلَيْهِ حِفْظُ الْقِطَارِ كَالسَّائِقِ وَقَدْ أَمْكَنَهُ ذَلِكَ

اس کی وجہ سے اور دیت عاقلہ پر ہے؛ کیونکہ کھینچنے والے پر قطار کی حفاظت ہے جیسے ہانکنے والا، اور ممکن بھی ہے اس کے لیے یہ،

وَقَدْ صَارَ مُتَعَدِّيًا بِالتَّقْصِيرِ فِيهِ ، وَالتَّسَبُّبُ بِوَصْفِ التَّعَدِّي سَبَبٌ لِلضَّمَانِ ، إِلَّا أَنَّ ضَمَانَ النَّفْسِ عَلَى الْعَاقِلَةِ

اور وہ تعدی کرنے والا ہوا اس میں کوتاہی کرنے سے، اور تسبیب وصفِ تعدی کے ساتھ سبب ہے ضمان کا، البتہ نفس کا ضمان عاقلہ پر ہے

فِيهِ وَضَمَانُ الْمَالِ فِي مَالِهِ {۲} وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا ؛ لِأَنَّ قَائِدَ الْوَاحِدِ قَائِدٌ لِلْكُلِّ،

اس میں اور مال کا ضمان اس کے مال میں ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ سائق ہو تو ضمان دونوں پر ہے؛ کیونکہ ایک کو کھینچنے والا سب کو کھینچنے والا ہے

وَكَذَا سَائِقُهُ لِاتِّصَالِ الْأَزِمَّةِ ، وَهَذَا إذَا كَانَ السَّائِقُ فِي جَانِبٍ مِنَ الْإِبِلِ ، أَمَّا إذَا كَانَ تَوَسَّطَهَا
اور اسی طرح اس کا سائق ہے؛ اتصال لگاموں کی وجہ سے، اور یہ اس وقت ہے کہ سائق اونٹوں سے ایک جانب میں ہو، اور اگر وہ ان کے بیچ میں ہو
وَأَخَذَ بِزِمَامِ وَاحِدٍ يَضْمَنُ مَا عَطِبَ بِمَا هُوَ خَلْفَهُ ، وَيَضْمَنَانِ مَا تَلِفَ
اور پکڑا ہوا ایک کی لگام کو تو ضامن ہوگا اس کا جو ہلاک ہو جائے اس اونٹ سے جو اس کے پیچھے ہو اور ضامن ہوں گے اس کا جو تلف ہو جائے
بِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ لِأَنَّ الْقَائِدَ لَا يَقُودُ مَا خَلْفَ السَّائِقِ لِانْفِصَامِ الزِّمَامِ ، وَالسَّائِقُ يَسُوقُ مَا يَكُونُ قُدَّامَهُ
اس سے جو اس کے آگے ہے؛ کیونکہ قائد نہیں کھینچتا ہے وہ جو سائق کے پیچھے ہو؛ لگام کے جدا ہونے کی وجہ سے، اور سائق ہانکتا ہے وہ جو اس کے آگے ہو

﴿۳﴾قَالَ : وَإِنْ رَبَطَ رَجُلٌ بَعِيرًا إلَى الْقِطَارِ وَالْقَائِدُ لَا يَعْلَمُ فَوَطِئَ الْمَرْبُوطُ إنْسَانًا فَقَتَلَهُ
فرمایا: اور اگر باندھ دیا ایک شخص نے کوئی اونٹ قطار کے ساتھ اور قائد کو علم نہ ہو، پس روند ڈالا باندھے ہوئے اونٹ نے کسی انسان کو پس قتل کیا اس کو
فَعَلَى عَاقِلَةِ الْقَائِدِ الدِّيَةُ ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ صِيَانَةُ الْقِطَارِ عَنْ رَبْطِ غَيْرِهِ ، فَإِذَا تَرَكَ
تو کھینچنے والے کے عاقلہ پر دیت ہے؛ کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے بچانا قطار کو دوسرے کے باندھنے سے، پس جب اس نے چھوڑی
الصِّيَانَةَ صَارَ مُتَعَدِّيًا ، وَفِي التَّسْبِيبِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا فِي الْقَتْلِ الْخَطَإِ ﴿۴﴾ثُمَّ يَرْجِعُونَ بِهَا عَلَى عَاقِلَةِ الرَّابِطِ
حفاظت تو وہ تعدی کرنے والا ہوا، اور تسبیب میں دیت ہے عاقلہ پر جیسا کہ قتل خطاء میں ہے، پھر وہ رجوع کریں گے باندھنے والے کے عاقلہ پر
لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي أَوْقَعَهُمْ فِي هَذِهِ الْعُهْدَةِ ، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الضَّمَانُ عَلَيْهِمَا فِي الِابْتِدَاءِ وَكُلٌّ مِنْهُمَا مُسَبِّبٌ لِأَنَّ
کیونکہ اسی نے ان کو واقع کیا اس ذمہ داری میں، اور واجب نہیں ہوگا ضمان ان پر ابتداء میں، اور ہر ایک ان دونوں میں مسبب ہے؛ اس لیے
الرَّبْطَ مِنَ الْقَوْدِ بِمَنْزِلَةِ التَّسْبِيبِ مِنَ الْمُبَاشَرَةِ لِاتِّصَالِ التَّلَفِ بِالْقَوْدِ دُونَ الرَّبْطِ
کہ ربط قود کے مقابلے میں بمنزلہ تسبیب کے ہے مباشرت کے مقابلے میں؛ تلف کے اتصال کی وجہ سے قود کے ساتھ نہ کہ ربط کے ساتھ

﴿۵﴾قَالُوا : هَذَا إذَا رَبَطَ وَالْقِطَارُ يَسِيرُ لِأَنَّهُ أَمْرٌ بِالْقَوْدِ دَلَالَةً ، فَإِذَا
مشائخ نے کہا ہے کہ یہ جب ہے کہ باندھ لے اس حال میں کہ قطار چل رہی ہو؛ کیونکہ وہ امر کرنے والا ہے قود کا دلالۃً، پس جب
لَمْ يَعْلَمْ بِهِ لَا يُمْكِنُهُ التَّحَفُّظُ مِنْ ذَلِكَ فَيَكُونُ قَرَارُ الضَّمَانِ عَلَى الرَّابِطِ ، أَمَّا إذَا رَبَطَ وَالْإِبِلُ قِيَامٌ
اس کو خبر نہ ہوئی اس کی تو ممکن نہ رہا اس کے لیے بچنا اس سے، پس ثبوتِ ضمان رابط پر ہوگا، اور اگر باندھ لیا اس حال میں کہ اونٹ کھڑے ہوں
ثُمَّ قَادَهَا ضَمِنَهَا الْقَائِدُ لِأَنَّهُ قَادَ بَعِيرَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إذْنِهِ لَا صَرِيحًا وَلَا دَلَالَةً فَلَا يَرْجِعُ
پھر کھینچا ان کو تو ضامن ہوگا اس کا قائد؛ کیونکہ اس نے کھینچا غیر کا اونٹ اس کی اجازت کے بغیر نہ صراحۃً اور نہ دلالۃً، پس رجوع نہیں کرے گا

بما لَحِقَهُ عَلَيْهِ . ﴿٦﴾قَالَ : وَمَنْ أَرْسَلَ بهيمَةً وَكَان لَهَا سَائِقًا فَأَصَابَتْ فِي فَوْرِهَا يَضْمَنُهُ؛

اس کے متعلق جو اسے لاحق ہوا ہے۔ فرمایا: اور جس نے چھوڑا جانور اور وہی شخص اس کا سائق ہو، پس نقصان پہنچایا اس نے اسی دم تو وہ ضامن ہوگا اس کا

لِأَنَّ الْفِعْلَ انْتَقَلَ إِلَيْهِ بِوَاسِطَةِ السَّوْقِ . قَالَ : وَلَوْ أَرْسَلَ طَيْرًا وَسَاقَهُ فَأَصَابَ فِي فَوْرِهِ لَمْ يَضْمَنْ؛

کیونکہ فعل منتقل ہوا اس کی طرف سوق کے واسطے سے۔ فرمایا: اور اگر چھوڑا پرندہ اور ہانکا اس کو، پس اس نے نقصان پہنچایا فوراً تو ضامن نہ ہوگا

وَالْفَرْقُ أَنَّ بَدَنَ الْبَهِيمَةِ يَحْتَمِلُ السَّوْقَ فَاعْتُبِرَ سَوْقُهُ وَالطَّيْرُ لَا يَحْتَمِلُ السَّوْقَ فَصَارَ وُجُودُ السَّوْقِ

اور فرق یہ ہے کہ جانور ہانکنے کا احتمال رکھتا ہے پس معتبر ہوگا اس کا سوق، اور پرندہ احتمال نہیں رکھتا ہے ہانکنے کا پس ہوگیا وجودِ سوق

وَعَدَمِهِ بِمَنْزِلَةٍ ، وَكَذَا لَوْ أَرْسَلَ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ سَائِقًا لَمْ يَضْمَنْ ، وَلَوْ أَرْسَلَهُ إِلَى صَيْدٍ وَلَمْ يَكُنْ

اور عدم سوق برابر۔ اور اسی طرح اگر چھوڑا کتے کو اور نہیں تھا اس کو ہانکنے والا تو ضامن نہ ہوگا، اور اگر چھوڑ دیا اس کو شکار کی طرف اور نہیں تھا

لَهُ سَائِقٌ فَأَخَذَ الصَّيْدَ وَقَتَلَهُ حَلَّ . ﴿٧﴾وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْبَهِيمَةَ مُخْتَارَةٌ فِي فِعْلِهَا وَلَا تَصْلُحُ

اس کے لیے سائق، پس اس نے پکڑ لیا شکار کو اور قتل کر دیا اس کو تو حلال ہے، اور وجہ فرق یہ ہے کہ جانور مختار ہے اپنے فعل میں اور صلاحیت نہیں رکھتا ہے

نَائِبَةً عَنِ الْمُرْسِلِ فلايُضَافُ فِعْلُهَا إِلَى غَيْرِهَا،هَذَا هُوَ الْحَقِيقَةُ ، إِلَّا أَنَّ الْحَاجَةَ مَسَّتْ فِي الِاصْطِيَادِ فَأُضِيفَ

نائب ہونے کی مرسل کے، پس منسوب نہ ہوگا اس کا فعل غیر کی طرف، یہی حقیقت ہے، البتہ حاجت درپیش ہے اصطیاد میں پس منسوب کیا گیا

إِلَى الْمُرْسِلِ لِأَنَّ الِاصْطِيَادَ مَشْرُوعٌ وَلَا طَرِيقَ لَهُ سِوَاهُ وَلَا حَاجَةَ فِي حَقِّ ضَمَانِ الْعُدْوَانِ.

مرسل کی طرف؛ اس لیے کہ اصطیاد مشروع ہے اور کوئی راستہ نہیں اس کے لیے اس کے سوا، اور کوئی حاجت نہیں ضمان عدوان کے حق میں

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ أَوْجَبَ الضَّمَانَ فِي هَذَا كُلِّهِ احْتِيَاطًا صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ.

اور مروی ہے امام ابو یوسفؒ سے کہ انہوں نے واجب کیا ضمان کو ان سب میں احتیاطاً؛ لوگوں کے اموال کی حفاظت کے پیش نظر۔

﴿٨﴾قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَذُكِرَفِي الْمَبْسُوطِ إِذَا أَرْسَلَ دَابَّةً فِي طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ فَأَصَابَتْ فِي فَوْرِهَا فَالْمُرْسِلُ ضَامِنٌ

مصنفؒ نے فرمایا: اور مذکور ہے مبسوط میں کہ اگر چھوڑ دیا جانور مسلمانوں کے راستے میں پس اس نے نقصان پہنچایا فوراً، تو مرسل ضامن ہوگا

لِأَنَّ سَيْرَهَا مُضَافٌ إِلَيْهِ مَا دَامَتْ تَسِيرُ عَلَى سَنَنِهَا ، وَلَوِ انْعَطَفَتْ يَمْنَةً أَوْ يَسْرَةً انْقَطَعَ حُكْمُ الْإِرْسَالِ

کیونکہ: جانور کا چلنا منسوب ہے اسی کی طرف جب تک کہ وہ چلے گا اپنی روش پر، اور اگر وہ مائل ہوگیا دائیں یا بائیں تو منقطع ہو جائے گا ارسال کا حکم

إِلَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ طَرِيقٌ آخَرُ سِوَاهُ وَكَذَا إِذَا وَقَفَتْ ثُمَّ سَارَتْ ﴿٩﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا وَقَفَتْ بَعْدَ الْإِرْسَالِ

مگر یہ کہ [illegible] برخلاف اس کے جب وہ رک جائے چھوڑنے کے بعد

[illegible] مَقْصُودُ الْمُرْسِلِ لِاَنَّهُ لِتَمَكُّنِهِ مِنَ الصَّيْدِ، وَهٰذَا لِاَنَّ

شکار پر پھر چلا اور پکڑا شکار کو؛ کیونکہ یہ [illegible] ثابت کرتا ہے مرسل کے مقصود کو؛ کیونکہ وہ قابو پانے کے لیے ہے شکار پر، اور یہ اس لیے ہے

مَقْصُودُ الْمُرْسِلِ وَهُوَ السَّيْرُ فَيَنْقَطِعُ حُكْمُ الْإِرْسَالِ، {۱۰} وَبِخِلَافِ مَا إِذَا أَرْسَلَهُ إِلَى صَيْدٍ فَأَصَابَ

مقصودِ مرسل کے اور وہ چلنا ہے پس منقطع ہو جائے گا ارسال کا حکم، برخلاف اس کے جب چھوڑ دے اس کو شکار کی طرف، اور وہ ہلاک کر دے

نَفْسًا أَوْ مَالًا فِي فَوْرِهِ لَا يَضْمَنُهُ مَنْ أَرْسَلَهُ، وَفِي الْإِرْسَالِ فِي الطَّرِيقِ يَضْمَنُهُ؛ لِاَنَّ

کسی نفس یا مال کو فوراً تو ضامن نہ ہو گا اس کا وہ جس نے اس کو چھوڑا ہے، اور راستے میں ارسال کی صورت میں ضامن ہو گا اس کا؛ کیونکہ

شَغْلَ الطَّرِيقِ تَعَدٍّ فَيَضْمَنُ مَا تَوَلَّدَ مِنْهُ، أَمَّا الْإِرْسَالُ لِلِاصْطِيَادِ فَمُبَاحٌ وَلَا تَسْبِيبَ

راستہ مشغول رکھنا تعدی ہے پس ضامن ہو گا اس کا جو پیدا ہوا اس سے، رہا ارسال شکار کے لیے تو وہ مباح ہے، اور تسبیب نہیں ہے

إِلَّا بِوَصْفِ التَّعَدِّي.

مگر وصفِ تعدی کے ساتھ۔

تشریح:۔ {۱} جو شخص اونٹوں کی قطار کھینچ کر لے چلے تو قطار سے جو چیز پامال ہو قطار کھینچنے والا اس کا ضامن ہو گا پس اگر کسی اونٹ نے کسی آدمی کو کچل ڈالا تو کھینچنے والا اس کی دیت کا ضامن ہو گا، اور اس کی دیت کھینچنے والے کی مددگار برادری پر لازم ہو گی؛ کیونکہ کھینچنے والے پر قطار کی حفاظت لازم ہے جیسے ہانکنے والے پر لازم ہوتی ہے اور یہ حفاظت اس کے لیے ممکن بھی تھی حالانکہ اس نے حفاظت میں کوتاہی کر کے حد سے تجاوز کیا اس لیے ضامن ہو گا؛ کیونکہ تعدی کے وصف کے ساتھ سبب پیدا کرنا ضمان کا سبب ہے پس جو جان یا مال اس سبب سے تلف ہوا اس کا وہ ضامن ہو گا۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ جان کا تاوان اس کی مددگار برادری پر واجب ہو گا اور مال کا تاوان خود اس کے مال میں واجب ہو گا۔

{۲} مذکورہ بالا حکم اس صورت میں ہے کہ فقط کھینچنے والا ہو اور اگر کھینچنے والے کے ساتھ کوئی شخص پیچھے سے ہانکنے والا بھی ہو تو تاوان ان دونوں پر واجب ہو گا یعنی نصف نصف واجب ہو گا؛ کیونکہ قطار میں سے ایک اونٹ کا کھینچنے والا پوری قطار کا کھینچنے والا ہے، اسی طرح ایک کا ہانکنے والا کل کا ہانکنے والا ہے؛ کیونکہ تمام اونٹوں کی نکیلیں ملی ہوئی ہیں۔ پھر دونوں پر نصف نصف تاوان ہونے کا حکم اس وقت ہے کہ ہانکنے والا پوری قطار کی ایک جانب میں ہو، اور اگر وہ قطار کے درمیان میں ہو اور ایک اونٹ کی نکیل پکڑی ہو تو وہ اپنے آگے والے اونٹوں کا ہانکنے والا ہے اور اپنے پیچھے والوں کا کھینچنے والا ہے تو اس کے پیچھے والے اونٹوں میں سے جس سے کوئی نقصان

ہو اس کا فقط یہی شخص ضامن ہوگا اور اس کے آگے والے اونٹوں میں سے جس سے نقصان پہنچے اس کا ضمان اس ہانکنے والے اور اگلے کھینچنے والے دونوں پر ہوگا؛ کیونکہ اگلا کھینچنے والا ان اونٹوں کا کھینچنے والا نہیں ہے جو اس درمیانی ہانکنے والے کے پیچھے ہیں؛ کیونکہ بیچ میں سے نکیل منقطع ہوگئی اور ہانکنے والا ان اونٹوں کا ہانکنے والا ہوتا ہے جو اس کے آگے ہیں پس درمیانی شخص اپنے پیچھے والوں کا اس وجہ سے ضامن ہوگا کہ وہ ان کو کھینچتا ہے اور آگے والوں کا اس وجہ سے ضامن ہوگا کہ وہ ان کو ہانکتا ہے اور چونکہ اس کے آگے والوں کو ایک شخص کھینچنے والا بھی ہے تو ان کے تاوان میں یہ دونوں مشترک ہوں گے اس لیے نصف تاوان ایک پر اور نصف دوسرے پر ہوگا۔

{۳} اگر اونٹوں کی قطار میں کسی شخص نے اپنا ایک اونٹ باندھ دیا اور قطار کھینچنے والے کو یہ بات معلوم نہ ہوئی پھر اس باندھے ہوئے اونٹ نے کسی شخص کو روند کر مار ڈالا تو قطار کھینچنے والے کی مددگار برادری پر اس کی دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ اس کے لیے ممکن تھا کہ وہ قطار کو دوسرے کے اونٹ کے باندھنے سے محفوظ کر لے پس جب اس نے یہ حفاظت چھوڑ دی تو اس نے حد سے تجاوز کیا جس کی وجہ سے جان تلف ہوئی اس لیے ضامن ہوگا۔ اور تلف کا سبب بننے میں دیت مددگار برادری پر لازم ہوتی ہے جیسے قتل خطاء کی صورت میں دیت مددگار برادری پر واجب ہوتی ہے۔

{۴} پھر کھینچنے والے کی مددگار برادری اس دیت کو اونٹ باندھنے والے کی مددگار برادری سے واپس لیں گے؛ کیونکہ اسی باندھنے والے نے ان لوگوں کو اس ذمہ داری میں ڈالا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کو کسی ذمہ داری میں ڈال دے اس کو چھڑانا بھی اسی کے ذمہ ہے۔ لیکن شروع سے مقتول کی دیت قطار کھینچنے والے اور اونٹ باندھنے والے دونوں پر واجب نہیں ہوئی حالانکہ ان دونوں میں سے ہر ایک سبب پیدا کرنے والا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ قطار سے اونٹ باندھ دینا اور قطار کھینچنا دونوں میں ایسی نسبت ہے جیسے سبب پیدا کرنے اور مباشرت کر کے مرتکب ہونے میں نسبت ہوتی ہے یعنی مثلاً ایک شخص نے گڑھا کھودا جس کی وجہ سے زید اس میں گر کر مر گیا تو یہ صرف سبب پیدا کرنا ہے اور اگر ایک شخص نے اپنے ہاتھ سے زید کو قتل کیا تو یہ قتل کا مباشر ہے اور مباشرت سبب پیدا کرنے سے زیادہ قوی ہے اسی طرح قطار میں اونٹ باندھنا کنواں کھودنے کے درجے میں ہے اور قطار کھینچنا مباشرت کے درجے میں ہے اس لیے قطار کھینچنا اس مقتول کے تلف کرنے میں زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ اس آدمی کا تلف ہونا قطار کھینچنے سے متصل ہوا نہ کہ قطار میں اونٹ باندھنے سے؛ کیونکہ باندھنے کے وقت اونٹ نے آدمی کو نہیں کچلا ہے بلکہ کھینچنے کے بعد کچلا ہے لہذا آدمی کا مرنا کھینچنے سے متصل ہوا نہ کہ قطار میں اونٹ باندھنے سے لہذا کھینچنے والا پہلے ضامن ہوگا پھر وہ یہ دیت باندھنے والے سے واپس لے گا؛ کیونکہ اسی کے سبب سے کھینچنے والے نے تاوان اٹھایا۔

﴿۵﴾اور مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ باندھنے والے نے اپنا اونٹ اس وقت باندھ دیا کہ قطار چل رہی تھی تو آخرکار باندھنے والا نقصان کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ ایسی صورت میں باندھنے والا دلالۃً اپنے اونٹ کو کھینچنے کا حکم دینے والا ہے یعنی چلنے کی حالت میں اونٹ باندھنا دلیل ہے کہ اس کا مقصود اپنا اونٹ چلانا ہے گویا اس نے کھینچنے والے کو حکم دیا کہ میرا اونٹ بھی کھینچے پھر جب کھینچنے والے کو اونٹ باندھنے کا علم نہ ہوسکا تو اس سے اس کی حفاظت بھی نہیں ہوسکتی ہے لہذا آخرکار تاوان کا ٹھہراؤ اسی باندھنے والے پر ہوگا جس نے چلتی قطار میں اپنا اونٹ باندھ دیا۔ اور اگر یہ صورت ہوئی کہ اس نے ایسی حالت میں اپنا اونٹ باندھ دیا کہ قطار ٹھہری ہوئی تھی پھر کھینچنے والے نے قطار کو کھینچ کر لے چلا اور باندھے ہوئے اونٹ سے کوئی تلف ہوا تو کھینچنے والا ضامن ہوگا یعنی مقتول کا تاوان صرف کھینچنے والے کی مددگار برادری پر ہوگا اور یہ لوگ اس کو باندھنے والے کی مددگار برادری سے واپس نہیں لے سکتے ہیں؛ کیونکہ کھینچنے والے نے غیر کا اونٹ کھینچا حالانکہ نہ اس کی طرف سے اس کو صراحۃً اجازت ہے اور نہ دلالۃً ہے تو اس بے اجازت چلانے سے جو کچھ نقصان آئے وہ خود ہی اس کا ضامن ہوگا اس لیے اس نقصان کے بارے میں باندھنے والے کی مددگار برادری سے رجوع نہیں کرسکتا ہے۔

﴿۶﴾اگر کسی نے شکاری جانور چھوڑا اور اس کو پیچھے سے ہانکا پس اس نے فی الفور کسی کے مملوک شکار کو مارا تو شکاری جانور چھوڑنے والا ضامن ہوگا؛ کیونکہ پیچھے سے ہانکنے کی وجہ سے یہ فعل جانور سے اس کی طرف منتقل ہوگا اس لیے چھوڑنے والا ضامن ہوگا۔ اور اگر کسی نے پرندہ چھوڑا اور پیچھے سے اس کو ہانکا اور اس نے فی الفور کسی کا مملوک شکار تلف کردیا تو پرندہ چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا۔ پس شکاری جانور اور شکاری پرندے میں فرق ہے وہ یہ کہ جانور کا بدن ہانکنے کی مار برداشت کرسکتا ہے تو اس کے حق میں ہانکنا معتبر ہوا لہذا ہانکنے کی وجہ سے ہانکنے والا ضامن ہوگا، اور پرندے کا بدن اس لائق نہیں کہ وہ ہانکنے کو برداشت کرسکے تو اس میں ہانکنے کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں اس لیے ہانکنے والا ضامن نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کتا چھوڑا اور اس کا کوئی ہانکنے والا نہیں ہے اور کتے نے فی الفور کوئی چیز تلف کردی تو چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا، اور اگر اس کو کسی شکار پر چھوڑا حالانکہ اس کا کوئی ہانکنے والا نہیں ہے اور اس نے شکار کو پکڑ کر مار ڈالا تو وہ حلال ہے۔

﴿۷﴾اور مطلق چھوڑنے اور پیچھے سے ہانکنے میں وجہِ فرق یہ ہے کہ شکاری جانور اپنے فعل میں مختار ہوتا ہے اور وہ چھوڑنے والا کا نائب نہیں ہوسکتا تو ہانکنے کے بغیر اس کا فعل غیر کی جانب مضاف نہ ہوگا اور حقیقت یہی ہے لہذا ہانکنے کے بغیر اس کا ضمان چھوڑنے والے پر نہیں آتا ہے۔ البتہ شکار مارنے کے حق میں ضرورت ہے یعنی شکار کی صورت میں شکاری جانور کا فعل ضرورۃً اس کے چھوڑنے والے کی جانب منتقل ہوجاتا ہے حتی کہ چھوڑنے والے کی طرف سے یہ ذبح کا قائم مقام ہوجاتا ہے؛ کیونکہ

شکار مارنا شرعاً جائز ہے حالانکہ اس کا کوئی طریقہ سوائے اس کے نہیں کہ جانور کا فعل اس کے چھوڑنے والے کی جانب منتقل ہو تو حاجت اور ضرورت کی وجہ سے یہ انتقال تسلیم کیا گیا اس لیے شکار کو حلال قرار دیا، جبکہ تجاوز (غیر کی کوئی چیز تلف کرنے کی صورت میں) کا تاوان واجب ہونے میں کوئی ضرورت نہیں ہے تو اس تاوان کے حق میں جانور کا فعل اس کے چھوڑنے والے کی جانب منتقل نہ ہو گا اس لیے چھوڑنے والا ضامن نہ ہو گا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے احتیاطاً ان سب صورتوں میں تاوان کو واجب قرار دیا؛ تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

فتوی:۔امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لما فی رد المحتار: (قَوْلُهُ وَمَنْ أَرْسَلَ بَهِيمَةً إلَخْ) اعْلَمْ أَوَّلًا أَنَّ بَيْنَ إرْسَالِ الْكَلْبِ وَغَيْرِهِ فَرْقًا، وَهُوَ أَنَّهُ إذَا أُرْسِلَ الْكَلْبُ، وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا لَهُ لَا يَضْمَنُ وَإِنْ أَصَابَ فِي فَوْرِهِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَعَدٍّ إذْ لَا يُمْكِنُهُ اتِّبَاعُهُ، وَالْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ إلَّا إذَا تَعَدَّى، وَلَوْ أَرْسَلَ دَابَّةً يَضْمَنُ مَا أَصَابَتْ فِي فَوْرِهَا، سَوَاءٌ سَاقَهَا أَوْ لَا لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِإِرْسَالِهَا فِي الطَّرِيقِ، مَعَ إمْكَانِ اتِّبَاعِهَا أَفَادَهُ فِي النِّهَايَةِ، لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَضْمَنُ بِكُلِّ حَالٍ وَبِهِ أَخَذَ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى اهـ. (رد المحتار:5ص430)

{۸}صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے اپنا جانور مسلمانوں کے عام راستہ پر چھوڑ دیا پس اس نے فی الفور کسی چیز کو تلف کیا تو چھوڑنے والا ضامن ہے؛ کیونکہ جانور کا چلنا اسی چھوڑنے والے کی طرف منسوب ہو گا جب تک کہ وہ اسی روش اور طریقہ پر چلے اس لیے چھوڑنے والا ضامن ہو گا۔ اور اگر وہ دائیں یا بائیں مڑ گیا تو چھوڑنے کا حکم منقطع ہو گیا اس لیے چھوڑنے والا ضامن نہ ہو گا۔ البتہ اگر دائیں یا بائیں مڑنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو چھوڑنے والے کا چھوڑنا منقطع نہ ہو گا اس لیے چھوڑنے والا ضامن ہو گا۔ اسی طرح اگر یہ جانور ٹھہر گیا پھر روانہ ہو گیا تو بھی چھوڑنے کا حکم منقطع ہو گا اور چھوڑنے والا ضامن نہ ہو گا۔

{۹}اس کے برخلاف اگر شکار کے لیے چھوڑنے کی صورت میں شکاری جانور کچھ دیر ٹھہرا پھر روانہ ہوا اور جا کر اس نے شکار کو مارا تو یہ شکار حلال ہو گا اور چھوڑنے کا حکم منقطع نہیں ہو گا؛ کیونکہ یہ ٹھہرنا اس کے چھوڑنے والے کی مراد پوری کرنے کے لیے ہے؛ کیونکہ وہ اس لیے ٹھہر گیا تاکہ شکار پر قابو حاصل کرے، جبکہ یہاں جس جانور کو راستہ میں چھوڑا ہے تو جانور کا ٹھہر جانا چھوڑنے والے کی مراد کے خلاف ہے؛ کیونکہ اس کی مراد تو یہ تھی کہ روانہ ہو جائے تو ٹھہرنے سے اس کے روانہ کرنے کا حکم نہیں رہے گا۔

﴿۱۰﴾ اور اس کے برخلاف اگر اس کو شکار پر چھوڑا اور پیچھے ہانکا نہیں پس اسی روش میں فی الفور اس نے کوئی جان یا مال کو
کیا تو چھوڑنے والا ضامن نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس نے حد سے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے۔ اور اگر اس نے عام راستہ میں چھوڑا ہو تو ضامن
ہوگا خواہ اس نے پیچھے سے ہانکا ہو یا نہ ہانکا ہو؛ کیونکہ راستہ کو مشغول رکھنا حد سے تجاوز ہے؛ کیونکہ جانور کے پیچھے جاکر وہ جانور کو
سکتا تھا تو راستہ میں چھوڑنے سے جو نقصان پیدا ہوا وہ اس کا ضامن ہوگا، باقی شکار کے پیچھے چھوڑنا مباح ہے اور سبب پیدا کرنے والے پر
ضمان ہوتا ہے جو حد سے تجاوز کے ساتھ ہو اور جہاں حد سے تجاوز نہ ہو وہاں ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔

﴿۱﴾قَالَ : وَلَوْ أَرْسَلَ بَهِيمَةً فَأَفْسَدَتْ زَرْعًا عَلَى فَوْرِهِ ضَمِنَ الْمُرْسِلُ ، وَإِنْ مَالَتْ يَمِينًا أَوْ شِمَالًا
فرمایا: اور اگر کسی نے چھوڑا جانور، پس اس نے خراب کردی کھیتی فوراً تو ضامن ہوگا مرسل، اور اگر وہ مائل ہو گیا دائیں یا بائیں کو اور اس کے
طَرِيقٌ آخَرُ لَا يَضْمَنُ ؛ لِمَا مَرَّ ، ﴿۲﴾وَلَوْ انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فَأَصَابَتْ مَالًا أَوْ آدَمِيًّا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا
دوسرا راستہ بھی تھا تو ضامن نہ ہوگا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو گذر چکی، اور اگر چھوٹ گیا جانور پس ہلاک کر دیا مال کو یا آدمی کو رات یا دن میں
لَا ضَمَانَ عَلَى صَاحِبِهَا ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {جُرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ} وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: هِيَ الْمُنْفَلِتَةُ
تو ضمان نہیں اس کے مالک پر؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جانوروں کا زخمی کرنا رائیگاں ہے" اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ اس سے چھوٹا ہوا جانور مراد ہے
وَلِأَنَّ الْفِعْلَ غَيْرُ مُضَافٍ إلَيْهِ لِعَدَمِ مَا يُوجِبُ النِّسْبَةَ إلَيْهِ مِنَ الْإِرْسَالِ وَأَخَوَاتِهِ
اور اس لیے کہ فعل منسوب نہیں ہے اس کی طرف؛ بوجہ معدوم ہونے اس چیز کے جو واجب کرے نسبت کو اس کی طرف یعنی ارسال وغیرہ۔
﴿۳﴾قَالَ : شَاةٌ لِقَصَّابٍ فُقِئَتْ عَيْنُهَا فَفِيهَا مَا نَقَصَهَا ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا هُوَ اللَّحْمُ
فرمایا: بکری تھی کسی قصاب کی، پھوڑ دی گئی اس کی آنکھ تو اس میں وہ مقدار واجب ہوگی جتنی اس میں کمی آئی ہے؛ کیونکہ مقصود اس سے گوشت ہے
فَلَا يُعْتَبَرُ إلَّا النُّقْصَانُ . وَفِي عَيْنِ بَقَرَةِ الْجَزَّارِ وَجَزُورِهِ رُبُعُ الْقِيمَةِ ، وَكَذَا فِي عَيْنِ الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ وَالْفَرَسِ
پس معتبر نہ ہوگا مگر نقصان۔ اور قصاب کی گائے اور اس کے اونٹ کی آنکھ میں چوتھائی قیمت ہے، اور اسی طرح گدھے، خچر اور گھوڑے کی آنکھ میں
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : فِيهِ النُّقْصَانُ أَيْضًا اعْتِبَارًا بِالشَّاةِ ﴿۴﴾وَلَنَا مَا رُوِيَ " { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَضَى
اور فرمایا امام شافعیؒ نے اس میں بھی نقصان ہے؛ قیاس کرتے ہوئے بکری پر۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا
فِي عَيْنِ الدَّابَّةِ بِرُبْعِ الْقِيمَةِ } وَهَكَذَا قَضَى عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَلِأَنَّ فِيهَا مَقَاصِدَ سِوَى اللَّحْمِ كَالْحَمْلِ
جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا، اور اسی طرح فیصلہ فرمایا حضرت عمرؓ نے، اور اس لیے کہ ان میں مقاصد ہیں گوشت کے علاوہ جیسے

وَالرُّكُوبِ وَالزِّينَةِ وَالْجَمَالِ وَالْعَمَلِ، فَمِنْ هٰذَا الْوَجْهِ تُشْبِهُ الْآدَمِيَّ وَقَدْ تُمْسَكُ لِلْأَكْلِ، فَمِنْ هٰذَا الْوَجْهِ تُشْبِهُ

سوار ہونا، زینت، جمال اور کام کرنا، پس اس وجہ سے یہ مشابہ ہے آدمی کے، اور کبھی روکا جاتا ہے کھانے کے لیے، تو اس وجہ سے مشابہ ہو گیا

الْمَأْكُولَاتِ فَعَمِلْنَا بِالشَّبَهَيْنِ بِشَبَهِ الْآدَمِيِّ فِي إِيجَابِ الرُّبْعِ وَبِالشَّبَهِ الْآخَرِ

ماکولات کے، پس ہم نے عمل کیا دونوں شبہوں پر، شبہ آدمی پر چوتھائی واجب کرنے میں اور دوسری مشابہت پر

فِي نَفْيِ النِّصْفِ، وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا يُمْكِنُ إِقَامَةُ الْعَمَلِ بِهَا بِأَرْبَعَةِ أَعْيُنٍ عَيْنَاهَا وَعَيْنَا الْمُسْتَعْمِلِ فَكَأَنَّهَا

نصف کی نفی میں، اور اس لیے کہ ممکن ہے عمل قائم کرنا چار آنکھوں کے ساتھ دو آنکھیں اس کی اور دو آنکھیں مستعمل کی پس گویا وہ

ذَاتُ أَعْيُنٍ أَرْبَعَةٍ فَيَجِبُ الرُّبْعُ بِفَوَاتِ إِحْدَاهَا. ﴿5﴾ قَالَ: وَمَنْ سَارَ عَلَى دَابَّةٍ فِي الطَّرِيقِ فَضَرَبَهَا

چار آنکھوں والا ہے پس واجب ہو گی چوتھائی ان میں سے ایک کے فوت ہونے سے۔ فرمایا: اور جو شخص چلا جانور پر راستے میں، پس مارا اس کو

رَجُلٌ أَوْ نَخَسَهَا فَنَفَحَتْ رَجُلًا أَوْ ضَرَبَتْهُ بِيَدِهَا أَوْ نَفَرَتْ فَصَدَمَتْهُ فَقَتَلَتْهُ

کسی شخص نے یا سوا چبھویا اس کو، پس اس نے لات ماری کسی شخص کو یا اگلے پاؤں سے مارا یا بدک گیا اور کسی کو ٹکر ماری، اور اس کو قتل کر دیا

كَانَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاخِسِ دُونَ الرَّاكِبِ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہما، وَلِأَنَّ الرَّاكِبَ وَالْمَرْكَبَ مَدْفُوعَانِ

تو اس کا ضمان ناخس پر ہے نہ کہ راکب پر یہی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے، اور اس لیے سوار اور سواری دونوں دفع کیے ہوئے ہیں

بِدَفْعِ النَّاخِسِ فَأُضِيفَ فِعْلُ الدَّابَّةِ إِلَيْهِ كَأَنَّهُ فَعَلَهُ بِيَدِهِ، ﴿6﴾ وَلِأَنَّ النَّاخِسَ مُتَعَدٍّ

ناخس کے دفع کرنے سے پس منسوب ہو گا جانور کا فعل ناخس کی طرف گویا یہ کام اس نے اپنے ہاتھ سے کیا، اور اس لیے کہ ناخس تعدی کرنے والا ہے

فِي تَسْبِيبِهِ وَالرَّاكِبُ فِي فِعْلِهِ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فَيَتَرَجَّحُ جَانِبُهُ فِي التَّغْرِيمِ لِلتَّعَدِّي، حَتَّى لَوْ

تسبیب میں، اور راکب اپنے فعل میں تعدی کرنے والا نہیں ہے پس راجح ہو گی اس کی جانب ضمان کے متعلق تعدی کی وجہ سے حتی کہ اگر

كَانَ وَاقِفًا دَابَّتَهُ عَلَى الطَّرِيقِ يَكُونُ الضَّمَانُ عَلَى الرَّاكِبِ وَالنَّاخِسِ نِصْفَيْنِ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِي الْإِيقَافِ أَيْضًا.

اس نے کھڑا کیا ہو اپنا جانور راستے میں، تو ضمان راکب اور ناخس پر نصف نصف ہو گا؛ کیونکہ راکب بھی تعدی کرنے والا ہے کھڑا کرنے کی وجہ سے

﴿7﴾ قَالَ: وَإِنْ نَفَحَتِ النَّاخِسَ كَانَ دَمُهُ هَدَرًا؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْجَانِي عَلَى نَفْسِهِ. وَإِنْ أَلْقَتِ

فرمایا: اور اگر جانور نے لات ماری ناخس کو تو اس کا خون رائیگاں ہو؛ کیونکہ یہ اپنے اوپر جنایت کرنے والے کی طرح ہے، اور اگر جانور نے گرا دیا

الرَّاكِبَ فَقَتَلَتْهُ كَانَ دِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ النَّاخِسِ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِي تَسْبِيبِهِ وَفِيهِ الدِّيَةُ

سوار کو اور قتل کر دیا اس کو تو اس کی دیت ناخس کے عاقلہ پر ہو گی؛ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اپنی تسبیب میں اور اس میں دیت ہے

عَلَى الْعَاقِلَةِ. {۸}قَالَ : وَلَوْ وَثَبَتْ بِنَخْسِهِ عَلَى رَجُلٍ أَوْ وَطِئَتْهُ فَقَتَلَتْهُ كَانَ ذَلِكَ عَلَى النَّاخِسِ
عاقلہ پر۔ فرمایا: اور اگر جانور کھود گیا ناخس کے سوا چبھونے سے کسی شخص پر یا روند ڈالا اس کو اور قتل کر دیا اس کو تو اس کا ضمان ناخس پر ہوگا
دُونَ الرَّاكِبِ ؛ لِمَا بَيَّنَّاهُ ، وَالْوَاقِفُ فِي مِلْكِهِ وَالَّذِي يَسِيرُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ
نہ کہ راکب پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور کھڑا ہوا شخص اپنی ملک میں اور اس میں چلنے والا برابر ہیں، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے
أَنَّهُ يَجِبُ الضَّمَانُ عَلَى النَّاخِسِ وَالرَّاكِبِ نِصْفَيْنِ، لِأَنَّ التَّلَفَ حَصَلَ بِثِقَلِ الرَّاكِبِ وَوَطْءِ الدَّابَّةِ، وَالثَّانِي مُضَافٌ
کہ واجب ہے ضمان ناخس اور راکب پر نصف نصف؛ کیونکہ تلف حاصل ہوا راکب کے ثقل اور جانور کے روندنے سے، اور ثانی مضاف ہے
إلَى النَّاخِسِ فَيَجِبُ الضَّمَانُ عَلَيْهِمَا ، {۹}وَإِنْ نَخَسَهَا بِإِذْنِ الرَّاكِبِ كَانَ ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ فِعْلِ الرَّاكِبِ
ناخس کی طرف، پس واجب ہوگا ضمان دونوں پر، اور اگر اس نے سوا چبھویا راکب کی اجازت سے تو یہ راکب کے فعل کے درجے میں ہے
لَوْ نَخَسَهَا ، وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي نَفْحَتِهَا لِأَنَّهُ أَمَرَهُ بِمَا يَمْلِكُهُ،
اگر جانور کو سوا چبھویا، اور ضمان نہیں ہے ناخس پر جانور کے لات مارنے میں؛ کیونکہ راکب نے امر کیا ہے ناخس کو اس چیز کا جس کا وہ مالک ہے
إذِ النَّخْسُ فِي مَعْنَى السَّوْقِ فَصَحَّ أَمْرُهُ بِهِ ، وَانْتَقَلَ إلَيْهِ لِمَعْنَى الْأَمْرِ.
اس لیے کہ نخس ہانکنے کے معنیٰ میں ہے، پس صحیح ہے راکب کا اس کو امر کرنا اس کے بارے میں، اور منتقل ہوگا اسی کی جانب؛ امر کی وجہ سے
{۱۰}قَالَ : وَلَوْ وَطِئَتْ رَجُلًا فِي سَيْرِهَا وَقَدْ نَخَسَهَا النَّاخِسُ بِإِذْنِ الرَّاكِبِ فَالدِّيَةُ عَلَيْهِمَا نِصْفَيْنِ جَمِيعًا
فرمایا: اور اگر جانور نے روند ڈالا کسی شخص کو چلتے وقت اور اس کو سوا چبھویا تھا ناخس نے راکب کی اجازت سے تو دیت دونوں پر ہے نصف نصف
إذَا كَانَتْ فِي فَوْرِهَا الَّذِي نَخَسَهَا ؛ لِأَنَّ سَيْرَهَا فِي تِلْكَ الْحَالَةِ مُضَافٌ إلَيْهِمَا ، وَالْإِذْنُ يَتَنَاوَلُ
بشرطیکہ روندنا اسی وقت ہو جس وقت کہ سوا چبھویا؛ کیونکہ جانور کا چلنا اس حالت میں منسوب ہے دونوں کی طرف، اور اجازت شامل ہے
فِعْلَهُ السَّوْقَ وَلَا يَتَنَاوَلُهُ مِنْ حَيْثُ إنَّهُ إتْلَافٌ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ{۱۱}وَالرُّكُوبُ وَإِنْ كَانَ عِلَّةً
ناخس کے فعل سوق کو اور شامل نہیں ہے اس حیثیت سے کہ یہ اتلاف ہے، پس اس وجہ سے مقصور ہوگا ناخس پر، اور رکوب اگرچہ علت ہے
لِلْوَطْءِ فَالنَّخْسُ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِهَذِهِ الْعِلَّةِ بَلْ هُوَ شَرْطٌ أَوْ عِلَّةٌ لِلسَّيْرِ وَالسَّيْرُ عِلَّةٌ لِلْوَطْءِ وَبِهَذَا
روندنے کا مگر نخس شرط نہیں ہے اس علت کے لیے، بلکہ وہ شرط یا علت ہے چلنے کے لیے، اور چلنا علت ہے روندنے کے لیے، اور اسی وجہ سے
لَا يَتَرَجَّحُ صَاحِبُ الْعِلَّةِ ، كَمَنْ جَرَحَ إنْسَانًا فَوَقَعَ فِي بِئْرٍ حَفَرَهَا غَيْرُهُ عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ

راجح نہ ہو گا صاحبِ علت جیسے وہ شخص جو زخمی کردے کسی انسان کو پس واقع ہوا ایسے کنویں میں جس کو کھودا اس کے علاوہ نے شارع عام پر

وَمَاتَ فَالدِّيَةُ عَلَيْهِمَا لِمَا أَنَّ الْحَفْرَ شَرْطُ عِلَّةٍ أُخْرَى دُونَ عِلَّةِ الْجُرْحِ كَذَا هَذَا . {۱۲} ثُمَّ قِيلَ : يَرْجِعُ

اور وہ مرگیا تو دیت دونوں پر ہوگی؛ اس لیے کھودنا دوسری علت کی شرط ہے نہ کہ علتِ جرح کی، اسی طرح یہ ہے۔ پھر کہا گیا ہے رجوع کرے گا

النَّاخِسُ عَلَى الرَّاكِبِ بِمَا ضَمِنَ فِي الْإِيطَاءِ لِأَنَّهُ فَعَلَهُ بِأَمْرِهِ.

ناخس راکب پر اس کے بارے میں جس کا وہ ضامن ہوا ہے روندنے کی صورت میں؛ کیونکہ اس نے یہ کام کیا ہے راکب کے امر سے،

وَقِيلَ : لَا يَرْجِعُ وَهُوَ الْأَصَحُّ فِيمَا أَرَاهُ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِيطَاءِ وَالنَّخْسُ يَنْفَصِلُ

اور کہا گیا ہے رجوع نہیں کرے گا، اور یہی اصح ہے میری رائے میں؛ کیونکہ راکب نے امر نہیں کیا ہے اس کو روندنے کا، اور نخس الگ ہوتا ہے

عَنْهُ ، وَصَارَ كَمَا إذَا أَمَرَ صَبِيًّا يَسْتَمْسِكُ عَلَى الدَّابَّةِ بِتَسْيِيرِهَا فَوَطِئَتْ إنْسَانًا وَمَاتَ

روندنے سے، اور ہو گیا جیسا کہ اگر امر کرے ایسے بچے کو جو بیٹھ سکتا ہے جانور پر جانور چلانے کا، پس اس نے روند ڈالا کسی انسان کو اور وہ مرگیا

حَتَّى ضَمِنَ عَاقِلَةَ الصَّبِيِّ فَإِنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ عَلَى الْآمِرِ لِأَنَّهُ أَمَرَهُ بِالتَّسْيِيرِ وَالْإِيطَاءُ يَنْفَصِلُ عَنْهُ،

حتی کہ ضامن بنایا بچے کے عاقلہ کو تو یہ رجوع نہیں کر سکتے ہیں آمر سے؛ کیونکہ اس نے تو امر کیا تھا اس کا چلانے کا اور روندنا الگ ہے اس سے

وَكَذَا إذَا نَاوَلَهُ سِلَاحًا فَقَتَلَ بِهِ آخَرَ حَتَّى ضَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْآمِرِ،

اور اسی طرح جب دیدے بچے کو ہتھیار اور وہ قتل کردے اس سے دوسرے شخص کو حتی کہ ضمان دیا تو رجوع نہیں کرے گا آمر پر۔

{۱۳} ثُمَّ النَّاخِسُ إنَّمَا يَضْمَنُ إذَا كَانَ الْإِيطَاءُ فِي فَوْرِ النَّخْسِ حَتَّى يَكُونَ السَّوْقُ مُضَافًا إلَيْهِ، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِي فَوْرِ ذَلِكَ

پھر ناخس ضامن ہو گا جب ہو روندنا نخس کے فوراً بعد تاکہ سوق منسوب ہو ناخس کی طرف، اور اگر نہ ہو اس کے فوراً بعد

فَالضَّمَانُ عَلَى الرَّاكِبِ لِانْقِطَاعِ أَثَرِ النَّخْسِ فَبَقِيَ السَّوْقُ مُضَافًا إلَى الرَّاكِبِ عَلَى الْكَمَالِ {۱۴} وَمَنْ قَادَ دَابَّةً

تو ضمان راکب پر ہو گا؛ اثرِ نخس منقطع ہونے کی وجہ سے، پس باقی رہا سوق منسوب راکب کی طرف کامل طور پر۔ اور جس نے کھینچا جانور،

فَنَخَسَهَا رَجُلٌ فَانْفَلَتَتْ مِنْ يَدِ الْقَائِدِ فَأَصَابَتْ فِي فَوْرِهَا فَهُوَ عَلَى النَّاخِسِ وَكَذَا إذَا كَانَ لَهَا سَائِقٌ

اور سوا چبھویا اس کو کسی نے، پس وہ بدک گیا قائد کے ہاتھ سے، اور نقصان پہنچایا کسی کو فوراً تو وہ ناخس پر ہو گا، اور اسی طرح جب ہو اس کے لیے سائق

فَنَخَسَهَا غَيْرُهُ ؛ لِأَنَّهُ مُضَافٌ إلَيْهِ ، وَالنَّاخِسُ إذَا كَانَ عَبْدًا فَالضَّمَانُ فِي رَقَبَتِهِ،

اور سوا چبھویا اس کو غیر نے؛ کیونکہ جانور کا فعل منسوب ہے ناخس کی طرف، اور ناخس اگر غلام ہو تو ضمان اس کی گردن میں واجب ہو گا

وَإِنْ كَانَ صَبِيًّا فَفِي مَالِهِ لِأَنَّهُمَا مُؤَاخَذَانِ بِأَفْعَالِهِمَا ﴿١٥﴾ وَلَوْ نَخَسَهَا شَيْءٌ مَنْصُوبٌ فِي الطَّرِيقِ فَنَفَحَتْ

اوراگر بچہ ہو تو اس کے مال میں؛کیونکہ دونوں ماخوذ ہیں اپنے افعال میں۔اوراگر چبھ گئی جانور کو راستے میں کھڑی کوئی چیز، پس اس نے لات ماری

إِنْسَانًا فَقَتَلَتْهُ فَالضَّمَانُ عَلَى مَنْ نَصَبَ ذَلِكَ الشَّيْءَ ؛لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِشَغْلِ الطَّرِيقِ

کسی انسان کو اور قتل کر دیا اس کو تو ضمان اس پر ہے جس نے کھڑی کر دی ہے یہ چیز؛کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے راستہ کو مشغول کرنے

فَأُضِيفَ إِلَيْهِ كَأَنَّهُ نَخَسَهَا بِفِعْلِهِ ، وَاللهُ أَعْلَمُ .

پس دابہ کا فعل منسوب ہوگا اسی کی طرف گویا اس کو چبھویا اپنے فعل سے،واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔﴿۱﴾اگر کسی نے جانور چھوڑ دیا اس نے علی الفور (ادھر ادھر مائل ہوئے بغیر) سیدھا جاکر کسی کی زراعت تباہ کر دی تو چھوڑنے والا ضامن ہوگا،اوراگر وہ دائیں یا بائیں مڑ گیا اوراس کے چلنے کے لیے دوسرا راستہ بھی موجود ہے یعنی دائیں یا بائیں مڑنے کی طرف وہ مجبور نہیں ہے تو چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا؛دلیل سابق میں گذر چکی کہ دائیں یا بائیں مڑنے کی وجہ سے ارسال کا حکم منقطع ہو جاتا ہے اس لیے مرسِل ضامن نہ ہوگا۔

﴿۲﴾اگر کوئی جانور چھوٹ گیا یعنی خود چھوٹ کر چل پڑا اور کسی کے مال یا آدمی کو تلف کر دیا خواہ رات میں ہو یا دن میں ہو تو اس کے مالک پر تاوان واجب نہ ہوگا؛کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جانوروں کا زخمی کرنا باطل ہے" یعنی کسی کو نقصان پہنچانے میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے،اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں جانور سے وہی جانور مراد ہے جو خود چھوٹ کر بھاگ جائے؛اور تاوان واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے جانور کا فعل اس کے مالک کی جانب منسوب نہیں ہوتا؛اس لیے کہ جو چیز مالک کی طرف فعل کی نسبت کو واجب کرتی ہے وہ نہیں پائی جارہی ہے یعنی مالک کا اس کو چھوڑنا،ہانکنا یا کھینچنا وغیرہ کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جس کی وجہ سے جانور کا فعل مالک کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لیے مالک ضامن نہ ہوگا۔

﴿۳﴾قصاب کی بکری کی کسی نے آنکھ پھوڑ دی تو جس قدر نقصان ہوا وہ واجب ہوگا؛کیونکہ اس بکری سے گوشت ہی مقصود ہے تو نقصانِ مالیت کے علاوہ کسی اور چیز کا اعتبار نہ ہوگا۔اور قصائی کی گائے یا اونٹ کی آنکھ تلف کرنے میں چوتھائی قیمت واجب ہے،اسی طرح گدھے، خچر اور گھوڑے کی آنکھ میں بھی چوتھائی قیمت واجب ہے یعنی خواہ گوشت کے لیے جانور ہو، یا بوجھ لادنے اور سواری کا جانور ہو یا ایسا جانور ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے سب کی آنکھ میں چوتھائی قیمت واجب ہوگی۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی نقصان ہی واجب ہوگا جیسے بکری میں واجب ہوتا ہے۔

{۴} ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ "حضور ﷺ نے جانور کی آنکھ کے بارے میں چوتھائی قیمت کا حکم دیا"، اور ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم مروی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان جانوروں میں گوشت کے علاوہ دیگر مقاصد بھی ہوتے ہیں جیسے بوجھ لادنا، سواری کرنا، زینت اور جمال حاصل کرنا، اور زمین جوتنے اور سینچنے وغیرہ کا کام لینا پس ان مقاصد کے اعتبار سے یہ جانور آدمی کے ساتھ مشابہ ہیں اور کبھی یہ جانور صرف کھانے کے لیے رکھے جاتے ہیں تو اس اعتبار سے ان کو کھانے کی چیزوں سے مشابہت ہے تو ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا پس آدمی کی مشابہت کی وجہ سے چوتھائی قیمت واجب کی اور دوسری مشابہت کی وجہ سے نصف قیمت نہیں رکھی یعنی آدمی کی آنکھ تلف کرنے میں نصف قیمت واجب ہوتی ہے، لیکن ان جانوروں میں دوسری مشابہت کی وجہ سے نصف کی نصف یعنی چوتھائی قیمت رکھی گئی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان جانوروں سے کام لینا چار آنکھوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی دو آنکھیں ان جانوروں کی اور دو آنکھیں کام لینے والے آدمی کی ہیں، پس گویا کہ ان میں چار آنکھیں ہیں تو ایک آنکھ تلف کرنے سے چوتھائی قیمت کا ضامن ہوگا۔

{۵} اگر ایک شخص جانور پر سوار ہو کر راستہ میں چلا پس اس جانور کو کسی غیر شخص نے مالک کی اجازت کے بغیر راستہ میں مارا یا چونکا (جانور کو تیز چلانے کے لیے سوا چبھویا) پس جانور نے کسی تیسرے شخص کو لات ماری یا اگلے پاؤں سے مارا، یا دہ بدکا اور کسی شخص کو دھکا مارا جس سے وہ شخص مر گیا تو اس کا تاوان چونکنے والے پر لازم ہوگا نہ سوار پر یعنی سوار اس تاوان سے بری ہوگا یہی حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

{۶} دوسری دلیل یہ ہے کہ سوار اور سواری دونوں دفع کئے ہوئے ہیں یعنی چونکنے والے سے بھاگے ہیں تو جانور کا فعل اسی چونکنے والے کی طرف منسوب ہوگا گویا اس چونکنے والے نے یہ کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے اس لیے چونکنے والا ضامن ہوگا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ چونکنے والا اس سبب کو پیدا کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور سوار اپنے سواری کے کام میں حد سے تجاوز کرنے والا نہیں ہے تو تاوان کے بارے میں تعدی کی وجہ سے چونکنے والے کی جانب کو راجح قرار دیا جائے گا حتی کہ اگر سوار کا جانور اس راستہ میں کھڑا ہو تو تاوان سوار اور چونکنے والے پر نصف نصف واجب ہوگا؛ کیونکہ سوار بھی راستہ میں کھڑا کرنے کی وجہ سے حد سے تجاوز کرنے والا ہوا اس لیے تاوان دونوں پر آئے گا۔

{۷} اگر اس جانور نے چونکنے والے کو لات ماردی جس سے وہ تلف ہو گیا تو اس کا خون باطل ہوگا؛ کیونکہ اس نے گویا اپنے آپ کو خود ہلاک کیا۔ اور اگر اس نے چونکنے کی وجہ سے سوار کو گرادیا جس سے وہ مر گیا تو اس کی دیت چونکنے والے کی مددگار برادری

پرواجب ہوگی؛کیونکہ چونکنے والااس سبب کوپیدا کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا اور سبب انگیزی میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے مددگار برادری پر دیت واجب ہوتی ہے۔

{۸}اگراس کے چونکنے سے جانوربدک کر کسی شخص پر کُودپڑا،یاکسی شخص کوروندڈالاپس وہ مرگیاتواس کاتاوان سوارپر نہیں بلکہ چونکنے والے پرواجب ہوگا؛دلیل وہی ہے جوہم بیان کرچکے کہ چونکنے ہی کے ذریعہ سواراور سواری دفع کیے ہوئے ہیں لہذاجانورکافعل چونکنے والے کی طرف منسوب ہوگا۔ اوراس بارے میں اپنی ملکیت میں کھڑاہونااور چلنادونوں برابرہیں؛کیونکہ اپنی مِلک میں کھڑاہونااور چلناتعدی نہیں ہے اس لیے ہرحال میں تاوان چونکنے والے پرواجب ہوگا۔

اورامام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ تاوان چونکنے والے اور سوار دونوں پر نصف نصف واجب ہوگا؛کیونکہ جان کاتلف ہوناسوار کے بوجھ اور سواری کے روندنے سے پیداہواہے اور سواری کاروندنااس کے چونکنے والے کی جانب منسوب ہے لہذاتاوان بھی سواراورچونکنے والے پرواجب ہوگا،یہ امام ابویوسفؒ سے ایک روایت ہے راجح اول قول ہی ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید:وهذه رواية عنه و الراجح المختار للفتوى هو الاول وهو قول جمهور ائمتناالحنفية وهو قول ابى يوسف فى ظاهر الرواية (هامش الهداية:4ص612)۔

{۹}اوراگرچونکنے والے نے سوارکی اجازت سے جانورکوچونکاہوتویہ خود راکب کے فعل کے درجے میں ہے یعنی گویاسوارنے خوداس کوچونکااوراس صورت میں جانورکے لات مارنے میں تاوان نہیں ہے؛کیونکہ اس نے ایسے کام کاحکم دیاجس کاوہ خوداختیاررکھتاتھا؛کیونکہ چونکناتوہانکنے کے معنی میں ہے تواس کام کے لیے سوارکادوسرے شخص کوحکم دیناصحیح ہے اور حکم ہی کی وجہ سے یہ فعل سوارکی جانب منتقل ہوا۔

{۱۰}اگرجانورنے اپنی رفتارمیں کسی شخص کوروندڈالاحال یہ کہ سوارکی اجازت سے اس کوکسی شخص نے چونکاتھاتومقتول کی دیت سواراورچونکنے والے دونوں پرنصف نصف واجب ہوگی بشرطیکہ جس حالت پراس نے چونکاتھااسی روش پرفی الفوراس نے کسی کو تلف کیاہو؛کیونکہ ایسی حالت میں اس کی رفتاراس سواراورچونکنے والے دونوں کی جانب منسوب ہے اور سوارکاچونکنے والے کواجازت دینااس کے ہانکنے کے فعل کوتوشامل ہے مگراس اعتبارسے شامل نہیں کہ وہ اتلافِ نفس ہے بس اس اعتبارسے چونکناصرف چونکنے والے تک مقصوررہے گاآمریعنی سوارکی طرف منتقل نہ ہوگا۔

{۱۱}سوال یہ ہے کہ راکب کا فعل روندنے کی علت ہے گویا کہ وہ خود اپنے پاؤں سے روند کر ہلاک کر رہا ہے اور چونکنے والے کا فعل شرط ہے، اور حکم کی اضافت شرط کی طرف نہیں ہوتی ہے بلکہ علت کی طرف ہوتی ہے لہذا ضمان راکب پر ہونا چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ شرط پہلے ہوتی ہے اور یہاں چونکنا رکوب کے بعد ہے لہذا معلوم ہوا کہ چونکنا علت (رکوب) کی شرط نہیں ہے بلکہ سیر کی شرط یا سیر کی علت ہے اور سیر روندنے کی علت ہے لہذا یہاں دو علتیں جمع ہیں ایک چونکنا ہے اور دوسری رکوب ہے پس رکوب کو چونکنے پر ترجیح حاصل نہ ہوگی اس لیے ضمان دونوں پر برابر ہوگا جیسے ایک شخص نے دوسرے کو مجروح کیا اور وہ جا کر ایک کنویں میں گرا جس کو ایک تیسرے شخص نے عین راستہ میں کھودا تھا اور مجروح شخص مر گیا تو اس کی دیت ان دونوں پر واجب ہوگی یعنی مجروح کرنے والے اور کنواں کھودنے والے دونوں پر واجب ہوگی؛ کیونکہ کھودنا تو دوسری علت یعنی کنویں میں گرنے کی شرط ہے مجروح ہونے کی شرط نہیں ہے اس طرح دو علتیں جمع ہو گئیں اس لیے حکم دونوں کی طرف منسوب ہوگا پس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی حکم دونوں کی طرف منسوب ہوگا۔

{۱۲}پھر بعض مشائخؒ نے کہا کہ چونکنے والے نے روندنے کی صورت میں جو کچھ تاوان دیا وہ سوار سے واپس لے؛ کیونکہ اس نے سوار ہی کے حکم سے چونکا تھا، اور بعض نے فرمایا کہ واپس نہیں لے سکتا ہے اور میری رائے میں یہی قول اصح ہے؛ کیونکہ سوار نے اس کو روند ڈالنے کا حکم نہیں دیا تھا اور چونکنا کبھی روندنے سے خالی ہوتا ہے؛ کیونکہ چونکنے کے لیے روندنا لازم نہیں لہذا یہ معاملہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے ایسے بچے کو جو گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہے گھوڑا چلانے کا حکم دیا پس اس نے کسی آدمی کو روند ڈالا جس سے وہ آدمی مر گیا اور بچے کی مددگار برادری نے اس کا تاوان ادا کیا تو یہ لوگ یہ تاوان اس حکم دینے والے سے واپس نہیں لے سکتے ہیں؛ کیونکہ اس نے گھوڑا چلانے کا حکم دیا آدمی روندنے کا حکم نہیں دیا ہے اور گھوڑا چلانا کبھی روندنے سے خالی ہوتا ہے یعنی چلانے کے لیے روندنا لازم نہیں ہے، اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی بچے کو ہتھیار دیا جس کے ذریعہ سے اس نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا حتی کہ بچے کی مددگار برادری نے اس کا تاوان ادا کیا تو یہ لوگ ہتھیار دینے والے سے یہ تاوان واپس نہیں لے سکتے ہیں؛ کیونکہ ہتھیار دینے کے لیے یہ امر لازم نہیں ہے کہ کسی شخص کو قتل کیا جائے۔

{۱۳}پھر چونکنے والا اس وقت ضامن ہوگا کہ روند ڈالنا اس کے چونکنے کی رفتار کی حالت میں فوراً واقع ہو حتی کہ ہانکنا اسی چونکنے والے کی طرف منسوب ہو، اور اگر روندنا چونکنے کے فوراً بعد واقع نہ ہو یعنی اس کے چونکنے سے جس روش سے جاتا تھا اس کے بدل جانے کے بعد اس نے کسی شخص کو روند ڈالا تو اس صورت میں مقتول کا تاوان صرف سوار پر واجب ہوگا؛ کیونکہ اس کے چونکنے کا اثر ختم ہوا تو ہانکنا کامل طور پر اسی سوار کی طرف منسوب ہوگا اس لیے تاوان بھی فقط سوار پر واجب ہوگا۔

{۱۴}اگر کوئی شخص ایک جانور کھینچ کر لے جا رہا تھا پھر ایک اور شخص نے اس کو چونک دیا جس کی وجہ سے وہ کھینچنے والے کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گیا اور فی الفور اسی رفتار میں کسی شخص کو نقصان پہنچایا تو اس کا تاوان چونکنے والے پر واجب ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص جانور کو ہانک رہا تھا پس ایک اور شخص نے اس کو چونکا تو بھی تاوان چونکنے والے پر ہے؛ کیونکہ جانور کا یہ فعل اس صورت میں اسی چونکنے والے کی طرف منسوب ہوگا تو تاوان بھی اسی پر واجب ہوگا۔ اور چونکنے والا اگر غلام ہو تو یہ تاوان اس کی گردن میں واجب ہوگا یعنی اس تاوان کے لیے اس کو فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن سے اس تاوان کو ادا کیا جائے گا، اور اگر چونکنے والا کوئی بچہ ہو تو یہ تاوان اس کے مال میں واجب ہوگا؛ کیونکہ غلام اور بچہ دونوں اپنے افعال میں ماخوذ ہوتے ہیں اس لیے اس صورت میں تاوان ان سے وصول کیا جائے گا۔ ظاہر اً یہ اس صورت میں ہے کہ جان ضائع نہیں ہوئی بلکہ کسی کا مال تلف کر دیا ہو ورنہ جان تلف کرنے کی صورت میں دیت مددگار برادری پر ہوگی۔

{۱۵}اگر اس جانور کو کوئی ایسی چیز چبھ گئی جو راستہ میں کھڑی کی گئی تھی پس اس نے بدک کر کسی آدمی کو لات ماردی اور اس کو تلف کیا تو اس کا تاوان اس شخص پر واجب ہوگا جس نے یہ چیز راستہ میں کھڑی کی ہے؛ کیونکہ وہ راستہ کو مشغول رکھنے کی وجہ سے حد سے تجاوز کرنے والا ہے تو یہ فعل اسی کی جانب منسوب ہوگا گویا اس نے اپنے فعل سے جانور چونکا اس لیے ضمان اسی پر ہوگا۔

بَابُ جِنَايَةِ الْمَمْلُوكِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ

یہ باب مملوک کی جنایت اور مملوک پر جنایت کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ مالک یعنی آزاد شخص کی جنایت کے احکام سے فارغ ہو گئے تو مملوک یعنی غلام کی جنایت کے احکام کو شروع فرمایا چونکہ غلام کا درجہ آزاد سے کم ہے اس لیے اس کے احکام کو مؤخر کر دیا، باقی جانور کی جنایت کے احکام سے غلام کی جنایت کے احکام کو اس لیے مؤخر کر دیا کہ جانور کی جنایت سوار یا کھینچنے والے یا ہانکنے والے کے اعتبار سے ہے اور سوار وغیرہ مالک ہیں اس لیے مملوک کے احکام کو اس سے مؤخر کر دیا۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا جَنَى الْعَبْدُ جِنَايَةً خَطَأً قِيلَ لِمَوْلَاهُ : إمَّا أَنْ تَدْفَعَهُ بِهَا أَوْ تَفْدِيهِ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:

فرمایا: اور اگر غلام نے جنایت کی خطاء، تو کہا جائے گا اس کے مولیٰ سے کہ یا تو دیدو یہ غلام اس کے عوض میں یا فدیہ دو اس کا، اور فرمایا امام شافعیؒ نے

جِنَايَتُهُ فِي رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهَا إلَّا أَنْ يَقْضِيَ الْمَوْلَى الْأَرْشَ ، {۲}وَفَائِدَةُ الِاخْتِلَافِ فِي اتِّبَاعِ الْجَانِي

غلام کی جنایت اس کے رقبہ میں واجب ہوگی، فروخت کیا جائے گا اس میں، مگر یہ کہ ادا کر دے مولیٰ جرمانہ، اور اختلاف کا فائدہ جانی کے اتباع میں ہے

بَعْدَ الْعِتْقِ .وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلِفَةٌ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ . ﴿۳﴾لَهُ أَنَّ الْأَصْلَ فِي مُوجَبِ الْجِنَايَةِ أَنْ

آزادی کے بعد، اور مسئلہ مختلف فیہ تھا صحابہ کرامؓ کے درمیان۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل موجب جنایت میں یہ ہے کہ

يَجِبَ عَلَى الْمُتْلِفِ لِأَنَّهُ هُوَ الْجَانِي ، إِلَّا أَنَّ الْعَاقِلَةَ تَتَحَمَّلُ عَنْهُ ، وَلَا عَاقِلَةَ لِلْعَبْدِ

واجب ہو تلف کرنے والے پر؛ کیونکہ وہی جنایت کرنے والا ہے، البتہ عاقلہ برداشت کرتا ہے اس کی طرف سے، اور عاقلہ نہیں ہے غلام کا

لِأَنَّ الْعَقْلَ عِنْدِي بِالْقَرَابَةِ وَلَا قَرَابَةَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَمَوْلَاهُ فَتَجِبُ فِي ذِمَّتِهِ

کیونکہ اعانت ان کے نزدیک قرابت سے ہے، اور قرابت نہیں ہے غلام اور اس کے مولیٰ کے درمیان، پس واجب ہوگی اس کے ذمہ میں

كَمَا فِي الذِّمِّيِّ .وَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهِ كَمَا فِي الْجِنَايَةِ عَلَى الْمَالِ . ﴿۴﴾وَلَنَا أَنَّ

جیسے ذمی میں، اور متعلق ہوگی اس کے رقبہ کے ساتھ فروخت کیا جائے گا اس میں جیسا کہ مال پر جنایت کرنے میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

الْأَصْلَ فِي الْجِنَايَةِ عَلَى الْآدَمِيِّ حَالَةَ الْخَطَإِ أَنْ تَتَبَاعَدَ عَنِ الْجَانِي تَحَرُّزًا عَنْ اسْتِئْصَالِهِ وَالْإِجْحَافِ بِهِ،

کہ اصل آدمی پر جنایت کرنے میں حالت خطاء میں یہ ہے کہ دور رہے جانی سے؛ بچتے ہوئے اس کے استیصال اور تنگ کرنے سے اس کی وجہ سے

إِذْ هُوَ مَعْذُورٌ فِيهِ حَيْثُ لَمْ يَتَعَمَّدِ الْجِنَايَةَ ، وَتَجِبُ عَلَى عَاقِلَةِ الْجَانِي إِذَا كَانَ لَهُ عَاقِلَةٌ،

اس لیے کہ وہ معذور ہے اس میں؛ کیونکہ اس نے قصد نہیں کیا ہے جنایت کا، اور واجب ہوگی جانی کے عاقلہ پر اگر ہو اس کے لیے عاقلہ

وَالْمَوْلَى عَاقِلَتُهُ لِأَنَّ الْعَبْدَ يَسْتَنْصِرُ بِهِ ، وَالْأَصْلُ فِي الْعَاقِلَةِ عِنْدَنَا النُّصْرَةُ حَتَّى تَجِبَ

اور مولیٰ اس کا عاقلہ ہے؛ کیونکہ غلام نصرت حاصل کرتا ہے اسی سے، اور اصل عاقلہ میں ہمارے نزدیک نصرت ہے حتیٰ کہ واجب ہوگی

عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ . ﴿۵﴾بِخِلَافِ الذِّمِّيِّ لِأَنَّهُمْ لَا يَتَعَاقَلُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ فَلَا عَاقِلَةَ فَتَجِبُ فِي ذِمَّتِهِ

اہل دیوان پر، بر خلاف ذمی کے؛ کیونکہ وہ لوگ نصرت نہیں کرتے ہیں آپس میں، پس عاقلہ نہیں ہے، پس واجب ہوگی اس کے ذمہ میں

صِيَانَةً لِلدَّمِ عَنِ الْهَدَرِ ،وَبِخِلَافِ الْجِنَايَةِ عَلَى الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمَالَ ،﴿۶﴾إِلَّا

تاکہ محفوظ ہو خون رائیگاں ہونے سے، اور بر خلاف مال پر جنایت کرنے کے؛ کیونکہ برادری برداشت نہیں کرتی ہے مال کو، البتہ

أَنَّهُ يُخَيَّرُ بَيْنَ الدَّفْعِ وَالْفِدَاءِ لِأَنَّهُ وَاحِدٌ ، وَفِي إِثْبَاتِ الْخِيرَةِ نَوْعُ تَخْفِيفٍ فِي حَقِّهِ

اس کو اختیار دیا جائے گا غلام دینے اور فدیہ دینے میں؛ کیونکہ مولیٰ ایک ہے، اور اختیار ثابت کرنے میں ایک گنا تخفیف ہے اس کے حق میں

كَيْ لَا يُسْتَأْصَلَ﴿۷﴾غَيْرَ أَنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ هُوَ الدَّفْعُ فِي الصَّحِيحِ ، وَلِهَذَا يَسْقُطُ الْمُوجَبُ بِمَوْتِ الْعَبْدِ

تاکہ اس کا استیصال نہ کیا جائے۔ البتہ اصل واجب غلام دینا ہے صحیح روایت کے مطابق، اسی لیے ساقط ہو جاتا ہے موجب غلام کی موت سے

لِفَوَاتِ مَحَلِّ الْوَاجِبِ وَإِنْ كَانَ لَهُ حَقُّ النَّقْلِ إِلَى الْفِدَاءِ كَمَا فِي مَالِ الزَّكَاةِ {8} بِخِلَافِ مَوْتِ الْجَانِي الْحُرِّ

محل واجب فوت ہونے کی وجہ سے، اگرچہ مولیٰ کو حق ہے انتقال کا فدیہ کی طرف جیسا کہ مالِ زکوۃ میں ہے، برخلاف آزاد جانی کی موت کے

لِأَنَّ الْوَاجِبَ لَا يَتَعَلَّقُ بِالْحُرِّ اسْتِيفَاءً فَصَارَ كَالْعَبْدِ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ . {9} قَالَ : فَإِنْ دَفَعَهُ

؛ کیونکہ واجب متعلق نہیں ہوتا آزاد کے ساتھ وصولیابی کے اعتبار سے پس ہو گیا جیسے غلام صدقۂ فطر میں۔ فرمایا: اور اگر دیدیا غلام

مَلَكَهُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ وَإِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا وَكُلُّ ذَلِكَ يَلْزَمُ حَالًا

تو مالک ہو گا اس کا ولی جنایت، اور اگر فدیہ دے گا تو فدیہ جنایت کے جرمانہ کے بقدر دے، اور یہ ہر ایک اس پر لازم ہو گا فی الحال،

أَمَّا الدَّفْعُ فَلِأَنَّ التَّأْجِيلَ فِي الْأَعْيَانِ بَاطِلٌ وَعِنْدَ اخْتِيَارِهِ الْوَاجِبُ عَيْنٌ

بہر حال غلام دینا تو اس لیے کہ میعاد اعیان میں باطل ہے، اور مولیٰ کے دفع عبد کو اختیار کرتے وقت جو چیز واجب ہے وہ عین ہے،

وَأَمَّا الْفِدَاءُ فَلِأَنَّهُ جُعِلَ بَدَلًا عَنِ الْعَبْدِ فِي الشَّرْعِ وَإِنْ كَانَ مُقَدَّرًا بِالْمُتْلَفِ وَلِهَذَا سُمِّيَ فِدَاءً

اور رہا فدیہ تو وہ اس لیے کہ اس کو بدل قرار دیا ہے غلام کا شریعت میں اگرچہ وہ مقدر ہے ہلاک کردہ کے ساتھ، اور اسی لیے نام رکھا گیا فدیہ

فَيَقُومُ مَقَامَهُ وَيَأْخُذُ حُكْمَهُ فَلِهَذَا وَجَبَ حَالًا كَالْمُبْدَلِ {10} وَأَيُّهُمَا اخْتَارَهُ

پس وہ غلام کا قائم مقام ہو گا اور اسی کا حکم لے لے گا، اس لیے فی الحال واجب ہو گا مبدل کی طرح۔ اور دونوں میں سے جس کو مولیٰ نے اختیار کیا

وَفَعَلَهُ لَا شَيْءَ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ غَيْرُهُ ؛ أَمَّا الدَّفْعُ فَلِأَنَّ حَقَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِهِ ، فَإِذَا خَلَّى

اور کر لیا تو کچھ نہ ہو گا ولی جنایت کے لیے اس کے علاوہ، بہر حال غلام دینا تو اس لیے کہ اس کا حق متعلق ہے غلام کے ساتھ، پس جب مولیٰ نے تخلیہ کیا

بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرَّقَبَةِ سَقَطَ .وَأَمَّا الْفِدَاءُ فَلِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ إِلَّا الْأَرْشُ ، فَإِذَا أَوْفَاهُ

ولی جنایت اور رقبہ کے درمیان تو حق مطالبہ ساقط ہو گیا، اور رہا فدیہ تو اس لیے کہ حق نہیں ہے اس کو مگر جرمانہ کا، پس جب مولیٰ نے دیدیا

حَقَّهُ سَلِمَ الْعَبْدُ لَهُ ،{11} فَإِنْ لَمْ يَخْتَرْ شَيْئًا حَتَّى مَاتَ الْعَبْدُ بَطَلَ حَقُّ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ

اس کا حق تو سالم رہا غلام اس کے لیے، اور اگر اس نے کچھ اختیار نہیں کیا یہاں تک کہ مر گیا غلام تو باطل ہو جائے گا مجنی علیہ کا حق؛

لِفَوَاتِ مَحَلِّ حَقِّهِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَإِنْ مَاتَ بَعْدَمَا اخْتَارَ الْفِدَاءَ لَمْ يَبْرَأْ

اس کے حق کا محل فوت ہونے کی وجہ سے جیسا کہ ہم اس کو بیان کر چکے، اور اگر وہ مر گیا فدیہ اختیار کرنے کے بعد تو مولیٰ بری نہ ہو گا

لِتَحَوُّلِ الْحَقِّ مِنْ رَقَبَةِ الْعَبْدِ إِلَى ذِمَّةِ الْمَوْلَى . ﴿۱۲﴾قَالَ : فَإِنْ عَادَ فَجَنَى كَانَ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ

؛بوجہ پھر جانے حق کے غلام کے رقبہ سے مولیٰ کے ذمہ کی طرف۔ فرمایا: اوراگر مجرم لوٹ آیا اور جنایت کی، تو ہوگا جنایت ثانی کا حکم

كَحُكْمِ الْجِنَايَةِ الْأُولَى ، مَعْنَاهُ بَعْدَ الْفِدَاءِ لِأَنَّهُ لَمَّا طَهُرَ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ جُعِلَ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ،

جیسے جنایت اول کا حکم، اس کا معنی ہے فدیہ دینے کے بعد؛ کیونکہ جب پاک ہوا جنایت سے فدیہ دینے تو قرار دیا جائے گا گویا جنایت ہوئی نہیں ہے

وَهَذَا ابْتِدَاءُ جِنَايَةٍ . ﴿۱۳﴾قَالَ : وَإِنْ جَنَى جِنَايَتَيْنِ قِيلَ لِلْمَوْلَى إِمَّا أَنْ تَدْفَعَهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَتَيْنِ يَقْتَسِمَانِهِ

اور یہ ابتداءِ جنایت ہے۔ فرمایا: اوراگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو کہا جائے گا مولیٰ سے کہ یا تو دیدو دونوں جنایت کے ولیوں کو وہ دونوں تقسیم کریں گے اس کو

عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا وَإِمَّا أَنْ تَفْدِيَهُ بِأَرْشِ كُلِّ وَاحِدٍ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ؛ لِأَنَّ تَعَلُّقَ الْأَوَّلِ بِرَقَبَتِهِ لَا يَمْنَعُ

اپنے حق کے بقدر، اور یا فدیہ دو ان دونوں میں سے ہر ایک جنایت کے جرمانہ کے بقدر؛ کیونکہ اول کا تعلق اس کی گردن کے ساتھ نہیں روکتا ہے

تَعَلُّقَ الثَّانِيَةِ بِهَا كَالدُّيُونِ الْمُتَلَاحِقَةِ،أَلَا تَرَى أَنَّ مِلْكَ الْمَوْلَى لَمْ يَمْنَعْ تَعَلُّقَ الْجِنَايَةِ فَحَقُّ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ الْأَوَّلِ

ثانی کے تعلق کو اس کے ساتھ جیسے دیون متصلہ، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مولیٰ کی ملک نہیں روکتی ہے تعلق جنایت کو، پس مجنی علیہ اول کا حق

أَوْلَى أَنْ لَا يَمْنَعَ ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا عَلَى قَدْرِ أَرْشِ جِنَايَتِهِمَا

بطریقہ اولیٰ مانع نہ ہوگا، اور ماتنؒ کے قول "عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا" کا معنی "عَلَى قَدْرِ أَرْشِ جِنَايَتِهِمَا" ہے۔

تشریح:۔﴿۱﴾اگر کسی کے غلام نے خطاءً کوئی جنایت کی یعنی خطاءً کوئی جان تلف کر دی یا مال تلف کیا تو اس کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ چاہے یہ اپنا یہ غلام اس کو دیدو جس کا اس نے نقصان کیا ہے، اور چاہے تو مجنی علیہ کو اس کا فدیہ دیدو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی جنایت اس کی گردن میں لازم ہے یعنی اس کے لیے غلام فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن سے تاوان کو ادا کیا جائے گا، البتہ اگر اس کا مولیٰ یہ جرمانہ ادا کر دے تو پھر اسے فروخت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿۲﴾احنافؒ اور شوافعؒ کے اس اختلاف کا فائدہ ایسی صورت میں ظاہر ہوگا کہ جب یہ غلام آزاد ہو جائے تو امام شافعیؒ کے نزدیک مجنی علیہ شخص تاوان کے بارے میں اس غلام سے رجوع کر سکتا ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک یہ تاوان غلام ہی پر واجب ہے اور ہمارے نزدیک چونکہ یہ تاوان مولیٰ پر واجب ہے غلام پر واجب نہیں ہے اس لیے آزادی کے بعد غلام سے رجوع نہیں کر سکتا ہے، اور یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہمارے مذہب کے مطابق قول مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق قول مروی ہے۔

{۳}امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ موجب جنایت کے بارے میں اصل یہ ہے کہ اس کا جرمانہ خود تلف کرنے والے پر واجب ہو؛ کیونکہ وہی مجرم ہے لیکن اگر وہ آزاد ہو تو اس کی مددگار برادری اس کی جانب سے جرمانہ برداشت کرتی ہے، جبکہ غلام کے لیے کوئی مددگار برادری نہیں ہے؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی مددگاری کا سبب صرف قرابت ہے اور مولیٰ اور اس کے غلام کے درمیان کوئی قرابت نہیں ہوتی ہے لہٰذا غلام کی کوئی مددگار برادری نہیں ہے اس لیے اس کا یہ تاوان صرف غلام ہی کے ذمہ واجب ہوگا جیسے ذمی کافر کی صورت میں ہوتا ہے یعنی جیسے ذمی نے اگر کسی کو خطاءً قتل کر دیا تو اس کی دیت صرف ذمی پر واجب ہوتی ہے نہ کہ ذمی کی مددگار برادری پر جیسے مال تلف کرنے کی صورت میں ضمان مددگار برادری پر واجب نہیں ہوتا ہے۔

پھر جو کچھ اس غلام پر واجب ہوا وہ مالی جرمانہ غلام کی گردن سے متعلق ہوگا پس غلام اس کی وجہ سے فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن سے یہ دیت یا تاوان ادا کیا جائے گا اور اگر کچھ باقی رہا تو اس کا مطالبہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد غلام سے کیا جائے گا۔

{۴}ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی پر خطاءً جنایت کرنے کی حالت میں اصل یہ ہے کہ جنایت کرنے والے سے اس کے تاوان کو دور رکھا جائے تاکہ اس کا استیصال نہ ہو اور تنگ دست ہو کر برباد نہ ہو؛ اس رعایت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس فعل میں معذور ہے؛ کیونکہ اس نے عمداً یہ حرکت نہیں کی ہے۔ اور یہ دیت اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی بشرطیکہ اس کی مددگار برادری ہو اور غلام کا مددگار اس کا مولیٰ ہے؛ کیونکہ غلام اپنے مولیٰ ہی سے مدد حاصل کرتا ہے، اور مددگار برادری کے بارے میں ہمارے نزدیک مددگاری اصل ہے حتیٰ کہ خطاءکار کی طرف سے دیت اس کے اہلِ دیوان پر واجب ہے یعنی جس رجسٹر میں اس کے ساتھی مجاہدین کے نام درج ہوں وہ اس دیت ادا کرنے میں اس کے مددگار ہوں گے اگرچہ ان میں قرابت نہ ہو، پس غلام کا مددگار چونکہ اس کا مولیٰ ہے اس لیے دیت مولیٰ پر واجب ہے۔

{۵}باقی ذمیوں کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ لوگ آپس میں اس قسم کی مددگاری نہیں کرتے ہیں تو ذمی کے لیے ایسی کوئی مددگار برادری نہیں ہے، لہٰذا دیت خود ذمی کے ذمہ واجب ہوگا تاکہ انسانی خون رائیگاں ہونے سے محفوظ رہے۔ اسی طرح مال تلف کرنے کا حکم بھی اس کے برخلاف ہے یعنی اگر کسی کا مالی نقصان کیا تو اس کا تاوان بھی غلام کی گردن پر ہوگا؛ کیونکہ مددگار برادری مالی تاوان نہیں برداشت کرتی ہے، اسی طرح مولیٰ بھی غلام کے مالی تاوان کو برداشت نہیں کرے گا۔

{۶}البتہ اتنی بات ہے کہ مولیٰ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے وہ مذکورہ غلام مجنی علیہ کو دے دے یا اس کا فدیہ دیدے کیونکہ مولیٰ کوئی جماعت نہیں بلکہ اکیلا شخص ہے تو اختیار دیئے جانے میں اس کے حق میں ایک طرح کی تخفیف ہے؛ کیونکہ اگر اس کے ذمہ فدیہ ہی کو واجب کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا سب مال دے کر برباد ہو جائے گا پس تخفیف کے لیے اسے غلام دینے اور اس کا فدیہ دینے میں اختیار دیا گیا ہے۔

{۷}سوال یہ ہے کہ اگر جرمانہ مولیٰ کے ذمہ ہوتا تو غلام کے مرنے سے ساقط نہیں ہونا چاہیئے جیسا کہ آزاد کی مددگار برادری کے ذمہ واجب دیت آزاد کی موت سے ساقط نہیں ہوتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق مولیٰ کے ذمہ یہی واجب ہے کہ غلام دیدے یہی وجہ ہے کہ اگر مولیٰ کا فدیہ ادا کرنے سے پہلے غلام مر گیا تو مولیٰ کے ذمہ سے جرمانہ ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ محل واجب باقی نہیں رہا اگر چہ مولیٰ کو فدیہ کی جانب منتقل کرنے کا اختیار تھا جیسے مال زکوۃ میں ہوتا ہے یعنی اگر سال گذرنے کے بعد نصاب تلف ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے؛ کیونکہ واجب نصاب کا ایک جزء ہے تو جب نصاب نہ رہا تو یہ جزء بھی واجب نہیں رہے گا اگر چہ مال کے مالک کو اختیار تھا کہ دوسرے مال سے زکوۃ دیدے اسی طرح غلام کے مذکورہ مسئلہ میں بھی ہے۔

{۸}اس کے برخلاف اگر آزاد مجرم مر گیا تو جرم کا موجب ساقط نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں جو چیز واجب ہے اس کو وصول کرنا مذکورہ آزاد کی ذات سے متعلق نہیں تھا تو اس مسئلہ میں آزاد کا حکم ایسا ہے جیسے صدقہ فطر کے مسئلہ میں غلام کا حال ہے یعنی اگر طلوع فجر کے بعد غلام مر گیا تو اس کا صدقہ فطر اس کے مولیٰ کے ذمہ واجب رہے گا؛ کیونکہ صدقہ فطر مذکورہ غلام کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں تھا بلکہ وہ تو مولیٰ کے ذمہ واجب تھا اس لیے غلام کی موت سے مولیٰ کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

{۹}پس اگر مولیٰ نے ولی جنایت کو یہی مجرم غلام دیدیا تو ولی جنایت اس کا مالک ہو جائے گا، اور اگر مولیٰ نے اس غلام کا فدیہ دینا منظور کیا تو اس جرم کے جرمانہ کے بقدر اس کا فدیہ ادا کرے، پھر مولیٰ خواہ غلام دینا چاہے یا اس کا فدیہ دینا چاہے بہر صورت مولیٰ پر فی الحال دینا واجب ہوگا، پس غلام کا فی الحال دینا اس وجہ سے واجب ہے کہ غلام مالِ عین ہے اور اموالِ اعیان میں میعاد مقرر کرنا باطل ہے اور جب مولیٰ اس غلام کا دینا اختیار کرے تو اس کے ذمہ یہی بعینہٖ واجب ہے اور یہ مال عین ہے اس لیے فی الحال دینا واجب ہوگا۔ اور فدیہ میں میعاد اس وجہ سے نہیں دی جائے گی کہ مال فدیہ شریعت میں خود اسی غلام کا عوض قرار دیا گیا ہے اگر چہ اس کی مقدار کا اندازہ تلف شدہ عضو وغیرہ سے لگایا جاتا ہے، بہر حال یہ غلام کا عوض ہے؛ کیونکہ اصلی موجب یہی غلام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نام فدیہ رکھا گیا ہے تو یہ فدیہ اسی غلام کا قائم مقام ہوگا اس لیے اس کا وہی حکم ہوگا جو حکم غلام کا ہے یعنی جیسے غلام کے

حق میں میعاد جائز نہیں ہے اسی طرح اس فدیہ کے بارے میں بھی میعاد جائز نہیں ہوگی اس لیے غلام کی طرح اس کا فدیہ بھی فی الحال ادا کرنا واجب ہوگا۔

{۱۰}اور غلام دینے یا فدیہ دینے میں سے مولیٰ جس امر کو اختیار کرے اور اس کو عمل میں لائے تو ولی جنایت کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ ہوگی، غلام دینے کی صورت میں یہ حکم اس لیے ہے کہ ولی جنایت کا حق اسی غلام سے متعلق ہے پس جب مولیٰ نے اس غلام اور ولی جنایت کے درمیان تخلیہ کر دیا تو ولی جنایت کا حق مطالبہ ساقط ہو گیا اس لیے دوسری چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے۔ اور فدیہ اختیار کرنے کی صورت میں یہ حکم اس لیے ہے کہ ولی جنایت کا حق فقط ارش یعنی جرمانہ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے پس جب مولیٰ نے ولی جنایت کو اس کا حق ادا کر دیا تو مولیٰ کے لیے اس کا غلام سالم رہا اس لیے ولی جنایت کے لیے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔

{۱۱}پھر اگر مولیٰ نے غلام دینے یا اس کا فدیہ دینے میں سے کچھ اختیار نہ کیا ہو یہاں تک کہ یہ غلام مر گیا تو اس مجنی علیہ (جس پر جنایت کی گئی ہے) کا حق باطل ہو گیا؛ کیونکہ اس کے حق کا محل نہیں رہا؛ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے کہ واجب اصلی غلام کا دینا ہی ہے۔ اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینا اختیار کیا اس کے بعد مذکورہ غلام مر گیا خواہ قول سے فدیہ کو اختیار کیا ہو یا فعل سے اختیار کیا ہو تو مولیٰ بری نہ ہوگا؛ کیونکہ فدیہ اختیار کرنے کی وجہ سے ولی جنایت کا حق اس غلام کی گردن سے منتقل ہو کر مولیٰ کے ذمہ آگیا اس لیے مولیٰ اب بری نہ ہوگا۔

{۱۲}پھر اگر فدیہ دینے کے بعد اسی غلام نے عود کر کے دوبارہ جرم کیا تو دوسرے جرم کا حکم اول جرم کی طرح ہوگا یعنی دوسرے جرم کے لیے بھی مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ اپنا یہ غلام مجنی علیہ کو دیدو یا اس کا فدیہ دیدو؛ کیونکہ مذکورہ غلام جب پہلے جرم سے فدیہ دینے کی وجہ سے پاک ہو گیا تو ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا اول جرم سرے سے تھا ہی نہیں اور دوسرا جرم ابتدائی جرم ہے اور اسی جرم کے بدلے میں غلام دینے یا اس کا فدیہ دینے کا مولیٰ کو اختیار ہوگا۔

{۱۳}اگر غلام نے دو جرم کیے اور مولیٰ سے دونوں جرموں کا مطالبہ ہوا تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو اس غلام کو دونوں جرموں کے مستحقین کو دیدو اور وہ دونوں فریق اپنے اپنے حق کے بقدر اس کو تقسیم کر لیں، اور یا تو اس کے فدیہ میں ہر ایک مستحق کو اس کے تاوان کے بقدر دیدو؛ کیونکہ پہلے جرم کا اس کی گردن کے ساتھ متعلق ہونا دوسرے جرم کے تعلق کو نہیں روکتا ہے جیسے پے در پے قرضے تاجر غلام کی گردن سے متعلق ہوتے ہیں جن میں سے اول ثانی کے لیے مانع نہیں ہوتا ہے آپ دیکھیں مولیٰ کا ملک

ہونا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ اول جرم اس غلام کی گردن سے متعلق ہو تو اول مجنی علیہ کا حق بدرجہ اولیٰ اس امر سے مانع نہ ہوگا کہ دوم مجنی علیہ کا حق اس کی گردن سے متعلق ہو۔

اور یہ جو فرمایا کہ "دونوں اپنے اپنے حق کے بقدر اس کو تقسیم کر لیں" تو اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں مجنی علیہ اپنے اپنے جرم کے تاوان کی مقدار پر حساب لگا کر تقسیم کریں مثلاً اول جرم کا جرمانہ پانچ سو درہم ہیں اور دوسرے جرم کا جرمانہ ایک ہزار درہم ہیں تو مجرم غلام ان دونوں میں تین تہائی مشترک ہوگا چنانچہ اول مجنی علیہ کے لیے ایک ثلث اور دوسرے مجنی علیہ کے لیے دو ثلث ہوں گے۔

{۱} وَإِنْ كَانُوا جَمَاعَةً يَقْتَسِمُونَ الْعَبْدَ الْمَدْفُوعَ عَلَى قَدْرِ حِصَصِهِمْ وَإِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بِجَمِيعِ أُرُوشِهِمْ؛

اور اگر اولیاء ایک جماعت ہوں تو وہ تقسیم کریں گے دیا ہوا غلام کو اپنے حصوں کے بقدر، اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینا چاہا تو فدیہ دے ان سب کے ارش کے بقدر

لِمَا ذَكَرْنَا{۲} وَلَوْ قَتَلَ وَاحِدًا وَفَقَأَ عَيْنَ آخَرَ يَقْتَسِمَانِهِ أَثْلَاثًا؛

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور اگر قتل کر دیا ایک کو اور پھوڑ دی دوسرے کی آنکھ تو وہ دونوں اس کو تقسیم کریں گے اثلاثا

لِأَنَّ أَرْشَ الْعَيْنِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ أَرْشِ النَّفْسِ)، وَعَلَى هَذَا حُكْمُ الشَّجَّاتِ{۳} وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَفْدِيَ مِنْ بَعْضِهِمْ

کیونکہ آنکھ کا ارش نصف ہے نفس کے ارش کا، اور اسی تفصیل کے مطابق ہے زخموں کا حکم، اور مولیٰ کو اختیار ہے کہ فدیہ دے ان میں سے بعض کو

وَيَدْفَعَ إِلَى بَعْضِهِمْ مِقْدَارَ مَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّهُ مِنَ الْعَبْدِ؛ لِأَنَّ الْحُقُوقَ مُخْتَلِفَةٌ بِاخْتِلَافِ أَسْبَابِهَا وَهِيَ الْجِنَايَاتُ الْمُخْتَلِفَةُ

اور بعض کو اتنی مقدار غلام دیدے جتنی مقدار کے ساتھ متعلق ہے اس کا حق؛ کیونکہ حقوق مختلف ہیں اختلافِ اسباب کی وجہ سے اور وہ جنایاتِ مختلفہ ہیں

{۴} بِخِلَافِ مَقْتُولِ الْعَبْدِ إِذَا كَانَ لَهُ وَلِيَّانِ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَفْدِيَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَيَدْفَعَ إِلَى الْآخَرِ

برخلاف غلام کے مقتول کے جبکہ اس کے دو ولی ہوں تو مولیٰ کو اختیار نہ ہوگا کہ فدیہ دے دونوں میں سے ایک کو اور غلام دے دوسرے کو

لِأَنَّ الْحَقَّ مُتَّحِدٌ لِاتِّحَادِ سَبَبِهِ وَهِيَ الْجِنَايَةُ الْمُتَّحِدَةُ ، وَالْحَقُّ يَجِبُ لِلْمَقْتُولِ ثُمَّ لِلْوَارِثِ

کیونکہ حق ایک ہے؛ اس کے سبب کے اتحاد کی وجہ سے اور وہ جنایتِ متحدہ ہے، اور حق واجب ہوتا ہے مقتول کے لیے پھر وارث کے لیے

خِلَافَةً عَنْهُ فَلَا يَمْلِكُ التَّفْرِيقَ فِي مُوجَبِهَا . {۵} قَالَ : فَإِنْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

اس کا خلیفہ بن کر، پس مالک نہ ہوگا تفریق کا موجب جنایت میں۔ فرمایا: اور اگر آزاد کر دیا غلام کو مولیٰ نے حالانکہ وہ نہیں جانتا ہے

بِالْجِنَايَةِ ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ أَرْشِهَا ، وَإِنْ أَعْتَقَهُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَايَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْأَرْشُ ؛

جنایت کو تو ضامن ہو گا اقل کا اس کی قیمت اور ارش میں سے، اور اگر آزاد کر دیا اس کو جنایت کو جاننے کے بعد تو واجب ہو گا اس پر ارش

لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ فَوَّتَ حَقَّهُ فَيَضْمَنُهُ وَحَقُّهُ فِي أَقَلِّهِمَا

؛اس لیے اول صورت میں مولیٰ نے فوت کر دیا مجنی علیہ کے حق کو، پس اس کا ضامن ہو گا، اور اس کا حق دونوں میں سے اقل میں ہے،

﴿٦﴾وَلَا يَصِيرُ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ لِأَنَّهُ لَا اخْتِيَارَ بِدُونِ الْعِلْمِ ، وَفِي الثَّانِي صَارَ مُخْتَارًا لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ

اور مولیٰ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہو گا؛ کیونکہ اختیار نہیں ہوتا ہے علم کے بغیر، اور دوسری صورت میں وہ مختار ہے؛ کیونکہ اعتاق

يَمْنَعُهُ مِنَ الدَّفْعِ فَالْإِقْدَامُ عَلَيْهِ اخْتِيَارٌ مِنْهُ لِلْآخَرِ ، وَعَلَى هَذَيْنِ الْوَجْهَيْنِ

منع کر دیتا ہے اس کو غلام دینے سے، پس اعتاق کا اقدام کرنا اختیار کرنا ہے اس کی طرف سے دوسرے کو، اور انہی دو صورتوں پر

الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ وَالتَّدْبِيرُ وَالِاسْتِيلَادُ، لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الدَّفْعَ لِزَوَالِ الْمِلْكِ بِهِ﴿٧﴾بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ عَلَى رِوَايَةِ الْأَصْلِ

بیع، ہبہ، تدبیر اور استیلاد ہیں؛ کیونکہ یہ سب روکتے ہیں غلام دینے کو؛ ہر ایک سے زوالِ ملک کی وجہ سے، بر خلاف اقرار کے مبسوط کی روایت کے مطابق

لِأَنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِهِ حَقُّ وَلِيِّ الْجِنَايَةِ ، فَإِنَّ الْمُقَرَّ لَهُ يُخَاطَبُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ .وَلَيْسَ

؛کیونکہ ساقط نہیں ہوتا ہے اس سے ولی جنایت کا حق؛ اس لیے کہ مقرلہ سے مطالبہ کیا جاتا ہے غلام دینے کا ولی جنایت کو، اور نہیں ہے

فِيهِ نَقْلُ الْمِلْكِ لِجَوَازِ أَنْ يَكُونَ الْأَمْرُ كَمَا قَالَهُ الْمُقِرُّ وَأَلْحَقَهُ الْكَرْخِيُّ

اس میں نقل ملکیت؛ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ معاملہ اسی طرح ہو جیسا کہ اقرار کیا ہے اس کا مقر نے، اور ملحق کر دیا ہے اقرار کو امام کرخیؒ نے

بِالْبَيْعِ وَأَخَوَاتِهِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ فِي الظَّاهِرِ فَيَسْتَحِقُّهُ الْمُقَرُّ لَهُ بِإِقْرَارِهِ فَأَشْبَهَ

بیع اور اس کے نظائر کے ساتھ؛ کیونکہ وہ اس کا مالک ہوتا ہے غلام کا ظاہر میں، پس مستحق ہو گا اس کا مقرلہ مقر کے اقرار سے، پس مشابہ ہو گیا

الْبَيْعَ﴿٨﴾وَإِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ يَنْتَظِمُ النَّفْسَ وَمَادُونَهَا، وَكَذَا الْمَعْنَى لَايَخْتَلِفُ﴿٩﴾وَإِطْلَاقُ الْبَيْعِ يَنْتَظِمُ

بیع کے، اور قدوری میں اطلاقِ حکم شامل ہے نفس اور نفس سے کم کو، اور اسی طرح سبب بھی مختلف نہیں ہوتا، اور اطلاق بیع شامل ہے

الْبَيْعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ لِلْمُشْتَرِي لِأَنَّهُ يُزِيلُ الْمِلْكَ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ وَنَقَضَهُ،

اس بیع کو جس میں مشتری کے لیے خیار شرط ہو؛ کیونکہ یہ زائل کر دیتی ہے ملک کو، بر خلاف اس کے جب ہو خیار بائع کو اور وہ بیع کو توڑ دے

وَبِخِلَافِ الْعَرْضِ عَلَى الْبَيْعِ لِأَنَّ الْمِلْكَ مَا زَالَ ،﴿١٠﴾وَلَوْ بَاعَهُ بَيْعًا فَاسِدًا لَمْ يَصِرْ مُخْتَارًا

اور بر خلاف بیع پر پیش کرنے کے؛ کیونکہ ملکیت زائل نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر مولیٰ نے فروخت کیا غلام کو بیع فاسد کے ساتھ، تو وہ مختار نہ ہو گا

حَتَّى يُسَلِّمَهُ لِأَنَّ الزَّوَالَ بِهِ ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الفَاسِدَةِ لِأَنَّ مُوجَبَهُ يَثْبُتُ
یہاں تک کہ وہ سپرد کر دے اس کو؛ کیونکہ زوالِ ملک سپردگی سے ہے، برخلاف کتابتِ فاسدہ کے؛ کیونکہ اس کا موجب ثابت ہوتا ہے

قَبْلَ قَبْضِ الْبَدَلِ فَيَصِيرُ بِنَفْسِهِ مُخْتَارًا ،﴿۱۱﴾وَلَوْ بَاعَهُ مَوْلَاهُ مِنَ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ فَهُوَ مُخْتَارٌ، بِخِلَافِ مَا
بدل پر قبضہ سے پہلے، پس ہو جائے گا نفس کتابت سے مختار۔ اور اگر فروخت کیا اس کو مولیٰ نے مجنی علیہ کے ہاتھ تو وہ مختار ہے، برخلاف اس کے

إِذَا وَهَبَهُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ لَهُ أَخْذُهُ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَهُوَ مُتَحَقِّقٌ فِي الْهِبَةِ دُونَ الْبَيْعِ،
جب مولیٰ غلام ہبہ کر دے مجنی علیہ کو؛ کیونکہ مستحق اس کے لیے غلام کا لینا ہے بلاعوض اور وہ متحقق ہے ہبہ میں نہ کہ بیع میں،

﴿۱۲﴾وَإِعْتَاقُ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ بِأَمْرِ الْمَوْلَى بِمَنْزِلَةِ إِعْتَاقِ الْمَوْلَى فِيمَا ذَكَرْنَاهُ ، لِأَنَّ فِعْلَ الْمَأْمُورِ مُضَافٌ
اور آزاد کرنا مجنی علیہ کا مولیٰ کے حکم سے بمنزلۂ مولیٰ کے آزاد کرنے کے ہے اس میں جو ہم بیان کر چکے؛ کیونکہ مامور کا فعل مضاف ہوتا ہے

إِلَيْهِ ،﴿۱۳﴾وَلَوْ ضَرَبَهُ فَنَقَصَهُ فَهُوَ مُخْتَارٌ إِذَا كَانَ عَالِمًا بِالْجِنَايَةِ لِأَنَّهُ
آمر کی طرف۔ اور اگر مولیٰ نے غلام کو مارا اور نقص پیدا کیا اس میں، تو وہ فدیہ اختیار کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ جانتا ہو جنایت کو؛ کیونکہ اس نے

حَبَسَ جُزْءًا مِنْهُ وَكَذَا إِذَا كَانَتْ بِكْرًا فَوَطِئَهَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُعَلِّقًا
روک لیا غلام کا ایک جزء، اور اسی طرح اگر وہ باکرہ باندی ہو، اور مولیٰ نے اس سے وطی کر لی اگرچہ وہ وطی حاملہ کرنے والی واقع نہ ہوئی ہو

لِمَا قُلْنَا﴿۱۴﴾بِخِلَافِ التَّزْوِيجِ لِأَنَّهُ عَيْبٌ مِنْ حَيْثُ الْحُكْمِ ، وَبِخِلَافِ وَطْءِ الثَّيِّبِ
اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ برخلاف نکاح کرنے کے؛ کیونکہ نکاح کرنا عیب ہے حکم کے اعتبار سے، اور برخلاف ثیبہ کی وطی کے

عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ غَيْرِ إِعْلَاقٍ ، وَبِخِلَافِ الِاسْتِخْدَامِ لِأَنَّهُ لَا يَخْتَصُّ
ظاہر الروایت کے مطابق؛ کیونکہ وہ ناقص نہیں ہوتی حاملہ ہونے کے بغیر۔ اور برخلاف خدمت لینے کے؛ کیونکہ خدمت لینا مختص نہیں ہے

بِالْمِلْكِ،وَلِهَذَا لَا يَسْقُطُ بِهِ خِيَارُ الشَّرْطِ ﴿۱۵﴾وَلَا يَصِيرُ مُخْتَارًا بِالْإِجَارَةِ وَالرَّهْنِ فِي الْأَظْهَرِ مِنَ الرِّوَايَاتِ
ملک کے ساتھ، اور اسی لیے ساقط نہیں ہوتا ہے اس سے خیارِ شرط، اور وہ مختار نہ ہوگا تجارت کی اجازت دینے اور رہن سے روایات میں سے اظہر کے مطابق

وَكَذَا بِالْإِذْنِ فِي التِّجَارَةِ وَإِنْ رَكِبَهُ دَيْنٌ ، لِأَنَّ الْإِذْنَ لَا يُفَوِّتُ الدَّفْعَ وَلَا يُنْقِصُ
اور اسی طرح تجارت کی اجازت دینے سے اگرچہ غلام پر دَین آیا ہو؛ کیونکہ اجازت فوت نہیں کرتی ہے غلام دینے کو اور نہ ناقص کرتی ہے

الرَّقَبَةَ،إِلَّا أَنَّ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنْ قَبُولِهِ لِأَنَّ الدَّيْنَ لَحِقَهُ مِنْ جِهَةِ الْمَوْلَى

اس کا رقبہ، البتہ ولی جنایت کو اختیار ہے کہ رُک جائے اس کو قبول کرنے سے؛ کیونکہ دَین اس کو لاحق ہوا ہے مولیٰ کی جانب سے،

فَلَزِمَ الْمَوْلٰى قِيمَتُهُ.

پس لازم ہوگی مولیٰ پر اس کی قیمت۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر مجنی علیہم (جن پر جنایت کی گئی ہے) ایک جماعت ہو یعنی مختلف جرموں کی وجہ سے ہر ایک جرم کے مستحق ہو کر ایک جماعت ہو گئی اور مولیٰ نے مجرم غلام ان سب کو دیدیا تو یہ لوگ اس غلام کو اپنے اپنے حصہ کے بقدر تقسیم لیں گے، اور اگر مولیٰ اس غلام کا فدیہ دینا چاہے تو تمام جرموں کا فدیہ دے؛ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ مجنی علیہم میں سے ہر ایک حق اس کی گردن سے متعلق ہوتا ہے اور اول جرم کا تعلق دوسرے جرم کے تعلق سے مانع نہیں ہوتا ہے اس لیے مولیٰ پر ہر ایک جرم کا فدیہ دینا لازم ہوگا۔

﴿۲﴾ اور اگر غلام نے ایک شخص کو قتل کیا ہو اور دوسرے شخص کی آنکھ پھوڑدی ہو تو یہ دونوں اس غلام کو تین تہائی تقسیم کریں گے؛ کیونکہ آنکھ کا جرمانہ جان کے جرمانہ سے نصف ہے پس آنکھ والے کا حق نصف غلام میں ہے اور مقتول کا حق کل غلام ہے جو نصف کا دوگنا ہے اس لیے تین حصے کرکے ایک حصہ آنکھ والے کا ہوگا اور دو حصے مقتول کے ورثہ کو ملیں گے۔ اور سر کے زخموں کا حکم بھی اسی قیاس پر ہے مثلاً کسی غلام نے ایک شخص کو موضحہ زخم لگایا، دوسرے کو ہاشمہ اور تیسرے کو منقلہ، پس مولیٰ نے ان تینوں جرموں کے بدلے میں غلام دیدیا تو صاحبِ موضحہ کو غلام کا سدس ملے گا، اور صاحبِ ہاشمہ کو ثلث اور صاحبِ منقلہ کو نصف ملے گا۔

﴿۳﴾ اور مولیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعض مستحقین کو غلام کا فدیہ دیدے اور بعض دیگر کا جس قدر حق اس غلام کے ساتھ متعلق ہوا ہے اس قدر حصہ غلام دیدے؛ کیونکہ سببوں کے مختلف ہونے سے حقوق مختلف ہوگئے ہیں پس مقتول کا حق دیت ہے اور مفقوء (جس کی آنکھ پھوڑدی ہو) کا حق تاوان ہے اور حقوق کے اسباب یہی مختلف جرم ہیں اور جہاں حقوق مختلف ہوں وہاں من علیہ الحق کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ ان کے موجب میں تفریق کردے اس لیے بعض اصحابِ حقوق کو فدیہ اور بعض کو غلام دینے کا اختیار ہوگا۔

﴿۴﴾ اس کے برخلاف اگر غلام نے ایک شخص کو قتل کیا حالانکہ مقتول کے دو ولی ہیں تو مولیٰ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک ولی کو اس کے حصہ کا فدیہ دے اور دوسرے کو غلام دے؛ کیونکہ سبب متحد ہونے کی وجہ سے حق متحد ہے؛ کیونکہ سبب یہی ہے کہ اس نے ایک شخص کو قتل کیا اور صاحبِ حق بھی ایک ہے؛ کیونکہ حق پہلے تو مقتول کے لیے واجب ہوتا ہے مگر چونکہ وہ مرچکا لہٰذا اس کی نیابت

نہیں اس کے وارث کو حاصل ہوتا ہے پس جب حق ایک ہے تو من علیہ الحق (مولیٰ) کو موجب جرم میں تفریق کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

{۵}اگر مولیٰ نے اس مجرم غلام کو آزاد کر دیا حالانکہ اس کو غلام کے اس جرم کا علم نہیں تھا تو مولیٰ ولی جرم کے لیے غلام کی قیمت اور جرم کے جرمانہ میں سے کم کا ضامن ہوگا، اور اگر جرم سے آگاہ ہونے کے بعد اس غلام کو آزاد کیا تو مولیٰ پر پورا جرمانہ واجب ہوگا؛ کیونکہ پہلی صورت میں مولیٰ نے مستحق جرم کا حق فوت کر دیا اس لیے اس کے حق کا ضامن ہوگا اور اس کا حق یہ ہے کہ مولیٰ اس کو غلام دے یا فدیہ میں جرمانہ دے تو ان دونوں میں سے جو کمتر ہو وہی اس کا حق ہے؛ کیونکہ اقل اور اکثر میں اختیار دینے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

{۶}اور اس صورت میں آزاد کرنے کی وجہ سے مولیٰ اس کا فدیہ اختیار کرنے والا نہیں ہو جائے گا؛ کیونکہ آگاہی کے بغیر اختیار کرنا نہیں ہو سکتا ہے یعنی فدیہ کا اختیار کرنا اس امر پر موقوف ہے کہ مولیٰ اس کے جرم سے آگاہ ہو حالانکہ وہ یہاں جرم سے آگاہ نہیں ہے اس لیے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہوگا۔ البتہ دوسری صورت (جس میں مولیٰ کو جرم کا علم ہو) میں آزاد کرنے سے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو جائے گا؛ کیونکہ مجرم غلام کو آزاد کرنا اس کو فدیہ میں دینے سے مانع ہے تو آزاد کرنے کا اقدام کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے فدیہ دینا اختیار کیا ہے۔

اسی طرح اگر مولیٰ نے اس کو فروخت کیا یا ہبہ کیا یا مدبر کیا یا جرم کرنے والی باندی کو ام ولد بنالیا تو ان سب میں بھی یہی دو صورتیں ہیں کہ مولیٰ نے جرم سے آگاہ ہونے کے بعد ایسا کیا ہوگا یا آگاہ ہونے سے پہلے ایسا کیا ہے؟ اور ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کا حکم الگ ہے؛ کیونکہ بیع وغیرہ میں سے ہر ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے تو وہ مجرم غلام کو جرم کے بدلے میں ولی جنایت کو دینے سے مانع ہے لہذا آگاہی کے بغیر مولیٰ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہوگا اور آگاہی کے بعد فدیہ کو اختیار کرنے والا ہوگا۔

{۷}اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ غلام میرا نہیں بلکہ زید کا ہے تو مبسوط کی روایت کے مطابق مولیٰ اس کا فدیہ اختیار کرنے والا نہ ہوگا؛ کیونکہ مولیٰ کے اس اقرار سے ولی جنایت کا حق باطل نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ جس کے لیے اقرار کیا ہے اس کو حکم کیا جائے گا کہ یہ غلام ولی جنایت کو دیدو، یا اس کا فدیہ دیدو، اور اس میں ملک کو زید کی طرف منتقل کرنا بھی لازم نہیں آتا ہے؛ کیونکہ شاید ایسا ہی ہو جیسا کہ مقر نے بیان کیا ہے یعنی واقعی مذکورہ غلام زید ہی کا ہو اس لیے غلام یا اس کا فدیہ دینے کا خطاب زید ہی کو ہوگا۔ البتہ امام کرخیؒ نے اقرار کو بیع اور اس کے مانند چیزوں کے ساتھ لاحق کیا ہے؛ کیونکہ بظاہر یہ شخص اس

غلام کا مالک ہے اور جس کے لیے اقرار کر دیا وہ اقرار ہی کی وجہ سے اس غلام کا مستحق ہوا لہٰذا مذکورہ اقرار بیع کے مشابہ ہو گیا تو بیع کی صورت میں ہے وہی اس اقرار کی صورت میں بھی ہو گا۔

{۸}اور کتاب میں جو عبارت مذکور ہے کہ غلام جب خطاء جنایت کرلے تو یہ مطلق ہے یعنی خواہ ایسا جرم ہو جس سے تلف ہوئی ہو یا اس سے کم نقصان ہوا ہو دونوں کو شامل ہے اسی طرح وجہ بھی مختلف نہیں؛ کیونکہ یہاں جان اور جنایت کم ہر ایک مال ہے اس لیے بہر صورت غلام کی قیمت اور جرمانہ میں سے کم کا ضامن ہو گا۔

{۹}اور بیع کو جو مطلق ذکر کیا ہے تو یہ ایسی بیع کو شامل ہے جس میں مشتری کے لیے خیار ہو؛ کیونکہ ایسی بیع سے بائع کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ غلام دینے سے عاجز ہو جاتا ہے اس لیے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنے لیے خیار شرط کیا پھر بیع توڑ دی تو مولیٰ پر فدیہ لازم نہ ہو گا؛ کیونکہ اس طرح کی بیع سے بائع کی ملک مبیع سے زائل نہیں ہوتی ہے اس لیے وہ غلام دینے سے عاجز نہیں اس لیے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہو گا۔ اور برخلاف اس کے اگر مولیٰ نے اس کو بیع کے لیے پیش کیا تو بھی فدیہ لازم نہ ہو گا؛ کیونکہ فقط بیع کے لیے پیش کرنے سے بائع کی ملکیت زائل نہیں ہوتی اس لیے وہ دینے سے عاجز نہیں لہٰذا وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہو گا۔

{۱۰}اگر مولیٰ نے اس کے جرم سے آگاہ ہونے کے بعد بیع فاسد کے طور پر مذکورہ غلام کو فروخت کیا تو بھی فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو گا یہاں تک کہ اس غلام کو مشتری کے سپرد کرے؛ کیونکہ بیع فاسد میں سپردگی ہی سے مولیٰ کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے پس وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اس غلام کو جرم سے آگاہی کے بعد کتابتِ فاسدہ کے ساتھ مکاتب کیا تو فدیہ اختیار کرنے والا ہو جائے گا؛ کیونکہ جو حکم (آزادی) عقدِ کتابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے وہ عوض کتابت وصول کرنے سے پہلے ہی ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا فقط مکاتب کرنے ہی سے مولیٰ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو جائے گا۔

{۱۱}اور اگر جرم سے آگاہ ہونے کے بعد مولیٰ نے اس غلام کو اسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا جس کے حق میں غلام سے جرم سرزد ہوا ہے تو بھی مولیٰ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو گا یعنی مجنی علیہ کے ہاتھ فروخت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ مولیٰ اس جنایت کو فدیہ ادا کرے گا۔ بیع کے برخلاف اگر مولیٰ نے مجرم غلام اسی شخص کو ہبہ کر دیا جس پر غلام سے جرم سرزد ہوا ہے تو فدیہ اختیار کرنے والا نہ ہو گا؛ کیونکہ ولی جنایت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اس غلام کو مفت بلا عوض لے لے اور ہبہ میں یہ بات پائی گئی کہ اس کو مفت مل گیا مگر بیع میں اس کو غلام بلا عوض نہیں ملا ہے۔

{۱۲}اوراگراس شخص نے جس پر غلام نے جرم کیاہے اس غلام کو مولیٰ کے حکم سے آزاد کردیاتوحکم مذکور یعنی فدیہ اختیار کرنے میں یہ اعتاق ایسا ہے جیسے مولیٰ نے خود آزاد کیاہویعنی جرم سے آگاہی کے بعد مولیٰ کاخودآزاد کردینافدیہ کواختیار کرناہے اسی طرح مولیٰ کامجنی علیہ کو آزاد کرنے کاحکم دینابھی فدیہ کواختیار کرناہے؛کیونکہ مامور کافعل آمر کی طرف مضاف ہوگایعنی گویامولیٰ نےخودیہ کام کیا۔

{۱۳}اگر مولیٰ نے اس مجرم غلام کواس طرح مارا کہ اس میں کچھ نقصان آگیامثلاًاس کی آنکھ ضائع ہوگئی پس اگر جرم سے آگاہی کے بعدایساکیاتووہ فدیہ کواختیار کرنے والاہوگا؛کیونکہ اس نے غلام میں سے ایک جزء کوروک لیااور جزء کوروک لیناایساہے جیسے کل کوروک لے لہٰذایہ فدیہ کواختیار کرنے کی دلیل ہے۔اسی طرح اگر مجرمہ کوئی باندی ہوجوباکرہ تھی پس جرم کے بعد مولیٰ نے اس سے وطی کرلی توبھی یہ فدیہ اختیار کرنے والاہوگااگرچہ اس وطی سے حمل نہ ٹھہراہو؛دلیل وہی ہے جوہم کہہ چکے کہ اس نے اس باندی کاایک جزء(بکارت)روک لیا۔

{۱۴}اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے مجرمہ باندی کانکاح کردیاتوفدیہ اختیار کرنے والانہ ہوگا؛کیونکہ یہ شرعی حکم کے اعتبار سے عیب ہے حقیقۃً عیب نہیں ہے حتی کہ مولیٰ اسے جرم کے بدلے میں مجنی علیہ کودے سکتاہے۔اس کے برخلاف اگر مجرمہ باندی ثیبہ ہوتواس کے ساتھ وطی کرنے سے مولیٰ فدیہ اختیار کرنے والانہ ہوگاجب تک کہ اس کوحمل نہ ٹھہرے یہی ظاہرالروایۃ ہے ؛کیونکہ حمل ٹھہرنے کے بغیراس میں حقیقۃً کوئی نقص نہیں پیداہوتاہے اس لیے مولیٰ فدیہ اختیار کرنے والانہ ہوگا۔اوربرخلاف اس کے اگرمجرم غلام سے آگاہی جرم کے باوجود مولیٰ نے خدمت لی توبھی فدیہ اختیار کرنے والانہ ہوگا؛کیونکہ خدمت لیناملکیت کے ساتھ مختص نہیں ہے،یہی وجہ ہے کہ خدمت لینے سے خیارشرط ساقط نہیں ہوتاہے لہٰذاخدمت لینافدیہ اختیار کرنے کی دلیل نہیں ہے۔

{۱۵}اوراگر مولیٰ نے مجرم غلام کواجارہ پردیدیا،یاکسی کے پاس بطورِرہن رکھ لیاتواس بارے میں دوروایتوں میں سے اظہرروایت یہ ہے کہ مولیٰ فدیہ کواختیار کرنے والانہیں ہوگا۔اسی طرح اگر مولیٰ نے اس غلام کوتجارت کی اجازت دیدی توبھی مولیٰ فدیہ کواختیار کرنے والانہ ہوگااگرچہ اس پرقرضے چڑھ جائیں ؛کیونکہ تجارت کی اجازت دینے سے مجنی علیہ کومجرم غلام دیدینے کااختیار ختم نہیں ہوتاہے اورنہ اس کی ذات میں کوئی نقصان پیداہوتاہے اس لیےیہ فدیہ اختیار کرنانہیں ہے۔البتہ ولیٔ جنایت کویہ اختیار ہوگاکہ قرض دارغلام کوقبول کرنے سے انکار کرے؛کیونکہ اس کوقرضہ مولیٰ کی جانب سے لاحق ہواہے جس کی وجہ سے اس میں نقص آیاتومجنی علیہ کواختیار ہوگاکہ وہ اس کوقبول نہ کرے،لہٰذامولیٰ پراس غلام کی قیمت واجب ہوگی۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ إِنْ قَتَلْتَ فُلَانًا أَوْ رَمَيْتَه أَوْ شَجَجْتَه فَأَنْتَ حُرٌّ فَهُوَ مُخْتَارٌ

فرمایا: اور جس نے کہا اپنے غلام سے اگر تو نے قتل کر دیا فلاں کو یا تیر مارا اس کو یا زخمی کر دیا اس کو تو تم آزاد ہو، تو وہ اختیار کرنے والا ہے

لِلْفِدَاءِ إِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ ، وَقَالَ زُفَرُ : لَا يَصِيرُ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ لِأَنَّ وَقْتَ تَكَلُّمِهِ لَا جِنَايَةَ

فدیہ کو اگر غلام نے یہ کام کر دیا، اور فرمایا امام زفرؒ نے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کے تکلم کے وقت کوئی جنایت نہیں ہے

وَلَا عِلْمَ لَهُ بِوُجُودِهِ ، وَبَعْدَ الْجِنَايَةِ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ فِعْلٌ يَصِيرُ بِهِ مُخْتَارًا ؛ أَلَا تَرَى

اور نہ اس کو علم ہے اس کے وجود کا، اور جنایت کے بعد نہیں پایا گیا اس کی طرف سے کوئی فعل جس کی وجہ سے وہ مختار ہو، کیا نہیں دیکھتے ہو

أَنَّهُ لَوْ عَلَّقَ الطَّلَاقَ أَوِ الْعَتَاقَ بِالشَّرْطِ ثُمَّ حَلَفَ أَنْ لَا يُطَلِّقَ أَوْ لَا يُعْتِقَ ثُمَّ وُجِدَ الشَّرْطُ وَثَبَتَ

کہ اگر معلق کر دی طلاق یا عتاق شرط کے ساتھ، پھر قسم کھائی کہ طلاق نہیں دوں گا یا آزاد نہیں کروں گا، پھر شرط پائی ہے اور ثابت ہوا

الْعِتْقُ وَالطَّلَاقُ لَا يَحْنَثُ فِي يَمِينِهِ تِلْكَ ، كَذَا هٰذَا . {۲}وَلَنَا أَنَّهُ عَلَّقَ الْإِعْتَاقَ بِالْجِنَايَةِ

عتق اور طلاق، تو وہ حانث نہ ہوگا اپنی اس قسم میں، اسی طرح یہ ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے معلق کر دیا اعتاق کو جنایت کے ساتھ

وَالْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ يَنْزِلُ عِنْدَ وُجُودِ الشَّرْطِ كَالْمُنَجَّزِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَعْتَقَهُ بَعْدَ الْجِنَايَةِ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّ

اور معلق بالشرط ہو جاتا ہے وجودِ شرط کے وقت منجز کی طرح، پس ہو گیا جیسا کہ اگر اس کو آزاد کر دے جنایت کے بعد، کیا دیکھتا نہیں کہ

مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَوَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ يَصِيرُ ابْتِدَاءُ الْإِيلَاءِ مِنْ وَقْتِ الدُّخُولِ،

اگر کسی نے کہا اپنی بیوی سے "اگر تو داخل ہو گئی گھر میں تو واللہ میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا" تو ہو جائے گی ایلاء کی ابتداء دخول کے وقت سے

وَكَذَا إِذَا قَالَ لَهَا إِذَا مَرِضْتُ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَمَرِضَ حَتَّى طَلُقَتْ وَمَاتَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَضِ

اور اسی طرح اگر کہا اپنی بیوی کو "اگر میں بیمار ہوا تو تجھے تین طلاق ہیں" پھر وہ مریض ہوا حتی کہ وہ طلاق ہو گئی، پھر وہ مر گیا اس بیماری سے

يَصِيرُ فَارًّا لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُطَلِّقًا بَعْدَ وُجُودِ الْمَرَضِ ، {۳}بِخِلَافِ مَا أَوْرَدَ لِأَنَّ غَرَضَهُ

تو شوہر فار ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ ہو جائے گا طلاق دینے والا وجودِ مرض کے بعد، برخلاف اس کے جو امام زفرؒ نے بیان کیا ہے؛ کیونکہ اس کی غرض

طَلَاقٌ أَوْ عِتْقٌ يُمْكِنُهُ الِامْتِنَاعُ عَنْهُ ، إِذِ الْيَمِينُ لِلْمَنْعِ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَهُ مَا لَا يُمْكِنُهُ

ایسی طلاق یا عتق ہے جس سے رُکنا اس کے لیے ممکن ہے؛ اس لیے کہ قسم منع کے لیے ہوتی ہے پس داخل نہ ہوگی وہ چیز کہ ممکن نہ ہو اس کے لیے

الِامْتِنَاعُ عَنْهُ ، {۴}وَلِأَنَّهُ حَرَّضَهُ عَلَى مُبَاشَرَةِ الشَّرْطِ بِتَعْلِيقِ أَقْوَى الدَّوَاعِي إِلَيْهِ

رکنا اس سے، اور اس لیے کہ مولیٰ نے ابھارا ہے غلام کو مباشرتِ شرط پر ایسی تعلیق کے ساتھ جو شرط کے اقوی دواعی میں سے ہے،

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يَفْعَلُهُ ، فَهَذَا دَلَالَةُ الِاخْتِيَارِ . ﴿5﴾قَالَ : وَإِذَا قَطَعَ الْعَبْدُ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا فَدُفِعَ

اور ظاہر یہ ہے کہ وہ یہ کام کرے گا، تو یہ دلیل ہے فدیہ اختیار کرنے کی۔ فرمایا: اور اگر قطع کر دیا غلام نے کسی شخص کا ہاتھ عمداً، پس دیدیا گیا

إِلَيْهِ بِقَضَاءٍ أَوْ بِغَيْرِ قَضَاءٍ فَأَعْتَقَهُ ثُمَّ مَاتَ مِنْ قَطْعِ الْيَدِ فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِالْجِنَايَةِ،

مجنی علیہ کو قاضی کی قضاء سے یا بغیر قضاء کے، اور اس نے آزاد کر دیا غلام کو، پھر وہ مر گیا ہاتھ کے زخم کی وجہ سے، تو غلام صلح ہوگا جنایت کے عوض

وَإِنْ لَمْ يُعْتِقْهُ رُدَّ عَلَى الْمَوْلَى وَقِيلَ لِلْأَوْلِيَاءِ اُقْتُلُوهُ أَوْ اُعْفُوا عَنْهُ ؛ ﴿6﴾وَوَجْهُ ذَلِكَ

اور اگر اس نے آزاد نہ کیا ہو اس کو تو رد کیا جائے گا مولیٰ پر، اور کہا جائے گا اولیاء سے قتل کر دو اس کو یا معاف کر دو اس کو؛ اور اس کی وجہ یہ ہے

وَهُوَ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يُعْتِقْهُ وَسَرَى تَبَيَّنَ أَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ بَاطِلًا لِأَنَّ الصُّلْحَ كَانَ عَنِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ

کہ جب اس نے غلام کو آزاد نہیں کیا اور زخم سرایت کر گیا، تو معلوم ہوا کہ صلح باطل تھی؛ کیونکہ یہ صلح مال سے تھی؛ اس لیے کہ

أَطْرَافَ الْعَبْدِ لَا يَجْرِي الْقِصَاصُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَطْرَافِ الْحُرِّ فَإِذَا سَرَى تَبَيَّنَ أَنَّ الْمَالَ غَيْرُ وَاجِبٍ، وَإِنَّمَا الْوَاجِبُ

قصاص جاری نہیں ہوتا ہے اعضاءِ عبد اور اعضاءِ حر کے درمیان، پس جب زخم سرایت کر گیا تو معلوم ہوا کہ مال واجب نہیں تھا، بلکہ واجب

هُوَ الْقَوَدُ فَكَانَ الصُّلْحُ وَاقِعًا بِغَيْرِ بَدَلٍ فَبَطَلَ وَالْبَاطِلُ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ ، كَمَا إِذَا وَطِئَ الْمُطَلَّقَةَ الثَّلَاثَ

قصاص ہی تھا، لہذا صلح واقع ہوئی ہے بلا بدل، اس لیے باطل ہے، اور باطل شبہ پیدا نہیں کرتا ہے جیسا کہ اگر کوئی وطی کر لے مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ

فِي عِدَّتِهَا مَعَ الْعِلْمِ بِحُرْمَتِهَا عَلَيْهِ فَوَجَبَ الْقِصَاصُ ،﴿7﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْتَقَهُ

اس کی عدت میں باوجود کہ وہ جانتا ہے اس پر اس کے حرام ہونے کو، پس واجب ہوگا قصاص۔ برخلاف اس کے جب مجنی علیہ آزاد کر دے اس کو

لِأَنَّ إِقْدَامَهُ عَلَى الْإِعْتَاقِ يَدُلُّ عَلَى قَصْدِهِ تَصْحِيحَ الصُّلْحِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مَنْ أَقْدَمَ عَلَى تَصَرُّفٍ يَقْصِدُ

کیونکہ اس کا اقدام اعتاق پر دلالت کرتا ہے اس کے قصد پر تصحیح صلح کے؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جو اقدام کرتا ہے کسی تصرف پر وہ قصد کرتا ہے

تَصْحِيحَهُ وَلَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّا وَأَنْ يَجْعَلَ صُلْحًا عَنِ الْجِنَايَةِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا وَلِهَذَا

اس کی تصحیح کا، اور یہاں اس کے لیے صحت نہیں ہے مگر یہ کہ صلح قرار دے جنایت اور جنایت سے پیدا شدہ چیز سے، یہی وجہ ہے کہ

لَوْ نَصَّ عَلَيْهِ وَرَضِيَ الْمَوْلَى بِهِ يَصِحُّ وَقَدْ رَضِيَ الْمَوْلَى بِهِ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِ الْعَبْدِ عِوَضًا

اگر تصریح کر دے اس کی اور راضی ہو جائے مولیٰ اس پر تو صحیح ہے، اور راضی ہے مولیٰ اس پر؛ کیونکہ جب وہ راضی ہے غلام کے عوض ہونے پر

عَنِ الْقَلِيلِ يَكُونُ أَرْضَى بِكَوْنِهِ عِوَضًا عَنِ الْكَثِيرِ فَإِذَا أُعْتِقَ يَصِحُّ الصُّلْحُ فِي ضِمْنِ الْإِعْتَاقِ ابْتِدَاءً

قلیل سے تو وہ زیادہ راضی ہوگا اس کے عوض ہونے پر کثیر سے، پھر جب اس نے آزاد کر دیا تو صلح صحیح ہوگئی اعتاق کے ضمن میں ابتداء

وَإِذَا لَمْ يُعْتِقْ لَمْ يُوجَدِ الصُّلْحُ ابْتِدَاءً وَالصُّلْحُ الْأَوَّلُ وَقَعَ بَاطِلًا فَيُرَدُّ الْعَبْدُ إِلَى الْمَوْلَى وَالْأَوْلِيَاءُ عَلَى خِيَرَتِهِمْ

اور اگر آزاد نہیں کیا تو صلح نہ پائی گئی ابتداء، اور صلح اول باطل ہوگئی پس واپس کیا جائے گا غلام مولیٰ کو، اور اولیاء اختیار پر باقی رہیں گے

فِي الْعَفْوِ وَالْقَتْلِ . ﴿٨﴾وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ : رَجُلٌ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا فَصَالَحَ

معاف کرنے اور قتل کرنے کے سلسلے میں۔ اور مذکور ہے بعض نسخوں میں کہ اگر ایک شخص نے قطع کر دیا دوسرے کا ہاتھ عمداً، پھر صلح کرلی

الْقَاطِعُ الْمَقْطُوعَةَ يَدُهُ عَلَى عَبْدٍ وَدَفَعَهُ إِلَيْهِ فَأَعْتَقَهُ الْمَقْطُوعَةُ يَدُهُ ثُمَّ مَاتَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ:

قاطع نے مقطوع الید کے ساتھ غلام پر، اور دیدیا وہ اس کو، اور آزاد کر دیا اس کو مقطوع الید نے، پھر وہ مرگیا اسی سے، تو امام محمدؒ نے فرمایا

فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِالْجِنَايَةِ إِلَى آخِرِ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الرِّوَايَةِ. ﴿٩﴾وَهَذَا الْوَضْعُ يَرِدُ إِشْكَالًا فِيمَا

غلام صلح ہوگا جنایت کے بدلے، اس روایت کے اخیر تک جسے ہم بیان کر چکے، اور اس صورتِ مسئلہ میں ایسی صورت میں اشکال وارد ہوتا ہے

إِذَا عَفَا عَنِ الْيَدِ ثُمَّ سَرَى إِلَى النَّفْسِ وَمَاتَ حَيْثُ لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ

کہ جب وہ معاف کر دے ہاتھ کے زخم سے پھر وہ سرایت کر گیا جان تلف کرنے کی طرف، اور وہ مرگیا کہ واجب نہیں ہوتا ہے قصاص

هُنَالِكَ ، وَهَاهُنَا قَالَ يَجِبُ .قِيلَ مَا ذُكِرَ هَاهُنَا جَوَابُ الْقِيَاسِ فَيَكُونُ الْوَضْعَانِ جَمِيعًا

مشہور روایت کے مطابق، حالانکہ یہاں امام محمدؒ نے کہا کہ قصاص واجب ہوتا ہے، تو کہا گیا ہے کہ جو ذکر کیا گیا ہے یہاں تو وہ حکم قیاسی ہے تو دونوں صورتیں

عَلَى الْقِيَاسِ وَالِاسْتِحْسَانِ.وَقِيلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ،وَوَجْهُهُ أَنَّ الْعَفْوَعَنِ الْيَدِصَحَّ ظَاهِرًا لِأَنَّ الْحَقَّ كَانَ لَهُ فِي الْيَدِ

قیاس اور استحسان پر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ دونوں میں فرق ہے، اور وجہ فرق یہ ہے کہ عفو عن الید ظاہراً صحیح ہے؛ کیونکہ حق اس کے لیے ہے ہاتھ میں

مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ فَيَصِحُّ الْعَفْوُ ظَاهِرًا،فَبَعْدَ ذَلِكَ وَإِنْ بَطَلَ حُكْمًا يَبْقَى مَوْجُودًا حَقِيقَةً فَكَفَى

ظاہر کے اعتبار سے، پس صحیح ہے عفو ظاہراً، اور اس کے بعد اگرچہ باطل ہوا حکماً مگر باقی رہے گا موجود حقیقۃً پس کافی ہے

ذَلِكَ لِمَنْعِ وُجُوبِ الْقِصَاصِ .أَمَّا هَاهُنَا الصُّلْحُ لَا يُبْطِلُ الْجِنَايَةَ بَلْ يُقَرِّرُهَا حَيْثُ صَالَحَ

یہ وجوبِ قصاص کے منع کے لیے، رہا یہاں تو صلح باطل نہیں کرتی ہے جنایت کو بلکہ مستحکم کرتی ہے اس کو بایں طور کہ صلح کی

عَنْهَا عَلَى مَالٍ ، فَإِذَا لَمْ يُبْطِلِ الْجِنَايَةَ لَمْ تَمْتَنِعِ الْعُقُوبَةُ . هَذَا إِذَا لَمْ يُعْتِقْهُ ، أَمَّا إِذَا أَعْتَقَهُ

اس سے مال پر، پس جب باطل نہیں کیا جنایت کو تو عقوبت ممتنع نہ ہوگی، یہ اس وقت ہے کہ مجنی علیہ غلام کو آزاد نہ کرے، اور اگر اس کو آزاد کیا

فَالتَّخْرِيجُ مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

تو مسئلہ کی تخریج اس طریقہ پر ہوگی جو ہم ذکر کر چکے اس سے پہلے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تونے زید کو قتل کیا، یا اس کو تیر یا پتھر مارا، یا اس کے سر یا چہرہ کو زخمی کر دیا تو تو آزاد ہے تو اس کہنے سے مولیٰ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو گیا بشرطیکہ غلام یہ کام کرے۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس کہنے سے مولیٰ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہ ہوگا؛ کیونکہ کلام کرنے کے وقت کوئی جرم موجود نہیں ہے اور جرم موجود ہونے کا اس کو علم بھی نہیں ہے اور جرم کے بعد مولیٰ کی طرف سے کوئی کام نہیں پایا گیا کہ جس سے وہ فدیہ اختیار کرنے والا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے عورت کی طلاق یا غلام کے عتاق کو شرط پر معلق کیا مثلاً عورت سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے، یا غلام سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تُو آزاد ہے، پھر قسم کھائی کہ طلاق نہیں دوں گا یا آزاد نہیں کروں گا پھر مذکورہ شرط پائی گئی یعنی عورت یا غلام گھر میں داخل ہو گیا اور طلاق یا عتق ثابت ہو گیا تو وہ اپنی مذکورہ قسم میں حانث نہ ہوگا؛ کیونکہ قسم کے بعد اس کی طرف قسم کے مخالف کوئی فعل نہیں پایا گیا کہ جس کی وجہ سے وہ حانث ہو، پس اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی مولیٰ کی طرف سے کوئی ایسا کام نہ پایا گیا کہ جس سے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہو۔

﴿۲﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے آزاد کرنے کو اس جرم کے ساتھ معلق کیا اور جو امر کسی شرط پر معلق ہو وہ شرط پائے جانے کے وقت فی الحال واقع ہو جاتا ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے جرم کے بعد اس غلام کو آزاد کیا ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو واللہ میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا تو یہ ایلاء ہے جو وجودِ شرط یعنی عورت کے داخل ہونے کے وقت سے شروع ہوگا، اسی طرح اگر اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں بیمار ہوا تو تین طلاق سے تو مطلقہ ہے، پھر وہ بیمار ہوا یہاں تک کہ عورت مطلقہ ہوگئی اور وہ اسی مرض میں مر گیا تو یہ شخص اس عورت کی میراث سے فرار اختیار کرنے والا قرار پائے گا یعنی حالتِ مرض میں طلاق دے کر عورت کو میراث سے محروم کرنا چاہتا ہے؛ کیونکہ مرض پائے جانے کے وقت شرط پائی جائے گی اس لیے وہ مرض پائے جانے کے وقت طلاق دینے والا ہو جائے گا اور مرض موت میں طلاق دینے والا فار شمار ہوتا ہے جس کی طلاق کی وجہ سے عورت میراث سے محروم نہ ہوگی چنانچہ "کِتَابُ النِّکَاحِ" میں گذر چکا۔

﴿۳﴾ برخلاف اس مسئلہ کے جو امام زفرؒ نے پیش کیا ہے؛ کیونکہ اس میں قسم کھانے والے کی غرض یہ ہے کہ ایسا طلاق اور عتاق نہیں کرے گا جس سے باز رہنا ممکن ہو؛ کیونکہ قسم تو باز رہنے ہی کے لیے ہوتی ہے تو قسم کے تحت میں ایسی چیز داخل نہ ہوگی جس سے باز رہنا ممکن نہیں ہے۔

{۴}اور غلام کے مسئلہ میں دوسری دلیل یہ ہے کہ مولی نے غلام کو مذکورہ شرط کو عمل میں لانے پر ایسی چیز کے ذریعہ ابھارا جو اس کے حق میں نہایت رغبت کی چیز ہے یعنی اس کام کے کرنے کو آزادی پر معلق کیا اور آزادی اس کا انتہائی مطلوب امر ہے اس لیے وہ ضرور اس فعل کا ارتکاب کرے گا تو یہ دلیل ہے کہ مولی نے مجنی علیہ کے حق میں غلام کے بجائے فدیہ دینا اختیار کر لیا۔

{۵}اگر کسی غلام نے ایک آزاد شخص کا ہاتھ عمداً کاٹا پس اس جرم میں مذکورہ غلام مجنی علیہ کو دیدیا گیا خواہ قاضی کے حکم سے دے یا قاضی کے حکم کے بغیر دے، اور مجنی علیہ نے اس کو آزاد کر دیا پھر مجنی علیہ اس زخم سے مر گیا تو یہ غلام اس جرم سے صلح کا بدل ہے؛ کیونکہ اس کو آزاد کرنا صلح صحیح قرار دینے کی دلیل ہے لہٰذا مذکورہ غلام سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مجنی علیہ نے اس غلام کو آزاد نہ کیا ہو تو وہ اپنے مولی کو واپس دیا جائے گا اور مجنی علیہ کے وارثوں سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو اس غلام کو قصاصاً قتل کر دو؛ کیونکہ صلح باطل ہو گئی، اور اگر چاہو تو اس کو معاف کر دو۔

{۶}پھر اعتاق اور عدم اعتاق میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب مجنی علیہ نے اس کو آزاد نہیں کیا ہے اور زخم کی سرایت سے اس کی جان تلف ہو گئی تو ظاہر ہوا کہ صلح باطل واقع ہوئی تھی اور جب صلح باطل قرار پائی تو اس سے سقوطِ قصاص کا شبہہ پیدا نہیں ہوتا ہے اس لیے قصاص واجب ہوگا اور یہ صلح باطل اس لیے ہے کہ صلح تو مال پر واقع ہوئی تھی؛ کیونکہ غلام کے اعضاء اور آزاد کے اعضاء کے درمیان میں قصاص جاری نہیں ہوتا ہے بلکہ اس مال (غلام) پر مصالحت ہوئی ہے پس جب سرایت سے اس کی جان تلف ہو گئی تو ظاہر ہوا کہ مال واجب ہی نہیں تھا بلکہ فقط قصاص واجب تھا تو یہ صلح بلاعوض واقع ہوئی اس لیے یہ صلح باطل ہے اور جو چیز باطل ہو اس سے شبہہ پیدا نہیں ہوتا ہے یعنی ایسی صلح سے قصاص ساقط ہونے کا شبہہ پیدا نہ ہوگا جیسے کسی نے اپنی بیوی سے تین طلاق دینے کے بعد عدت میں وطی کر لی باوجود کہ وہ جانتا ہے کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اس سے حد کو دفع کرنے والا شبہہ پیدا نہ ہوگا اس لیے حدِ زنا واجب ہوگی اسی طرح یہاں بھی سقوطِ قصاص کا شبہہ پیدا نہیں ہوتا ہے اس لیے قصاص واجب ہوگا۔

{۷}اس کے برخلاف اگر مجنی علیہ نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہو تو یہ صلح صحیح ہوگی؛ کیونکہ آزاد ہونے پر اقدام دلالت کرتا ہے کہ مجنی علیہ نے صحیح صلح کرنے کا قصد کیا ہے؛ اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ جس نے کسی تصرف پر اقدام کیا تو وہ اس کے صحیح کرنے کا قصد کرتا ہے اور اس صلح کی صحت کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ مذکورہ غلام کو اس زخم اور اس کی سرایت دونوں کا عوض قرار دیا جائے یہی وجہ ہے کہ اگر غلام کو دیتے وقت اس امر کی تصریح کر دے کہ یہ جنایت اور اس کی سرایت دونوں کا عوض ہے اور مولی اس پر راضی ہو جائے تو یہ صلح صحیح ہے اور یہاں بھی مولی دلالۃً راضی ہو گیا ہے؛ کیونکہ جب مولی اس امر پر راضی تھا کہ

اس کا غلام قلیل یعنی صرف زخم کا عوض ہو تو بدرجہ اولیٰ اس امر پر راضی ہو گا کہ اس کا غلام کثیر یعنی جان کا عوض ہو پس جب مجنی علیہ نے اس غلام کو لے کر آزاد کر دیا تو آزاد کرنے کے ضمن میں یہ جدید صلح (اعتاق کے ضمن میں واقع صلح) صحیح ہو گئی اور جب صلح صحیح ہو گئی تو اس سے وجوبِ قصاص میں شبہہ پیدا ہو گا اس لیے قصاص ساقط ہو گا۔ اور اگر مجنی علیہ نے اس غلام کو آزاد نہ کیا تو اعتاق سے انتفاء ثابت یہ دوسری اور جدید صلح نہیں پائی گئی اور اول صلح تو باطل واقع ہوئی تھی پس مذکورہ غلام اپنے مولیٰ کو واپس دیا جائے گا اور مجنی علیہ کے ورثہ کو اختیار ہو گا اگر چاہیں تو اس کو معاف کر دیں، اور چاہیں تو غلام کو قصاص میں قتل کر دیں۔

﴿۸﴾ واضح رہے کہ جامع صغیر کے بعض نسخوں میں اس طرح ذکر ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ عمداً کاٹ ڈالا پھر قاطع نے مقطوع سے ایک غلام پر صلح کر کے یہ غلام اس کو دیدیا پس مقطوع الیدنے یہ غلام آزاد کر دیا پھر اسی زخم سے مقطوع الید مر گیا تو امام محمدؒ نے کہا کہ یہ غلام اس زخم اور اس کی سرایت دونوں سے صلح قرار دیا جائے گا پھر آخر تک روایت اسی طرح ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اگر آزاد نہیں کیا تو مولیٰ کو واپس کیا جائے گا اور اولیاء کو قتل اور عفو کا اختیار ہو گا۔

﴿۹﴾ اور جامع صغیر کی اس صورت مسئلہ میں ایسی صورت سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب اس نے ہاتھ کے زخم کو معاف کیا پھر اس زخم نے سرایت کر کے جان تلف کی تو روایت مشہورہ میں قصاص واجب نہیں ہوتا حالانکہ اس روایتِ صلح میں امام محمدؒ نے کہا کہ قصاص واجب ہوتا ہے۔ مشائخؒ نے اس اشکال کے جواب میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض مشائخ نے یہ جواب دیا کہ جو حکم اس روایت میں مذکور ہے وہ حکم قیاسی ہے تو عفو اور صلح کی دونوں صورتیں بطریق قیاس اور بطریق استحسان مذکور ہوئی ہیں۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے؛ وجہ فرق یہ ہے کہ پھر اس زخم کو معاف کرنا ظاہراً صحیح ہوا اور جنایت باطل ہو گئی؛ کیونکہ من حیث الظاہر اس کا استحقاق صرف ہاتھ کے بارے میں تھا تو ظاہراً عفو صحیح ہوا پھر اس کے بعد سرایت کی وجہ سے مذکورہ عفو اگرچہ حکماً باطل ہو گیا لیکن حقیقۃً باقی ہے تو وجوبِ قصاص سے روکنے کے لیے اس قدر کافی ہے۔ باقی اس مسئلہ میں تو صلح اس جنایت کو باطل نہیں کرے گی بلکہ اس کو اور مضبوط کرے گی؛ کیونکہ اس نے جنایت سے مال پر صلح کی تو یہ تقریر جنایت ہے پس جب جنایت باطل نہ ہوئی تو سزا (قصاص) بھی ممتنع نہ ہو گی۔ پھر قصاص کا ممتنع نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ اس نے غلام کو آزاد نہ کیا ہو اور اگر اس نے غلام کو آزاد کر دیا تو مسئلہ کا حکم اسی تفصیل کے مطابق نکلے گا جو ہم نے اوپر بیان کر دی کہ اعتاق کا اقدام کرنا تصحیح صلح کے قصد پر دلالت کرتا ہے الخ۔

﴿۱﴾ قَالَ : وَإِذَا جَنَى الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ جِنَايَةً وَعَلَيْهِ أَلْفُ دِرْهَمٍ

فرمایا: اور اگر ماذون لہ غلام نے کوئی جنایت کی اور اس پر ہزار درہم ہوں

فَأَعْتَقَهُ الْمَوْلَى وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْجِنَايَةِ فَعَلَيْهِ قِيمَتَانِ : قِيمَةٌ لِصَاحِبِ الدَّيْنِ ، وَقِيمَةٌ

پس آزاد کیا اس کو مولیٰ نے حالانکہ اس کو خبر نہیں تھی جنایت کی، تو اس پر دو قیمتیں ہوں گی، ایک قیمت صاحب دَین کے لیے اور دوسری قیمت

لِأَوْلِيَاءِ الْجِنَايَةِ ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ حَقَّيْنِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَضْمُونٌ بِكُلِّ الْقِيمَةِ عَلَى الِانْفِرَادِ

اولیاءِ جنایت کے لیے؛ کیونکہ اس نے تلف کر دیئے دو ایسے حق کہ ہر ایک ان دونوں میں سے مضمون ہے کل قیمت کے ساتھ انفرادی طور پر

الدَّفْعُ لِلْأَوْلِيَاءِ ، وَالْبَيْعُ لِلْغُرَمَاءِ ، فَكَذَا عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ

(اور وہ دو حق) غلام دینا ہے اولیاءِ جنایت کو اور فروخت کرنا ہے قرضخواہوں کے لیے، اور پس اسی طرح حکم ہے اجتماع کے وقت،

﴿۲﴾وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْحَقَّيْنِ إيفَاءً مِنَ الرَّقَبَةِ الْوَاحِدَةِ بِأَنْ يُدْفَعَ إلَى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ ثُمَّ يُبَاعُ

اور ممکن ہے جمع کرنا دونوں حقوں کو ادا کرتے ہوئے ایک رقبہ سے بایں طور کہ دیدیا جائے ولی جنایت کو پھر فروخت کیا جائے

لِلْغُرَمَاءِ فَيَضْمَنُهَا بِالْإِتْلَافِ ﴿۳﴾بِخِلَافِ مَا إذَا أَتْلَفَهُ أَجْنَبِيٌّ حَيْثُ تَجِبُ

قرضخواہوں کے لیے، پس ضامن ہوگا ان دونوں کا اتلاف کی وجہ سے۔ برخلاف اس کے جب تلف کر دے اس کو اجنبی کہ واجب ہوگی

قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ لِلْمَوْلَى وَيَدْفَعُهَا الْمَوْلَى إلَى الْغُرَمَاءِ ، لِأَنَّ الْأَجْنَبِيَّ إنَّمَا يَضْمَنُ لِلْمَوْلَى بِحُكْمِ الْمِلْكِ فَلَا يَظْهَرُ

ایک قیمت مولیٰ کے لیے، اور دیدے گا وہ مولیٰ قرضخواہوں کو؛ کیونکہ اجنبی ضامن ہوتا ہے مولیٰ کے لیے بحکم ملک، پس ظاہر نہ ہوگا

فِي مُقَابَلَتِهِ الْحَقُّ لِأَنَّهُ دُونَهُ ، وَهَاهُنَا يَجِبُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِإِتْلَافِ الْحَقِّ

اس کے مقابلے میں حق؛ کیونکہ حق کمتر ہے ملک سے، اور یہاں ضمان واجب ہوا ہے ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے حق کو تلف کرنے سے

فَلَا تَرْجِيحَ فَيَظْهَرَانِ فَيَضْمَنُهُمَا .

اس لیے کوئی ترجیح نہیں ہے، پس دونوں حق ظاہر ہوں گے اور مولیٰ دونوں کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔﴿۱﴾اگر ماذون فی التجارۃ غلام نے کوئی جرم کیا حالانکہ اس پر ہزار درہم قرضہ ہے، پھر اس کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا حالانکہ مولیٰ کو جرم کا حال معلوم نہیں ہے تو مولیٰ پر اس غلام کی دو قیمتیں واجب ہوں گی ایک قیمت تو غلام کے قرضخواہوں کے لیے ہوگی اور دوسری قیمت اولیاءِ جنایت کے لیے ہوگی؛ کیونکہ مولیٰ نے اس غلام کو آزاد کر کے ایسے دو حق تلف کیے جن میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ پوری قیمت کا تاوان واجب ہے چنانچہ اولیاءِ جنایت کو غلام دینا واجب ہے اور قرضخواہوں کے لیے غلام

کو فروخت کرنا واجب ہے اور جو علیحدہ مضمون ہو وہ غیر کے ساتھ اجتماع کی صورت میں بھی مضمون ہو گا لہٰذا دونوں جمع ہونے کی صورت میں مولیٰ پر دو قیمتیں واجب ہوں گی۔

{۲}سوال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہر ایک علیحدہ تو مضمون ہو مگر اجتماع کی صورت میں دونوں میں منافات کی وجہ سے مضمون نہ ہو؟ جواب یہ ہے کہ ایک ہی رقبہ سے ادا کرتے ہوئے دونوں حقوں کے جمع ہونے میں کوئی منافات نہیں بلکہ دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے بایں طور کہ ولی جنایت کو غلام دے دیا جائے پھر وہ قرضخواہوں کے لیے فروخت کیا جائے اور اس کے ثمن سے قرضہ ادا ہونے کے بعد جو بچ جائے وہ ولی جنایت کو دیدیا جائے، پس تلف کرنے کی وجہ سے مولیٰ ان دونوں کا ضامن ہو گا۔

{۳}اس کے برخلاف اگر اس غلام کو کسی اجنبی نے تلف کیا تو اس صورت میں اجنبی پر مولیٰ کے لیے ایک ہی قیمت واجب ہو گی اور مولیٰ اسے غلام کے قرضخواہوں کو دے دے گا؛ کیونکہ اجنبی تو مولیٰ کے لیے ملکیت کی وجہ سے اس قیمت کا ضامن ہوتا ہے پس ملکِ مالک کے مقابلے میں اولیاءِ جنایت اور قرضخواہوں کا حق ظاہر نہ ہو گا؛ کیونکہ مالک کی ملکیت کے مقابلے میں یہ دونوں حق (ولی جنایت اور قرضخواہ کا حق) کمتر ہیں اس لیے اجنبی فقط مولیٰ کے لیے مقتول غلام کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ جبکہ متن کے مسئلہ میں ہر ایک حقدار (ولی جنایت اور قرضخواہ) کے لیے اس وجہ سے غلام کی قیمت واجب ہوئی کہ مولیٰ نے محلِ حق (غلام) کو تلف کر دیا تو ایک حق کو دوسرے پر کوئی ترجیح حاصل نہ ہو گی لہٰذا دونوں حق ظاہر ہوں گے اس لیے مولیٰ دونوں کے لیے ضامن ہو گا۔

{۱}قَالَ :وَإِذَا اسْتَدَانَتِ الْأَمَةُ الْمَأْذُونُ لَهَا أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا ثُمَّ وَلَدَتْ فَإِنَّهُ يُبَاعُ الْوَلَدُ مَعَهَا فِي الدَّيْنِ، وَإِنْ

فرمایا: اور اگر قرض لیا ماذونہ باندی نے اپنی قیمت سے زیادہ، پھر وہ بچہ جن گئی تو فروخت کیا جائے گا بچہ اس کے ساتھ دَین میں، اور اگر

جَنَتْ جِنَايَةً لَمْ يُدْفَعِ الْوَلَدُ مَعَهَا ؛ وَالْفَرْقُ أَنَّ الدَّيْنَ وَصْفٌ حُكْمِيٌّ فِيهَا وَاجِبٌ

باندی نے کوئی جنایت کی تو نہیں دیا جائے گا بچہ اس کے ساتھ، اور فرق یہ ہے کہ دَین وصفِ حکمی ہے باندی میں، واجب ہوتا ہے

فِي ذِمَّتِهَا مُتَعَلِّقٌ بِرَقَبَتِهَا اسْتِيفَاءً فَيَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ كَوَلَدِ الْمَرْهُونَةِ،

باندی کے ذمہ میں، متعلق ہوتا ہے اس کے رقبہ کے ساتھ وصولیابی کے حوالے سے پس وہ سرایت کرے گا بچے کی طرف جیسے مرہونہ باندی کے بچے میں ہوتا ہے

{۲}بِخِلَافِ الْجِنَايَةِ لِأَنَّ وُجُوبَ الدَّفْعِ فِي ذِمَّةِ الْمَوْلَى لَا فِي ذِمَّتِهَا ، وَإِنَّمَا يُلَاقِيهَا أَثَرُ الْفِعْلِ الْحَقِيقِيِّ

برخلاف جنایت کے؛ کیونکہ غلام دینے کا وجوب مولیٰ کے ذمہ پر ہے نہ کہ باندی کے ذمے پر، اور ملاقی ہوتا ہے باندی کے ساتھ فعلِ حقیقی کا اثر

وَهُوَ الدَّفْعُ وَالسِّرَايَةُ فِي الْأَوْصَافِ الشَّرْعِيَّةِ دُونَ الْأَوْصَافِ الْحَقِيقِيَّةِ{۳}قَالَ :وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ لِرَجُلٍ زَعَمَ رَجُلٌ آخَرُ

اور وہ دینا ہے، اور سرایت اوصافِ شرعیہ میں ہوتی ہے نہ کہ اوصافِ حقیقیہ میں۔ فرمایا: اگر ایک غلام کسی شخص کا تھا اور گمان کیا دوسرے شخص نے

أَنَّ مَوْلَاهُ أَعْتَقَهُ فَقَتَلَ الْعَبْدُ وَلِيًّا لِذَلِكَ الرَّجُلِ خَطَأً فَلَا شَيْءَ لَهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا زَعَ

کہ اس کے مولیٰ نے اس کو آزاد کیا ہے، پھر قتل کر دیا غلام نے اس شخص کے ولی کو خطاءً تو کچھ نہ ہوگا اس کے لیے؛ کیونکہ جب اس نے خیال کیا

أَنَّ مَوْلَاهُ أَعْتَقَهُ فَقَدْ ادَّعَى الدِّيَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَأَبْرَأَ الْعَبْدَ وَالْمَوْلَى إلَّا أَنَّهُ لَا يُصَدَّ

کہ اس کے مولیٰ نے اس کو آزاد کیا ہے تو اس نے دعویٰ کیا دیت کا عاقلہ پر اور بری کر دیا غلام اور مولیٰ کو، مگر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی

عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ . {۴} قَالَ : وَإِذَا أُعْتِقَ الْعَبْدُ فَقَالَ لِرَجُلٍ قَتَلْتُ أَخَاكَ خَطَأً وَأَ

عاقلہ پر بلا حجت۔ فرمایا: اور جب آزاد کر دیا گیا غلام، پھر اس نے کہا کسی شخص سے کہ میں نے قتل کیا تیرے بھائی کو خطاءً اس حال میں کہ میں

عَبْدٌ وَقَالَ الْآخَرُ قَتَلْتَهُ وَأَنْتَ حُرٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْعَبْدِ ؛ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ لِلضَّمَانِ

غلام تھا، اور اس شخص نے کہا کہ تو نے قتل کیا اس کو اس حال میں کہ تو آزاد تھا، تو قول غلام کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ وہ منکر ہے ضمان کا،

لِمَا أَنَّهُ أَسْنَدَهُ إلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ ، إذِ الْكَلَامُ فِيمَا إذَا عُرِفَ

اس لیے کہ اس نے قتل کو منسوب کیا معہود حالت کی طرف جو منافی ہے ضمان کے، اس لیے کہ کلام اس صورت میں ہے کہ جب معروف ہو

رِقُّهُ ، وَالْوُجُوبُ فِي جِنَايَةِ الْعَبْدِ عَلَى الْمَوْلَى دَفْعًا أَوْ فِدَاءً ، وَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ

غلام کی رقیت، اور وجوب غلام کی جنایت میں مولیٰ پر ہے غلام دینے یا فدیہ دینے کے اعتبار سے، اور ہو گیا جیسے اگر کہا بالغ عاقل نے

طَلَّقْتُ امْرَأَتِي وَأَنَا صَبِيٌّ أَوْ بِعْتُ دَارِي وَأَنَا صَبِيٌّ ، أَوْ قَالَ طَلَّقْتُ

میں نے طلاق دی اپنی بیوی کو اس حال میں کہ میں بچہ تھا، یا میں نے فروخت کیا اپنا مکان اس حال میں کہ میں بچہ تھا، یا کہا کہ میں نے طلاق دی

امْرَأَتِي وَأَنَا مَجْنُونٌ وَقَدْ كَانَ جُنُونُهُ مَعْرُوفًا كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ لِمَا ذَكَرْنَا.

اپنی بیوی کو اس حال میں کہ میں مجنون تھا اور اس کا جنون مشہور تھا، تو قول اسی کا معتبر ہوگا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔

تشریح:۔ {۱} اگر ایسی باندی نے جس کو مولیٰ نے تجارت کی اجازت دی ہو اپنے اوپر اپنی قیمت سے زیادہ اُدھار قرضہ چڑھایا پھر اس کا بچہ پیدا ہوا تو قرضہ کی ادائیگی کے لیے اس کا بچہ بھی اس کے ساتھ فروخت کیا جائے گا۔ اور اگر اس باندی نے کوئی جنایت کی ہو پھر اس نے بچہ جن لیا تو یہ بچہ اس کے ساتھ اس جنایت کے جرم میں نہیں دیا جائے گا۔

قرض اور جنایت میں یہ فرق اس لیے ہے کہ قرضہ تو اس باندی میں ایک حکمی اور شرعی وصف ہے جو اس باندی کے ذمہ واجب ہے اور وصولیابی میں اسی باندی کی گردن سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ مولیٰ اس کو فروخت یا ہبہ نہیں کر سکتا ہے تو ایسا مستحکم

وصف اس کی اولاد کی جانب بھی سرایت کرے گا جیسے مرہونہ باندی کا وہ بچہ جو رہن کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ وصفِ رہن اس کی طرف بھی سرایت کرتا ہے چنانچہ یہ بچہ بھی اس کے ساتھ مرہون ہو جاتا ہے۔

{۲}باقی جنایت کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ جرمانہ میں باندی دینا اس باندی کے ذمہ واجب نہیں بلکہ اس کے مولیٰ کے ذمہ واجب ہے اور باندی کے ساتھ فعل حقیقی (حسّی فعل) کا اثر لاحق ہوتا ہے یعنی مولیٰ کے دینے کا اثر اس باندی پر عائد ہوتا ہے پس یہ اس کے بچے کی طرف سرایت نہیں کرے گا؛ کیونکہ سرایت اوصافِ شرعیہ میں ہوتی ہے؛ کیونکہ وصفِ شرعی غیر کی طرف منتقل ہوتا ہے، اوصافِ حقیقیہ میں سرایت نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ وصفِ حقیقی جس محل میں ہوتا ہے اس سے غیر کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔

{۳}ایک شخص کا غلام ہے جس کے بارے میں دوسرے شخص نے کہا کہ اس کے مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا ہے پھر اس غلام نے اس دوسرے شخص کے کسی مورث کو خطاءً قتل کر دیا تو اس دوسرے شخص کو کچھ نہیں ملے گا؛ کیونکہ جب اس نے اس غلام کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ اس کے مولیٰ نے اس کو آزاد کیا تو یہ اس کی طرف سے اس غلام کی مددگار برادری پر دیت کا دعویٰ ہے اور مولیٰ اور اس کے اس غلام کو دیت سے بری کرنا ہے، لیکن مددگار برادری پر اس کے دعویٰ کی تصدیق نہ ہوگی جب تک کہ حجت پیش نہ کرے یعنی فقط اس کے اس دعویٰ کی وجہ سے مددگار برادری پر دیت واجب نہ ہوگی۔

{۴}اگر ایک غلام جس کی غلامی معروف ہے آزاد کیا گیا پس اس نے ایک شخص سے کہا کہ میں نے تیرے بھائی کو خطاءً اس وقت قتل کیا تھا جس وقت کہ میں غلام تھا لہٰذا دیت میرے مولیٰ کے عاقلہ پر ہے، اور اس شخص نے کہا کہ تو نے اس کو اس وقت قتل کیا جس وقت کہ تو آزاد تھا لہٰذا دیت تیرے عاقلہ پر ہے تو اس میں غلام ہی کا قول معتبر ہوگا؛ کیونکہ وہ اپنے اوپر ضمان واجب ہونے کا منکر ہے؛ کیونکہ اس نے قتل کو ایسی حالت کی جانب منسوب کیا جو معہود ہے اور وہ تاوان واجب ہونے کے منافی ہے؛ کیونکہ ہمارا کلام ایسے غلام میں ہے جس کا غلام ہونا معروف ہو اور غلام کے جرم کرنے کی صورت میں جرمانہ اس کے مولیٰ پر واجب ہوتا ہے وہ چاہے یہی غلام دیدے یا اس کا فدیہ دیدے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی عاقل بالغ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی تھی کہ میں نابالغ بچہ تھا یا کہا کہ میں نے اپنا گھر اس حال میں فروخت کیا کہ میں بچہ تھا یا کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ میں مجنون تھا حالانکہ اس شخص کا جنون معروف ہے یعنی لوگوں میں اس کا مجنون ہونا کسی زمانہ میں معروف ہو تو اس صورت میں اسی عاقل بالغ کا قول قبول ہوگا کہ اس کی بیوی پر طلاق اور اس کی بیع نافذ نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ اپنے اوپر وجوب سے انکار کرتا ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ أَعْتَقَ جَارِيَةً ثُمَّ قَالَ لَهَا قَطَعْتُ يَدَكِ وَأَنْتِ أَمَتِي وَقَالَتْ

فرمایا: اور جس نے آزاد کیا باندی کو، پھر کہا اس سے میں نے قطع کر دیا تیرے ہاتھ کو اس حال میں کہ تو میری باندی تھی، اور اس نے کہا

قَطَعْتَهَا وَأَنَا حُرَّةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا ، وَكَذَلِكَ كُلُّ مَا أَخَذَ مِنْهَا

کہ تو نے قطع کر دیا میرا ہاتھ اس حال میں کہ میں آزاد تھی، تو قول باندی کا معتبر ہوگا، اور اسی طرح ہر وہ چیز ہے جو باندی سے لی گئی ہو

إلَّا الْجِمَاعَ وَالْغَلَّةَ اسْتِحْسَانًا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ{۲}وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَضْمَنُ إلَّا شَيْئًا قَائِمًا بِعَيْنِهِ يُؤْمَرُ

سوائے جماع اور کمائی کے استحساناً، اور یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے ضامن نہ ہوگا مگر اس چیز کا جو موجود ہو بعینہ، حکم دیا جائے گا

بِرَدِّهِ عَلَيْهَا ؛ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وُجُوبَ الضَّمَانِ لِإِسْنَادِهِ الْفِعْلَ إلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ

اسے رد کرنے کا باندی پر؛ کیونکہ وہ منکر ہے وجوبِ ضمان کا، بوجہ اس کے منسوب کرنے کے فعل کو ایسی حالتِ معہودہ کی طرف جو منافی ہے

لَهُ كَمَا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى وَكَمَا فِي الْوَطْءِ وَالْغَلَّةِ .وَفِي الشَّيْءِ الْقَائِمِ أَقَرَّ بِيَدِهَا حَيْثُ

ضمان کا جیسا کہ پہلے مسئلے میں ہے اور جیسا کہ وطی اور کمائی میں ہے، اور موجود چیز میں اس نے اقرار کیا اس کے قبضے کا بایں طور کہ

اعْتَرَفَ بِالْأَخْذِ مِنْهَا ثُمَّ ادَّعَى التَّمَلُّكَ عَلَيْهَا وَهِيَ مُنْكِرَةٌ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ فَلِهَذَا يُؤْمَرُ

اعتراف کیا اس سے لینے کا پھر دعویٰ کیا مالک ہونے کا باندی کے خلاف، اور باندی منکر ہے، اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے، اس لیے حکم دیا جائے گا

بِالرَّدِّ إلَيْهَا . {۳}وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ ثُمَّ ادَّعَى مَا يُبْرِئُهُ

واپس کرنے کا باندی کی طرف۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اقرار کیا سببِ ضمان کا پھر دعویٰ کیا اس چیز کا جو اسے بری کر دیتی ہے

فَلَا يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ كَمَا إذَا قَالَ لِغَيْرِهِ فَقَأْتُ عَيْنَكَ الْيُمْنَى وَعَيْنِي الْيُمْنَى صَحِيحَةٌ ثُمَّ فُقِئَتْ

پس اس کا قول معتبر نہ ہوگا جیسا کہ اگر کہا غیر سے کہ میں نے پھوڑ دی تیری دایاں آنکھ حالانکہ میری دایاں آنکھ صحیح تھی پھر پھوڑ دی گئی

وَقَالَ الْمُقَرُّ لَهُ : لَا بَلْ فَقَأْتَهَا وَعَيْنُك الْيُمْنَى مَفْقُوءَةٌ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُ الْمُقَرِّ لَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ

اور کہا مقر لہ نے: نہیں! بلکہ تو نے پھوڑ دیا اس کو حالانکہ تیری دایاں آنکھ پھوڑی تھی، تو قول مقر لہ کا معتبر ہوگا، اور یہ اس لیے کہ

مَا أَسْنَدَهُ إلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ لِأَنَّهُ يَضْمَنُ يَدَهَا

مولیٰ نے فعل کو ایسی حالتِ معہودہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے جو ضمان کے منافی ہے؛ اس لیے کہ وہ ضامن ہوگا اس کے ہاتھ کا

لَوْ قَطَعَهَا وَهِيَ مَدْيُونَةٌ ،{۴} وَكَذَا يَضْمَنُ مَالَ الْحَرْبِيِّ إذَا أَخَذَهُ وَهُوَ مُسْتَأْمَنٌ،

اگر کاٹ دیا اس کو حالانکہ وہ مدیونہ تھی، اور اسی طرح ضامن ہوگا حربی کے مال کا جب وہ لے لے اس کو اس حال میں کہ وہ مستامن ہو

{۵}بِخِلَافِ الْوَطْءِ وَالْغَلَّةِ لِأَنَّ وَطْءَ الْمَوْلَى أَمَتَهُ الْمَدْيُونَةَ لَا يُوجِبُ الْعُقْرَ ، وَكَذَا أَخْذُهُ مِنْ غَلَّتِهَا،

برخلاف وطی اور کمائی کے؛ اس لیے کہ مولیٰ کا اپنی باندی سے وطی کرنا واجب نہیں کرتا ہے عقر کو، اور اسی طرح مولیٰ کا لینا اس کی کمائی

وَإِنْ كَانَتْ مَدْيُونَةً لَا يُوجِبُ الضَّمَانَ عَلَيْهِ فَحَصَلَ الْإِسْنَادُ إِلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ.

اگرچہ وہ مدیونہ ہو واجب نہیں کرتا ہے ضمان کو مولیٰ پر، پس حاصل ہوگئی اسناد ایسی حالتِ معہودہ کی طرف جو ضمان کے منافی ہے۔

{۶}قَالَ : وَإِذَا أَمَرَ الْعَبْدُ الْمَحْجُورُ عَلَيْهِ صَبِيًّا حُرًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَعَلَى عَاقِلَةِ الصَّبِيِّ الدِّيَةُ

فرمایا: اور اگر امر کیا محجور علیہ غلام نے کسی آزاد بچے کو کسی شخص کو قتل کرنے کا، پس بچے نے قتل کر دیا اس کو، تو بچے کے عاقلہ پر دیت ہوگی

لِأَنَّهُ هُوَ الْقَاتِلُ حَقِيقَةً ، وَعَمْدُهُ وَخَطَؤُهُ سَوَاءٌ عَلَى مَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ . وَلَا شَيْءَ عَلَى الْآمِرِ ، وَكَذَا

کیونکہ وہی قاتل ہے حقیقۃً، اور بچے کا عمد اور اس کی خطاء برابر ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس سے پہلے، اور کچھ نہ ہوگا آمر پر، اور اسی طرح

إِذَا كَانَ الْآمِرُ صَبِيًّا لِأَنَّهُمَا لَا يُؤَاخَذَانِ بِأَقْوَالِهِمَا ؛ لِأَنَّ الْمُؤَاخَذَةَ فِيهَا بِاعْتِبَارِ الشَّرْعِ

اگر آمر بچہ ہو؛ کیونکہ ان دونوں کا مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے ان کے اقوال کی وجہ سے، اس لیے کہ مواخذہ اس میں شرع کے اعتبار سے ہے

وَمَا اعْتُبِرَ قَوْلُهُمَا ،{۷}وَلَا رُجُوعَ لِعَاقِلَةِ الصَّبِيِّ عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ أَبَدًا ، وَيَرْجِعُونَ

اور اعتبار نہیں کیا گیا ہے ان دونوں کے قول کا، اور رجوع کا حق نہیں بچے کے عاقلہ کو آمر بچے پر کبھی بھی، اور رجوع کریں گے

عَلَى الْعَبْدِ الْآمِرِ بَعْدَ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّ عَدَمَ الِاعْتِبَارِ لِحَقِّ الْمَوْلَى وَقَدْ زَالَ لَا لِنُقْصَانِ أَهْلِيَّةِ الْعَبْدِ،

آمر غلام پر اعتاق کے بعد؛ کیونکہ عدمِ اعتبار حقِ مولیٰ کی وجہ سے تھا اور وہ زائل ہوگیا نہ کہ غلام کی اہلیت کے نقصان کی وجہ سے،

بِخِلَافِ الصَّبِيِّ لِأَنَّهُ قَاصِرُ الْأَهْلِيَّةِ{۸}قَالَ : وَكَذَلِكَ إِنْ أَمَرَ عَبْدًا، مَعْنَاهُ أَنْ يَكُونَ الْآمِرُ عَبْدًا وَالْمَأْمُورُ عَبْدًا

برخلاف بچے کے؛ کیونکہ اس کی اہلیت قاصر ہے۔ فرمایا: اور اسی طرح اگر امر کیا غلام کو اس کا معنی ہے کہ آمر غلام ہو اور مامور بھی غلام ہو

مَحْجُورًا عَلَيْهِمَا، يُخَاطَبُ مَوْلَى الْقَاتِلِ بِالدَّفْعِ أَوِ الْفِدَاءِ وَلَا رُجُوعَ لَهُ عَلَى الْأَوَّلِ فِي الْحَالِ، وَيَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ

اور دونوں محجور ہوں، تو حکم ہوگا قاتل کے مولیٰ کو غلام دینے یا فدیہ دینے کا، اور اس کو رجوع کا حق نہیں اول پر فی الحال، اور رجوع کر سکتا ہے

بَعْدَ الْعِتْقِ بِأَقَلَّ مِنَ الْفِدَاءِ وَقِيمَةِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُضْطَرٍّ فِي دَفْعِ الزِّيَادَةِ ، وَهَذَا إِذَا كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً،

عتق کے بعد فدیہ اور قیمتِ عبد میں سے کم کے بارے میں؛ کیونکہ وہ مضطر نہیں ہے فدیہ سے زائد دینے پر، اور یہ اس وقت ہے کہ قتل خطاء ہو

مختصر شرح الہدایہ

وَكَذَا إِذَا كَانَ عَمْدًا وَالْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِيْرًا لِأَنَّ عَمْدَهُ خَطَأٌ ، أَمَّا إِذَا كَانَ كَبِيْرًا يَجِبُ الْقِصَاصُ لِجَرَيَانِهِ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ .

اور اسی طرح اگر عمداً ہو اور قاتل غلام چھوٹا ہو؛ کیونکہ اس کا عمد خطاء ہے، لیکن اگر وہ بڑا ہو تو واجب ہو گا قصاص؛ قصاص کے جاری ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام کے درمیان۔

تشریح:۔ [۱] ایک شخص نے اپنی باندی آزاد کر دی پھر اس باندی سے کہا کہ "میں نے تیرا ہاتھ اس حال میں کاٹا کہ تو میری باندی تھی" اور باندی کہتی ہے کہ "تو نے میرا ہاتھ اس حال میں کاٹا کہ میں آزاد تھی" تو باندی کا قول قبول ہو گا، اسی طرح ہر وہ چیز جو اس باندی سے لے لی ہو اس میں بھی باندی کا قول قبول ہے، البتہ جماع اور باندی کی کمائی میں استحساناً مولیٰ کا قول قبول ہے یعنی اگر باندی نے کہا کہ "تو نے مجھ سے جماع کیا یا میری کمائی لی اس حال میں کہ میں آزاد تھی" اور مولیٰ نے کہا کہ "نہیں! بلکہ میں نے اس حال میں تجھ سے جماع کیا یا تیری کمائی لی کہ تو میری باندی تھی" تو شیخین ؒ کے نزدیک استحساناً مولیٰ کا قول قبول ہے اس لیے مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہو گا۔

[۲] اور امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کسی چیز کا ضامن نہ ہو گا البتہ وہ چیز جو بعینہ مولیٰ کے پاس موجود ہو کہ اس کے بارے میں مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ باندی کو واپس کر دو؛ کیونکہ مولیٰ اپنے اوپر تاوان واجب ہونے سے منکر ہے؛ کیونکہ اس نے اپنے فعل کو ایسی حالتِ معروفہ (باندی کی رقیت کی حالت) کی جانب منسوب کیا جو تاوان کے منافی ہے اور تاوان کے منافی حالت کی طرف نسبت کرنا مقربہ کے سقوط کو واجب کرتا ہے جیسے گذشتہ مسئلہ میں ہے اور جیسے وطی اور کمائی کے بارے میں مولیٰ کا قول معتبر ہے اس لیے مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہو گا۔

اور رہی وہ چیز جو بعینہ موجود ہو تو مولیٰ نے اس چیز پر باندی کا قبضہ ہونے کا اقرار کیا؛ کیونکہ اس نے اعتراف کیا کہ میں نے اس کو باندی سے لیا ہے پھر دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے باندی پر اپنی ملکیت حاصل کی حالانکہ باندی اس سے منکر ہے اور منکر ہی کا قول قبول ہوتا ہے لہذا مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ یہ چیز باندی کو واپس کر دو، یا اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دو۔

[۳] شیخین ؒ کے نزدیک خواہ وہ شئی موجود ہو یا نہ ہو جماع اور باندی کی کمائی کے علاوہ تمام چیزوں میں باندی کا قول قبول ہو گا اور مولیٰ ضامن ہو گا؛ شیخین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے سبب تاوان (چیز لے لینا) کا اقرار کیا پھر ایسی چیز (رقیت) کا دعویٰ کیا جو اس کو تاوان سے بری کرتا ہے تو ایسا دعویٰ قبول نہیں ہوتا اس لیے اس کا قول قبول نہ ہو گا جیسے کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیری دائیں آنکھ کو اس حال میں پھوڑ دیا کہ میری دائیں آنکھ تندرست تھی پھر پھوڑ دی گئی یعنی میں نے تیری دائیں آنکھ کی اور

ایسی حالت میں زائل کی کہ میری دائیں آنکھ میں روشنی موجود تھی پھر تیرے قصاص سے پہلے کسی نے میری دائیں آنکھ کی روشنی زائل کر دی اس لیے قصاص ساقط ہوا، اور مقرلہ نے کہا کہ "نہیں! بلکہ تو نے میری دائیں آنکھ کی روشنی ایسی حالت میں زائل کی کہ تیری دائیں آنکھ اندھی تھی" لہذا تجھ پر نصف دیت واجب ہے، تو اس صورت میں مقرلہ کا قول قبول ہوگا اور مقر پر مقرلہ کی آنکھ کی دیت واجب ہوگی، پس یہی حکم مذکورہ مسئلہ میں بھی ہوگا؛ وجہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے فعل کی ایسی حالت کی جانب نسبت نہیں کی ہے جو تاوان کے منافی ہو؛ کیونکہ باندی ہونا وجوبِ تاوان کے منافی نہیں ہے؛ کیونکہ اگر مولیٰ اپنی باندی کا ہاتھ ایسی حالت میں کاٹ دے کہ وہ تجارت کی وجہ سے قرض دار ہوگئی ہو تو مولیٰ اس کے ہاتھ کا ضامن ہوتا ہے حالانکہ وہ مولیٰ کی باندی ہے معلوم ہوا کہ باندی ہونا وجوبِ ضمان کے منافی نہیں ہے۔

{4} اسی طرح اگر کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب میں جائے اور کسی حربی کا مال لے لے پھر وہ حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آئے اور یہاں مال لینے والا مسلمان کہے کہ میں نے تجھ سے ایسی حالت میں مال لیا کہ تو حربی کافر تھا اور وہ کہے کہ نہیں بلکہ تو نے ایسی حالت میں لیا کہ میں مسلمان ہوگیا تھا تو مقر ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے ایسی حالت (حربی ہونے کی حالت) کی طرف نسبت نہیں کی ہے جو تاوان کے منافی ہے؛ کیونکہ حربی اگر مستامن ہو اور مسلمان اس کا مال لے لے تو مسلمان اس کے مال کا ضامن ہوتا ہے لہذا حربی ہونا تاوان کے منافی نہیں ہے۔

{5} باقی وطی اور باندی کی کمائی کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ ان دو صورتوں میں مولیٰ پر تاوان واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ مولیٰ اگر اپنے قرضدار باندی سے وطی کرنے تو قرضخواہوں کے لیے مولیٰ پر عقر (موطوءہ بشبہہ کا مہر) واجب نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ قرضخواہوں کا حق باندی کے منافع بضع کے ساتھ متعلق نہیں ہے اس لیے کہ منافع بضع مال نہیں ہے، اسی طرح اگر مولیٰ باندی کی کمائی لے لے تو بھی وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے اگرچہ یہ باندی قرضدار ہو؛ کیونکہ وطی اور باندی کی کمائی لینے کی نسبت ایسی حالت معروفہ کی جانب ہوئی جو ضمان کے منافی ہے پس مولیٰ منکر ہے مقر نہیں ہے لہذا وطی اور کمائی میں تاوان واجب نہ ہوگا اور باقی چیزوں میں تاوان واجب ہوگا۔

ف:۔ مولانا عبدالحکیم شاولیکوٹیؒ فرماتے ہیں: واعلم انه قد ذکرت هذه المسئلة فی الدر المختار والشامی ولم یذکر فیهما خلاف محمد ثم ذکر ابن العابدین الشامی انه استثنیٰ فی الشرنبلالیة والمواهب والزیلعی ماکان قائماً بعینه فی ید المقر؛لانه متی اقر أنه اخذه منها فقد اقر بیدها ثم ادعیٰ التملک علیها وهي تنکر فکان القول للمنکر فلذا امر بالرد (هامش الهدایة:4ص619)

{٦} اگر ایسے غلام نے جو تصرفات سے مجور اور ممنوع ہے کسی آزاد بچے کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو قتل کر دو پس اس بچے نے اس کو قتل کر دیا تو بچے کی مددگار برادری پر مقتول کی دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ حقیقۃً قاتل بچہ ہی ہے اور بچے کا عمداً قتل کرنا اور خطاءً قتل کرنا دونوں برابر ہیں جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے اس لیے بچے کے عاقلہ پر دیت ہی واجب ہوگا، اور حکم دینے والے غلام پر کچھ واجب نہ ہوگا یعنی فی الحال جب تک یہ غلام ہوگا ماخوذ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اسی مسئلہ میں بچے کو حکم دینے والا بھی نابالغ بچہ ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ مقتول کی دیت قاتل بچے کی مددگار برادری پر ہوگی اور آمر بچہ ماخوذ نہ ہو؛ کیونکہ غلام اور بچہ اپنے قول کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اقوال کا مواخذہ تو شریعت کے اعتبار سے ہوتا ہے حالانکہ شریعت نے غلام اور بچے کا قول معتبر نہیں رکھا ہے اس لیے آمر کا مواخذہ نہ ہوگا۔

{٧} پھر قاتل بچے کی مددگار برادری جو تاوان ادا کرے وہ امر کرنے والے بچے سے کبھی نہیں واپس لے سکتے ہیں یعنی نہ فی الحال اور نہ اس کے بلوغ کے بعد لے سکتے ہیں۔ اور حکم دینے والے غلام سے اس کے آزاد ہونے کے بعد واپس لے سکتے ہیں؛ کیونکہ غلام کا قول معتبر نہ ہونا فقط مولیٰ کے حق کی وجہ سے ہے نقصانِ اہلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور آزادی کے بعد مولیٰ کا حق زائل ہو گیا اس لیے اب وہ ماخوذ ہوگا، باقی آمر بچے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اس میں اہلیت ہی قاصر ہے؛ کیونکہ بچے کے مکلف ہونے میں عقل اور بلوغ کا اعتبار ہے جبکہ وہ بالغ نہیں ہے۔

{٨} اسی طرح اگر مذکورہ مسئلہ میں حکم دینے والے نے غلام کو حکم دیا ہو یعنی حکم دینے والا بھی غلام مجور ہے اور مامور غلام بھی مجور ہو پس مامور مجور نے اس شخص کو قتل کیا تو دو حال سے خالی نہیں کہ بطور خطا ہو گا یا بطور عمد ہو گا اور غلام قاتل بالغ ہو گا یا غیر بالغ ہو گا، پس اگر قتل خطاءً ہو تو قاتل کے مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ قاتل غلام ولی جنایت کو دیدو، یا اس کا فدیہ دیدو، اور مولیٰ نے جو کچھ دیا اس کو امر کرنے والے غلام سے فی الحال واپس نہیں لے سکتا ہے، ہاں آزادی کے بعد واپس لینے کا استحقاق ہوگا مگر فدیہ کے مال اور غلام کی قیمت میں جو کم ہو اسی کے لیے رجوع کرے گا؛ کیونکہ غلام کی قیمت اگر اس کے فدیہ سے کم ہو تو مولیٰ مجبور نہ ہوگا کہ وہ قیمت سے زیادہ فدیہ دیدے بلکہ غلام دیدے پس مولیٰ نے جو زائد فدیہ دیا ہے اس میں وہ متبرع ہے اور متبرع کو رجوع کا حق نہیں ہوتا ہے۔

{۹} اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ قتل عمداً ہو اور قاتل غلام نابالغ ہو؛ کیونکہ نابالغ کا عمد بھی خطاء ہے اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہے جو خطاءً قتل کا ہے۔ اور اگر قاتل غلام بالغ ہو تو پھر اس پر قصاص ہوگا؛ کیونکہ آزاد اور غلام کے درمیان قصاص جاری ہوتا ہے۔

{۱} قَالَ : وَإِذَا قَتَلَ الْعَبْدُ رَجُلَيْنِ عَمْدًا وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَلِيَّانِ فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ

فرمایا: اور اگر قتل کر دیا غلام نے دو لوگوں کو عمداً، اور ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے دو ولی ہیں، اور معاف کیا دو ولیوں میں سے ایک نے

كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَإِنَّ الْمَوْلَى يَدْفَعُ نِصْفَهُ إِلَى الْآخَرَيْنِ أَوْ يَفْدِيهِ بِعَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا عَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ

ان دونوں میں سے ہر ایک کے، تو مولیٰ دیدے گا اس کا نصف دوسرے دو کو یا اس کا فدیہ دے دس ہزار درہم؛ کیونکہ جب معاف کیا دو ولیوں میں سے ایک نے

كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سَقَطَ الْقِصَاصُ وَانْقَلَبَ مَالًا فَصَارَ كَمَا لَوْ وَجَبَ الْمَالُ مِنَ الِابْتِدَاءِ ، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّهُمْ

ان دونوں میں سے ہر ایک کے تو ساقط ہوا قصاص، اور ہو گیا مال، پس ہو گیا جیسا کہ اگر واجب ہو مال ابتداءً، اور یہ اس لیے کہ ان کا حق

فِي الرَّقَبَةِ أَوْ فِي عِشْرِينَ أَلْفًا وَقَدْ سَقَطَ نَصِيبُ الْعَافِيَيْنِ وَهُوَ النِّصْفُ وَبَقِيَ النِّصْفُ{۲} فَإِنْ كَانَ قَتَلَ

رقبہ میں ہے یا بیس ہزار درہم میں ہے، اور ساقط ہوا معاف کرنے والوں کا حصہ ہے اور وہ نصف ہے تو باقی رہا نصف۔ اور اگر قتل کیا ہو

أَحَدَهُمَا عَمْدًا وَالْآخَرَ خَطَأً فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ فَإِنْ فَدَاهُ

دونوں میں سے ایک کو عمداً اور دوسرے کو خطاءً، پس معاف کر دیا عمد کے دو ولیوں میں سے ایک نے، تو اگر اس کا فدیہ دینا چاہے

الْمَوْلَى فَدَاهُ بِخَمْسَةَ عَشَرَ أَلْفًا خَمْسَةُ آلَافٍ لِلَّذِي لَمْ يَعْفُ مِنْ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ وَعَشَرَةُ آلَافٍ لِوَلِيَّيِ الْخَطَإِ؛

مولیٰ تو فدیہ دے پندرہ ہزار، پانچ ہزار عمد کے اس کو جس نے معاف نہیں کیا ہے عمد کے دو ولیوں میں، اور دس ہزار خطاء کے ولی کو

لِأَنَّهُ لَمَّا انْقَلَبَ الْعَمْدُ مَالًا كَانَ حَقُّ وَلِيَّيِ الْخَطَإِ فِي كُلِّ الدِّيَةِ عَشَرَةَ آلَافٍ، وَحَقُّ أَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ فِي نِصْفِهَا خَمْسَةَ آلَافٍ

کیونکہ جب عمد مال سے بدل گیا تو ہو گا خطاء کے ولی کا حق پوری دس ہزار دیت میں، اور عمد کے ایک ولی کا حق اس کے نصف پانچ ہزار میں

وَلَا تَضَايُقَ فِي الْفِدَاءِ فَيَجِبُ خَمْسَةَ عَشَرَ أَلْفًا{۳} وَإِنْ دَفَعَهُ دَفَعَهُ إِلَيْهِمْ أَثْلَاثًا : ثُلُثَاهُ لِوَلِيَّيِ الْخَطَإِ،

اور کوئی تنگی نہیں ہے فدیہ میں، لہٰذا واجب ہو گی پندرہ ہزار دیت۔ اور اگر غلام دینا چاہے تو دیدے مقتولوں کے اولیاء کو اثلاثاً، دو ثلث خطاء کے ولیوں کو

وَثُلُثُهُ لِغَيْرِ الْعَافِي مِنْ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا : يَدْفَعُهُ أَرْبَاعًا : ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ لِوَلِيَّيِ الْخَطَإِ،

اور ایک ثلث معاف نہ کرنے والے عمد کے معاف نہ کرنے والے ولی کو امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا: دیدے گا ارباعاً، تین ربع خطاء کے دو ولیوں کو

وَرُبُعُهُ لِوَلِيِّ الْعَمْدِ ﴿۴﴾ فَالْقِسْمَةُ عِنْدَهُمَا بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ، فَيُسَلِّمُ النِّصْفُ لِوَلِيِّ الْخَطَإِ بِلَا مُنَازَعَةٍ ، وَاسْتَوَتْ

اور ایک ربع عمد کے ولی کو، پس تقسیم ان کے ہاں بطریق منازعت ہوگی پس دیدیا جائے گا نصف خطاء کے دو ولیوں کو بلا منازعہ اور برابر ہو گیا

مُنَازَعَةُ الْفَرِيقَيْنِ فِي النِّصْفِ الْآخَرِ فَيَتَنَصَّفُ ، فَلِهَذَا يُقَسَّمُ أَرْبَاعًا ﴿۵﴾ وَعِنْدَهُ

منازعہ دونوں فریقوں کا دوسرے نصف میں، پس تنصیف کی جائے گی، اس لیے تقسیم کیا جائے گا چار حصے کر کے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک

يُقَسَّمُ بِطَرِيقِ الْعَوْلِ وَالْمُضَارَبَةِ أَثْلَاثًا ، لِأَنَّ الْحَقَّ تَعَلَّقَ بِالرَّقَبَةِ أَصْلُهُ التَّرِكَةُ

تقسیم کی جائے گی عول اور ضرب کے طریقہ پر تین حصے کر کے؛ کیونکہ حق متعلق ہے غلام کی گردن کے ساتھ، اس کی اصل وہ ترکہ ہے

الْمُسْتَغْرَقَةُ بِالدُّيُونِ فَيُضْرَبُ هَذَا بِالْكُلِّ وَذَلِكَ بِالنِّصْفِ ، وَلِهَذِهِ الْمَسْأَلَةِ نَظَائِرُ وَأَضْدَادٌ

جو گھرا ہوا ہو قرضوں سے، پس شریک کیا جائے گا یہ کل کے حساب سے اور وہ نصف کے حساب سے اور اس مسئلہ کے نظائر اور اضداد ہیں

ذَكَرْنَاهَا فِي الزِّيَادَاتِ . ﴿۶﴾ قَالَ : وَإِذَا كَانَ عَبْدٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَتَلَ مَوْلًى لَهُمَا أَيْ قَرِيبًا لَهُمَا

جن کو ہم نے ذکر کیا ہے زیادات میں۔ فرمایا: اور اگر ایک غلام دو لوگوں میں مشترک ہو اور اس نے قتل کر دیا دونوں کا مولی یعنی کوئی قریب ان دونوں کا

فَعَفَا أَحَدُهُمَا بَطَلَ الْجَمِيعُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يَدْفَعُ الَّذِي

اور معاف کر دیا ان دونوں میں سے ایک نے تو باطل ہو جائے گا پورا خون امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا: کہ دیدے گا وہ

عَفَا نِصْفَ نَصِيبِهِ إِلَى الْآخَرِ أَوْ يَفْدِيهِ بِرُبُعِ الدِّيَةِ ، وَذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ قَتَلَ وَلِيًّا

جس نے معاف کیا اپنا حصہ دوسرے کو یا فدیہ دے گا اس کا ربع دیت کے ساتھ، اور مذکور ہے بعض نسخوں میں: قتل کر دیا کوئی ولی

لَهُمَا ، وَالْمُرَادُ الْقَرِيبُ أَيْضًا ، وَذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ قَوْلَ مُحَمَّدٍ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ ، ﴿۷﴾ وَذَكَرَ

ان دونوں کا، اور مراد اس سے بھی قریبی شخص ہے، اور مذکور ہے بعض نسخوں میں امام محمدؒ کا قول امام صاحبؒ کے ساتھ، اور ذکر کیا ہے

فِي الزِّيَادَاتِ : عَبْدٌ قَتَلَ مَوْلَاهُ وَلَهُ ابْنَانِ فَعَفَا أَحَدُ الِابْنَيْنِ بَطَلَ ذَلِكَ كُلُّهُ

زیادات میں کہ غلام نے قتل کیا اپنے مولی کو اور اس کے دو بیٹے ہوں، پس معاف کیا دونوں بیٹوں میں سے ایک نے تو باطل ہو گا یہ سب

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ الْجَوَابُ فِيهِ كَالْجَوَابِ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ. وَلَمْ يَذْكُرِ اخْتِلَافَ الرِّوَايَةِ

طرفینؒ کے نزدیک، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا حکم جیسے متن کے مسئلہ کا حکم ہے، اور امام محمدؒ نے ذکر نہیں کیا ہے اختلاف روایت کو

﴿۸﴾ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ حَقَّ الْقِصَاصِ ثَبَتَ فِي الْعَبْدِ عَلَى سَبِيلِ الشُّيُوعِ، لِأَنَّ مِلْكَ الْمَوْلَى لَا يَمْنَعُ اسْتِحْقَاقَ الْقِصَاصِ

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حق قصاص ثابت ہے غلام میں بطریق شیوع؛ کیونکہ ملکِ مولیٰ مانع نہیں استحقاق قصاص سے اس کے لیے

فَإِذَا عَفَا أَحَدُهُمَا انْقَلَبَ نَصِيبُ الْآخَرِ وَهُوَ النِّصْفُ مَالًا ، غَيْرَ أَنَّهُ شَائِعٌ فِي الْكُلِّ فَيَكُونُ

پس جب معاف کیا دونوں میں سے ایک نے تو بدل جائے گا دوسرے کا حصہ اور وہ نصف ہے مال ہو کر، البتہ یہ شائع ہے کل میں تو ہو گا

نِصْفُهُ فِي نَصِيبِهِ وَالنِّصْفُ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ ، فَمَا يَكُونُ فِي نَصِيبِهِ سَقَطَ ضَرُورَةَ

اس کا نصف اس کے حصہ میں اور نصف اس کے ساتھی کے حصہ میں، تو جو ہو گا اس کے حصہ میں وہ ساقط ہو جائے گا اس ضرورت سے

أَنَّ الْمَوْلَى لَا يَسْتَوْجِبُ عَلَى عَبْدِهِ مَالًا ، وَمَا كَانَ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ بَقِيَ وَنِصْفُ النِّصْفِ هُوَ الرُّبْعُ فَلِهَذَا

کہ مولیٰ مستحق نہیں ہوتا ہے اپنے غلام پر مال کا، اور جو ہو گا اس کے ساتھی کے حصہ میں وہ باقی رہے گا، اور نصف کا نصف ربع ہے، اس لیے

يُقَالُ : ادْفَعْ نِصْفَ نَصِيبِكَ أَوِ افْتَدِهِ بِرُبْعِ الدِّيَةِ . {۹} وَلَهُمَا أَنَّ مَا يَجِبُ مِنَ الْمَالِ يَكُونُ حَقَّ الْمَقْتُولِ

اس سے کہا جائے گا کہ دیدو نصف اپنے حصے کا یا فدیہ دیدو ربع دیت سے۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو مال واجب ہوتا ہے وہ مقتول کا حق ہوتا ہے

لِأَنَّهُ بَدَلُ دَمِهِ ، وَلِهَذَا تُقْضَى مِنْهُ دُيُونُهُ وَتُنَفَّذُ بِهِ وَصَايَاهُ،

کیونکہ وہ بدل ہے اس کے خون کا، اسی لیے ادا کئے جائیں گے اس سے اس کے قرضے، اور نافذ کی جاتی ہیں اس سے اس کی وصیتیں،

ثُمَّ الْوَرَثَةُ يَخْلُفُونَهُ فِيهِ عِنْدَ الْفَرَاغِ مِنْ حَاجَتِهِ وَالْمَوْلَى لَا يَسْتَوْجِبُ عَلَى عَبْدِهِ دَيْنًا

پھر ورثہ اس کے خلیفہ ہوتے ہیں اس میں اس کی حاجت سے فارغ ہونے کے وقت، اور مولیٰ مستحق نہیں ہوتا ہے اپنے غلام پر دَین کا

فَلَا تَخْلُفُهُ الْوَرَثَةُ فِيهِ .

پس اس کے خلیفہ نہیں ہوں گے ورثہ اس میں۔

تشریح: {۱} اگر ایک غلام نے دو شخصوں کو عمداً قتل کیا اور ان دونوں مقتولین میں سے ہر ایک کے دو دو ولی ہیں پس ہر ایک کے دونوں ولیوں میں سے ایک ایک نے غلام کو معاف کر دیا تو مولیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے تو قاتل غلام کا نصف ان دونوں باقی ولیوں کو دیدے، اور چاہے تو غلام کے فدیہ میں دس ہزار درہم دیدے؛ کیونکہ جب دونوں مقتولین کے ولیوں میں سے ایک ایک نے قاتل کو معاف کیا تو قصاص ساقط ہو گیا اور باقیوں کا حق بدل کر مال ہو گیا پس یہ قتل ایسا ہو گا جیسے ابتداء سے مال واجب ہوا ہو؛ پھر نصف غلام یا دس ہزار درہم دینے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مقتولوں کے اولیاء کا حق اس غلام کے رقبہ میں تھا یا بیس ہزار درہم میں تھا اور اس میں سے دونوں معاف کرنے والوں کا حصہ ساقط ہو گیا اور وہ نصف تھا تو مطالبہ کرنے والوں کے لیے فقط نصف باقی رہا اور یہ نصف غلام یا دس ہزار درہم ہیں لہٰذا مولیٰ کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو نصف غلام دیدے یا دس ہزار درہم دیدے۔

{۲} اگر اس غلام نے دونوں مقتولوں میں سے ایک کو عمداً اور دوسرے کو خطاءً قتل کیا ہو پھر مقتول عمد کے دو ولیوں میں سے ایک نے قاتل غلام کو معاف کیا تو اس کے مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو دونوں ولی جنایت کو غلام دے یا غلام کا فدیہ دے، پس اگر مولیٰ نے اس کا فدیہ دیا تو پندرہ ہزار درہم دے جن میں سے پانچ ہزار درہم عمد کے دو ولیوں میں سے اس ولی کے ہیں جس نے معاف نہیں کیا ہے اور دس ہزار درہم مقتولِ خطاء کے دونوں ولیوں کے لیے ہیں؛ کیونکہ جب عفو کی وجہ سے قتل عمد بھی بدل کر مال ہو گیا تو مقتول خطاء کے دونوں ولیوں کا حق پوری دیت یعنی دس ہزار درہم ہے اور مقتولِ عمد کے دونوں ولیوں میں سے جس نے معاف نہیں کیا اس کا حق پانچ ہزار درہم ہے اور واضح رہے کہ فدیہ دینے میں کوئی تنگی نہیں ہے؛ کیونکہ فدیہ ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور ذمہ اس قابل ہے کہ اس میں اموالِ کثیرہ واجب ہوں، لہٰذا پندرہ ہزار درہم واجب ہوں گے۔

{۳} اگر مولیٰ نے ولی جنایت کو یہ غلام دینا منظور کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو تین تہائی کر کے دیدے دو تہائی مقتول خطاء کے ولیوں کو اور ایک تہائی مقتولِ عمد کے دو ولیوں میں سے اس ولی کو دیدے جس نے عفو نہیں کیا ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو چار حصہ کر کے دیدے ان میں سے تین چوتھائی مقتولِ خطا کے دونوں ولیوں کو اور ایک چوتھائی مقتولِ عمد کے اس ولی کو دیدے جس نے عفو نہیں کیا ہے۔

{۴} پس صاحبینؒ کے نزدیک یہ تقسیم بطریق منازعت ہے پس دونوں وارثانِ خطاء کے لیے نصف غلام بلا منازعت سالم ہوگا اور باقی نصف میں دونوں فریقین کی منازعت قائم ہوگی پس وہ نصف نصف کر دیا جائے گا یعنی اس میں سے بھی ایک نصف مقتولِ خطاء کے ولیوں کو ملے گا، لہٰذا اس غلام کے چار حصے کئے جائیں گے جن میں سے تین حصے وارثانِ خطاء کو اور ایک حصہ عمد کے اس ولی کو ملے گا جس نے عفو نہیں کیا ہے۔

{۵} اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ تقسیم عول اور ضرب (اخذ) کے طور پر تین تہائی ہوگی یعنی مستحقین کے حصص کے بقدر غلام کے حصے بنائے جائیں گے پھر ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک فریق کا حق غلام کی گردن سے وابستہ ہے یعنی چونکہ یہاں مستحقین تین ہیں دو مقتول خطاء کے ولی ہیں اور ایک مقتولِ عمد کا ولی ہے مقتولِ عمد کے دوسرے ولی نے اپنا حصہ معاف کر دیا ہے اور مستحقین کا حق غلام کی گردن کے ساتھ وابستہ ہے پس ولیانِ خطاء کو کل کے حساب سے شریک کیا جائے گا اور ولی عمد کو نصف کے حساب سے شریک کیا جائے گا لہٰذا غلام کے تین حصے کر کے دو حصے مقتولِ خطاء کے دو ولیوں کو دئے جائیں گے اور ایک حصہ مقتولِ عمد کے ولی کو دیا جائے گا، امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی اصل وہ دَین ہے جو میت کے ترکے کو محیط ہو مثلاً ایک

شخص مر گیا اور اس پر لوگوں کے اتنے قرضے ہوں کہ اس کے ترکے سے ان قرضوں کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں بھی بطریق عول میت کا ترکہ تقسیم کیا جائے گا تاکہ ہر ہر قرضخواہ کو ترکے میں سے اس کا حصہ مل جائے، اسی طرح یہاں بھی عول کا مذکورہ بالا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب "زیادات" میں بیان کر دیا ہے۔ زیادات کے نام سے کئی علماء نے کتابیں لکھی ہیں ان میں سے صاحبِ محیط، قاضی خان، علامہ عتابی اور صاحبِ ہدایہ" وغیرہ ہیں۔

{۶} اگر غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو پس اس نے اپنے دونوں مولاؤں کے کسی ولی یعنی قریب کو قتل کیا پھر دونوں میں سے ایک نے اس غلام کو معاف کیا تو امام ابو حنیفہ" کے نزدیک دوسرے کا حق مال اور جان دونوں میں باطل ہو گیا۔ اور صاحبین" فرماتے ہیں کہ جس شخص نے معاف کیا ہے وہ اپنا نصف حصہ دوسرے کو دیدے یا چوتھائی دیت سے اس کا فدیہ دے، بعض نسخوں میں بجائے مولیٰ کے لفظِ ولی مذکور ہے جس کا بھی یہی معنی ہے کہ دو آدمیوں کے قریب کو قتل کیا، اور بعض نسخوں میں امام محمد" کا قول امام ابو حنیفہ" کے ساتھ مذکور ہے اور یہاں امام ابو یوسف" کے ساتھ مذکور ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے کہ امام محمد" امام ابو یوسف" کے ساتھ ہیں۔

{۷} اور زیادات میں مذکور ہے کہ ایک غلام نے اپنے مولیٰ کو قتل کیا اور اس کے دو بیٹے ہیں جن میں سے ایک نے غلام کو معاف کیا تو طرفین" کے نزدیک دوسرے کا حق مال اور جان دونوں میں باطل ہو گیا اور امام ابو یوسف" کے نزدیک اس میں بھی وہی حکم ہے جو کتاب کے مذکورہ مسئلہ میں صاحبین" کا مسلک بیان کیا گیا ہے۔ زیادات میں روایت کا اختلاف مذکور نہیں ہے بلکہ واضح طور پر طرفین کا الگ مسلک اور امام ابو یوسف کا الگ مسلک بیان کر دیا ہے۔

{۸} امام ابو یوسف" کی دلیل یہ ہے کہ غلام میں حقِ قصاص اس طرح ثابت ہوا تھا کہ تمام غلام میں بطور شائع پھیلا ہوا تھا؛ کیونکہ یہاں مقتول کے دو بیٹے اس غلام کے مالک ہو گئے اور مولیٰ کی ملکیت اس امر سے مانع نہیں ہے کہ مولیٰ کے لیے اپنے مملوک میں قصاص واجب ہو لہٰذا ان دونوں کو قصاص لینے کا حق ہو گا پس جب مقتول کے دونوں ولیوں میں سے ایک نے معاف کیا تو دوسرے کا نصف حصہ بھی بدل کر مال ہو گیا البتہ اتنی بات ہے کہ یہ کل غلام میں پھیلا ہوا ہے؛ کیونکہ انقسام نہیں ہوا ہے تو اس نصف میں سے بھی آدھا اس کے حصہ میں اور آدھا دوسرے یعنی معاف کرنے والے کے حصہ میں ہو گا پھر جس قدر اس کے حصہ میں پڑا یعنی ایک چوتھائی تو وہ ساقط ہو گیا؛ کیونکہ یہ کھلی بات ہے کہ مولیٰ اپنے غلام پر اپنے لیے کچھ مال واجب نہیں کر سکتا رہا وہ ربع جو معاف کرنے والے کے حصہ میں ہے وہ باقی ہے اور چونکہ اس کا حصہ نصف ہے اور اس کا نصف ایک ربع بنتا ہے لہٰذا معاف کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تو اپنے نصف حصہ کا آدھا (ربع) اس کو دیدو یا چوتھائی دیت سے اس کا فدیہ دیدو۔

{۹} طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جو مال واجب ہوتا ہے وہ مقتول کا حق ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ مال اس کے خون کا عوض ہے
وجہ سے اس مال سے مقتول کے قرضے دیئے جاتے ہیں اور اس کی وصیتیں پوری کی جاتی ہیں اور مقتول کی حاجت سے فارغ ہونے
بعد بقیہ میں اس کے ورثہ اس کے خلیفہ ہوں گے اور چونکہ مولیٰ اپنے غلام پر قرضہ کا استحقاق نہیں رکھتا تو اس مال میں مولیٰ کے
اس کے قائم مقام نہ ہوں گے اس لیے دوسرے کا حق مال اور جان دونوں میں باطل ہو گیا۔

فتویٰ:۔امام صاحب" کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد القادر النعمانی:القول الراجح ھو قول ابی حنیفة
العلامة ابراھیم الحلبی ذکرہ اولاً فی کتابہ فقال وان قتل عبدٌ لاثنین قریباً لھما فعفا احدھما بطل الکل
یدفع العافی نصف نصیبہ الی الآخر(القول الراجح:2ص360)۔

فَصْلٌ

یہ فصل غلام پر جنایت کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنف" غلام کی جنایت کے بیان سے فارغ ہو گئے تو غلام پر کیے گئے جنایت کے احکام کو شروع فرمایا چونکہ غلام کی جنایت
غلام فاعل ہے اور غلام پر جنایت میں غلام مفعول ہے پس جانب فاعلیت کو ترجیح دیتے ہوئے اول قسم کے احکام کو مقدم کیا۔

{۱} وَمَنْ قَتَلَ عَبْدًا خَطَأً فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ لَا تُزَادُ عَلَى عَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ ، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَ

اور جس نے قتل کیا غلام کو خطاء، تو اس پر واجب ہو گی مقتول کی قیمت، جو زائد نہ ہو گی دس ہزار درہم سے، پس اگر ہو اس کی قیمت دس ہزار

أَوْ أَكْثَرَ قُضِيَ لَهُ بِعَشَرَةِ آلَافٍ إِلَّا عَشَرَةً، وَفِي الْأَمَةِ إِذَا زَادَتْ قِيمَتُهَا عَلَى الدِّيَةِ خَمْسَةَ آلَافٍ إِلَّا عَشَرَةً ،

یا زیادہ، تو حکم کیا جائے اس کے لیے دس ہزار کا مگر دس، اور باندی میں جب بڑھ جائے اس کی قیمت دیت پر پانچ ہزار کا مگر دس، اور یہ

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ : تَجِبُ قِيمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ ، وَلَوْ غَصَبَ

طرفین" کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسف" اور امام شافعی" نے واجب ہو گی اس کی قیمت خواہ جتنی بھی ہو، اور اگر غصب کیا ایسے غلا

قِيمَتُهُ عِشْرُونَ أَلْفًا فَهَلَكَ فِي يَدِهِ تَجِبُ قِيمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ بِالْإِجْمَاعِ . {۲}

جس کی قیمت بیس ہزار ہے، پس وہ ہلاک ہو گیا اس کے قبضہ میں تو واجب ہو گی اس کی قیمت جتنی بھی ہو بالاتفاق۔ امام ابو یوسف" اور امام شافعی" کی دلیل

أَنَّ الضَّمَانَ بَدَلُ الْمَالِيَّةِ وَلِهَذَا يَجِبُ لِلْمَوْلَى وَهُوَ لَا يَمْلِكُ الْعَبْدَ إِلَّا مِنْ حَيْثُ الْمَا

کہ ضمان مالیت کا بدل ہے ، اسی لیے واجب ہوتا ہے مولیٰ کے لیے اور مولیٰ مالک نہیں ہوتا ہے غلام مگر مالیت کے اعتبار سے،

وَلَوْ قُتِلَ الْعَبْدُ الْمَبِيعُ قَبْلَ الْقَبْضِ يَبْقَى الْعَقْدُ وَبَقَاؤُهُ بِبَقَاءِ الْمَالِيَّةِ أَصْلًا أَوْ

اور اگر قتل کر دیا گیا مبیع غلام قبضہ سے پہلے تو باقی رہے گا عقد، اور اس کی بقاء مالیت کی بقاء سے ہے خواہ اصل کے اعتبار سے ہو یا بدل کے اعتبار سے

قَلِيلِ الْقِيمَةِ وَكَالْغَصْبِ. ﴿٣﴾ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ قَوْلُه تَعَالَى { وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ }

ہو گیا جیسے قلیل القیمۃ اور جیسے غصب۔ اور طرفینؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور خون بہا ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے گا"

مُطْلَقًا ، وَهِيَ اسْمٌ لِلْوَاجِبِ بِمُقَابَلَةِ الْآدَمِيَّةِ ،﴿٤﴾ وَلِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْآدَمِيَّةِ

واجب کی ہے دیت مطلقاً اور وہ نام ہے اس واجب کا جو آدمیت کے مقابلے میں ہو، اور اس لیے کہ اس میں آدمیت کا معنی ہے

كَانَ مُكَلَّفًا ، وَفِيهِ مَعْنَى الْمَالِيَةِ ، وَالْآدَمِيَّةُ أَعْلَاهُمَا فَيَجِبُ اعْتِبَارُهَا بِإِهْدَارِ الْأَدْنَى

کہ وہ مکلف ہے اور اس میں مالیت کا معنی بھی ہے، اور آدمیت ان دونوں میں سے اعلیٰ ہے، پس واجب ہو گا اس کا اعتبار ادنیٰ کو رائیگاں کرنے سے

عِنْدَ تَعَذُّرِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا﴿٥﴾ وَضَمَانُ الْغَصْبِ بِمُقَابَلَةِ الْمَالِيَةِ ، إِذِ الْغَصْبُ لَا يَرِدُ إِلَّا عَلَى الْمَالِ،

دونوں کے درمیان جمع متعذر ہونے کے وقت۔ اور غصب کا ضمان مالیت کے مقابلے میں ہے؛ اس لیے کہ غصب وارد نہیں ہوتا ہے مگر مال پر

وَبَقَاءُ الْعَقْدِ يَتْبَعُ الْفَائِدَةَ حَتَّى يَبْقَى بَعْدَ قَتْلِهِ عَمْدًا وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْقِصَاصُ بَدَلًا عَنِ الْمَالِيَةِ فَكَذَلِكَ

اور بقاءِ عقد پیچھے لاتی ہے فائدہ کو حتی کہ باقی رہتا ہے غلام کو عمداً قتل کرنے کے بعد، اگرچہ قصاص مالیت کا بدل نہیں ہے، پس اسی طرح

فِي الدِّيَةِ ، ﴿٦﴾ وَفِي قَلِيلِ الْقِيمَةِ الْوَاجِبِ بِمُقَابَلَةِ الْآدَمِيَّةِ إِلَّا أَنَّهُ لَا سَمْعَ فِيهِ فَقَدَّرْنَاهُ

دیت ہے، اور قلیل القیمۃ میں واجب آدمیت کے مقابلے میں ہوتا ہے، البتہ کوئی نص نہیں ہے اس میں، پس ہم نے اس کا اندازہ لگایا

بِقِيمَتِهِ رَأْيًا ، بِخِلَافِ كَثِيرِ الْقِيمَةِ لِأَنَّ قِيمَةَ الْحُرِّ مُقَدَّرَةٌ بِعَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَنَقَصْنَا مِنْهَا فِي الْعَبْدِ

اس کی قیمت کے ساتھ رائے سے، بر خلاف کثیر القیمۃ کے؛ کیونکہ آزاد کی قیمت مقدر ہے دس ہزار کے ساتھ، اور ہم نے کم کر دیا ان سے غلام میں

إِظْهَارًا لِانْحِطَاطِ رُتْبَتِهِ ، وَتَعْيِينُ الْعَشَرَةِ بِأَثَرِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا . ﴿٧﴾ قَالَ : وَفِي يَدِ الْعَبْدِ

انحطاط ظاہر کرتے ہوئے اس کے رتبے کا اور دس کا تعین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر کی وجہ سے ہے۔ فرمایا: اور غلام کے ہاتھ میں

نِصْفُ قِيمَتِهِ لَا يُزَادُ عَلَى خَمْسَةِ آلَافٍ إِلَّا خَمْسَةً ؛ لِأَنَّ الْيَدَ مِنَ الْآدَمِيِّ نِصْفُهُ فَتُعْتَبَرُ

اس کی نصف قیمت واجب ہے جو زائد نہیں کی جائے گی پانچ کے علاوہ پانچ ہزار سے؛ کیونکہ آدمی کا ہاتھ اس کا نصف ہوتا ہے پس قیاس کیا جائے گا

بِكُلِّهِ ، وَيُنْقَصُ هَذَا الْمِقْدَارُ إِظْهَارًا لِانْحِطَاطِ رُتْبَتِهِ ، وَكُلُّ مَا يُقَدَّرُ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ فَهُوَ مُقَدَّرٌ

کل پر، اور کم کی جائے گی یہ مقدار انحطاط ظاہر کرتے ہوئے غلام کے رتبے کا، اور ہر وہ جنایت جو مقدر ہو آزاد کی دیت سے تو وہ مقدر ہو گی

مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ لِأَنَّ الْقِيمَةَ فِي الْعَبْدِ كَالدِّيَةِ فِي الْحُرِّ إذْ هُوَ بَدَلُ الدَّمِ عَلَى مَا قَرَّرْ

غلام کی قیمت سے؛ کیونکہ قیمت غلام میں دیت کی طرح ہے آزاد میں؛ اس لیے کہ وہ خون کا بدل ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے اس کو

{۸}وَإِنْ غَصَبَ أَمَةً قِيمَتُهَا عِشْرُونَ أَلْفًا فَمَاتَتْ فِي يَدِهِ فَعَلَيْهِ تَمَامُ قِيمَتِهَا لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ ضَمَانَ الْغَصْبِ ضَمَانُ الْمَالِ

اور اگر غصب کرلی ایسی باندی جس کی قیمت بیس ہزار ہے، پس وہ مرگئی اس کے قبضہ میں، تو اس پر اس کی پوری قیمت ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ غصب کا ضمان ضمان مالیت ہوتا ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی نے دوسرے کا غلام خطاءً قتل کیا تو قاتل پر مقتول غلام کی قیمت واجب ہوگی لیکن دس ہزار درہم سے زیادہ نہ کی جائے گی، پس اگر اس غلام کی قیمت دس ہزار درہم یا زیادہ ہو تو قاتل پر مولیٰ کے لیے دس درہم کم دس ہزار درہم کا حکم دیا جائے گا۔اور اگر باندی کو قتل کیا ہو تو اس صورت میں اگر باندی کی قیمت عورتوں کی دیت سے زائد ہو تو دس درہم کم پانچ ہزار درہم کا حکم دیا جائے گا، اور یہ طرفینؒ کا قول ہے۔امام ابو یوسفؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پوری قیمت واجب ہوگی چاہے جس مقدار کو پہنچے۔
اور اگر کسی نے بیس ہزار درہم کا ایک غلام غصب کیا اور وہ غاصب کے قبضہ میں مر گیا تو بالاتفاق اس کی پوری قیمت واجب ہوگی چاہے جس مقدار تک پہنچے۔

{۲}امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ضمان غلام کی مالیت کا بدل ہے اور مالیت کا بدل قیمت سے دیا جاتا ہے چاہے قیمت جتنی بھی ہو۔باقی ضمان مالیت کا بدل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ تاوان غلام کے مولیٰ کے لیے واجب ہوتا ہے تو یہ مالیت کا بدل ہے ورنہ اگر خون کا بدل ہوتا تو غلام کے لیے واجب ہوتا، اور مولیٰ کی ملکیت اس غلام میں صرف مالیت ہی کے اعتبار سے ہوتی ہے آدمیت کے اعتبار سے نہیں ہوتی ہے۔اور ضمان بدلِ مالیت ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر غلام کو فروخت کیا اور مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے اس کو کسی نے قتل کیا تو عقدِ بیع باقی رہتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ یہاں تو غلام نہیں رہا پھر عقدِ بیع کیسے باقی رہتا ہے؟ جواب یہ ہے عقد کا باقی رہنا صرف مالیت باقی رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ اصل مبیع باقی رہے یا اس کا عوض (قاتل پر واجب ضمان) باقی رہے دونوں صورتوں میں عقد باقی رہتا ہے؛ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں مالیت برقرار ہے اور مالیت کا بدل قیمت سے دیا جاتا ہے چاہے قیمت جتنی بھی ہو لہذا پوری قیمت واجب ہوگی، اور یہ صورت ایسی ہے جیسے غلام کی قیمت دیت (دس ہزار) سے کم ہونے کی صورت میں پوری قیمت واجب ہوتی ہے اور جیسے غصب کی صورت میں چاہے مغصوب کی جس قدر قیمت ہو سب واجب ہوتی ہے، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی پوری قیمت واجب ہوگی۔

{۳}طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ[1]﴾(اور خون بہا ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے گا)یعنی خطاء مقتول کے وارثوں کو دیت دی جائے گی، آیتِ مذکورہ میں دیت مطلقاً واجب فرمائی آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور دیت اس مال کا نام ہے جو آدمیت کے مقابلے میں واجب ہونہ کہ مالیت کے مقابلے لہذا یہاں ضمان مالیت کا بدل نہیں ہے بلکہ آدمیت کا بدل ہے اس لیے مذکورہ صورت میں غلام کی قیمت اگر دیت (دس ہزار درہم) کے برابر یا زائد ہو تو اس سے کم کیا جائے گا تاکہ آزاد اور غلام میں فرق ظاہر ہو۔

{۴}دوسری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ غلام میں آدمیت کا معنی بھی موجود ہے حتی کہ وہ بلا خلاف احکام اسلام کا مکلف ہے اور اس میں مالیت کا معنی بھی موجود ہے حتی کہ اس پر بلا خلاف ملکیت وارد ہوئی ہے، اور ان دونوں معانی میں سے مالیت کے معنی سے آدمیت کا معنی اعلیٰ ہے تو جہاں آدمیت اور مالیت دونوں کو جمع نہ کیا جاسکتا ہو کہ آدمیت کے اعتبار سے دیت دی جائے اور مالیت کے اعتبار سے قیمت دی جائے بلکہ دونوں میں سے ایک ہی معنی معتبر ہو تو ضروری ہے کہ اعلیٰ (آدمیت) کا اعتبار کیا جائے اور ادنیٰ (مالیت) کو چھوڑ دیا جائے، اس لیے مالیت معتبر نہیں ہے بلکہ آدمیت معتبر ہے اور آدمیت کے اعتبار سے دیت واجب ہوگی البتہ آزاد اور غلام میں فرق کرنے کے لیے ہم نے دیت میں سے دس درہم کو گھٹا دیا۔

{۵}رہا غصب کا مسئلہ تو چونکہ غصب کا تاوان مالیت کے مقابلے میں ہوتا ہے؛ کیونکہ غصب تو مال ہی پر وارد ہوتا ہے آدمیت پر وارد نہیں ہوتا ہے اس لیے غصب میں مذکورہ مسئلہ کے برخلاف پوری قیمت واجب ہوگی۔ اور عقد بیع باقی رہنا مالیت کی بقاء کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک فائدے کے پیش نظر ہے وہ یہ کہ اگر عقد باقی رہا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ چاہے قاتل سے قصاص لے اور چاہے بیع کو فسخ کردے حتی کہ عمداً غلام کو قتل کرنے کے بعد بھی عقد باقی رہتا ہے؛ کیونکہ بقاء میں مشتری کی تخییر کا فائدہ ہے تو جس طرح کہ قصاص بالاتفاق مالیت کا بدل نہیں ہے اسی طرح دیت کا معاملہ بھی ہے کہ وہ بھی مالیت کا بدل نہیں ہے۔

{۶}رہا وہ غلام جس کی قیمت دیت سے کم ہو تو اس کے مقابلے میں بھی جو کچھ واجب ہے وہ آدمیت کے مقابلے میں واجب ہوگا البتہ اس کے بارے میں چونکہ کوئی نقلی دلیل نہیں تھی لہذا ہم نے رائے سے اس کی قیمت سے اس کا اندازہ کیا، باقی ایسا غلام جس کی قیمت دیت سے زائد ہو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ آزاد کی قیمت دس ہزار درہم کے بقدر مقرر کی گئی ہے تو ہم نے غلام میں

[1] النساء: 92.

دس ہزار سے کم کر دی تا کہ غلام کے رتبے کا انحطاط ظاہر ہو پس ہم نے دس ہزار سے دس درہم کم کر دیئے، اور دس درہم کی تو
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی وجہ کی ہے جس میں دس درہم کم کرنے کا ذکر ہے۔

فتوی:۔ طرفین کا قول راجح ہے لما فی الدر المنتقی: وعند ابی یوسف انہا قیمتہا بالغۃً مابلغت وبہ قال الشافعی. لنجع
علی الجانب حالاً، وعندہما علی العاقلۃ فی ثلاث سنین وھو الصحیح کمافی القہستانی عن الذخیرۃ (الدر المن
تحت مجمع الانہر: 4ص390)

﴿۷﴾ اور غلام کے ہاتھ کاٹنے میں اس کی نصف قیمت واجب ہو گی لیکن پانچ درہم کم پانچ ہزار سے زیادہ نہ کی جائے گی؛ کیو
آدمی میں سے ہاتھ اس کا نصف ہے پس کل پر اس کا قیاس ہو گا یعنی جو حکم کل غلام کے بارے میں ہے وہ اس کے نصف یعنی ہاتھ
ہو گا کل غلام میں دس کم دس ہزار درہم ہیں تو ہاتھ میں (جو کل کا نصف ہے) پانچ کم پانچ ہزار درہم ہوں گے، اور پانچ ہزار میں سے
درہم اس لیے کم کئے جائیں گے تا کہ غلام کے رتبہ کی کمی ظاہر ہو۔ واضح رہے کہ ہر وہ چیز جو آزاد کی دیت سے مقدر ہے وہ غلام کی قیم
سے مقدر ہو گی مثلاً آزاد کے موضحہ زخم میں دیت کا نصف عشر ہے تو غلام کے موضحہ میں اس کی قیمت کا نصف عشر ہو گا؛ کیونکہ غلام
حق میں قیمت ایسی ہے جیسے آزاد کے حق میں دیت ہے؛ کیونکہ آزاد کی دیت خون کا عوض ہے جیسا ہم نے سابق میں بیان کیا ہے۔

﴿۸﴾ اگر کسی شخص نے ایک ایسی باندی غصب کی جس کی قیمت بیس ہزار درہم ہیں پس وہ غاصب کے قبضہ میں مر گ
تو غاصب پر اس کی پوری قیمت واجب ہو گی؛ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ غصب کی وجہ سے جو تاوان واجب ہوتا ہے وہ مالیت کا تاوا
ہوتا ہے اور یہاں باندی کی مالیت بیس ہزار درہم ہیں تو یہ پورے بیس ہزار درہم واجب ہوں گے۔

﴿۱﴾قَالَ : وَمَنْ قَطَعَ يَدَ عَبْدٍ فَأَعْتَقَهُ الْمَوْلَى ثُمَّ مَاتَ مِنْ ذَلِكَ،

فرمایا: اور جس نے کاٹ دیا غلام کا ہاتھ، اور اس کو آزاد کیا مولی نے پھر وہ مر گیا اس سے

﴿۲﴾فَإِنْ كَانَ لَهُ وَرَثَةٌ غَيْرُ الْمَوْلَى فَلَا قِصَاصَ فِيهِ وَإِلَّا اُقْتُصَّ مِنْهُ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

تو اگر اس کے ورثہ ہوں مولی کے علاوہ، تو قصاص نہیں ہے اس میں، ورنہ قصاص لیا جائے گا قاطع سے، اور یہ شیخین کے نزدیک ہے،

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا قِصَاصَ فِي ذَلِكَ ، وَعَلَى الْقَاطِعِ أَرْشُ الْيَدِ ، وَمَا نَقَصَهُ ذَلِكَ إلَى أَنْ يُعْتِقَ

اور فرمایا امام محمدؒ نے قصاص نہیں ہے اس میں اور قاطع پر ہاتھ کا جرمانہ ہے اور وہ جو ناقص کرتے اس کو قطع یہاں تک کہ مولی اس کو آزاد کر دے

وَيَبْطُلُ الْفَضْلُ ﴿۳﴾وَإِنَّمَا لَمْ يَجِبِ الْقِصَاصُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لِاشْتِبَاهِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ ، لِأَنَّ الْقِصَاصَ يَجِبُ

اور باطل ہے زیادتی۔ اور واجب نہیں قصاص پہلی صورت میں؛ من لہ الحق کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے؛ اس لیے کہ قصاص واجب ہوتا ہے

عِنْدَالْمَوْتِ مُسْتَنِدًاإلَى وَقْتِ الْجُرْحِ،فَعَلَى اعْتِبَارِحَالَةِالْجُرْحِ يَكُونُ الْحَقُّ لِلْمَوْلَى،وَعَلَى اعْتِبَارِ الْحَالَةِالثَّانِيَةِ

موت کے وقت منسوب ہو کر وقتِ جرح کی طرف، تو حالتِ جرح کے اعتبار پر حق مولیٰ کے لیے ہوگا، اور حالتِ ثانیہ کے اعتبار پر

يَكُونُ لِلْوَرَثَةِ فَتَحَقَّقَ الِاشْتِبَاهُ وَتَعَذَّرَ الِاسْتِيفَاءُ فَلَا يَجِبُ عَلَى وَجْهٍ يُسْتَوْفَى وَفِيهِ الْكَلَامُ،

ورثہ کے لیے ہوگا پس متحقق ہوگا اشتباہ اور متعذر ہوگی وصولیابی، پس اس طریقے پر قصاص واجب نہ ہوگا جسے وصول کیا جاسکے اور اور گفتگو اسی میں ہے

وَاجْتِمَاعُهُمَا لَا يُزِيلُ الِاشْتِبَاهَ لِأَنَّ الْمِلْكَيْنِ فِي الْحَالَيْنِ ،{۴}بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ

اور دونوں کا اجتماع زائل نہیں کرتا ہے اشتباہ کو؛ کیونکہ دونوں ملکیتیں دو حالتوں میں ہیں، برخلاف اس غلام کے جس کی خدمت کی وصیت کی گئی ہو

لِرَجُلٍ وَبِرَقَبَتِهِ لِآخَرَ إذَا قُتِلَ ، لِأَنَّ مَا لِكُلٍّ مِنْهُمَا مِنَ الْحَقِّ ثَابِتٌ

ایک شخص کے لیے اور اس کے رقبہ کی دوسرے شخص کے لیے، جب قتل کر دیا جائے؛ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے جو حق ثابت ہے

مِنْ وَقْتِ الْجُرْحِ إلَى وَقْتِ الْمَوْتِ ، فَإِذَا اجْتَمَعَا زَالَ الِاشْتِبَاهُ . {۵}وَلِمُحَمَّدٍ فِي الْخِلَافِيَّةِ وَهُوَ مَا إذَا

وہ وقتِ جرح سے وقتِ موت تک ہے، پس جب وہ دونوں جمع ہو گئے تو اشتباہ زائل ہو گیا۔ اور امام محمدؒ کی دلیل اختلافی مسئلہ میں اور وہ یہ

لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ وَرَثَةٌ سِوَى الْمَوْلَى أَنَّ سَبَبَ الْوِلَايَةِ قَدْ اخْتَلَفَ لِأَنَّهُ الْمِلْكُ عَلَى اعْتِبَارِ إحْدَى الْحَالَتَيْنِ

کہ نہ ہوں غلام کے لیے ورثہ مولیٰ کے علاوہ، یہ ہے کہ سببِ ولایت مختلف ہے؛ اس لیے کہ سبب ملک ہے دو حالتوں میں سے ایک کے اعتبار پر

وَالْوِرَاثَةُ بِالْوَلَاءِ عَلَى اعْتِبَارِ الْأُخْرَى ، فَنُزِّلَ مَنْزِلَةَ اخْتِلَافِ الْمُسْتَحَقِّ فِيمَا

اور وراثت ہے ولاء کی وجہ سے دوسری حالت کے اعتبار سے، پس اتار دیا جائے گا مستحق کے اختلاف کے درجے میں ان امور میں

يُحْتَاطُ فِيهِ كَمَا إذَا قَالَ لِآخَرَ بِعْتنِي هَذِهِ الْجَارِيَةَ بِكَذَا فَقَالَ الْمَوْلَى زَوَّجْتُهَا

جن میں احتیاط کی جاتی ہے، جیسا کہ کوئی دوسرے سے کہے: تو نے فروخت کر دی میرے ہاتھ یہ باندی اتنے میں، اور مولیٰ نے کہا: میں نے اس کا نکاح کر دیا

مِنْك لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا{۶}وَلِأَنَّ الْإِعْتَاقَ قَاطِعٌ لِلسِّرَايَةِ ، وَبِانْقِطَاعِهَا

تجھ سے، تو حلال نہیں اس کے لیے اس سے وطی کرنا، اور اس لیے اعتاق قاطع ہے سرایت کرنے کے لیے، اور سرایت کے انقطاع سے

يَبْقَى الْجُرْحُ بِلَا سِرَايَةٍ ، وَالسِّرَايَةُ بِلَا قَطْعٍ فَيَمْتَنِعُ الْقِصَاصُ . {۷}وَلَهُمَا أَنَّا تَيَقَّنَّا

باقی رہتا ہے زخم بغیر سرایت کے، اور سرایت بغیر قطع کے، پس ممتنع ہو جائے گا قصاص۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے

بِثُبُوتِ الْوِلَايَةِ لِلْمَوْلَى فَيَسْتَوْفِيهِ وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْضِيَّ لَهُ مَعْلُومٌ وَالْحُكْمُ مُتَّحِدٌ فَوَجَبَ

ثبوتِ ولایت کا مولیٰ کے لیے پس وہ وصول کرے گا قصاص کو، اور یہ اس لیے کہ مقضی لہ معلوم ہے، اور حکم متحد ہے پس واجب ہے

الْقَوْلُ بِالِاسْتِيفَاءِ {٨} بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ ، لِأَنَّ الْمَقْضِيَّ لَهُ مَجْهُولٌ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ

قول کرنا استیفاءِ قصاص کا ، برخلافِ پہلی صورت کے ؛ کیونکہ مقضی لہ مجہول ہے، اور اعتبار نہیں اختلافِ سبب کا یہاں

لِأَنَّ الْحُكْمَ لَا يَخْتَلِفُ ، بِخِلَافِ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ لِأَنَّ مِلْكَ الْيَمِينِ يُغَايِرُ مِلْكَ النِّكَاحِ حُكْمًا

بلکہ من لہ الحق کے اشتباہ کی وجہ سے؛ کیونکہ حکم مختلف نہیں ہوتا ہے برخلاف اس مسئلے کے؛ کیونکہ ملکِ یمین مغائر ہے ملکِ نکاح کا حکماً

وَالْإِعْتَاقُ لَا يَقْطَعُ السِّرَايَةَ لِذَاتِهِ بَلْ لِاشْتِبَاهِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ {٩} وَذَلِكَ فِي الْخَطَإِ دُونَ الْعَمْدِ لِأَنَّ الْعَبْدَ لَا يَصْلُحُ

اور اعتاق قطع نہیں کرتا ہے سرایت کو بذاتِ خود بلکہ من لہ الحق کے اشتباہ کی وجہ سے، اور یہ خطاء میں ہے نہ کہ عمد میں؛ کیونکہ غلام صلاحیت نہیں رکھتا ہے

مَالِكًا لِلْمَالِ فَعَلَى اعْتِبَارِ حَالَةِ الْجُرْحِ يَكُونُ الْحَقُّ لِلْمَوْلَى، وَعَلَى اعْتِبَارِ حَالَةِ الْمَوْتِ يَكُونُ لِلْمَيِّتِ لِحُرِّيَّتِهِ

مال کے مالک ہونے کی تو حالتِ جرح کے اعتبار پر حق مولیٰ کے لیے ہوگا اور حالتِ موت کے اعتبار پر میت کے لیے اس کی حریت کی وجہ سے

فَيُقْضَى مِنْهُ دُيُونُهُ وَيُنَفَّذُ وَصَايَاهُ فَجَاءَ الِاشْتِبَاهُ . {١٠} أَمَّا الْعَمْدُ فَمُوجَبُهُ الْقِصَاصُ وَالْعَبْدُ مُبْقًى

پس ادا کیے جائیں گے اس سے اس کے قرضے، اور نافذ کی جائیں گی اس کی وصیتیں، پس اشتباہ پیدا ہو گیا۔ رہا عمد تو اس کا موجب قصاص ہے، اور غلام باقی ہے

عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِيهِ ، وَعَلَى اعْتِبَارِ أَنْ يَكُونَ الْحَقُّ لَهُ فَالْمَوْلَى هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّاهُ إِذْ لَا وَارِثَ لَهُ

اصلِ حریت پر اس بارے میں اور اس اعتبار پر کہ حق غلام ہی کا ہے تو مولیٰ ہی وہ ہے جو اس کا متولی ہے؛ اس لیے کہ کوئی وارث نہیں اس کا

سِوَاهُ فَلَا اشْتِبَاهَ فِيمَنْ لَهُ الْحَقُّ ، {١١} وَإِذَا امْتَنَعَ الْقِصَاصُ فِي الْفَصْلَيْنِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ يَجِبُ أَرْشُ الْيَدِ

مولیٰ کے علاوہ، لہٰذا اشتباہ نہیں ہے من لہ الحق میں۔ اور جب ممتنع ہوا قصاص دونوں صورتوں میں امام محمدؒ کے نزدیک تو واجب ہوگا ہاتھ کا ارش

وَمَا نَقَصَهُ مِنْ وَقْتِ الْجُرْحِ إِلَى وَقْتِ الْإِعْتَاقِ كَمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ حَصَلَ عَلَى مِلْكِهِ وَيَبْطُلُ الْفَضْلُ،

اور وہ جو اس کو ناقص کیا وقتِ جرح سے وقتِ اعتاق تک جیسا کہ ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ نقصان حاصل ہوا مولیٰ کی ملک پر، اور باطل ہو جائے گی زیادتی

وَعِنْدَهُمَا الْجَوَابُ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ كَالْجَوَابِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فِي الثَّانِي .

اور شیخینؒ کے نزدیک جواب پہلی صورت میں وہی ہے جو امام محمدؒ کے نزدیک دوسری صورت میں ہے۔

تشریح:۔ {١} اگر کسی شخص نے عمداً ایک غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر مولیٰ نے اپنے اس غلام کو آزاد کر دیا پھر وہ غلام اس زخم سے مر گیا تو اگر اس غلام کے مولیٰ کے علاوہ دوسرے وارث ہوں تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ غلام کے ہاتھ کا تاوان واجب ہوگا اور قطع

ید کے وقت سے آزادی کے وقت تک جو نقصان آیا ہے وہ واجب ہو گا۔ اور اگر مولیٰ کے علاوہ غلام کے دیگر ورثہ نہ ہوں تو ہاتھ کاٹنے والے سے قصاص لیا جائے گا اور یہ شیخین کا قول ہے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں قصاص نہیں ہے اور ہاتھ کاٹنے والے پر اس ہاتھ کا اور جو کچھ قطع ید کی وجہ سے آزاد کیے جانے تک اس کو نقصان پہنچا ہے اس کا جرمانہ واجب ہو گا اور اس تاوان سے اس کی قیمت تک جو زائد ہے وہ باطل ہو جائے گا۔

{۲} واضح رہے کہ مولیٰ کے علاوہ دیگر ورثہ موجود ہونے کی صورت میں قصاص اس وجہ سے واجب نہیں ہو گا کہ جس شخص کو قصاص حاصل کرنے کا حق ہے وہ مشتبہ ہے؛ کیونکہ موت کے وقت جو قصاص واجب ہوتا ہے وہ زخمی ہونے کے وقت کی جانب منسوب ہوتا ہے پس حالتِ جرح کے اعتبار سے قصاص کا حق مولیٰ کے لیے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ اس حالت میں وہ غلام کا مالک تھا اور حالتِ موت کے اعتبار سے قصاص کا حق اس کے وارثوں کے لیے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ موت کے وقت آزاد ہے اور آزاد کے قصاص کا حق اس کے ورثہ کو حاصل ہوتا ہے تو اشتباہ پیدا ہو گیا کہ قصاص کا حق مولیٰ کو ہے یا ورثہ کو ہے اس لیے قصاص وصول کرنا متعذر ہوا پس قصاص اگرچہ واجب ہوا لیکن اس طرح واجب نہیں ہے کہ اسے حاصل کیا جاسکے حالانکہ کلام اسی قصاص میں ہے جو اس طرح واجب ہو کہ اس کو وصول کیا جاسکے نہ کہ اصل وجوب میں؛ کیونکہ وجوبِ قصاص وصول کرنے کے لیے ہوتا ہے جب قصاص وصول نہیں کیا جاسکتا ہے تو وجوب کا اعتبار بھی ساقط ہو گا۔

{۳} سوال یہ ہے کہ شاید مولیٰ اور غلام کے ورثہ دونوں متفق ہو جائیں اور قصاص کا مطالبہ کریں یوں من لہ القصاص کا اشتباہ ختم ہو جائے گا؟ جواب یہ ہے کہ اگر مقتول کا مولیٰ اور اس کے ورثہ دونوں قصاص لینے پر متفق ہو جائیں تو یہ بھی اشتباہ دور نہیں کر سکتا؛ کیونکہ دونوں فریق میں سے ہر ایک کی ملکیت صرف ایک حالت میں منحصر ہے یعنی مولیٰ کے لیے ملکیت صرف زخمی ہونے کی حالت میں ہے موت کے وقت میں نہیں ہے اور ورثہ کے لیے ملکیت فقط موت کی حالت میں ہے زخمی ہونے کی حالت میں نہیں ہے تو دونوں فریق کے متفق ہونے سے ہر ایک کے لیے دائمی استحقاق ثابت نہ ہو گا پس ان کا اجتماع بھی مفید نہ ہو گا اس لیے مستحق اب بھی مخفی ہے۔

{۴} اس کے برخلاف اگر کسی غلام کی خدمت کی وصیت ایک شخص کے لیے کی گئی اور اس کے رقبہ کی وصیت دوسرے شخص کے لیے کی گئی پس یہ غلام اگر قتل کیا جائے تو ان دونوں کے متفق ہونے سے اشتباہ زائل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ دونوں موصی لہا میں سے ہر ایک کے لیے جو حق ثابت ہے وہ مجروح ہونے کے وقت سے موت تک ہے پس قتل عمد کی صورت میں دونوں فریق اگر قصاص لینے پر متفق ہوئے تو اشتباہ زائل ہو گا۔

{۵} پھر مختلف فیہ صورت یعنی جس صورت میں اس غلام کے مولیٰ کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو اس صورت میں امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت کا سبب مختلف ہو گیا؛ کیونکہ دو حالتوں (جرح اور موت کی حالتوں) میں سے ایک حالت (جرح کی حالت) کے اعتبار سے سبب مِلک ہے اور دوسری حالت (موت کی حالت) کے اعتبار سے ولاء کی وجہ سے وراثت ہے تو جس امر میں احتیاط کی جاتی ہے یعنی جو شبہہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا ہے اس میں اختلافِ اسباب کو اختلافِ مستحق کے درجے میں اتار دیا جاتا ہے جیسے کسی نے دوسرے سے کہا کہ تو نے میرے ہاتھ اس قدر ثمن کے عوض یہ باندی فروخت کی تھی، اور مولیٰ نے کہا کر نہیں! بلکہ میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح کیا تھا تو مشتری کو اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے؛ کیونکہ سببِ حلت مختلف ہے کہ ملک ہے یا نکاح ہے۔

{٦} دوسری وجہ یہ ہے کہ اعتاق کی وجہ سے سرایت کا حکم منقطع ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جس نے دوسرے کے غلام کو زخمی کیا پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کیا پھر وہ اس زخم سے مر گیا تو زخمی کرنے والے پر نہ قصاص ہے اور نہ قیمت ہے؛ کیونکہ اعتاق سے سرایت کا حکم منقطع ہو گیا، اور سرایت منقطع ہونے سے خالی جنایت بغیر سرایت کے باقی رہ جاتی ہے اور یہ سرایت بغیر قطع کے ہے اس لیے قصاص ممتنع ہو گا؛ کیونکہ یہ ایسا ہے گویا آفتِ سماوی سے تلف ہوا ہے۔

{۷} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ عمد کی صورت میں قصاص کی وصولی کی ولایت مولیٰ کو حاصل ہے پس وہی قصاص کو وصول کرے گا اور یہ اس لیے کہ یہاں جس کے لیے حکم کیا گیا ہے وہ معلوم ہے کہ مولیٰ ہے اور حکم (وصولی قصاص) بھی ایک ہے لہٰذا قصاص لینے کا قول واجب ہوا۔ باقی پہلی صورت (جس میں مولیٰ کے علاوہ ورثہ موجود ہوں) کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں بالاتفاق قصاص واجب نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اس میں جس شخص کے لیے قصاص کا حکم دیا جائے گا وہ مجہول ہے یہ معلوم نہیں کہ مولیٰ ہے یا ورثہ ہیں۔ باقی یہاں (دوسری صورت میں) سبب کے اختلاف (کہ مِلک ہے یا ولاء ہے) کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ کیونکہ حکم (وصولی قصاص) ہے اور حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا ہے وہ دونوں حالتوں میں متحد ہے۔

{۸} باقی باندی کے جس مسئلہ سے استشہاد پیش کیا تھا اس کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ ملکِ رقبہ اور ملکِ نکاح میں حکماً مغائرت ہے اس لیے کہ مِلکِ نکاح سے حلت مقصوداً ثابت ہوتی ہے جبکہ مِلکِ رقبہ سے کبھی حلت مقصوداً ثابت نہیں ہوتی ہے پس سبب کی طرح حکم بھی مختلف ہوا اس لیے اس باندی کے ساتھ وطی کی حلت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ باقی اعتاق کو جو قاطع سرایت

قرار دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتاق ایسی چیز ہے کہ وہ اپنی ذات سے سرایت کا قاطع نہیں ہے بلکہ سرایت اس لیے منقطع ہوئی کہ من لہ الحق مشتبہ ہے۔

فتوی: شیخین کا قول راجح ہے لما قال العلامة الحصکفی:(اقتص منه) عندهما (ان کان وارثه سیده فقط و الا فلا) لاشتباه من له الحق کما مر (وعند محمد لاقصاص اصلاً وعلیه ارش الید و ما نقصه الی حین العتق) وقولهما اصح(الدّر المنتقی فی شرح الملتقی:۳۹۱/۴)

{۹}اور یہ امر (من لہ الحق کا اشتباہ) صرف خطاء کی صورت میں ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی نے دوسرے کے غلام کو خطاءً زخمی کردیا پھر مولی نے اس کو آزاد کردیا پھر وہ اس زخم سے مر گیا تو سرایت منقطع ہوگی لہذا نہ اس کی دیت واجب ہوگی اور نہ قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ غلام اس لائق نہیں کہ وہ مال کا مالک ہو لہذا حالتِ زخم کے اعتبار سے حق مولی کے لیے ہے اور حالتِ موت کے اعتبار سے یہ حق میت کے لیے واجب ہوگا؛ کیونکہ وہ آزاد ہے پس اسی سے اس کے قرضے ادا کئے جائیں گے اور اس کی وصیتیں نافذ کی جائیں گی، پس اشتباہ پیدا ہوگیا۔

{۱۰}رہا عمدی زخم یا قتل تو اس کا موجب قصاص ہے اور قصاص کے باب میں غلام بھی اپنی اصل آزادی پر قائم ہوتا ہے اور اس اعتبار پر کہ حق غلام کے لیے ہو تو مولی ہی غلام کا خلیفہ بن کر اس قصاص کا متولی ہوگا؛ کیونکہ مولی کے علاوہ غلام کا کوئی اور وارث موجود نہیں ہے تو من لہ الحق (مستحق قصاص) معلوم ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے اس لیے قصاص لیا جائے گا۔

{۱۱}اور امام محمدؒ کے نزدیک جب دونوں صورتوں میں قصاص ممتنع ہے تو ہاتھ کا جرمانہ واجب ہوگا اور زخمی ہونے کے وقت سے آزاد ہونے تک جو کچھ نقصان ہو وہ واجب ہوگا جیسا کہ ہم بیان کرچکے؛ کیونکہ یہ سب مولی کی ملک پر پیدا ہوا ہے اس لیے یہ تاوان وصول کیا جائے گا اور اس سے زائد جو کچھ ہو پوری قیمت تک وہ باطل ہوگا۔ اور شیخینؒ کے نزدیک پہلی صورت میں وہی حکم ہے جو امام محمدؒ کے نزدیک دوسری صورت میں بیان ہوا لہذا قاطع پر ہاتھ کا جرمانہ واجب ہوگا اور آزاد ہونے تک جو نقصان ہوا وہ واجب ہوگا اور اس سے جو کچھ زائد ہو پوری قیمت تک وہ باطل ہوگا۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ قَالَ لِعَبْدَيْهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ شُجَّا فَأَوْقَعَ الْعِتْقَ

فرمایا: اور جس نے کہا اپنے دو غلاموں سے: تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، پھر دونوں کا سر پھوڑ دیا گیا، پھر مولی نے واقع کردیا عتق

عَلَى أَحَدِهِمَا فَأَرْشُهُمَا لِلْمَوْلَى ، لِأَنَّ الْعِتْقَ غَيْرُ نَازِلٍ فِي الْمُعَيَّنِ وَالشَّجَّةُ تُصَادِفُ الْمُعَيَّنَ فَبَقِيَا مَمْلُوكَيْنِ

دونوں میں سے ایک پر، تو دونوں کا ارش مولیٰ کے لیے ہوگا؛ کیونکہ عتق واقع نہیں ہوا متعین میں، اور زخم معین ہی سے ملا، پس وہ دونوں مملوک باقی رہے

فِي حَقِّ الشَّجَّةِ {۲} وَلَوْ قَتَلَهُمَا رَجُلٌ تَجِبُ دِيَةُ حُرٍّ وَقِيمَةُ عَبْدٍ ؛ وَالْفَرْقُ أَنَّ الْبَيَانَ إِنْشَاءٌ مِنْ وَجْهٍ

زخم کے حق میں۔ اور اگر قتل کر دیا ان دونوں کو ایک شخص نے تو واجب ہوگی آزاد کی دیت اور غلام کی قیمت، اور فرق یہ ہے کہ بیان من وجہ انشاء ہے

وَإِظْهَارٌ مِنْ وَجْهٍ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَبَعْدَ الشَّجَّةِ بَقِيَ مَحَلًّا لِلْبَيَانِ فَاعْتُبِرَ إِنْشَاءً فِي حَقِّهِمَا ، وَبَعْدَ الْمَوْتِ

اور من وجہ اظہار ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، اور زخم کے بعد وہ باقی رہا محل بیان، پس مان لیا گیا انشاء دونوں کے حق میں، اور موت کے بعد

لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْبَيَانِ فَاعْتَبَرْنَاهُ إِظْهَارًا مَحْضًا ، وَأَحَدُهُمَا حُرٌّ بِيَقِينٍ فَتَجِبُ قِيمَةُ عَبْدٍ

وہ باقی نہیں رہا محل بیان، پس ہم نے مان لیا اس کو محض اظہار، اور دونوں میں سے ایک آزاد ہے یقینی طور پر، پس واجب ہوگی غلام کی قیمت

وَدِيَةُ حُرٍّ ، {۳} بِخِلَافِ مَا إِذَا قَتَلَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَجُلٌ حَيْثُ تَجِبُ قِيمَةُ الْمَمْلُوكَيْنِ ، لِأَنَّا

اور آزاد کی دیت، برخلاف اس کے جب قتل کر دے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ایک شخص تو واجب ہوگی دو مملوکوں کی قیمت؛ کیونکہ ہم کو

لَمْ نَتَيَقَّنْ بِقَتْلِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حُرًّا وَكُلٌّ مِنْهُمَا يُنْكِرُ ذَلِكَ ، {۴} وَلِأَنَّ

یقین نہیں ان دونوں میں سے ہر ایک کے قتل کا آزادی کی حالت میں، اور ہر ایک ان دونوں قاتلوں میں سے منکر ہے اس کا، اور اس لیے

الْقِيَاسَ يَأْبَى ثُبُوتَ الْعِتْقِ فِي الْمَجْهُولِ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ فَائِدَةً ، وَإِنَّمَا صَحَّحْنَاهُ ضَرُورَةَ صِحَّةِ التَّصَرُّفِ

کہ قیاس انکار کر رہا ہے ثبوتِ عتق کا مجہول میں؛ کیونکہ یہ کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، اور ہم نے اس کو صحیح قرار دیا صحتِ تصرف کی ضرورت سے

وَأَثْبَتْنَا لَهُ وِلَايَةَ النَّقْلِ مِنَ الْمَجْهُولِ إِلَى الْمَعْلُومِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ وَهِيَ فِي النَّفْسِ دُونَ الْأَطْرَافِ

اور ہم نے ثابت کیا اس کے لیے ولایتِ نقل مجہول سے معلوم کی طرف، پس مقدر ہوگا بقدرِ ضرورت اور وہ نفس میں ہے نہ کہ اطراف میں

فَبَقِيَ مَمْلُوكًا فِي حَقِّهَا . {۵} قَالَ : وَمَنْ فَقَأَ عَيْنَيْ عَبْدٍ ، فَإِنْ شَاءَ الْمَوْلَى دَفَعَ عَبْدَهُ

پس باقی رہا مملوک اطراف کے حق میں۔ فرمایا: اور جس نے پھوڑ دیں کسی غلام کی دونوں آنکھیں، تو اگر چاہے مولیٰ تو دیدے اپنا غلام،

وَأَخَذَ قِيمَتَهُ وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهُ ، وَلَا شَيْءَ لَهُ مِنَ النُّقْصَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ،

اور لے لے اس کی قیمت، اور اگر چاہے تو روک دے اس کو اور کچھ نہیں اس کے لیے نقصان کے بدلے امام صاحب ؒ کے نزدیک،

وَقَالَا : إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ الْعَبْدَ وَأَخَذَ مَا نَقَصَهُ ، وَإِنْ شَاءَ دَفَعَ الْعَبْدَ وَأَخَذَ قِيمَتَهُ ،

اور صاحبین ؒ نے فرمایا اگر چاہے تو روک غلام اور لے لے وہ جو اس نے نقصان پہنچایا غلام کو، اور اگر چاہے تو غلام دیدے اور لے لے اس کی قیمت

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُضَمِّنُهُ كُلَّ الْقِيمَةِ وَيُمْسِكُ الْجُثَّةَ لِأَنَّهُ يَجْعَلُ الضَّمَانَ مُقَابِلًا بِالْفَائِتِ فَبَقِيَ

اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ ضمان لے گا مجرم سے کل قیمت کا اور روک لے گا غلام؛ کیونکہ قرار دیتے ہیں ضمان کو فائت کے مقابل، پس باقی رہا

الْبَاقِي عَلَى مِلْكِهِ، كَمَا إِذَا قَطَعَ إِحْدَى يَدَيْهِ أَوْ فَقَأَ إِحْدَى عَيْنَيْهِ﴿٦﴾وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ الْمَالِيَّةَ قَائِمَةٌ فِي الذَّاتِ وَهِيَ مُعْتَبَرَةٌ

باقی اس کی ملک پر جیسے اگر قطع کردے اس کا ایک ہاتھ یا اس کی ایک آنکھ پھوڑدے۔ہم کہتے ہیں کہ مالیت موجود ہے ذات میں اور وہی معتبر ہے

فِي حَقِّ الْأَطْرَافِ لِسُقُوطِ اعْتِبَارِهَا فِي حَقِّ الذَّاتِ قَصْرًا عَلَيْهِ.وَإِذَا كَانَتْ مُعْتَبَرَةً وَقَدْ وُجِدَ إِتْلَافُ النَّفْسِ مِنْ وَجْهٍ

اطراف کے حق میں؛اس کے اعتبار کے سقوط کی وجہ سے فقط ذات کے حق میں،اور جب وہ معتبر ہے اور پایا گیا اتلافِ نفس من وجہ

بِتَفْوِيتِ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ وَالضَّمَانُ يَتَقَدَّرُ بِقِيمَةِ الْكُلِّ فَوَجَبَ أَنْ يَتَمَلَّكَ الْجُثَّةَ دَفْعًا لِلضَّرَرِ

یعنی جنس منفعت فوت کرنے سے،اور ضمان مقدر ہوتا ہے پوری قیمت کے ساتھ پس واجب ہوا کہ مالک ہو غلام کا؛دفع ضرر کے لیے

وَرِعَايَةً لِلْمُمَاثَلَةِ ،﴿٧﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا فَقَأَ عَيْنَيْ حُرٍّ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مَعْنَى الْمَالِيَّةِ ، وَبِخِلَافِ

اور رعایتِ مماثلت کے لیے،برخلاف اس کے جب پھوڑدے آزاد کی دونوں آنکھیں؛کیونکہ نہیں ہے اس میں مالیت کا معنی،اور برخلاف

عَيْنَيِ الْمُدَبَّرِ لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ الِانْتِقَالَ مِنَ الْمِلْكِ إِلَى مِلْكٍ ، وَفِي قَطْعِ إِحْدَى الْيَدَيْنِ وَفَقْءِ إِحْدَى الْعَيْنَيْنِ

مدبر کی دونوں آنکھوں کے؛کیونکہ وہ قبول نہیں کرتا ہے انتقال ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف،اور ایک ہاتھ کاٹنے اور ایک آنکھ پھوڑنے میں

لَمْ يُوجَدْ تَفْوِيتُ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ﴿٨﴾وَلَهُمَا أَنَّ مَعْنَى الْمَالِيَّةِ لَمَّا كَانَ مُعْتَبَرًا وَجَبَ أَنْ يَتَخَيَّرَ الْمَوْلَى عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي

نہیں پائی گئی جنس منفعت کی تفویت۔اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالیت کا معنی جب معتبر ہے تو واجب ہے کہ مولیٰ کو اختیار ملے اس طریقے پر

قُلْنَاهُ كَمَا فِي سَائِرِ الْأَمْوَالِ فَإِنَّ مَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهِ خَرْقًا فَاحِشًا إِنْ شَاءَ الْمَالِكُ دَفَعَ الثَّوْبَ إِلَيْهِ

جو ہم نے بیان کیا جیسا کہ دیگر اموال میں،اس لیے کہ اگر کسی نے پھاڑدیا غیر کا کپڑا بہت زیادہ تو اگر مالک نے چاہا تو دیدے کپڑا اس کو

وَضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ الثَّوْبَ وَضَمَّنَهُ النُّقْصَانَ . ﴿٩﴾وَلَهُ

اور ضامن بنائے اس کو اس کی قیمت کا اور اگر چاہے تو روک دے کپڑا اور ضامن بنائے اس کو نقصان کا۔اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْمَالِيَّةَ وَإِنْ كَانَتْ مُعْتَبَرَةً فِي الذَّاتِ فَالْآدَمِيَّةُ غَيْرُ مُهْدَرَةٍ فِيهِ وَفِي الْأَطْرَافِ أَيْضًا ، أَلَا تَرَى أَنَّ عَبْدًا لَوْ قَطَعَ

کہ مالیت اگرچہ معتبر ہے ذات میں،لیکن آدمیت بھی ہدر نہیں ہے اس میں اور اطراف میں،کیا نہیں دیکھتے ہو کہ غلام نے اگر کاٹ دیا

يَدَ عَبْدٍ آخَرَ يُؤْمَرُ الْمَوْلَى بِالدَّفْعِ أَوِ الْفِدَاءِ وَهَذَا مِنْ أَحْكَامِ الْآدَمِيَّةِ ، لِأَنَّ مُوجَبَ الْجِنَايَةِ عَلَى الْمَالِ أَنْ

دوسرے غلام کا ہاتھ تو امر کیا جائے گا مولیٰ کو غلام دینے یا فدیہ دینے کا، اور یہ آدمیت کے احکام میں سے ہے؛ کیونکہ مال پر جنایت کا موجب

تُبَاعَ رَقَبَتُهُ فِيهَا ثُمَّ مِنْ أَحْكَامِ الْأُولَى أَنْ لَا يَنْقَسِمَ عَلَى الْأَجْزَاءِ ، وَلَا يَتَمَلَّكَ الْجُثَّةَ

کہ فروخت کیا جائے اس کا رقبہ اس جنایت میں۔ پھر اول کے احکام میں سے یہ ہے کہ تقسیم نہ ہو اجزاء پر اور نہ مالک ہو جثہ کا،

وَمِنْ أَحْكَامِ الثَّانِيَةِ أَنْ يَنْقَسِمَ وَيَتَمَلَّكَ الْجُثَّةَ فَوَفَّرْنَا عَلَى الشَّبَهَيْنِ حَظَّهُمَا مِنَ الْحُكْمِ

اور ثانی کے احکام میں سے یہ ہے کہ تقسیم نہ ہو اور مالک ہو جثہ کا، پس ہم نے پورا دیدیا حکم میں سے دونوں مشابہتوں پر دونوں کا حصہ

تشریح:۔ {۱} جس نے اپنے دو غلاموں سے کہا کہ "تم دونوں میں سے ایک مبہم آزاد ہے"، پھر کسی شخص نے ان دونوں کو زخمی کر دیا پھر مولیٰ نے ان دونوں میں سے ایک پر عتق واقع کیا کہ تو آزاد ہے تو دونوں زخموں کا جرمانہ مولیٰ ہی کے لیے ہو گا؛ کیونکہ مبہم عتق کسی معین پر واقع نہیں ہوتا ہے لہٰذا کوئی ایک بھی آزاد نہیں ہے اور زخم معین پر واقع ہوا ہے تو زخم کے بارے میں یہ دونوں غلام مملوک ہیں اور مملوک کا تاوان مالک کے لیے ہوتا ہے اس لیے ان دونوں زخموں کا جرمانہ مولیٰ کے لیے ہو گا۔

{۲} اور اگر دونوں غلاموں کو کسی شخص نے قتل کر دیا تو اس پر ایک آزاد کی دیت اور ایک غلام کی قیمت واجب ہو گی، بشرطیکہ ایک ہی قاتل نے دونوں کو ساتھ ہی قتل کیا ہو اور دونوں کی قیمت مساوی ہو۔ پس زخمی کرنے اور قتل کرنے میں امتیاز ہوا، اور فرق یہ ہے کہ مولیٰ کا بیان کرنا کہ ان دونوں میں سے اس غلام کی آزادی میری مراد تھی یہ بیان ایک اعتبار سے انشاء عتق ہے یعنی گویا اسی وقت اس نے اس غلام کو آزاد کیا، اور دوسرے اعتبار سے یہ سابق عتق کا اظہار ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو بیان پر مجبور کیا جائے گا تو اگر انشاء عتق ہوتا تو اسے بیان پر مجبور نہ کیا جا سکتا چنانچہ اصول الفقہ میں معلوم ہو چکا ہے اب ہم کہتے ہیں کہ زخمی ہونے کے بعد ہر ایک غلام اس بیان کا محل ہے؛ کیونکہ زندہ غلام من وجہ انشاء عتق کا محل ہے تو ہم نے دونوں کے حق میں اس بیان کو انشاءِ عتق قرار دیا یعنی جس کو بیان کیا گویا اس کو فی الحال آزاد کیا تو اس سے پہلے وہ دونوں مملوک ہیں اس لیے دونوں کا جرمانہ ان کے مولیٰ کو ملے گا، اور قتل ہو جانے کے بعد کوئی بھی ایسے بیان کا محل باقی نہیں رہا جو من وجہ انشاء ہو؛ کیونکہ میت انشاءِ عتق کا محل نہیں ہوتا ہے تو ہم نے بیان کو محض اظہار قرار دیا کہ سابق میں ایک غلام آزاد ہوا ہے اب مولیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا پس ان دونوں میں سے ایک پر موت سے پہلے عتق واقع ہوا ہے اس لیے اس آزاد کی دیت واجب ہو گی اور دوسرے غلام کی قیمت واجب ہو گی۔

{۳} اس کے برخلاف اگر دونوں میں سے ہر ایک کو ایک الگ شخص نے قتل کیا ہو یعنی قاتل مختلف ہوں تو اس صورت میں ہر ایک قاتل پر ایک مملوک کی قیمت واجب ہو گی؛ کیونکہ ہم کو یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ دونوں قاتلوں میں سے کس نے آزاد کو

یا ہے حالانکہ ہر ایک قاتل آزاد کو قتل کرنے سے انکار کر رہا ہے لہذا ہر ایک پر متیقن چیز واجب ہوگی اور متیقن چیز قیمت ہے اس لیے ہر ایک قاتل پر ایک مملوک کی قیمت واجب ہوگی۔

{۴}زخمی کرنے اور قتل کرنے میں فرق کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قیاس اس امر کو مقتضی نہیں کہ غیر معلوم غلام میں عتق ثابت ہو؛ کیونکہ ایسے عتق کا کوئی فائدہ نہیں ہے یعنی ایسا مجہول معتق نہ قاضی بن سکتا ہے اور نہ گواہ بن سکتا ہے اس لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، البتہ ایسے مبہم عتق کو ہم نے صرف اس ضرورت سے صحیح قرار دیا تاکہ مولیٰ کا تصرف صحیح رہے یعنی مولیٰ کے لیے یہ اختیار ثابت کیا کہ وہ بیان کے ذریعہ اس مجہول عتق کو معلوم بنائے اور ضرورۃً ثابت حکم (عتق) ضرورت کی حد تک رہتا ہے اور ضرورت کی حد اس کا نفس ہے نہ کہ اس کے اعضاء؛ کیونکہ نفس ہی آزادی کا محل ہے نہ کہ اعضاء، پس ظاہر ہوا کہ اعضاء کے حق میں ہر ایک مملوک رہا، لہذا زخمی کرنے کی صورت میں مملوک کا جرمانہ اس کے مالک کے لیے قرار دیا اور قتل نفس کی صورت میں جب کہ ایک ہی قاتل ہو تو ایک دیت اور ایک قیمت واجب کی؛ کیونکہ بالیقین اس نے ایک آزاد اور ایک غلام کو قتل کیا، اور دو قاتلوں کی صورت میں ہر ایک کے حق میں احتمال ہے کہ غلام کو قتل کیا ہو اور احتمال ہے کہ آزاد کو قتل کیا ہو تو کسی کے حق میں آزاد کا قتل کرنا متعین نہیں ہو سکتا اس لیے دو غلاموں کی قیمت واجب ہوگی۔

{۵}اگر کسی نے ایک غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مولیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنا یہ غلام دے کر اس کی قیمت لے لے اور چاہے اندھا غلام رکھ لے اور اس کو نقصان کا کچھ نہیں ملے گا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ چاہے تو غلام رکھ لے اور مجرم سے اس کے نقصان کا ضمان لے لے اور چاہے تو غلام دے کر اس کی قیمت لے لے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ اس مجرم سے پوری قیمت تاوان لے کر اپنے اندھے غلام کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تاوان کو دونوں آنکھوں کے مقابلے میں قرار دیا جائے گا چونکہ شرعاً دونوں آنکھوں کے عوض پوری قیمت واجب ہوتی ہے اس لیے پوری قیمت لے اور اندھا غلام مولیٰ کی ملکیت پر باقی رہے گا جیسے اگر کسی نے اس غلام کا ایک ہاتھ کاٹا یا ایک آنکھ پھوڑی تو بالاجماع یہی حکم ہے کہ تاوان لے کر غلام اسی کی ملک پر باقی رہتا ہے۔

{۶}اور ہم یہی کہتے ہیں کہ مالیت اس غلام کی ذات میں قائم ہے اور مالیت ہی اعضاء کے حق میں معتبر ہوتی ہے اور فقط ذات کے حق میں مالیت کا معتبر ہونا ساقط ہے بلکہ اعضاء کے حق میں مالیت بطریقہ اولیٰ معتبر ہے؛ کیونکہ اعضاء کے ساتھ اموال کا معاملہ کیا جاتا ہے پس جب اطراف کے حق میں مالیت معتبر ہوئی حالانکہ یہاں اس نے من وجہ نفس کو تلف کیا ہے؛ کیونکہ اس نے جنس منفعت (رؤیت) کو فوت کر دیا اور جنس منفعت فوت کرنے کا تاوان کل قیمت مقدر ہے یعنی شرعاً دونوں آنکھوں کے عوض پوری قیمت

واجب ہوتی ہے تو ضروری ہوا کہ جس نے آنکھ پھوڑی ہے وہ اس اندھے غلام کا مالک ہو جائے تاکہ ضامن سے ضرر دور ہو اور مجرم اور صاحبِ حق دونوں میں مماثلت قائم ہو ورنہ تو ضامن کا استیصال ہو گا اور غلام کے مالک کو غلام اور اس کا ضمان دونوں ملیں گے۔

{۷}اس کے برخلاف اگر آزاد شخص کی دونوں آنکھیں پھوڑدیں تو قیمت واجب نہ ہو گی؛ کیونکہ آزاد کے اعضاء میں مالیت کا معنی نہیں ہے اس لیے اس کو تلف کرنے پر قیمت واجب نہیں کی جاسکتی ہے۔ اور برخلاف اس کے اگر مدبر کی دونوں آنکھیں پھوڑدیں تو بھی یہ حکم نہیں کہ پوری قیمت کو واجب کیا جائے اور مدبر مجرم کو دیدیا جائے؛ کیونکہ مدبر ایک ملک سے دوسری ملک میں منتقل ہونے کے قابل نہیں ہوتا، لہٰذا مولیٰ کو پوری قیمت دیدے اور مدبر مولیٰ اپنے پاس روک لے۔ اور ایک ہاتھ کاٹنے اور ایک آنکھ پھوڑنے کی صورت پر اس مسئلہ کا قیاس نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ ایک ہاتھ کاٹنے یا ایک آنکھ پھوڑنے میں جنس منفعت زائل کرنا لازم نہیں آتا ہے اس لیے اسے اتلافِ نفس کے درجے میں نہیں اتارا جاسکتا ہے۔

{۸}صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اعضاء میں مالیت ہی معتبر ہوئی تو لازم آیا کہ جس طرح ہم نے بیان کیا ہے اسی طرح مولیٰ کو اختیار دیا جائے جیسے دیگر اموال میں یہی حکم ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی نے دوسرے کا کپڑا بہت زیادہ پھاڑ ڈالا تو مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے کپڑا دیدے اور اس کو قیمت کا ضامن بنائے اور چاہے تو کپڑا اپنے پاس رکھ لے اور اس کے نقصان کا تاوان لے۔

{۹}امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ مالیت اگرچہ ذات میں معتبر ہے مگر آدمیت بھی ذات میں اور اعضاء میں رائیگاں نہیں کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک غلام نے دوسرے شخص کے غلام کا ہاتھ کاٹا تو مولیٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ چاہے مجرم غلام دیدے اور اگر چاہے تو اس کا فدیہ دے، ظاہر ہے کہ یہ حکم آدمیت کے احکام میں سے ہے؛ کیونکہ مال پر تعدی کا مقتضا تو یہ ہے کہ اس جرم میں مجرم کا رقبہ فروخت کیا جائے اور بس، پس ظاہر ہوا کہ حکم آدمیت بھی ملحوظ ہے، پھر واضح رہے کہ آدمیت کے احکام میں سے یہ ہے کہ مذکورہ تاوان کو اس کے اجزاء اور جثہ پر تقسیم نہ کیا جائے اور آنکھ پھوڑنے والا تاوان ادا کرنے کے بعد اس کے جثہ کا مالک نہ ہو جائے اور مالیت کے احکام سے یہ ہے کہ مذکورہ تاوان کو اس کے قائم اور فوت شدہ اجزاء پر تقسیم کیا جائے اور آنکھ پھوڑنے والا اس جثہ کا مالک ہو جائے پس ہم نے ہر دو شبہ کو حکم میں سے حصہ دیا یوں حکم کیا کہ چاہے مجرم کو جثہ دیدے اور مولیٰ پوری قیمت لے لے اور چاہے جثہ رکھ لے اور کچھ نقصان نہیں پائے گا۔

فتوی:۔امام صاحبؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: لم أرَ التصریح بالترجیح ولکن ظاہر عبارة الدر المختار والشامی ومجمع الانہر ھو المیل الی ترجیح قول ابی حنیفة والدفع عن دلیله ومثله فی فتح القدیر (ہامش الہدایة: 4ص525)

فَصْلٌ فِي جِنَايَةِ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ

یہ فصل مدبر اورام ولد کی جنایت کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ محض مملوک کی جنایت اور محض مملوک پر جنایت کے بیان سے فارغ ہوگئے مدبر اورام الولد کی جنایت کے احکام کو شروع فرمایا چونکہ محض غلام مدبر اورام الولد سے مملوکیت میں کامل ہے اس لیے محض غلام کے احکام کو ان دو کے احکام سے پہلے ذکر فرمایا۔

{۱}قَالَ: وَإِذَا جَنَى الْمُدَبَّرُ أَوْ أُمُّ الْوَلَدِ جِنَايَةً ضَمِنَ الْمَوْلَى الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ أَرْشِهَا؛ لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

فرمایا: اور اگر کوئی جنایت کی مدبر یاام ولد نے تو ضامن ہوگا مولیٰ اس کی قیمت اور اس کے اَرش میں سے اقل کا؛ کیونکہ مروی ہے حضرت ابو عبیدہؓ سے

أَنَّهُ قَضَى بِجِنَايَةِ الْمُدَبَّرِ عَلَى مَوْلَاهُ ، وَلِأَنَّهُ صَارَ مَانِعًا عَنْ تَسْلِيمِهِ فِي الْجِنَايَةِ بِالتَّدْبِيرِ

کہ انہوں نے فیصلہ فرمایا جنایتِ مدبر کا اس کے مولیٰ پر، اور اس لیے کہ ہوگیا وہ روکنے والا اسے سپرد کرنے سے جنایت میں مدبر کرنے سے

أَوْ الِاسْتِيلَادِ مِنْ غَيْرِ اخْتِيَارِهِ الْفِدَاءَ فَصَارَ كَمَا إذَا فَعَلَ ذَلِكَ بَعْدَ الْجِنَايَةِ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ.

یاام ولد بنانے سے اس کا فدیہ کو اختیار کیے بغیر پس ہوگیا جیسا کہ اگر اس نے یہ کام کیا ہو جنایت کے بعد حالانکہ وہ جنایت کو نہ جانتا ہو،

{۲}وَإِنَّمَا يَجِبُ الْأَقَلُّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ ؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ فِي أَكْثَرَ مِنَ الْأَرْشِ ، وَلَا مَنْعَ

اور واجب ہوگا اقل اس کی قیمت اور ارش میں سے؛ کیونکہ کوئی حق نہیں ہے ولی جنایت کے لیے ارش سے زیادہ میں، اور منع نہیں ہے

مِنَ الْمَوْلَى فِي أَكْثَرَ مِنَ الْقِيمَةِ ، وَلَا تَخْيِيرَ بَيْنَ الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ فِي جِنْسٍ وَاحِدٍ

مولیٰ کی طرف سے قیمت سے زیادہ میں، اور تخییر نہیں ہے اقل اور اکثر کے درمیان؛ کیونکہ تخییر مفید نہیں ہے جنس واحد میں؛

لِاخْتِيَارِهِ الْأَقَلَّ لَا مَحَالَةَ ،{۳} بِخِلَافِ الْقِنِّ لِأَنَّ الرَّغَبَاتِ صَادِقَةٌ فِي الْأَعْيَانِ فَيُفِيدُ التَّخْيِيرَ بَيْنَ الدَّفْعِ

بوجہ اس کے اختیار کرنے اقل کو لامحالہ، برخلاف قن کے؛ کیونکہ رغبتیں صادق ہوتی ہیں اعیان میں، پس مفید ہوگی تخییر غلام دینے

وَالْفِدَاءِ{۴} وَجِنَايَاتُ الْمُدَبَّرِ وَإِنْ تَوَالَتْ لَا تُوجِبُ إلَّا قِيمَةً وَاحِدَةً ؛ لِأَنَّهُ لَا مَنْعَ مِنْهُ

اور فدیہ دینے کے درمیان۔ اور مدبر کی جنایتیں اگرچہ پے در پے ہوں واجب نہیں کرتی ہیں مگر ایک قیمت؛ کیونکہ روک نہیں ہے مولیٰ کی طرف سے

إلَّا فِي رَقَبَةٍ وَاحِدَةٍ ، وَلِأَنَّ دَفْعَ الْقِيمَةِ كَدَفْعِ الْعَبْدِ وَذَلِكَ لَا يَتَكَرَّرُ فَهَذَا كَذَلِكَ

مگر ایک رقبہ میں، اور اس لیے کہ قیمت دینا غلام دینے کی طرح ہے، اور غلام دینا مکرر نہیں، پس قیمت بھی اسی طرح ہے،

وَيَتَضَارَبُونَ بِالْحِصَصِ فِيهَا ، وَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ فِي حَالِ الْجِنَايَةِ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْمَنْعَ

اور شریک ہو جائیں گے بقدرِ حصص اس میں، اور معتبر ہو گی اس کی قیمت ہر ایک کے لیے اس پر جنایت کی حالت کی؛ کیونکہ منع

فِي هَذَا الْوَقْتِ يَتَحَقَّقُ. قَالَ : فَإِنْ جَنَى جِنَايَةً أُخْرَى وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلَى الْقِيمَةَ إلَى وَلِيِّ الْأُولَى بِقَضَاءٍ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ

اسی وقت متحقق ہوتا ہے۔ فرمایا: پس اگر جنایت کی دوسری جنایت حالانکہ دے چکا ہو مولیٰ قیمت اول جنایت کے ولی کو قضاء سے تو کچھ نہیں اس پر

لِأَنَّهُ مَجْبُورٌ عَلَى الدَّفْعِ ﴿5﴾ قَالَ: وَإِنْ كَانَ الْمَوْلَى دَفَعَ الْقِيمَةَ بِغَيْرِ قَضَاءٍ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ، إنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمَوْلَى وَإِنْ شَاءَ

کیونکہ وہ مجبور ہے دینے پر۔ اور اگر مولیٰ نے دیدی ہو قیمت قضاء کے بغیر تو ولی کو اختیار ہے اگر چاہے تو پیچھا کرے مولیٰ کا اور اگر چاہے

اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ حِينَ دَفَعَ

تو پیچھا کرے ولیِ جنایت کا، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کچھ نہیں ہے مولیٰ پر؛ کیونکہ جس وقت غلام دیدیا

لَمْ تَكُنِ الْجِنَايَةُ الثَّانِيَةُ مَوْجُودَةً فَقَدْ دَفَعَ كُلَّ الْحَقِّ إلَى مُسْتَحِقِّهِ وَصَارَ كَمَا إذَا دَفَعَ بِالْقَضَاءِ. ﴿6﴾ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ

اس وقت دوسری جنایت موجود نہیں تھی، پس دیدیا پورا حق اس کے مستحق کو، اور ہو گیا جیسا کہ دیدیا ہو قضاء قاضی سے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْمَوْلَى جَانٍ بِدَفْعِ حَقِّ وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ طَوْعًا ، وَوَلِيُّ الْأُولَى ضَامِنٌ بِقَبْضِ حَقِّهِ ظُلْمًا

کہ مولیٰ مجرم ہے خوشی سے دوسری جنایت کے ولی کو حق دینے سے، اور جنایتِ اولیٰ کا ولی ضامن ہے اس کے حق پر ظلماً قبضہ کرنے

فَيَتَخَيَّرُ ، ﴿7﴾ وَهَذَا لِأَنَّ الثَّانِيَةَ مُقَارِنَةٌ حُكْمًا مِنْ وَجْهٍ وَلِهَذَا يُشَارِكُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى

پس اس کو اختیار ہو گا۔ اور یہ اس لیے کہ ثانی مقارن ہے اولیٰ سے حکماً من وجہ، اور اسی لیے شریک ہوتا ہے جنایتِ اولیٰ کے ولی کے ساتھ

وَمُتَأَخِّرَةٌ حُكْمًا مِنْ حَيْثُ إنَّهُ تُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ فِي حَقِّهَا فَجُعِلَتْ

اور جنایتِ ثانی حکماً مؤخر ہے اس حیثیت سے کہ معتبر ہے اس کی قیمت جنایتِ ثانیہ کے دن کی اس کے حق میں، پس قرار دیا گیا

كَالْمُقَارِنَةِ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ لِإِبْطَالِهِ مَا تَعَلَّقَ بِهِ مِنْ حَقِّ وَلِيِّ الثَّانِيَةِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ.

مقارن کی طرح تضمین کے حق میں؛ بوجہ باطل کرنے ولی ثانی کا وہ حق جو متعلق ہے مدبر کے ساتھ؛ عمل کرتے ہوئے دونوں مشابہتوں پر

{8} وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى الْمُدَبَّرَ وَقَدْ جَنَى جِنَايَاتٍ لَمْ تَلْزَمْهُ إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ ؛ لِأَنَّ الضَّمَانَ إِنَّمَا وَجَبَ

اور اگر آزاد کردیا مولیٰ نے مدبر کو، حالانکہ وہ کئی جنایتیں کر چکا ہے تو لازم نہ ہوگی اس پر مگر ایک کی قیمت؛ کیونکہ ضمان واجب ہوتا ہے

عَلَيْهِ بِالْمَنْعِ فَصَارَ وُجُودُ الْإِعْتَاقِ مِنْ بَعْدُ وَعَدَمُهُ بِمَنْزِلَةٍ . وَأُمُّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَةِ الْمُدَبَّرِ

اس پر منع کرنے سے ، پس ہو گیا وجودِ اعتاق اس کے بعد اور عدم وجود ایک درجے میں، اور ام ولد مدبر کے درجے میں ہے

فِي جَمِيعِ مَا وَصَفْنَا ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَادَ مَانِعٌ مِنَ الدَّفْعِ كَالتَّدْبِيرِ{9} وَإِذَا أَقَرَّ الْمُدَبَّرُ بِجِنَايَةِ الْخَطَإِ

ان تمام صورتوں میں جو ہم بیان کر چکے؛ کیونکہ استیلاد مانع ہے ام ولد دینے سے جیسے تدبیر۔ اور اگر اقرار کیا مدبر نے خطاء جنایت کا

لَمْ يَجُزْ إِقْرَارُهُ وَلَا يَلْزَمُهُ بِهِ شَيْءٌ أُعْتِقَ أَوْ لَمْ يُعْتَقْ ؛ لِأَنَّ مُوجَبَ جِنَايَةِ الْخَطَإِ

تو جائز نہیں اس کا اقرار، اور نہ کوئی چیز لازم ہوگی مولیٰ پر اس اقرار کی وجہ سے خواہ وہ آزاد کیا جا چکا ہو یا نہ کیا گیا ہو؛ کیونکہ جنایتِ خطاء کا موجب

عَلَى سَيِّدِهِ وَإِقْرَارُهُ بِهِ لَا يَنْفُذُ عَلَى السَّيِّدِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

اس کے مولیٰ پر ہے، جبکہ اس کا اقرار ضمان کے سلسلے میں نافذ نہیں ہوتا ہے مولیٰ پر، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{1} اگر مدبر یا ام الولد نے کوئی جرم کیا تو مولیٰ اس کی قیمت اور اس کی جنایت کے جرمانہ میں سے کم کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مدبر کے جرم کا اس کے مولیٰ پر حکم کیا[1]، اور آپؓ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا تھا تو یہ گویا صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اس لیے مولیٰ ضامن ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مولیٰ اس کو مدبر یا ام الولد بنانے کی وجہ سے اس کو جنایت کے بدلے میں دینے سے اس طرح روکنے والا ہوا کہ اس نے فدیہ دینے کو بھی اختیار نہیں کیا ہے یعنی مولیٰ نے جب اس کو مدبر یا ام الولد بنایا تو اس کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ اس کو مذکورہ جنایت میں مستحق کے حوالہ کیا جائے حالانکہ مولیٰ نے اس کا فدیہ اختیار نہیں کیا ہے تو ضامن ہوگا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی اپنے غلام یا باندی کو جنایت کے بعد مدبر یا ام الولد بنائے اور وہ اس کی جنایت سے بے خبر ہو تو اس صورت میں یہی حکم ہوتا ہے کہ قیمت اور جرمانہ میں سے کم کا ضامن ہوگا اسی طرح یہاں بھی قیمت اور جرمانہ میں سے کم کا ضامن ہوگا۔

(1) قُلْت: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ ابْنِ مُحَمَّدِ بْنِ إبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ السَّلُولِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، قَالَ: جِنَايَةُ الْمُدَبَّرِ عَلَى مَوْلَاهُ، انْتَهَى. وَأَخْرَجَ نَحْوَهُ عَنْ النَّخَعِيِّ، وَالشَّعْبِيِّ، وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَالْحَسَنِ رضي الله عنهم اجمعين. (نصب الراية:5ص188)

{۲} پھر قیمت اور جرمانہ میں سے کم کا ضامن اسی وجہ سے ٹھہرا کہ جب قیمت جرمانہ سے زیادہ ہو تو ولی جنایت کے لیے مدبر سے زائد کا استحقاق نہیں ہے اور اگر جرمانہ قیمت سے زیادہ ہو مولیٰ کی طرف سے قیمت سے زیادہ کا روکنا متحقق نہیں ہوا ہے اس لیے دونوں میں سے کم کا ضامن ہو گا۔ اور اس کو اقل اور اکثر میں اختیار نہیں دیا گیا بلکہ اقل کو متعین کیا؛ کیونکہ ایک ہی جنس میں اس طرح اختیار دینا بے فائدہ ہے؛ کیونکہ وہ لا محالہ کم ہی کو اختیار کرے گا۔

{۳} اگر محض غلام یا باندی ہو تو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اعیان مملوکہ میں رغبتیں کامل ہوتی ہیں تو غلام دینے یا اس کا فدیہ دینے میں اختیار دینا مفید ہے؛ کیونکہ یہ دو مختلف جنس ہیں تو شاید مولیٰ مالِ عین نہ دے اور اس کا گراں فدیہ دینا پسند کرے اور شاید فدیہ نہ دے بلکہ اسی مالِ عین دینے کو پسند کرے لہٰذا دونوں کا احتمال ہے کوئی ایک متعین نہیں ہے۔

{۴} اور مدبر کے جرائم اگرچہ پے درپے متعدد واقع ہوں وہ صرف ایک ہی قیمت واجب کریں گے؛ کیونکہ مولیٰ کی طرف سے مدبر کرنے کی وجہ سے فقط ایک ہی رقبہ کو روکنا پایا گیا اس لیے ایک ہی قیمت واجب ہو گی، دوسری وجہ یہ ہے کہ غلام کی قیمت دینا ایسا ہے جیسا کہ خود غلام دینا اور چونکہ غلام متکرر نہیں ہے تو اس کی قیمت بھی متکرر نہ ہو گی، پھر مستحقین اس قیمت میں حصہ رسد کے بقدر شریک ہو جائیں گے اور ہر ایک کے لیے غلام کی وہ قیمت معتبر ہو گی جو قیمت اس پر جنایت کرنے کے دن تھی؛ کیونکہ مولیٰ کی طرف سے مدبر کو روکنا تو اسی وقت متحقق ہوا اس لیے اسی دن کی قیمت معتبر ہو گی۔

پھر اگر مدبر نے دوسری جنایت کی حالانکہ مولیٰ نے قاضی کے حکم سے پہلے مستحق کو اس کی قیمت دیدی تھی تو اب مولیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے؛ کیونکہ مولیٰ نے جنایات کی وجہ سے ایک قیمت سے زیادہ کا التزام نہیں کیا ہے اور اس سے پہلے اول جنایت کے مستحق کو جو قیمت دی تھی اس قیمت کے دینے پر مولیٰ مجبور تھا اس لیے اب اس پر مزید کچھ نہیں ہے۔

{۵} اور اگر مولیٰ نے مدبر کی یہ قیمت اول مستحق کو قاضی کے حکم کے بغیر دیدی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسرے جرم کے مستحق کو اختیار ہو گا کہ چاہے اپنے حق کے لیے مولیٰ کا پیچھا کرے؛ کیونکہ مولیٰ نے اس کا حق اس کی اجازت کے بغیر اول مستحق کو دیا ہے، اور اگر چاہے تو اول مستحق کا پیچھا کرے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے؛ کیونکہ جس وقت مولیٰ نے اول مستحق کو مدبر کی قیمت دیدی اس وقت دوسری جنایت موجود نہیں تھی پس مولیٰ نے پورا حق اس کے مستحق کو پہنچا دیا پس یہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے قاضی کے حکم سے پہنچا دیا ہو اس لیے مولیٰ اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔

{۶}امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ اس وجہ سے خطاکار ہے کہ اس نے دوم مستحق کا حق بخوشی و رغبت اول مستحق کو دیا ہے اور اول مستحق اس لیے خطاکار ہے کہ اس نے دوم مستحق کا حق ظلماً وصول کیا ہے تو دوم مستحق کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں (مولیٰ اور اول مستحق) میں سے جس سے چاہے تاوان لے۔

{۷}اور مولیٰ کے جنایت کار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری جنایت حکماً پہلی جنایت کے ساتھ ایک اعتبار سے متصل ہے اسی لیے جنایتِ ثانیہ کے مستحق کو جنایتِ اولیٰ کے مستحق کے ساتھ مشارکت کا حق حاصل ہوتا ہے، اور جنایتِ ثانیہ دوسرے اعتبار سے پہلی جنایت سے حکماً متاخر ہے یعنی اس اعتبار سے کہ مدبر کی وہ قیمت معتبر ہوتی ہے جو دوسرے جرم کے دن اس کی قیمت تھی، تو تاوان کے حق میں ہم نے دوسری جنایت کو اول جنایت سے متصل قرار دیا؛ کیونکہ پوری قیمت اول مستحق کو دینا اس چیز کو باطل کر دیتا ہے جس کے ساتھ دوم مستحق کا حق متعلق ہو چکا ہے اور یہ اس لیے تاکہ دونوں مشابہتوں پر عمل متحقق ہو جائے یعنی متاخر ہونے کی رعایت کرتے ہوئے اس دن کی قیمت معتبر قرار دی جس دن دوسری جنایت واقع ہوئی، اور اتصال کی رعایت کرتے ہوئے نصف تاوان دوم مستحق کو دلا دیا۔

فتویٰ:۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: الراجح ماذهب اليه الامام ابوحنيفة قاله في الملتقى وغيره (هامش الهداية:4ص626)

{۸}اگر مولیٰ نے مدبر کو آزاد کر دیا حالانکہ اس نے چند جنایات کا ارتکاب کیا ہے تو مولیٰ پر فقط ایک ہی قیمت لازم ہوگی کیونکہ مولیٰ پر تاوان صرف اس وجہ سے لازم ہوتا ہے کہ اس نے مذکورہ غلام کو روک دیا یعنی مدبر کرنے سے وہ اب اس کا اہل نہیں رہا کہ مستحق جرم کے حوالہ کیا جائے تو تدبیر کے بعد آزاد کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں اس لیے ایک ہی قیمت کا ضامن ہوگا۔

اور ام الولد ان تمام احکام میں مدبر کے درجے میں ہے؛ کیونکہ جس طرح کہ مدبر کرنا مستحق جرم کو دینے سے مانع ہے اسی طرح ام الولد بنانا بھی مستحق جرم کو دینے سے مانع ہے اس لیے ام الولد کے وہی احکام ہیں جو مدبر کے ہیں۔

{۹}اگر مدبر نے خطاءً کسی جرم کے سرزد ہونے کا اقرار کیا یعنی اس کا جرم گواہوں کے ذریعہ ثابت نہیں بلکہ فقط اس کے اقرار سے ثابت ہو رہا ہے تو اس کا اقرار جائز نہ ہوگا یعنی مولیٰ ضامن نہیں ہو سکتا اور اس اقرار کی وجہ سے مدبر پر بھی کچھ لازم نہ ہوگا خواہ وہ آزاد ہو جائے یا نہ ہو؛ کیونکہ جرم خطاء کا جرمانہ اس کے مولیٰ پر واجب ہوتا ہے اور مدبر کے اس جرم خطاء کا اقرار مولیٰ پر نافذ نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کا ضمان بھی مولیٰ پر واجب نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ غَصْبِ الْعَبْدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالصَّبِيِّ وَالْجِنَايَةِ فِي ذٰلِكَ

یہ باب غلام، مدبر اور بچہ کو غصب کرنے اور اس سلسلے میں جنایت کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ نے اس سے پہلے مدبر سے صادر ہونے والی جنایت کے احکام بیان فرمائے اب یہاں سے مدبر پر واقع ہونے والی جنایات کے احکام بیان فرماتے ہیں اور ان لوگوں کے احکام بیان فرماتے ہیں جو مدبر کے ساتھ لاحق ہیں۔

{1} قَالَ : وَمَنْ قَطَعَ يَدَ عَبْدِهِ ثُمَّ غَصَبَهُ رَجُلٌ وَمَاتَ فِي يَدِهِ مِنَ الْقَطْعِ فَعَلَيْهِ
فرمایا: اور جس نے قطع کر دیا اپنے غلام کا ہاتھ، پھر اس کو غصب کیا کسی شخص نے اور وہ مر گیا اس کے قبضہ میں قطع ید کی وجہ سے تو غاصب پر
قِيمَتُهُ أَقْطَعَ ، وَإِنْ كَانَ الْمَوْلَى قَطَعَ يَدَهُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ فَمَاتَ مِنْ ذٰلِكَ فِي يَدِ الْغَاصِبِ لَا شَيْءَ
ہاتھ کٹے غلام کی قیمت ہے، اور اگر مولیٰ نے کاٹ دیا اس کا ہاتھ غاصب کے قبضہ میں، پھر وہ مر گیا اس سے غاصب کے ہاتھ میں، تو کچھ واجب نہیں
عَلَيْهِ ؛ وَالْفَرْقُ أَنَّ الْغَصْبَ قَاطِعٌ لِلسِّرَايَةِ لِأَنَّهُ سَبَبُ الْمِلْكِ كَالْبَيْعِ فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ هَلَكَ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ
اس پر، اور فرق یہ ہے کہ غصب قاطع ہے سرایت کے لیے؛ کیونکہ وہ سبب ملک ہے جیسے بیع، پس ہو جائے گا گویا وہ ہلاک ہوا آفت سماوی کی وجہ سے
فَتَجِبُ قِيمَتُهُ أَقْطَعَ ، وَلَمْ يُوجَدِ الْقَاطِعُ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي فَكَانَتِ السِّرَايَةُ مُضَافَةً إِلَى الْبِدَايَةِ فَصَارَ
اس لیے واجب ہوگی اقطع کی قیمت، اور نہیں پایا گیا قاطع دوسری صورت میں، پس سرایت منسوب ہوگی ابتداء کی طرف، پس ہو گیا
الْمَوْلَى مُتْلِفًا فَيَصِيرُ مُسْتَرِدًّا ، كَيْفَ وَأَنَّهُ اسْتَوْلَى عَلَيْهِ وَهُوَ اسْتِرْدَادٌ فَيَبْرَأُ
مولیٰ تلف کرنے والا، اور ہو جائے گا واپس لینے والا، کیسے نہ ہو حالانکہ مولیٰ قابض ہو چکا ہے اس پر اور قابض ہونا واپس لینا ہے، پس بری ہوگا
الْغَاصِبُ عَنِ الضَّمَانِ {2} قَالَ : وَإِذَا غَصَبَ الْعَبْدُ الْمَحْجُورُ عَلَيْهِ عَبْدًا مَحْجُورًا عَلَيْهِ فَمَاتَ فِي يَدِهِ فَهُوَ ضَامِنٌ
غاصب ضمان سے۔ فرمایا: اور اگر غصب کیا مجور علیہ غلام نے دوسرا مجور علیہ غلام، پس وہ مر گیا اس کے قبضہ میں تو غاصب ضامن ہوگا
لِأَنَّ الْمَحْجُورَ عَلَيْهِ مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ . {3} قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ مُدَبَّرًا فَجَنَى عِنْدَهُ جِنَايَةً ثُمَّ رَدَّهُ
؛ کیونکہ مجور علیہ ماخوذ ہوتا ہے اپنے افعال میں۔ فرمایا: اور جس نے غصب کیا مدبر کو پس اس نے کوئی جنایت کی اس کے پاس، پھر رد کیا اس کو
عَلَى الْمَوْلَى فَجَنَى عِنْدَهُ جِنَايَةً أُخْرَى فَعَلَى الْمَوْلَى قِيمَتُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ ؛ لِأَنَّ
مولیٰ پر، پس اس نے جنایت کی مولیٰ کے پاس دوسری جنایت، تو مولیٰ پر اس کی قیمت ہے دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی؛ کیونکہ
الْمَوْلَى بِالتَّدْبِيرِ السَّابِقِ أَعْجَزَ نَفْسَهُ عَنِ الدَّفْعِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَصِيرَ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ فَيَصِيرُ مُبْطِلًا

مولی نے سابق تدبیر سے خود کو عاجز کر دیا غلام دینے سے بغیر اس کے کہ ہو جائے وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا، پس ہوا باطل کرنے والا

حَقِّ أَوْلِيَاءِ الْجِنَايَةِ إِذْ حَقُّهُمْ فِيهِ وَلَمْ يَمْنَعْ إِلَّا رَقَبَةً وَاحِدَةً فَلَا يُزَادُ عَلَى قِيمَتِهَا،

جنایت کے اولیاء کے حق کو؛ کیونکہ ان کا حق دفع میں ہے، اور مولیٰ نے نہیں روکا ہے مگر ایک رقبہ، پس اضافہ نہ ہوگا ایک رقبہ کی قیمت پر،

وَيَكُونُ بَيْنَ وَلِيِّ الْجِنَايَتَيْنِ نِصْفَيْنِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْمُوجَبِ . ﴿۴﴾قَالَ : وَيَرْجِعُ الْمَوْلَى

اور ہوگی دونوں جنایتوں کے ولیوں کے درمیان نصف نصف؛ دونوں کے استواء کی وجہ سے موجب میں۔ فرمایا: اور رجوع کرے گا مولیٰ

بِنِصْفِ قِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْبَدَلِ بِسَبَبٍ كَانَ فِي يَدِ الْغَاصِبِ فَصَارَ كَمَا

اس کی نصف قیمت کے بارے میں غاصب پر؛ کیونکہ مستحق ہوا نصف بدل ایسے سبب سے جو غاصب کے قبضہ میں تھا، پس ہو گیا جیسے

إِذَا اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْعَبْدِ بِهَذَا السَّبَبِ . ﴿۵﴾قَالَ : وَيَدْفَعُهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى ثُمَّ يَرْجِعُ بِذَلِكَ

اگر مستحق ہوا ہو نصف غلام اس سبب سے ۔ فرمایا: اور مولیٰ دیدے گا نصف جنایتِ اولیٰ کے ولی کو، پھر رجوع کرے گا اس کے بارے میں

عَلَى الْغَاصِبِ،وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ.وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ : يَرْجِعُ بِنِصْفِ قِيمَتِهِ فَيُسَلِّمُ لَهُ؛

غاصب پر، اور یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ رجوع کرے گا اس کی نصف قیمت کے بارے میں، پس وہ محفوظ رہے گا

لِأَنَّ الَّذِي يَرْجِعُ بِهِ الْمَوْلَى عَلَى الْغَاصِبِ عِوَضُ مَا سَلَّمَ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى

اس کے لیے؛ کیونکہ وہ جس کے بارے میں رجوع کرے گا مولیٰ غاصب پر ہے بعوض اس کے جو دے چکا جنایتِ اولیٰ کے ولی کو،

فَلَا يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إِلَى اجْتِمَاعِ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ فِي مِلْكِ رَجُلٍ وَاحِدٍ،وَكَيْلَا يَتَكَرَّرَ الِاسْتِحْقَاقُ. ﴿۶﴾وَلَهُمَا

پس نہیں دے گا وہ اس کو تاکہ مفضی نہ ہو اجتماعِ بدل و مبدل کو ایک شخص کی ملک میں، اور تاکہ مکرر نہ ہو استحقاق۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ حَقَّ الْأَوَّلِ فِي جَمِيعِ الْقِيمَةِ لِأَنَّهُ حِينَ جَنَى فِي حَقِّهِ لَا يُزَاحِمُهُ أَحَدٌ ، وَإِنَّمَا انْتَقَصَ بِاعْتِبَارِ مُزَاحَمَةِ الثَّانِي

کہ اول کا حق پوری قیمت میں ہے؛ کیونکہ جب مدبر نے جنایت کی اس کے حق میں تو کوئی مزاحم نہ تھا اس کا، اور اس کا حق کم ہوا دوسرے کی مزاحمت کی وجہ سے

فَإِذَا وَجَدَ شَيْئًا مِنْ بَدَلِ الْعَبْدِ فِي يَدِ الْمَالِكِ فَارِغًا يَأْخُذُهُ لِيَتِمَّ حَقُّهُ فَإِذَا أَخَذَهُ مِنْهُ

پھر جب پائی کوئی چیز غلام کے بدل میں سے مالک کے ہاتھ میں فارغ، تو لے لے گا اس کو تاکہ پورا ہو اس کا حق، پس جب لے لی وہ چیز اس سے

يَرْجِعُ الْمَوْلَى بِمَا أَخَذَهُ عَلَى الْغَاصِبِ لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ مِنْ يَدِهِ بِسَبَبٍ

تو رجوع کرے گا مولیٰ اس چیز کے بارے میں جو اس نے لے لی ہے غاصب پر؛ کیونکہ وہ چیز لے لی گئی اس کے قبضہ سے ایسے سبب سے

كَانَ فِي يَدِ الْغَاصِبِ . ﴿۷﴾قَالَ : وَإِنْ كَانَ جَنَى عِنْدَ الْمَوْلَى فَغَصَبَهُ رَجُلٌ فَجَنَى

جو غاصب کے قبضہ میں تھا۔ فرمایا: اور اگر مدبر نے جنایت کی مولیٰ کے پاس، پھر غصب کیا اس کو کسی شخص نے، اور اس نے جنایت کی

عِنْدَهُ جِنَايَةً أُخْرَى فَعَلَى الْمَوْلَى قِيمَتُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَيَرْجِعُ بِنِصْفِ الْقِيمَةِ

غاصب کے پاس دوسری جنایت، تو مولیٰ پر اس کی قیمت ہے جو ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی، اور رجوع کرے گا نصف قیمت کے بارے میں

عَلَى الْغَاصِبِ ؛ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ ، غَيْرَ أَنَّ اسْتِحْقَاقَ النِّصْفِ حَصَلَ بِالْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ إِذْ

غاصب پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے پہلی صورت میں، البتہ استحقاقِ نصف حاصل ہوا ہے دوسری جنایت کی وجہ سے؛ اس لیے

كَانَتْ هِيَ فِي يَدِ الْغَاصِبِ فَيَدْفَعُهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى وَلَا يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ.

کہ وہ غاصب کے قبضہ متحقق ہوئی ہے پس دیدے گا وہ پہلی جنایت کے ولی کو، اور رجوع کرے گا اس کے بارے میں غاصب پر، اور یہ بالاتفاق ہے

﴿۸﴾ثُمَّ وَضَعَ الْمَسْأَلَةَ فِي الْعَبْدِ فَقَالَ : وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَجَنَى فِي يَدِهِ

پھر وضع کیا ہے مسئلے کو غلام کے بارے میں، چنانچہ فرمایا: جس نے غصب کیا غلام کو اور اس نے جنایت کی غاصب کے قبضہ میں،

ثُمَّ رَدَّهُ فَجَنَى جِنَايَةً أُخْرَى فَإِنَّ الْمَوْلَى يَدْفَعُهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَتَيْنِ ثُمَّ يَرْجِعُ

پھر غاصب نے واپس کیا اس کو، اور اس نے جنایت کی دوسری جنایت، تو مولیٰ وہ دیدے گا دونوں جنایتوں کے ولیوں کو، پھر رجوع کرے گا

عَلَى الْغَاصِبِ بِنِصْفِ الْقِيمَةِ فَيَدْفَعُهُ إِلَى الْأَوَّلِ وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

غاصب پر نصف قیمت کے بارے میں اور وہ دیدے گا اول کو اور رجوع کرے گا اس کے بارے میں غاصب سے، اور یہ شیخین کے نزدیک ہے

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَرْجِعُ بِنِصْفِ الْقِيمَةِ فَيَسْلَمُ لَهُ ، وَإِنْ جَنَى عِنْدَ الْمَوْلَى

اور فرمایا امام محمدؒ نے رجوع کرے گا نصف قیمت کے بارے میں، اور وہ محفوظ رہے گا اس کے لیے، اور اگر جنایت کی مولیٰ کے پاس،

ثُمَّ غَصَبَهُ فَجَنَى فِي يَدِهِ دَفَعَهُ الْمَوْلَى نِصْفَيْنِ وَيَرْجِعُ

پھر کسی نے اس کو غصب کیا اور جنی کی اس نے غاصب کے قبضہ میں، تو دیدے گا مولیٰ غلام نصف نصف کر کے اور رجوع کرے گا

بِنِصْفِ قِيمَتِهِ فَيَدْفَعُهُ إِلَى الْأَوَّلِ وَلَا يَرْجِعُ بِهِ ﴿۹﴾ وَالْجَوَابُ فِي الْعَبْدِ

اس کی نصف قیمت کے بارے میں، پس دیدے گا وہ اول کو اور رجوع نہیں کرے گا اس کے بارے میں، اور حکم غلام میں اسی طرح ہے

كَالْجَوَابِ فِي الْمُدَبَّرِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا، إِلَّا أَنَّ فِي هَذَا الْفَصْلِ يَدْفَعُ الْمَوْلَى الْعَبْدَ وَفِي الْأَوَّلِ يَدْفَعُ الْقِيمَةَ

جیسے جواب مدبر میں ہمارے ذکر کردہ تمام صورتوں میں، البتہ اس صورت میں مولیٰ غلام دیدے گا اور اول میں قیمت دیدے گا۔

تشریح:۔{۱}اگر ایک شخص نے اپنے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر اس غلام کو ایک اور شخص نے غصب کر لیا پس اس کے قبضہ میں ہاتھ کٹنے کی وجہ سے مر گیا تو غاصب پر ہاتھ کٹے ہوئے غلام کی قیمت واجب ہوگی۔ اور اگر مولیٰ نے غاصب کے قبضہ میں اس غلام کا ہاتھ کاٹا ہو پس وہ ہاتھ کٹنے کی وجہ سے غاصب کے قبضہ میں مر گیا تو غاصب پر کچھ واجب نہیں ہے، ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں غصب نے زخم کی سرایت کا حکم منقطع کر دیا؛ کیونکہ غصب بھی بیع کی طرح ملکیت کا سبب ہے؛ اس لیے مضمون چیز اداءِ ضمان کے وقت مملوک ہو جاتی ہے پس جب غصب کی وجہ سے سرایت منقطع ہو گئی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے مقطوع الید غلام غصب کیا ہو اور وہ اس کے پاس غصب کے علاوہ کسی آسمانی آفت سے مر گیا ہو تو غاصب پر اس کی قیمت واجب ہوگی مگر اس حساب سے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے، اور دوسری صورت میں حکم سرایت منقطع کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی؛ کیونکہ جب مولیٰ نے غاصب کے پاس مغصوب کا ہاتھ کاٹا تو یہ ایسا ہے گویا مولیٰ نے مغصوب کو غاصب سے واپس لے لیا ہے تو سرایت کی نسبت ابتداء کی جانب رہی یعنی جہاں سے زخم کی ابتداء ہوئی تھی اسی کے ساتھ سرایت کا حکم متعلق رہا اور چونکہ ابتداء اس کے مولیٰ کی جانب سے تھی تو سرایت کا بھی یہی حکم رہا کہ گویا مولیٰ نے اس کو مار ڈالا پس مولیٰ تلف کرنے والا ہوا اور غلام کو غاصب سے واپس لینے والا ہوا، اور غاصب سے واپس لینے والا کیونکر نہ ہوگا حالانکہ مولیٰ نے غاصب کے پاس اپنے غلام پر غلبہ پایا اور غلبہ پانا واپس کرنا ہے اور جب مولیٰ نے غلام کو واپس لے لیا تو غاصب اس کے تاوان سے بری ہو جائے گا۔

{۲}اگر ایک مجور غلام نے دوسرے مجور غلام کو غصب کر لیا پس مغصوب اس کے قبضہ میں مر گیا تو غاصب ضامن ہوگا؛ کیونکہ مجور حالتِ رقیت میں اپنے افعال کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے اگرچہ ایسے اقوال کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتا ہے جو موجبِ اموال ہوں۔

{۳}اگر کسی نے دوسرے کا مدبر غلام غصب کر لیا پس اس غلام نے غاصب کے پاس کوئی جرم کیا پھر غاصب نے اسے اپنے مولیٰ کو واپس کیا پس اس نے مولیٰ کے پاس دوسرا جرم کیا تو مولیٰ پر مدبر کی ایک قیمت واجب ہوگی جو دونوں جرموں کے مستحقین کے درمیان نصف نصف ہوگی؛ کیونکہ مولیٰ نے پہلے ہی مدبر کر کے مجرم غلام مستحق کو دینے سے اپنے آپ کو عاجز کر لیا بغیر اس کے کہ اس کا فدیہ اختیار کرنے والا ہو تو مولیٰ اس عمل (مدبر کرنے) کی وجہ سے مستحقین جرم کا حق باطل کرنے والا ہو گیا؛ کیونکہ مستحقین جرم کا حق اسی غلام کی گردن میں تھا جو اس نے مدبر کر کے ان کے حق کو باطل کر دیا اس لیے مولیٰ ضامن ہوگا، مگر چونکہ مولیٰ نے صرف ایک ہی رقبہ کو روک لیا ہے لہٰذا اس کی ایک قیمت سے زیادہ کا ضامن نہ ہوگا اور یہی قیمت دونوں مستحقین جرم کے درمیان نصف نصف ہوگی؛ کیونکہ سببِ استحقاق میں وہ دونوں برابر ہیں۔

{۴} پھر مولیٰ اس غلام کی نصف قیمت کو غاصب سے واپس لے گا؛ کیونکہ مولیٰ سے نصف عوض ایسے سبب سے لیا گیا جو غاصب کے پاس پایا گیا تھا تو ایسا ہو گیا جیسا آدھا غلام غاصب کے قبضہ میں پائے جانے والے سبب سے لے لیا گیا ہو اور اس کو واپس ہی نہ کیا گیا ہو پس مولیٰ نصف قیمت اس غاصب سے واپس لے گا لیکن یہ نصف بھی جرم اول کے مستحق کو دے گا۔

{۵} پھر شیخین کے نزدیک مولیٰ نے جو نصف قیمت غاصب سے لی ہے وہ جرم اول کے مستحق کو دے دے گا یوں جرم اول کے مستحق کو پوری قیمت پہنچ گی، پھر اسی قدر غاصب سے واپس لے گا یوں شیخین کے قول کے مطابق مولیٰ غاصب سے دو مرتبہ رجوع کرے گا، اور امام محمد کے نزدیک مولیٰ اس کے غاصب سے فقط نصف قیمت لے گا یعنی ایک ہی مرتبہ غاصب سے رجوع کرے گا اور مولیٰ ہی کے پاس سالم رہے گا یعنی جرم اول کے مستحق کو نہیں دے گا؛ کیونکہ غاصب سے مولیٰ نے جو نصف قیمت واپس لی وہ اس کے عوض ہے جو مولیٰ نے جرم اول کے مستحق کو دی تھی تو اب مولیٰ اس عوض کو بھی جرم اول کے مستحق کو نہیں دے گا تاکہ ایک ہی شخص کی ملکیت میں بدل و مبدل دونوں جمع نہ ہوں اور تاکہ مولیٰ پر جرم اول کے مستحق کا استحقاق مکرر نہ ہو جائے۔

{۶} شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جرم اول کا استحقاق اس غلام کی پوری قیمت میں تھا؛ کیونکہ غلام نے جب اول پر جرم کیا اس وقت اس کے استحقاق کے ساتھ کوئی مزاحم نہ تھا یعنی اس کا حق پوری قیمت تھا پھر اس سے گھٹ کر نصف قیمت رہ جانا اسی جہت سے پیدا ہوا کہ جرم دوم کا مستحق اس کا مزاحم ہو گیا پس جرم اول کا مستحق جب اس غلام کے عوض میں کوئی چیز اس کے مولیٰ کے قبضہ میں ہر طرح کے استحقاق سے فارغ پائے گا یعنی جرم دوم کے استحقاق سے فارغ پائے گا تو اس کو لے لے گا تاکہ اس کا حق پورا ہو جائے پس جب جرم اول کے مستحق نے مولیٰ سے وہ نصف قیمت لے لی جو اس نے غاصب سے پائی تھی تو مولیٰ اس کے لینے کی وجہ سے دوبارہ غاصب سے نصف قیمت وصول کرلے گا؛ کیونکہ مولیٰ کے ہاتھ سے اس کا نکل جانا ایسے سبب سے واقع ہوا جو سبب غاصب کے قبضہ میں پایا گیا تھا۔

{۷} اگر مدبر غلام نے مولیٰ کے پاس جرم کیا پھر ایک شخص نے مولیٰ کے پاس سے اس کو غصب کر لیا پھر اس نے غاصب کے پاس دوسرا جرم کیا تو مولیٰ پر اس کی قیمت واجب ہو گی جو دونوں جرموں کے مستحقوں کے درمیان نصف نصف ہو گی پھر مولیٰ نصف قیمت کو غاصب سے واپس لے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم نے پہلی صورت میں بیان کی کہ مولیٰ کے ذمہ جو کچھ لازم آیا اس کا باعث وہی جرم ہے جو غاصب کے پاس پیدا ہوا تھا، البتہ سابقہ صورت اور اس صورت میں فرق ہے؛ کیونکہ اس صورت میں مولیٰ پر اس نصف کا استحقاق

جرم دوم کی وجہ سے پیدا ہوا اور جرم دوم غاصب کے قبضہ میں پیدا ہوا تھا پس اس صورت میں بالاجماع یہ حکم ہے کہ مولیٰ اس نصف قیمت کو لے کر جرم اول کے مستحق کو دیدے پھر دوبارہ اس کو غاصب سے نہیں لے گا؛ کیونکہ جرم اول مالک کے قبضہ میں پیدا ہوا تھا۔

{۸} پھر جاننا چاہیے کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں مدبر کے مسئلہ کے بعد محض غلام کا مسئلہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک غلام کو غصب کیا پس اس نے غاصب کے قبضہ میں جرم کیا پھر غاصب نے اس کو مولیٰ کے قبضہ میں واپس کیا پھر اس نے مولیٰ کے پاس دوسرا جرم کیا تو شیخینؒ کے نزدیک اس محض غلام کے حق میں حکم یہ ہے کہ مولیٰ اس کو دونوں جرموں کے مستحقین کو دیدے گا پھر غاصب سے اس کی نصف قیمت لے کر جرم اول کے مستحق کو دیدے گا پھر دوبارہ غاصب سے نصف قیمت واپس لے گا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ غاصب سے فقط نصف قیمت لے پس وہ مولیٰ ہی کے لیے سالم رہے گی مولیٰ دوبارہ رجوع نہیں کرے گا۔ اور اگر محض غلام نے مولیٰ کے پاس جرم کیا پھر اس کو کسی نے غصب کیا پس اس نے غاصب کے پاس دوسرا جرم کیا تو مولیٰ اس غلام کو دونوں جرموں کے مستحقین کو نصف نصف دیدے گا پھر غاصب سے اس کی نصف قیمت لے کر جرم اول کے مستحق کو دیدے گا پھر غاصب سے دوبارہ نہیں لے سکتا ہے۔

{۹} واضح رہے کہ غلام کی صورت میں مذکور حکم اسی طرح ہے جو مدبر کی صورت میں ہے ان تمام وجوہ میں جو ہم ذکر کر چکے البتہ اس قدر فرق ہے کہ غلام کی صورت میں مولیٰ اس غلام کو دے سکتا ہے اور مدبر کی صورت میں مدبر نہیں دے سکتا ہے بلکہ اس کی قیمت دے گا۔

{۱} قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ مُدَبَّرًا فَجَنَى عِنْدَهُ جِنَايَةً ثُمَّ رَدَّهُ عَلَى الْمَوْلَى ثُمَّ غَصَبَهُ

ترجمہ: {۱} فرمایا: اور جس نے غصب کیا مدبر کو، پس اس نے کوئی جنایت کی اس کے پاس، پھر غاصب نے اس کو واپس کیا مولیٰ کو پھر غصب کیا اس کو

ثُمَّ جَنَى عِنْدَهُ جِنَايَةً فَعَلَى الْمَوْلَى قِيمَتُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ ؛ لِأَنَّهُ مَنَعَ

پھر اس نے کوئی جنایت کی غاصب کے پاس تو مولیٰ پر اس کی قیمت ہے جو دونوں ولیوں کے درمیان نصف نصف ہوگی؛ کیونکہ مولیٰ نے روکا ہے

رَقَبَةً وَاحِدَةً بِالتَّدْبِيرِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ ، ثُمَّ يَرْجِعُ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ ؛ لِأَنَّ الْجِنَايَتَيْنِ

ایک رقبہ تدبیر کی وجہ سے، پس واجب ہوگی اس پر ایک قیمت، پھر رجوع کرے گا اس کی قیمت کے بارے میں غاصب پر؛ کیونکہ دونوں جنایتیں

كَانَتَا فِي يَدِ الْغَاصِبِ ، فَيَدْفَعُ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ كُلَّ الْقِيمَةِ ، لِأَنَّ عِنْدَ وُجُودِ الْجِنَايَةِ عَلَيْهِ لَا حَقَّ

غاصب کے قبضہ میں ہوئی ہیں پس دیدے گا اس کا نصف اول کو؛ کیونکہ وہ مستحق ہوا کل قیمت کا؛ کیونکہ اس پر جنایت کے وقت کوئی حق نہیں تھا

لِغَيْرِهِ ، وَإِنَّمَا انْتَقَصَ بِحُكْمِ الْمُزَاحِمَةِ مِنْ بَعْدِ . ﴿۲﴾قَالَ : وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ
اس کے غیر کے لیے، اور اس کا حق کم ہوا ہے بعد کی مزاحمت کی وجہ سے۔ فرمایا: اور رجوع کرے گا اس کے بارے میں غاصب پر
لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ بِسَبَبٍ كَانَ فِي يَدِهِ وَيُسَلَّمُ لَهُ ، وَلَا يَدْفَعُهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى
؛ کیونکہ استحقاق ایسے سبب سے تھا جو اس کے قبضہ میں تھا، اور سالم رہے گا مولیٰ کے لیے اور نہیں دے گا غلام نہ پہلی جنایت والے کو
وَلَا إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ إِلَّا فِي النِّصْفِ لِسَبْقِ حَقِّ الْأَوَّلِ وَقَدْ وَصَلَ ذَلِكَ إِلَيْهِ
اور نہ دوسری جنایت والے کو؛ کیونکہ نہیں ہے حق ثانی کا مگر نصف میں؛ اول کے حق کی سبقت کی وجہ سے، اور وہ پہنچ گیا اس کو۔
﴿۳﴾ثُمَّ قِيلَ: هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى الِاخْتِلَافِ كَالْأُولَى، وَقِيلَ عَلَى الِاتِّفَاقِ . وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ فِي الْأُولَى الَّذِي
پھر کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اول کی طرح، اور کہا گیا ہے متفق علیہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک وجہ فرق یہ ہے کہ اول میں وہ مقدار
يَرْجِعُ بِهِ عِوَضٌ عَمَّا سَلَّمَ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الثَّانِيَةَ كَانَتْ فِي يَدِ الْمَالِكِ
جس کو مولیٰ واپس لیتا ہے عوض ہے اس چیز کا جو سالم رہتی ہے پہلی جنایت کے ولی کے لیے؛ کیونکہ دوسری جنایت واقع ہوئی تھی مالک کے پاس
فَلَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ ثَانِيًا يَتَكَرَّرُ الِاسْتِحْقَاقُ، فَأَمَّا فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ فَيُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ عِوَضًا عَنِ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ لِحُصُولِهَا
تو اگر دیدے اسے دوبارہ تو مکرر ہوگا استحقاق، رہا اس مسئلے میں تو ممکن ہے کہ قرار دیا جائے عوض دوسری جنایت کا؛ اس کے حصول کی وجہ
فِي يَدِ الْغَاصِبِ فَلَا يُؤَدِّي إِلَى مَا ذَكَرْنَاهُ . ﴿۴﴾قَالَ : وَمَنْ غَصَبَ صَبِيًّا حُرًّا فَمَاتَ فِي يَدِهِ
غاصب کے قبضہ میں، پس مفضی نہ ہوگی اس خرابی کو جو ہم ذکر کر چکے۔ فرمایا: اور جس نے غصب کیا آزاد بچہ، پس وہ مر گیا غاصب کے قبضہ میں
فَجْأَةً أَوْ بِحُمَّى فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ ، وَإِنْ مَاتَ مِنْ صَاعِقَةٍ أَوْ نَهْسَةِ حَيَّةٍ فَعَلَى عَاقِلَةِ الْغَاصِبِ الدِّيَةُ ، وَهَذَا
ناگہانی موت یا بخار سے، تو نہیں ہے اس پر کوئی چیز، اور اگر مر گیا بجلی سے یا سانپ کے ڈسنے سے تو غاصب کے عاقلہ پر دیت ہوگی اور یہ
اسْتِحْسَانٌ .وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَضْمَنَ فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ ، لِأَنَّ الْغَصْبَ
استحسان ہے ، اور قیاس یہ کہ ضامن نہ ہو گا دونوں صورتوں میں اور یہی قول ہے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا؛ کیونکہ غصب
فِي الْحُرِّ لَا يَتَحَقَّقُ ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ لَوْ كَانَ مُكَاتَبًا صَغِيرًا لَا يَضْمَنُ مَعَ أَنَّهُ حُرٌّ يَدًا
آزاد میں متحقق نہیں ہوتا ہے، کیا دیکھتا نہیں کہ اگر وہ مکاتب صغیر ہو تو ضامن نہ ہوگا باوجود اس کے کہ وہ آزاد ہے قبضہ کے اعتبار سے،
فَإِذَا كَانَ الصَّغِيرُ حُرًّا رَقَبَةً وَيَدًا أَوْلَى . ﴿۵﴾وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ لَا يَضْمَنُ بِالْغَصْبِ

پس جب صغیر آزاد ہو رقبہ اور قبضہ دونوں اعتبار سے تو بطریقہ اولیٰ غاصب ضامن نہ ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا

وَلَكِنْ يَضْمَنُ بِالْإِتْلَافِ ، وَهَذَا إتْلَافٌ تَسْبِيبًا لِأَنَّهُ نَقَلَهُ إلَى أَرْضٍ مَسْبَعَةٍ

غصب سے البتہ ضامن ہوگا تلف کرنے سے اور یہ اتلاف ہے تسبیباً؛ کیونکہ اس نے بچے کو منتقل کر دیا درندوں والی زمین کی طرف

أَوْ إلَى مَكَانِ الصَّوَاعِقِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الصَّوَاعِقَ وَالْحَيَّاتِ وَالسِّبَاعَ لَا تَكُونُ فِي كُلِّ مَكَانٍ ، فَإِذَا نَقَلَهُ إلَيْهِ

یا بجلی گرنے والے مقام کی طرف، اور یہ اس لیے کہ بجلیاں، سانپ اور درندے نہیں ہوتے ہیں ہر جگہ میں، پس جب اس نے بچے کو اس مقام کی طرف نقل کیا

فَهُوَ مُتَعَدٍّ فِيهِ وَقَدْ أَزَالَ حِفْظَ الْوَلِيِّ فَيُضَافُ إلَيْهِ ، لِأَنَّ شَرْطَ الْعِلَّةِ يَنْزِلُ

اور وہ تعدی کرنے والا ہے اس میں، حالانکہ اس نے زائل کر دی ولی کی حفاظت تو اتلاف منسوب ہوگا غاصب کی طرف؛ کیونکہ شرطِ علت اتاری جاتی ہے

مَنْزِلَةَ الْعِلَّةِ إذَا كَانَ تَعَدِّيًا كَالْحَفْرِ فِي الطَّرِيقِ ، {٦}بِخِلَافِ الْمَوْتِ فَجْأَةً أَوْ بِحُمَّى ، لِأَنَّ ذَلِكَ

علت کے درجے میں اگر ہو تعدی کے طور پر جیسے کنواں کھودنا راستے میں، برخلاف ناگہانی موت اور بخار کی وجہ سے موت کے؛ کیونکہ یہ

لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَمَاكِنِ ، حَتَّى لَوْ نَقَلَهُ إلَى مَوْضِعٍ يَغْلِبُ فِيهِ الْحُمَّى وَالْأَمْرَاضُ نَقُولُ

مختلف نہیں ہوتے ہیں مقامات کے اختلاف سے حتی کہ اگر اس کو نقل کیا ایسی جگہ کی طرف جہاں بخار اور امراض غالب ہوں، تو ہم کہیں گے

بِأَنَّهُ يَضْمَنُ فَتَجِبُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لِكَوْنِهِ قَتْلًا تَسْبِيبًا .

کہ غاصب ضامن ہوگا پس واجب ہوگی دیت عاقلہ پر؛ کیونکہ یہ قتل ہے تسبیباً۔

تشریح:۔{۱} جس نے مدبر کو غصب کر لیا اور اس نے غاصب کے پاس کوئی جرم کیا پھر غاصب نے اس کو مولیٰ کے پاس واپس کیا پھر دوبارہ مولیٰ کے پاس سے غصب کر لیا گیا پھر اس نے غاصب کے پاس دوسرا جرم کیا تو مولیٰ پر اس مدبر کی پوری قیمت واجب ہوگی اور ہر دو جرم کے مستحقین کے درمیان نصف نصف ہوگی؛ کیونکہ اس نے مدبر کر کے ایک رقبہ کو مستحقین کو دینے سے روک دیا تو اس پر ایک ہی قیمت واجب ہوگی، پھر مولیٰ اس کل قیمت کو غاصب سے واپس لے گا؛ کیونکہ غاصب ہی کے قبضہ میں دونوں جرم واقع ہوئے ہیں، پس اس کل قیمت میں سے نصف قیمت جرم اول کے مستحق کو دیدے گا؛ کیونکہ جرم اول کا مستحق پوری قیمت کا مستحق ہوا تھا؛ اس لیے کہ جس وقت اس پر جرم واقع ہوا تھا اس وقت کوئی دوسرا حقدار نہ تھا پھر اس کے بعد دوسرا جرم واقع ہونے سے مزاحمت کی وجہ سے جرم اول کے مستحق کا حق گھٹ کر نصف قیمت ہو گیا۔

{۲} پھر مولیٰ نے جو نصف قیمت جرم اول کے مستحق کو دی ہے مولیٰ یہ نصف غاصب سے واپس لے گا؛ کیونکہ جرم اول کے مستحق کا استحقاق ایسے سبب سے ہوا جو سبب غاصب کے قبضہ میں پایا گیا اس لیے مولیٰ جرم اول کے مستحق کو دی ہوئی نصف قیمت

غاصب سے وصول کرے گا پس جب مولی نے غاصب سے نصف قیمت واپس لے لی تو یہ مولی کے لیے سالم رہے گی اور مولی اس کو جرم اول کے مستحق یا جرم دوم کے مستحق کو نہیں دے گا؛ کیونکہ جرم دوم کے مستحق کا استحقاق صرف نصف قیمت میں تھا؛ کیونکہ مستحق اول کا استحقاق سابق تھا لہذا نصف اسی کا حق تھا اور بقیہ نصف اس کا حق تھا اور وہ نصف قیمت اس کو پہنچ چکی اس لیے یہ نصف اس کو نہیں دی جائے گی۔

{۳} پھر بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں بھی سابقہ مسئلہ کی طرح امام محمدؒ کا اختلاف ہے اور دیگر بعض نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے، پس امام محمدؒ کے نزدیک غصبِ مکرر و غیر مکرر میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ مسئلہ میں جو کچھ مولی نے غاصب سے واپس لیا تھا وہ اس مال کا عوض تھا جو اس نے جرم اول کے مستحق کو ادا کیا تھا؛ کیونکہ مسئلہ اول میں دوسرا جرم تو مالک کے قبضہ میں واقع ہوا تھا پس اگر دوبارہ اس کو دیتا تو مکرر استحقاق لازم آتا، باقی اس مسئلہ میں چونکہ یہ امر ممکن ہے کہ جو کچھ اس نے غاصب سے لیا اس کو جرم دوم کا عوض قرار دیا جائے؛ کیونکہ دوسرا جرم بھی غاصب کے قبضہ میں واقع ہوا ہے تو یہ استحقاق کے مکرر ہونے کو مفضی نہ ہوگا۔

{۴} اگر کسی نے ایک آزاد بچے کو غصب کیا پس وہ اس کے قبضہ میں ناگہانی موت سے مر گیا یا بخار سے مر گیا تو غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر وہ بجلی گرنے سے یا سانپ کے کاٹنے سے مر گیا تو استحساناً غاصب کی مدد گار برادری پر دیت واجب ہوگی، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں غاصب پر ضامن نہ ہو، یہی امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ آزاد بچے میں غصب متحقق نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اگر وہ نابالغ مکاتب ہوتا تو غاصب ضامن نہ ہوتا باوجود کہ مکاتب صرف قبضہ کے اعتبار سے آزاد ہوتا ہے یعنی اپنی کمائی میں آزاد ہوتا ہے پس جو نابالغ گردن اور قبضہ دونوں کے اعتبار سے آزاد ہو اس کا غاصب بدرجہ اولی ضامن نہ ہوگا۔

{۵} وجہِ استحسان یہ ہے کہ وہ غصب کی وجہ سے ضامن نہیں ہوا ہے بلکہ تلف کرنے کی وجہ سے ضامن ہوا ہے اور غاصب کا فعل تسبیباً اتلاف ہے یعنی اتلاف کا سبب بنا ہے اتلاف کا مباشر نہیں ہے؛ اور سبب اس لیے بنا ہے کہ وہ اس بچے کو ایسی جگہ لے گیا کہ جہاں سانپ اور درندوں کی کثرت ہے یا بجلیاں گرنے کی جگہ ہے؛ کیونکہ بجلیاں اور سانپ اور درندے ہر جگہ نہیں ہوتے ہیں تو اس کی حفاظت ممکن تھی پس جب غاصب نے اس کو ایسی جگہ کی طرف منتقل کر دیا تو وہ اپنے اس فعل میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور اس نے بچے کے ولی کی حفاظت بھی زائل کر دی تو یہ ضرر اسی غاصب کی جانب مضاف ہوگا اور موت کی علت اگرچہ بجلی یا سانپ ہے اور غاصب کا فعل فقط شرط ہے لیکن علت کی شرط علت کے درجے میں ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں حد سے تجاوز پایا جائے جیسے راستے میں

نواں کھودنے کی صورت میں کوئی اس میں ہلاک ہو جائے تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوتا ہے اگرچہ کنویں میں گرنے کی علت اس الیناوزن ہے مگر کنواں کھودنا چونکہ اس کی شرط ہے اس لیے وہ ضامن ہوگا۔

{٦} اس کے برخلاف اگر یہ لڑکا ناگہانی موت سے مرا یا بخار سے مر گیا تو اس صورت میں غاصب ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ باب جگہوں کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتے ہیں حتی کہ اگر بچے کو ایسی جگہ کی طرف منتقل کر دیا جہاں بخار یا امراض کی کثرت ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ غاصب ضامن ہوگا۔ پھر چونکہ یہ قتل تسبیباً ہے مباشرۃً نہیں ہے یعنی قتل کا سبب بنا ہے اپنے ہاتھ سے قتل کا مرتکب نہیں ہوا ہے اس لیے اس کی دیت اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔

{١} قَالَ : وَإِذَا أُودِعَ صَبِيٌّ عَبْدًا

فرمایا: اور اگر ودیعت رکھا گیا کسی بچے کے پاس غلام،

فَقَتَلَهُ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ ، وَإِنْ أُودِعَ طَعَامًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَضْمَنْ ،

اور اس نے اس کو قتل کر دیا، تو اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی، اور اگر ودیعت رکھا گیا طعام کو، اور اس نے کھالیا اس کو، تو ضامن نہ ہوگا،

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ: يَضْمَنُ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا ، وَعَلَى هَذَا إِذَا أُودِعَ

اور یہ طرفین کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسف اور امام شافعی نے ضامن ہوگا دونوں صورتوں میں، اور اسی اختلاف پر ہے جب ودیعت رکھا جائے

الْعَبْدُ الْمَحْجُورُ عَلَيْهِ مَالًا فَاسْتَهْلَكَهُ لَا يُؤَاخَذُ بِالضَّمَانِ فِي الْحَالِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَيُؤَاخَذُ بِهِ

محجور غلام کے پاس مال، اور اس نے اس کو ہلاک کر دیا تو ماخوذ نہ ہوگا ضمان کی وجہ سے فی الحال طرفین کے نزدیک اور ماخوذ ہوگا اس کی وجہ سے

بَعْدَ الْعِتْقِ . وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ يُؤَاخَذُ بِهِ فِي الْحَالِ . وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِقْرَاضُ وَالْإِعَارَةُ

آزادی کے بعد، اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک ماخوذ ہوگا اس کی وجہ سے فی الحال، اور اسی اختلاف پر قرض اور عاریت دینا ہے

فِي الْعَبْدِ وَالصَّبِيِّ {٢} وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي أَصْلِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: صَبِيٌّ قَدْ عَقَلَ، وَفِي الْجَامِعِ الْكَبِيرِ وَضَعَ الْمَسْأَلَةَ

غلام اور بچے کو۔ اور فرمایا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر میں "صَبِيٌّ قَدْ عَقَلَ" اور جامع کبیر میں مسئلہ وضع کیا ہے

فِي صَبِيٍّ ابْنِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَيْرَ الْعَاقِلِ يَضْمَنُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ التَّسْلِيطَ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ وَفِعْلُهُ مُعْتَبَرٌ

بارہ سالہ بچے میں اور یہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ غیر عاقل بچہ ضامن ہوتا ہے بالاتفاق؛ کیونکہ تسلیط معتبر نہیں ہے اور بچے کا فعل معتبر ہے

{٣} لَهُمَا أَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مُتَقَوَّمًا مَعْصُومًا حَقًّا لِمَالِكِهِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے تلف کر دیا ایسے ذی قیمت مال کو جو معصوم ہے حق ہے اس کے مالک کا، پس واجب ہوگا اس پر

الضَّمَانُ كَمَا إِذَا كَانَتِ الْوَدِيعَةُ عَبْدًا وَكَمَا إِذَا أَتْلَفَهُ غَيْرُ الصَّبِيِّ فِي يَدِ الصَّبِيِّ الْمُودَعِ {۴} وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُ

ضمان جیسے اگر ودیعت غلام ہو تا یا جیسے اگر تلف کر دے بچے کے علاوہ مودَع بچے کے قبضہ میں۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے تلف کر دیا

مَالًا غَيْرَ مَعْصُومٍ فَلَا يَجِبُ الضَّمَانُ كَمَا إِذَا أَتْلَفَهُ بِإِذْنِهِ وَرِضَاهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ

غیر معصوم مال، پس واجب نہ ہوگا ضمان جیسا کہ اگر تلف کر دے اس کو مالک کی اجازت اور اس کی رضا سے، اور یہ اس لیے کہ عصمت ثابت ہوتی ہے

حَقًّا لَهُ وَقَدْ فَوَّتَهَا عَلَى نَفْسِهِ حَيْثُ وَضَعَ الْمَالَ فِي يَدٍ مَانِعَةٍ فَلَا يَبْقَى

مالک کا حق بن کر، حالانکہ اس نے تلف کر دیا عصمت کو اپنے نفس پر بایں طور کہ رکھا مال ایسے ہاتھ میں جو مانع ہے، پس باقی نہیں رہے گا

مُسْتَحِقًّا لِلنَّظَرِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَ نَفْسِهِ فِي الْحِفْظِ، وَلَا إِقَامَةَ هَاهُنَا لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الصَّبِيِّ

مستحق رعایت کا مگر یہ کہ غیر کو قائم مقام بنائے اپنے نفس کا حفاظت میں، اور یہاں اقامت نہیں ہے؛ کیونکہ ولایت نہیں ہے اس کو بچے،

وَلَا لِلصَّبِيِّ عَلَى نَفْسِهِ ، {۵} بِخِلَافِ الْبَالِغِ وَالْمَأْذُونِ لَهُ لِأَنَّ لَهُمَا وِلَايَةً عَلَى أَنْفُسِهِمَا وَبِخِلَافِ مَا

اور نہ بچے کو اپنے نفس پر۔ برخلاف بالغ اور ماذون لہ غلام کے؛ کیونکہ ان دونوں کو ولایت حاصل ہے اپنے نفسوں پر، اور برخلاف اس کے

إِذَا كَانَتِ الْوَدِيعَةُ عَبْدًا لِأَنَّ عِصْمَتَهُ لِحَقِّهِ إِذْ هُوَ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّ الدَّمِ

جب ودیعت غلام ہو؛ کیونکہ اس کی عصمت اس کے حق کی وجہ سے ہے اس لیے کہ وہ باقی ہے اصل حریت پر خون کے حق میں،

وَبِخِلَافِ مَا إِذَا أَتْلَفَهُ غَيْرُ الصَّبِيِّ فِي يَدِ الصَّبِيِّ لِأَنَّهُ سَقَطَتِ الْعِصْمَةُ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الصَّبِيِّ الَّذِي

اور برخلاف اس کے جب تلف کر دے اس کو بچے کے علاوہ بچے کے قبضہ میں؛ کیونکہ ساقط ہو گئی عصمت اس بچے کی نسبت سے

وَضَعَ فِي يَدِهِ الْمَالَ دُونَ غَيْرِهِ . {۶} قَالَ : وَإِنِ اسْتَهْلَكَ مَالًا ضَمِنَ يُرِيدُ بِهِ

جس کے قبضہ میں مالک نے مال دیا تھا نہ کہ اس کے غیر کی نسبت سے۔ فرمایا: اور اگر ہلاک کر دیا مال کو تو ضامن ہوگا، ارادہ کیا ہے اس سے

مِنْ غَيْرِ إِيدَاعٍ ؛ لِأَنَّ الصَّبِيَّ يُؤَاخَذُ بِأَفْعَالِهِ، وَصِحَّةُ الْقَصْدِ لَا مُعْتَبَرَ بِهَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

بغیر ودیعت رکھنے کے؛ کیونکہ بچہ ماخوذ ہے اپنے افعال کی وجہ سے، اور صحتِ قصد کا اعتبار نہیں ہے حقوق العباد میں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تشریح:۔ {۱} اگر ایک شخص نے کسی بچے کے پاس اپنا غلام بطورِ ودیعت رکھا پس بچے نے اس غلام کو قتل کر ڈالا تو بچے کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی خواہ قتل عمداً ہو یا خطاءً ہو؛ کیونکہ بچوں کے عمدی جرائم بھی نقصانِ عقل کی وجہ سے خطاء شمار ہوتے

ہیں۔ اور اگر اس بچے کے پاس طعام ودیعت رکھا گیا پس اس نے اس کو کھالیا تو طرفینؒ کے نزدیک بچہ ضامن نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں بچہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی محجور غلام کے پاس مال بطورِ ودیعت رکھا گیا پس اس نے تلف کر ڈالا تو طرفینؒ کے نزدیک وہ فی الحال ضمان میں ماخوذ نہ ہوگا بلکہ آزادی کے بعد ماخوذ ہوگا بشرطیکہ غلام محجور بالغ ہو۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ فی الحال ماخوذ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے بچے یا غلام کو قرض دیا یا اس کو کوئی چیز عاریت دی پس اس نے اس کو تلف کر ڈالا تو اس میں بھی ائمہ کا یہی اختلاف جاری ہے۔

{۲} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے اصل جامع صغیر (یہاں لفظِ اصل درست نہیں ہے) میں یہ قید لگائی ہے کہ بچہ ایسا ہو جس کو سمجھ آگئی ہے، اور جامع کبیر میں بارہ برس کی عمر والے بچے کے بارے میں مسئلہ وضع کیا ہے بہر حال یہ دونوں قول اس بات پر دال ہیں کہ غیر عاقل بچہ بالاتفاق ضامن ہوگا؛ کیونکہ ودیعت کے مالک کی طرف سے مال اور طعام وغیرہ پر اس کو مسلط کرنا معتبر نہیں اور بچے کا فعل معتبر ہے تو وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے ضامن ہوگا۔ واضح رہے کہ یہاں تو مسئلہ اسی طرح لکھا ہے مگر قاضی خان وغیرہ میں اس کے برعکس اس طرح لکھا ہے کہ یہ اختلاف ایسی صورت میں ہے کہ بچہ عاقل ہو اور اگر بچہ غیر عاقل ہو تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔

{۳} امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس بچے وغیرہ نے ایسا مال اور طعام وغیرہ کو تلف کیا جو قیمتی محترم اور اپنے مالک کا حق ہے تو تلف کرنے والے پر ضمان واجب ہوگا جیسے بچے کے پاس غلام ودیعت کی صورت میں بچہ ضامن ہوتا ہے اور جیسے مذکورہ طعام کو مستودع بچے کے قبضہ میں کوئی اجنبی شخص تلف کردے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔

{۴} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس بچے نے غیر معصوم مال کو تلف کیا ہے تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگی جیسے اگر صاحبِ مال کی اجازت اور رضامندی سے تلف کرتا تو ضمان واجب نہ ہوتا، اور یہ مال اس وجہ سے غیر معصوم تھا کہ اس کی عصمت صرف مالک کے حق کی وجہ سے ثابت کی گئی تھی ورنہ تو سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے انتفاع کے لیے پیدا فرمائی ہیں مگر نظام میں خلل سے بچنے کے لیے جس کا قبضہ پہلے ہوا اس کے لیے حقِ عصمت ثابت ہوجاتا ہے اور یہ چیز اس کی مِلک محترم قرار دی جاتی ہے پس یہاں بھی احترام حقِ مالک کی وجہ سے ہے حالانکہ مالک نے یہ احترام اپنے اوپر خود ختم کردیا بایں طور کہ اس نے یہ مال ایسے قبضہ میں رکھا جو ودیعت اور عاریت سے محجور اور ممنوع ہے تو مالک اس لائق نہ رہا کہ شرع اس کی رعایت کرے اور اس پر شفقت کرے، البتہ اگر مالک نے حفاظت کے بارے میں اپنے آپ کے بجائے دوسرا شخص قائم کردیا تو اس کا حق ملحوظ رہے گا مگر یہاں اس نے ایسا کوئی

شخص قائم مقام بھی نہیں بنایا ہے؛ کیونکہ بچے پر اس کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے تاکہ بچے پر اس کی حفاظت لازم ہو اور نہ بچے کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے تاکہ اس کا التزام درست ہو اس لیے بچہ ضامن نہ ہو گا۔

{۵} باقی بالغ شخص اور ماذون غلام کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ ان دونوں کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہوتی ہے پس اگر ان کے پاس ودیعت رکھی گئی اور انہوں نے اس کو تلف کر دیا تو یہ دونوں بالاجماع ضامن ہوں گے۔ اور برخلاف اس کے اگر نابالغ بچے کے پاس ودیعت میں کوئی غلام رکھا گیا تو بچہ اس کے قتل کرنے میں ضامن ہوتا ہے؛ کیونکہ غلام کی عصمت اپنی ذاتی حق کی وجہ سے ثابت ہے اس لیے کہ خون کے بارے میں وہ اصلی آزادی پر باقی رہتا ہے لہٰذا مولیٰ کی طرف سے بچہ اس پر مسلط نہیں ہوا ہے اس لیے ہلاک کرنے کی صورت میں بچہ اس کا ضامن ہو گا۔ اسی طرح اگر بچے کے قبضہ میں موجود مال بچے کے علاوہ دوسرے شخص نے تلف کر دیا تو وہ اس وجہ سے ضامن ہوتا ہے کہ مال کی عصمت صرف اس بچے کے لحاظ سے ساقط تھی جس کے قبضہ میں مالک نے یہ مال بطورِ ودیعت دیا تھا اور اس کے علاوہ دوسروں کے لحاظ سے مال کی عصمت ساقط نہیں ہے اس لیے غیر اس کے تلف کرنے سے ضامن ہو گا۔

{۶} اگر نابالغ بچے نے کسی شخص کا مال تلف کر دیا تو بچہ اس کا ضامن ہو گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مال کے مالک نے اس مال کو اس بچے کے پاس بطورِ ودیعت نہیں رکھا تھا بلکہ بغیر ودیعت رکھنے کے بچے نے اس کا مال تلف کر دیا تو بچہ ضامن ہو گا؛ کیونکہ بچہ اپنے افعال میں ماخوذ ہوتا ہے اگرچہ اقوال میں ماخوذ نہیں ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بچے کا تو قصدِ تلف صحیح نہیں ہے لہٰذا ضامن نہیں ہونا چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ بندوں کے حقوق میں صحتِ قصد کا اعتبار نہیں ہے اس لیے ضامن ہو گا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بَابُ الْقَسَامَةِ

یہ باب قسامت کے بیان میں ہے۔

"قسامت" لغت میں بمعنی قسم ہے اور شرعاً قسامت اس کو کہتے ہیں کہ کسی محلہ یا مکان میں ایسا مقتول پایا جائے جس کا قاتل معلوم نہ ہو حالانکہ اس پر گلا گھونٹنے یا مارنے یا زخم کا اثر ہو تو اس محلہ کے پچاس آدمیوں سے اس طرح قسم لی جائے گی کہ ہر ایک کہے گا کہ واللہ نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کا قاتل معلوم ہے، اور اگر محلہ میں پچاس عاقل بالغ لوگ نہ ہوں تو موجود لوگوں سے مکرر قسم لی جائے گی یہاں تک کہ پچاس کی تعداد پوری ہو، اور اگر محلہ والوں نے اس طرح قسم کھائی تو ان کو دیت ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ میت کا خون رائیگاں نہ ہو۔

{۱} قَالَ : وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي مَحَلَّةٍ وَلَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اسْتُحْلِفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ

فرمایا: اور اگر پایا گیا مقتول کسی محلہ میں، اور معلوم نہ ہو کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے تو قسم لی جائے گی ان میں سے پچاس آدمیوں سے

يَتَخَيَّرُهُمْ الْوَلِيُّ بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:

جن کو منتخب کرے گا مقتول کا ولی، واللہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے اس کو اور نہ ہم جانتے ہیں اس کے قاتل کو۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے

إذَا كَانَ هُنَاكَ لَوْثٌ اُسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِينَ يَمِينًا وَيُقْضَى لَهُمْ بِالدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَمْدًا كَانَتِ الدَّعْوَى

اگر وہاں کوئی قرینہ ہو تو پچاس قسمیں لی جائیں گے مقتول کے اولیاء سے، اور فیصلہ کیا جائے گا ان کے لیے دیت کا مدعیٰ علیہ پر خواہ عمد کا دعویٰ ہو

أَوْ خَطَأً . {۲} وَقَالَ مَالِكٌ : يُقْضَى بِالْقَوَدِ إذَا كَانَتِ الدَّعْوَى فِي الْقَتْلِ الْعَمْدِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ،

یا خطاء کا، اور فرمایا امام مالکؒ نے فیصلہ کیا جائے گا قصاص کا اگر دعویٰ قتل عمد کا ہو اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔

وَاللَّوْثُ عِنْدَهُمَا أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ عَلَامَةُ الْقَتْلِ عَلَى وَاحِدٍ بِعَيْنِهِ أَوْ ظَاهِرٍ يَشْهَدُ لِلْمُدَّعِي مِنْ عَدَاوَةٍ ظَاهِرَةٍ

اور لوث امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے وہاں علامتِ قتل ہو کسی ایک متعین پر یا ظاہر حال شاہد ہو مدعی کے لیے یعنی عداوتِ ظاہرہ ہو

أَوْ شَهَادَةِ عَدْلٍ أَوْ جَمَاعَةٍ غَيْرِ عُدُولٍ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لَهُ

یا شہادتِ عدل یا غیر عدول کی ایک جماعت کی شہادت ہو اس بات پر کہ اہل محلہ نے اس کو قتل کیا ہے، اور اگر نہ ہو ظاہر شاہد اس کے لیے

فَمَذْهَبُهُ مِثْلُ مَذْهَبِنَا ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُكَرِّرُ الْيَمِينَ بَلْ يَرُدُّهَا عَلَى الْوَلِيِّ، فَإِنْ حَلَفُوا

تو امام شافعیؒ کا مذہب ہمارے مذہب کی طرح، البتہ وہ مکرر نہیں کرتے ہیں یمین کو بلکہ رد کرتے ہیں یمین کو ولی پر، پس اگر انہوں نے قسم کھائی

لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ {۳} لِلشَّافِعِيِّ فِي الْبُدَاءِ بِيَمِينِ الْوَلِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْأَوْلِيَاءِ { فَيُقْسِمُ مِنْكُمْ

تو دیت نہ ہوگی ان پر۔ اور امام شافعیؒ کی دلیل ولی کی یمین سے آغاز کرنے کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے اولیاء سے "پس قسم کھائیں تم میں سے

خَمْسُونَ أَنَّهُمْ قَتَلُوهُ } {۴} وَلِأَنَّ الْيَمِينَ تَجِبُ عَلَى مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ وَلِهَذَا

پچاس آدمی کہ انہوں نے قتل کیا ہے اس کو" اور اس لیے کہ یمین واجب ہوتی ہے اُن پر جس کے لیے ظاہر گواہی دے، اور اسی لیے

تَجِبُ عَلَى صَاحِبِ الْيَدِ ، فَإِذَا كَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَلِيِّ يُبْدَأُ بِيَمِينِهِ وَرَدُّ الْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعِي أَصْلٌ لَهُ

واجب ہوتی ہے قابض پر، پس جب ظاہر شاہد ہے ولی کے لیے تو آغاز کیا جائے اس کی یمین سے، اور رد کرنا یمین کو مدعی پر امام شافعیؒ کی اصل ہے

كَمَا فِي النُّكُولِ ، غَيْرَ أَنَّ هَذِهِ دَلَالَةٌ فِيهَا نَوْعُ شُبْهَةٍ وَالْقِصَاصُ لَا يُجَامِعُهَا وَالْمَالُ يَجِبُ

جیسا کہ انکار میں ہے البتہ یہ ایسی دلیل ہے جس میں ایک گونا شبہ ہے، اور قصاص جمع نہیں ہوتا شبہ کے ساتھ، اور مال واجب ہوتا ہے

مَعَهَا فَلِهٰذَا وَجَبَتِ الدِّيَةُ. ﴿۵﴾ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ }

اس کے ساتھ، پس اسی لیے واجب ہوگی دیت۔ اور ہماری دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے "بیّنہ مدعی پر ہے اور یمین اس پر ہے جو انکار کرے"

وَفِي رِوَايَةٍ { عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ } وَرَوَى سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ { أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَدَأَ بِالْيَهُودِ بِالْقَسَامَةِ وَجَعَلَ

اور ایک روایت میں ہے "مدعی علیہ پر ہے" اور روایت کی ہے سعید بن المسیبؒ نے کہ حضورؐ نے ابتداء کی یہود سے قسامت کی اور مقرر کی

الدِّيَةَ عَلَيْهِمْ لِوُجُودِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ } ﴿۶﴾ وَلِأَنَّ الْيَمِينَ حُجَّةٌ لِلدَّفْعِ دُونَ الِاسْتِحْقَاقِ وَحَاجَةُ الْوَلِيِّ إلَى الِاسْتِحْقَاقِ

دیت ان پر؛ مقتول پائے جانے کی وجہ سے ان کے درمیان۔ اور اس لیے کہ یمین حجت ہے دفع کے لیے نہ کہ استحقاق کے لیے، اور حاجتِ ولی استحقاق کو ہے

وَلِهٰذَا لَا يَسْتَحِقُّ بِيَمِينِهِ الْمَالَ الْمُبْتَذَلَ فَأَوْلَى أَنْ لَا يَسْتَحِقَّ بِهِ النَّفْسَ الْمُحْتَرَمَةَ. ﴿۷﴾ وَقَوْلُهُ يَتَخَيَّرُهُمْ

اور اسی لیے مستحق نہیں ہوتا اپنی یمین سے مالِ مبتذل کا پس بطریقِ اولیٰ مستحق نہ ہوگا یمین کی وجہ سے نفسِ محترمہ کا۔ اور ماتنؒ کا قول کہ "منتخب کرے گا

الْوَلِيُّ إشَارَةٌ إلَى أَنَّ خِيَارَ تَعْيِينِ الْخَمْسِينَ إلَى الْوَلِيِّ لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ

ان کو مقتول کا ولی" اشارہ ہے اس طرف کہ پچاس کو متعین کرنے کا اختیار ولی کو ہے؛ کیونکہ یمین اسی کا حق ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ

يَخْتَارُ مَنْ يَتَّهِمُهُ بِالْقَتْلِ أَوْ يَخْتَارُ صَالِحِي أَهْلِ الْمَحَلَّةِ لِمَا أَنَّ تَحَرُّزَهُمْ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ أَبْلَغُ التَّحَرُّزِ فَيَظْهَرُ

منتخب کرے گا وہ جسے متہم پائے گا قتل کے ساتھ، یا اختیار کرے گا محلہ کے نیک لوگ؛ اس لیے کہ ان کا بچنا جھوٹی قسم سے کما حقہ ہوگا، پس ظاہر ہو جائے گا

الْقَاتِلُ، وَفَائِدَةُ الْيَمِينِ النُّكُولُ، فَإِنْ كَانُوا لَا يُبَاشِرُونَ وَيَعْلَمُونَ يُفِيدُ يَمِينُ الصَّالِحِ عَلَى الْعِلْمِ بِأَبْلَغَ مِمَّا يُفِيدُ

قاتل، اور یمین کا فائدہ انکار ہے، اور اگر اہلِ محلہ قاتل نہ ہوں اور قاتل جانتے ہوں تو مفید ہوگی یمین صالح علم پر زیادہ اس سے جو مفید ہوتی ہے

يَمِينُ الطَّالِحِ، وَلَوْ اخْتَارُوا أَعْمَى أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفٍ جَازَ لِأَنَّهُ يَمِينٌ وَلَيْسَ بِشَهَادَةٍ. ﴿۸﴾ قَالَ: وَإِذَا

ناصالح کی یمین، اور اگر اولیاء نے منتخب کیا اندھے یا محدود فی القذف کو تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ یمین ہے شہادت نہیں ہے۔ فرمایا: اور جب

حَلَفُوا قُضِيَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ الْوَلِيُّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَجِبُ الدِّيَةُ

وہ قسم کھائیں تو فیصلہ کیا جائے گا محلہ والوں پر دیت کا، اور قسم نہیں لی جائے گی ولی سے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے دیت واجب نہ ہوگی

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ { تُبَرِّئُكُمُ الْيَهُودُ بِأَيْمَانِهَا } وَلِأَنَّ الْيَمِينَ

کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے عبداللہ بن سہلؓ کی حدیث میں "تم سے بری ہو جائیں گے یہود اپنی قسموں کے ذریعے" اور اس لیے کہ یمین

عُهِدَ فِي الشَّرْعِ مُبَرِّئًا لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَا مُلْزِمًا كَمَا فِي سَائِرِ الدَّعَاوَى. ﴿۹﴾ وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

معلوم ہوگئی ہے شریعت میں بری کرنے والی مدعی علیہ کو نہ کہ لازم کرنے والی جیسا کہ دیگر دعاوی میں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے

جَمَعَ بَيْنَ الدِّيَةِ وَالْقَسَامَةِ فِي حَدِيثِ ابْنِ سَهْلٍ وَفِي حَدِيثِ زِيَادِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، وَكَذَا جَمَعَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَيْنَهُمَا عَلَى وَادِعَةَ

جمع فرمایا دیت اور قسامت کو حدیثِ ابن سہلؓ اور حدیثِ زیاد بن ابی مریم میں، اور اسی طرح جمع فرمایا حضرت عمرؓ نے دونوں کو وادعہ قبیلہ پر

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {تُبَرِّئُكُمْ الْيَهُودُ} مَحْمُولٌ عَلَى الْإِبْرَاءِ عَنِ الْقِصَاصِ وَالْحَبْسِ، وَكَذَا الْيَمِينُ مُبَرِّئَةٌ عَمَّا

اور حضورؐ کا ارشاد "تُبَرِّئُكُمْ الْيَهُودُ" محمول ہے ابراء پر قصاص اور قید سے، اور اسی طرح یمین بری کر دیتی ہے اس سے جس کے لیے

وَجَبَ لَهُ الْيَمِينُ وَالْقَسَامَةُ مَا شُرِعَتْ لِتَجِبَ الدِّيَةُ إِذَا نَكَلُوا ، بَلْ شُرِعَتْ

یمین واجب ہوئی ہے، اور قسامت اس لیے مشروع نہیں ہوئی ہے تاکہ واجب ہو دیت جب وہ انکار کریں، بلکہ اس لیے مشروع ہوئی ہے

لِيَظْهَرَ الْقِصَاصُ بِتَحَرُّزِهِمْ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ فَيُقِرُّوا بِالْقَتْلِ ، فَإِذَا حَلَفُوا حَصَلَتِ

تاکہ ظاہر ہو جائے قصاص اہلِ محلہ کے جھوٹی قسم سے احتراز کے سبب، پس وہ اقرار کریں قتل کا، پس جب انہوں نے قسم کھائی تو حاصل ہوگئی

الْبَرَاءَةُ عَنِ الْقِصَاصِ . {١٠} ثُمَّ الدِّيَةُ تَجِبُ بِالْقَتْلِ الْمَوْجُودِ مِنْهُمْ ظَاهِرًا لِوُجُودِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ

براءت قصاص سے، پھر دیت واجب ہوگی اس قتل کی وجہ سے جو موجود ہوا ہے ان کی طرف سے ظاہراً؛ وجودِ مقتول کی وجہ سے ان کے درمیان

لَا بِنُكُولِهِمْ ، أَوْ وَجَبَتْ بِتَقْصِيرِهِمْ فِي الْمُحَافَظَةِ كَمَا فِي الْقَتْلِ الْخَطَإِ

نہ کہ ان کے انکار کی وجہ سے، یا واجب ہوگی ان کی کوتاہی کی وجہ سے حفاظت میں جیسا کہ قتل خطاء میں ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی محلہ میں ایک شخص مقتول پایا گیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے تو مقتول کا ولی اس محلہ والوں میں سے پچاس آدمیوں کا انتخاب کرے جن سے قسم لی جائے گی کہ "واللہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم اس کا قاتل جانتے ہیں"۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہاں کوئی لوث ہو یعنی ایسا قرینہ ہو جس سے مدعی کا صدق ظاہر ہو تو مقتول کے اولیاء سے پچاس قسمیں لی جائیں اور وہ یہ قسم کھائیں کہ مقتول کو اہلِ محلہ نے قتل کیا ہے، پس جب وہ قسم کھائیں تو قاضی ان کے لیے مدعی علیہ پر دیت کا حکم دے خواہ دعوی قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا ہو۔

{۲} امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر دعوی قتل عمد کا ہو تو مدعا علیہ پر قصاص کا حکم دیا جائے گا، اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے، اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک لوث کا یہ معنی ہے کہ وہاں کسی خاص شخص پر علامتِ قتل پائی جائے یعنی مثلاً اس کی تلوار یا لباس خون آلود ہو، یا ظاہر حال اس مدعی کے لیے شاہد ہو مثلاً مدعا علیہ اور مقتول میں ظاہری عداوت ہو، یا ایک عادل

شخص گواہی دے کہ اہل محلہ نے اس کو قتل کیا ہے، یا غیر عادلوں کی ایک جماعت گواہی دیں کہ اہل محلہ نے اس کو قتل کیا ہے ،اور اگر ظاہر حال اس مدعی کے لیے شاہد نہ ہو تو امام شافعیؒ کا مذہب ہمارے مذہب کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک قسم مکرر نہیں لی جائے گی بلکہ مقتول کے ولی کی جانب قسم پھیری جائے گی یعنی مقتول کے اولیاء سے پچاس قسمیں لی جائیں گی ،پھر اگر اہل محلہ قسم کھا گئے تو ان پر دیت واجب نہ ہوگی۔

{۳}امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ظاہر حال مقتول کے ولی کے لیے شاہد ہو تو مقتول کے ولی سے قسم لی جائے اور مقتول کے ولی سے قسم شروع کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مقتول کے اولیاء سے فرمایا "پھر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ تمہارے مقتول کو یہودیوں نے قتل کیا ہے[1]" جس سے ثابت ہوا ہے کہ مقتول کے اولیاء سے قسم لی جائے گی۔

ف:۔حدیث میں واقعہ منقول ہے کہ خیبر میں ایک مسلمان مقتول پایا گیا جس کے ساتھیوں نے اس کا معاملہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پچاس قسمیں کھاؤ گے اور اپنے ساتھی کے خون کے مستحق ہو جاؤ گے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم قسم کیسے کھائیں گے حالانکہ ہم حاضر نہیں تھے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم سے براءت حاصل کریں گے، انہوں نے کہا کہ یہود مسلمان نہیں ہیں اور کافروں کی قسموں کو ہم کیونکر قبول کریں، پس حضور ﷺ نے ان کو صدقات کے اونٹوں میں سے سو اونٹ فدیہ میں دیئے، پس اس روایت میں اولیاء سے قسم لینے کا ذکر موجود ہے۔

{۴}دوسری دلیل یہ ہے کہ قسم اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس کے لیے ظاہر حال شاہد ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شئ کے بارے میں دو آدمیوں نے دعوی کیا تو بیّنہ نہ ہونے کی صورت میں اس شئ پر قابض شخص پر قسم واجب ہوگی؛ کیونکہ قبضہ اس کے لیے شاہد ہے، پس جب مذکورہ صورت میں ظاہر حال مقتول کے ولی کے لیے شاہد ہو تو اسی سے قسم شروع کی جائے گی، اور مدعی سے قسم لینا امام شافعیؒ کی اصل کے مطابق ہے جیسے مدعا علیہ کے انکارِ قسم کی صورت میں ان کے نزدیک مدعی سے قسم لی جاتی ہے۔البتہ مدعی

([1])قُلت: أخرَجَهُ الأَئِمَّةُ السِّتَّةُ فِي كُتُبِهِمْ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ، وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ حَتَّى إِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِي بَعْضِ مَا هُنَالِكَ، ثُمَّ إِذَا مُحَيِّصَةُ يَجِدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ قَتِيلًا، فَدَفَنَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هُوَ، وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبِهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْكُبْرَ الْكُبْرَ"، يُرِيدُ السِّنَّ، وَفِي لَفْظٍ: "كَبِّرْ كَبِّرْ"، فَصَمَتَ، وَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ، وَتَكَلَّمَ مَعَهُمَا، فَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتَلَ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَهْلٍ، فَقَالَ لَهُمْ: "أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا، وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ"؟ قَالُوا: وَكَيْفَ نَحْلِفُ، وَلَمْ نَشْهَدْ؟ وَفِي لَفْظٍ: "يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ، فَيُدْفَعُ بِرُمَّتِهِ"؟ قَالُوا: أَمْرٌ لَمْ نَشْهَدْهُ، كَيْفَ نَحْلِفُ، قَالَ: "فَيَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ"، قَالُوا: لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ، وَفِي لَفْظٍ: كَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِائَةٍ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، قَالَ سَهْلٌ: فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ، (نصب الراية:5ص191)

کہ قسم لینے کی صورت میں مدعی علیہ پر قصاص اس لیے واجب نہیں ہوتا ہے کہ قسموں کی دلالت میں ایک طرح کا شبہہ پایا جاتا ہے اور شبہہ کے ساتھ قصاص جمع نہیں ہوتا ہے البتہ اس کے ساتھ مال جمع ہوتا ہے لہٰذا یہاں دیت واجب ہوگی قصاص واجب نہ ہوگا۔

{۵} ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "گواہ مدعی پر ہیں اور قسم اس شخص پر ہے جو انکار کرے"[1] اور ایک روایت میں ہے " قسم مدعا علیہ پر ہے" لہٰذا قسم محلے والوں پر ہوگی؛ کیونکہ وہ منکر ہیں، مقتول کے اولیاء پر قسم نہیں؛ کیونکہ وہ مدعی ہیں اور حضرت سعید بن مسیب ؒ سے روایت ہے کہ " حضور ﷺ نے عبداللہ بن سہل ؓ کے واقعہ میں پہلے یہود سے قسامت شروع کی اور انہیں پر دیت رکھی؛ کیونکہ مقتول انہیں کے درمیان پایا گیا تھا"[2] جس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قسم منکر پر ہے مقتول کے اولیاء پر نہیں ہے۔

{۶} دوسری دلیل یہ ہے کہ قسم تو کسی کا دعویٰ دفع کرنے کی حجت ہے اور کسی پر اپنا حق ثابت کرنے کی حجت نہیں ہے حالانکہ مقتول کے اولیاء کو حق دیت ثابت کرنے کے لیے حجت کی ضرورت ہے اس لیے قسم مقتول کے اولیاء کے لیے حجت نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ حقیر مال کے دعویٰ میں مدعی اپنی قسم کی وجہ سے مال کا مستحق نہیں ہوتا ہے پس قسم کی وجہ سے نفس محترم کا استحقاق اس کے لیے بطریقہ اولیٰ ثابت نہ ہوگا۔

{۷} پھر ماتن ؒ نے جو کہا کہ " ان پچاس آدمیوں کو مقتول کا ولی منتخب کرے گا" اس میں اشارہ ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو متعین کرنے کا اختیار مقتول کے ولی کو ہے؛ کیونکہ قسم اسی کا حق ہے اور بندہ کو اس کے مطالبے کے وقت اس کا حق پورا پورا دیا جائے اس لیے انتخاب کا حق اسی کو دیا گیا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو منتخب کرے گا جن پر قتل کی تہمت اور جن کے بارے میں قتل کا گمان ہو، یا اہل محلہ میں سے نیک لوگوں کو منتخب کرے گا؛ کیونکہ نیک لوگ جھوٹی قسم سے مبالغہ کے ساتھ بچنے کی کوشش کریں گے اس طرح قاتل ظاہر ہو جائے گا اور قسم کا فائدہ یہ ہے کہ وہ قسم سے انکار کریں اس طرح مقصود حاصل ہو جائے گا، پس اگر ان لوگوں نے قتل کا ارتکاب نہ کیا ہو اور قاتل کو جانتے ہوں تو بدکاروں کی قسم سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اس سے بڑھ کر نیک لوگوں کی

---

(1) قُلْت: أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ: "الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ"، (نصب الراية: 5ص192)

(2) قُلْت: رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: كَانَتْ الْقَسَامَةُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَقَرَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَتِيلٍ مِنْ الْأَنْصَارِ وُجِدَ فِي جُبٍّ لِلْيَهُودِ، قَالَ: فَبَدَأَ رَسُولُ اللهِ بِالْيَهُودِ، فَكَلَّفَهُمْ قَسَامَةَ خَمْسِينَ، فَقَالَتْ الْيَهُودُ: لَنْ نَحْلِفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ: "أَفَتَحْلِفُونَ"؟ فَأَبَتْ الْأَنْصَارُ أَنْ تَحْلِفَ، فَأَغْرَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَهُودَ دِيَتَهُ، لِأَنَّهُ قُتِلَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، (نصب الراية: 5ص193)

قسم سے فائدہ ہوگا کہ اس سے یقینی طور پر قاتل سے آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر مقتول کے اولیاء نے اندھوں یا محدود فی القذف لوگوں کو اختیار کیا تو بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہ گواہی دینا نہیں ہے بلکہ قسم لینا ہے اور یہ لوگ قسم لینے کے اہل ہیں اگرچہ گواہی دینے کے اہل نہیں ہیں۔

﴿8﴾ پس اگر ان پچاس لوگوں نے قسم کھالی تو اب اہل محلہ پر مقتول کی دیت کا حکم دیا جائے گا، اور مقتول کے ولی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل محلہ پر دیت نہیں واجب ہوگی؛ کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا کہ "یہود اپنی قسموں کی وجہ سے تم سے بری ہو جائیں گے"[1] پس اگر قسم کھانے کے بعد دیت واجب ہو تو براءت تو حاصل نہ ہوئی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قسم تو شریعت میں اسی طرح معلوم ہوئی ہے کہ مدعا علیہ کو دعوی (دیت) سے بری کرنے والی ہے اس طرح معلوم نہیں ہوئی ہے کہ وہ مدعا علیہ پر حق لازم کرنے والی ہے چنانچہ تمام دعاوی میں اس طرح ہوتا ہے۔

﴿9﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اور زیاد بن ابی مریم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دیت اور قسامت دونوں کو جمع فرمایا[2]۔ اسی طرح وادعہ قبیلہ کے مسکن کے قریب مردہ پایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر قسامت کے ساتھ دیت بھی جمع کی[3]۔

اور یہ جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ "یہود اپنی قسموں کی وجہ سے تم سے بری ہو جائیں گے" اس کا معنی یہ ہے کہ یہود تمہارے لیے قسمیں کھا کر قصاص اور قید سے بری ہو جائیں گے۔ اور امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ قسم بے شک مدعا علیہ کو بری کرنے والی ہے مگر قسم اس چیز سے بری کرنے والی ہوتی ہے جس کے لیے قسم لی گئی یعنی قصاص سے بری کرنے والی ہے اور قسمیں

([1]) قُلْت: تَقَدَّمَ ذَلِكَ فِي حَدِيثِ ابْنِ سَهْلٍ، رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ السِّتَّةُ. (نصب الراية:5ص195)

([2]) علامہ زیلعی فرماتے ہیں: قُلْت: حَدِيثُ ابْنِ سَهْلٍ لَيْسَ فِيهِ الْجَمْعُ بَيْنَ الدِّيَةِ، وَالْقَسَامَةِ، وَحَدِيثُ ابْنِ زِيَادٍ غَرِيبٌ، وَرَوَى الْبَزَّارُ فِي مُسْنَدِهِ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ ا
يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَامِينَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَتْ الْقَسَامَةُ فِي الدَّمِ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَذَلِكَ ا
رَجُلًا مِنْ الْأَنْصَارِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُقِدَ تَحْتَ اللَّيْلِ، فجاءت الأنصار يوم خيبر، فَقَالُوا: إنَّ صَاحِبَنَا يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ، فَقَا
"تَعْرِفُونَ قَاتِلَهُ"؟ قَالُوا: لَا، إلَّا أَنَّ الْيَهُودَ قَتَلَتْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اخْتَارُوا مِنْهُمْ خَمْسِينَ رَجُلًا، فَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ" ا
خُذُوا الدِّيَةَ مِنْهُمْ، فَفَعَلُوا، انْتَهَى. وَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْلَمُهُ يُرْوَى عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، إلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَلَمْ نَسْمَعْهُ إلَّا مِنْ أَبِي كُرَيْبٍ، زَ
الرَّحْمَنِ بْنَ يَامِينَ هَذَا، فَقَدْ رَوَى عَنْهُ يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ، وَعَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ، انْتَهَى. (نصب الراية:5ص195)

([3]) قُلْت: رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ أَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، وَسُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ الشَّعْبِيِّ، أَنَّ قَتِيلًا وُجِدَ بَيْنَ وداعة، وَشَاكِرٍ، فَأَمَرَ عُ
أَنْ يَقِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا، فَوَجَدُوهُ إلى وداعة أَقْرَبَ، فَأَحْلَفَهُمْ عُمَرُ خَمْسِينَ يَمِينًا، كُلُّ رَجُلٍ مَا قَتَلْتُ، وَلَا عَلِمْتُ قَاتِلًا، ثُمَّ أَغْرَمَهُمْ الدِّيَةَ، قَالَ الثَّوْرِ
وَأَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ الْحَارِثِ بْنِ الْأَزْمَعِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا أَيْمَانُنَا دَفَعَتْ عَنْ أَمْوَالِنَا، وَلَا أَمْوَالُنَا دَفَعَتْ عَنْ أَيْمَانِنَا، فَقَالَ عُمَ
كَذَلِكَ الْحَقُّ. (نصب الراية:5ص197)

لیناس لیے مشروع نہیں ہے تاکہ قسم سے انکار کرنے پر دیت واجب کی جائے بلکہ اس لیے مشروع ہے کہ جھوٹی قسمیں کھانے سے بچ کر قاتل کے بارے قتل کا اقرار کریں تاکہ قصاص ظاہر ہو پس اگر انہوں نے قسمیں کھالیں تو قصاص سے براءت حاصل ہو جائے گی۔

{۱۰}رہی دیت تو وہ اس وجہ سے واجب ہوتی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ان سے قتل پایا گیا ہے؛ کیونکہ مقتول ان کے درمیان پایا گیا اور جب تک کہ ظاہر کے خلاف حجت قائم نہ ہو ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے اس لیے یہاں دیت واجب ہوئی، باقی اس وجہ سے واجب نہیں ہوئی ہے کہ انہوں نے قسموں سے انکار کیا۔ اور یا اس وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے یہاں کی حفاظت میں کوتاہی کی جیسے قتل خطاء میں دیت کوتاہی کی وجہ سے واجب ہوتی ہے چنانچہ جس نے شکار کو تیر مارا مگر وہ کسی آدمی کو لگا تو قاتل بے قصور ہے لیکن اس پر دیت اس وجہ سے واجب ہوتی ہے کہ اس نے احتیاط میں کوتاہی کی اسی طرح یہاں محلے والوں پر محافظت میں کوتاہی کی وجہ سے دیت واجب ہوگی۔

{۱} وَمَنْ أَبَى مِنْهُمُ الْيَمِينَ حُبِسَ حَتَّى يَحْلِفَ ؛ لِأَنَّ الْيَمِينَ فِيهِ مُسْتَحَقَّةٌ لِذَاتِهَا تَعْظِيمًا

اور جس نے انکار کیا ان میں سے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے؛ کیونکہ یمین اس میں واجب ہے بذاتِ خود؛ عظمت کی وجہ سے

لِأَمْرِ الدَّمِ وَلِهَذَا يُجْمَعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدِّيَةِ ، بِخِلَافِ النُّكُولِ فِي الْأَمْوَالِ لِأَنَّ الْيَمِينَ بَدَلٌ عَنْ أَصْلِ حَقِّهِ

امر خون کی، اور اسی لیے جمع کیا جائے گا قسم اور دیت کے مابین۔ بر خلافِ اموال میں انکار کرنے کے؛ کیونکہ یمین بدل ہے اس کے اصل حق کا

وَلِهَذَا يَسْقُطُ بِبَذْلِ الْمُدَّعِي وَفِيمَا نَحْنُ فِيهِ لَا يَسْقُطُ بِبَذْلِ الدِّيَةِ.

اس لیے یمین ساقط ہو جاتی ہے مال مدعی کے بذل سے، اور جس مسئلے میں ہماری گفتگو ہے یمین ساقط نہیں ہوتی ہے دیت خرچ کرنے سے

{۲}هَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إذَا ادَّعَى الْوَلِيُّ الْقَتْلَ عَلَى جَمِيعِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَكَذَا إذَا ادَّعَى عَلَى الْبَعْضِ لَا بِأَعْيَانِهِمْ

اور یہ تفصیل جو ہم نے ذکر کی اس وقت ہے جب دعویٰ کرے ولی قتل کا تمام اہلِ محلہ پر، اور اسی طرح جب دعویٰ کرے بعض غیر معین پر

وَالدَّعْوَى فِي الْعَمْدِ أَوِ الْخَطَإِ لِأَنَّهُمْ لَا يَتَمَيَّزُونَ عَنِ الْبَاقِي ، وَلَوْ ادَّعَى عَلَى الْبَعْضِ بِأَعْيَانِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ وَلِيَّهُ

خواہ عمد کا دعویٰ ہو یا خطاء کا؛ کیونکہ وہ ممتاز نہیں ہو سکیں گے دوسرے سے، اور اگر دعویٰ کیا بعض معین پر کہ اس نے قتل کیا ہے اس کے ولی کو

عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ، يَدُلُّ عَلَيْهِ إطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ، وَهَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْمَبْسُوطِ {۳}وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

عمداً یا خطاءً، تو یہی حکم ہے دلالت کرتا ہے اس پر اطلاقِ حکم کتاب میں، اور اسی طرح حکم ہے مبسوط میں۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے

فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأَصْلِ أَنَّ فِي الْقِيَاسِ تَسْقُطُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَنِ الْبَاقِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَيُقَالُ لِلْوَلِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟

روایتِ اصول کے علاوہ میں کہ قیاس میں ساقط ہو جائے گی قسامت اور دیت باقی اہل محلہ سے، اور کہا جائے گا دلی سے کہ

فَإِنْ قَالَ لَا يُسْتَحْلَفُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَمِينًا وَاحِدَةً . وَوَجْهُهُ أَنَّ

پس اگر اس نے کہا کہ نہیں، تو قسم لی جائے گی مدعی علیہ سے اس کے قتل پر ایک قسم؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قیاس

لِاحْتِمَالِ وُجُودِ الْقَتْلِ مِنْ غَيْرِهِمْ ، وَإِنَّمَا عُرِفَ بِالنَّصِّ فِيمَا إِذَا كَانَ فِي مَكَانٍ يُنْسَبُ إِلَى الْمُدَّعَى

غیر کی طرف سے وجودِ قتل کے احتمال کی وجہ سے، اور استحلاف معلوم ہوا ہے نص سے اس صورت میں جب مقتول ایسی جگہ ہو جو

وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي الْقَتْلَ عَلَيْهِمْ ، وَفِيمَا وَرَاءَهُ بَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ وَصَارَ

مدعی علیہم کی طرف، اور مدعی دعوی کر رہا ہے قتل کا ان پر، اور اس کے علاوہ میں نص باقی رہے گی اصل قیاس پر، اور ہو جائے

إِذَا ادَّعَى الْقَتْلَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ ﴿۴﴾ وَفِي الِاسْتِحْسَانِ تَجِبُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ

اگر دعوی کرے کسی ایک پر ان میں سے۔ اور استحسان میں واجب ہوگی قسامت اور دیت اہل محلہ پر؛ کیونکہ کوئی فرق نہیں

فِي إِطْلَاقِ النُّصُوصِ بَيْنَ دَعْوَى وَدَعْوَى فَنُوجِبُهُ بِالنَّصِّ لَا بِالْقِيَاسِ ، ﴿۵﴾ بِخِلَافِ مَا إِذَا ادَّعَى عَلَى

اطلاق نصوص میں دعوی اور دعوی کے درمیان، پس ہم واجب کریں گے اس کو نص سے، نہ کہ قیاس سے، برخلاف اس کے اگر دعوی کیا

مِنْ غَيْرِهِمْ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ نَصٌّ ، فَلَوْ أَوْجَبْنَاهُمَا لَأَوْجَبْنَاهُمَا

ان کے علاوہ میں سے؛ کیونکہ نہیں ہے اس میں نص، پس اگر ہم قسامت اور دیت دونوں کو واجب کریں، تو ہم واجب کریں ان دونوں کو

وَهُوَ مُمْتَنِعٌ ، ﴿۶﴾ ثُمَّ حُكْمُ ذَلِكَ أَنْ يَثْبُتَ مَا ادَّعَاهُ إِذَا كَانَ لَهُ بَيِّنَةٌ ، وَإِنْ لَمْ

حالانکہ یہ ممتنع ہے۔ پھر اس کا حکم یہ ہے کہ ثابت ہو وہ جس کا مدعی نے دعوی کیا ہے بشرطیکہ اس کے لیے بینہ ہو، اور اگر بینہ نہ ہو

اسْتَحْلَفَهُ يَمِينًا وَاحِدَةً لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَسَامَةٍ لِانْعِدَامِ النَّصِّ وَامْتِنَاعِ الْقِيَاسِ . ثُمَّ إِنْ حَلَفَ

تو قسم لے مدعی علیہ سے ایک قسم؛ کیونکہ یہ قسامت نہیں ہے؛ عدم نص اور امتناع قیاس کی وجہ سے۔ پھر اگر اس نے قسم کھائی تو بری ہو جائے گا

وَإِنْ نَكَلَ وَالدَّعْوَى فِي الْمَالِ ثَبَتَ بِهِ ، وَإِنْ كَانَ فِي الْقِصَاصِ فَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ

اور اگر انکار کیا اور دعوی مال میں ہو تو ثابت ہو جائے گا انکار کی وجہ سے، اور اگر دعوی قصاص میں ہو تو وہ اس اختلاف پر ہے جو گزر چکا

فِي كِتَابِ الدَّعْوَى ﴿۷﴾ قَالَ : وَإِنْ لَمْ يَكْمُلْ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتَّى تَتِمَّ خَمْسِينَ

کتاب الدعوی میں۔ اور اگر پورے نہ ہوں اہل محلہ تو مکرر کی جائیں گی قسمیں ان پر یہاں تک کہ پورے ہو جائیں پچاس

أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا قَضَى فِي الْقَسَامَةِ وَافَى إِلَيْهِ تِسْعَةٌ وَأَرْبَعُونَ رَجُلًا فَكَرَّرَ الْيَمِينَ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ

کہ حضرت عمرؓ نے جب فیصلہ فرمایا قسامت میں تو پورے ہوئے ان کے پاس اُنچاس آدمی تو مکرر فرمائی یمین ایک شخص پر ان میں سے،

حَتَّى تَمَّتْ خَمْسِينَ ثُمَّ قَضَى بِالدِّيَةِ .وَعَنْ شُرَيْحٍ وَالنَّخَعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ مِثْلُ ذَلِكَ ،{۸}وَلِأَنَّ

یہاں تک کہ پورے ہوگئے پچاس، پھر فیصلہ فرمایا دیت کا، اور حضرت شریحؒ اور حضرت نخعیؒ سے منقول ہے اسی طرح، اور اس لیے کہ

الْخَمْسِينَ وَاجِبٌ بِالسُّنَّةِ فَيَجِبُ إِتْمَامُهَا مَا أَمْكَنَ ، وَلَا يُطْلَبُ فِيهِ الْوُقُوفُ عَلَى الْفَائِدَةِ

پچاس کی تعداد ثابت ہے حدیث سے پس واجب ہے اس کا اتمام جتنا ممکن ہو، اور نہیں طلب کیا جائے گا اس میں فائدہ پر مطلع ہونے کو

لِثُبُوتِهَا بِالسُّنَّةِ ،ثُمَّ فِيهِ اسْتِعْظَامُ أَمْرِ الدَّمِ ، فَإِنْ كَانَ الْعَدَدُ كَامِلًا فَأَرَادَ الْوَلِيُّ أَنْ يُكَرِّرَ عَلَى أَحَدِهِمْ

اس کے ثبوت کی وجہ سے سنت سے، پھر اس میں تعظیم ہے امر دم کی، اور اگر عدد کامل ہو، اور ارادہ کیا ولی نے کہ مکرر کرے ان میں سے ایک پر

فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ،لِأَنَّ الْمَصِيرَإِلَى التَّكْرَارِ ضَرُورَةُ الْإِكْمَالِ{۹}قَالَ : وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُونٍ ؛لِأَنَّهُمَا

تو اس کو یہ حق نہ ہوگا؛ کیونکہ تکرار کی طرف جانا تو تعداد پوری کرنے کی ضرورت سے ہے۔ فرمایا: اور قسامت نہیں ہے بچے اور مجنون پر؛ کیونکہ یہ دونوں

لَيْسَامِنْ أَهْلِ الْقَوْلِ الصَّحِيحِ وَالْيَمِينُ قَوْلٌ صَحِيحٌ .قَالَ: وَلَاامْرَأَةٍوَلَاعَبْدٍ؛لِأَنَّهُمَالَيْسَامِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِوَالْيَمِينُ عَلَى أَهْلِهَا

کیونکہ یہ دونوں قولِ صحیح کے اہل نہیں ہیں، اور یمین قولِ صحیح ہے۔ فرمایا: اور نہ عورت پر اور نہ غلام پر؛ کیونکہ یہ دونوں اہل نصرت میں سے نہیں اور یمین اہل نصرت پر ہے۔

تشریح:۔{۱} پھر اہل محلہ میں سے جن کو ولی نے منتخب کیا ہے اگر ان میں سے کسی نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے یا قتل کا اقرار کرے؛ کیونکہ یہاں یمین تعظیم خون کی وجہ سے بذاتِ خود واجب ہے اور جو قسم بذاتِ خود واجب ہو اس سے منکر کو قید کیا جاتا ہے یہاں تک کہ قسم کھائے یا اقرار کرے لہٰذا قسامت اور دیت کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات صرف خون کے معاملہ میں ہے اس کے برخلاف اگر مالی دعوی میں کوئی شخص قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہاں یمین بذاتِ خود واجب نہیں ہے بلکہ مدعی کے اصل حق کا بدل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مدعی نے دلیری کے ساتھ مال کو چھوڑ دیا تو مدعی علیہ سے قسم ساقط ہو جاتی ہے اور یہاں اگر مقتول کے اولیاء نے دلیری کے ساتھ دیت کو چھوڑ دیا تو بھی قسم ساقط نہ ہوگی لہٰذا یہ قسم بذاتِ خود واجب ہے اس لیے اس سے انکار کی صورت میں منکر کو قید کیا جائے گا۔

{۲}یہ ساری تفصیل اس وقت ہے کہ مقتول کے اولیاء نے تمام اہل محلہ پر قتل کا دعوی کیا ہو، اسی طرح اگر اہل محلہ میں سے بعض غیر معین لوگوں پر قتل کا دعوی کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے خواہ دعوی قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا ہو؛ کیونکہ بعض غیر معین لوگ دیگر محلہ والوں سے ممتاز نہیں ہیں اس لیے پورے محلہ میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی۔ اور اگر مقتول کے اولیاء نے اہل محلہ میں سے بعض متعین اشخاص پر قتل کا دعوی کیا کہ ان متعین لوگوں نے میرے ولی کو عمداً یا خطاءً قتل کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے جس پر کتاب (قدوری) کا اطلاق دلالت کرتا ہے یعنی قدوری میں مطلق ذکر ہے کہ محلہ میں مقتول پائے جانے کی صورت میں پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، لہذا مدعی علیہم خواہ معین ہوں یا غیر معین ہوں یہی حکم ہے کہ پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، اور مبسوط میں بھی بعض متعین پر دعوی کی صورت میں پچاس آدمیوں سے قسم لینے کا حکم مذکور ہے۔

{۳}امام ابو یوسفؒ سے روایتِ اصول کے علاوہ میں مروی ہے کہ قیاس کا تقاضایہ ہے کہ متعین لوگوں پر دعوی کی صورت میں باقی اہل محلہ سے قسامت اور دیت ساقط ہو، اور مقتول کے ولی سے کہا جائے گا کہ کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ پس اگر اس نے کہا کہ گواہ نہیں ہیں، تو مدعا علیہ سے اس کے قتل پر ایک قسم لی جائے گی۔ اور اہل محلہ سے قسامت اور دیت ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قیاس اس کو مقتضی نہیں کہ اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہو؛ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ شاید اس کو اہل محلہ کے علاوہ کسی اور شخص نے قتل کیا ہو لیکن مذکورہ قیاس کو نص قسامت کی وجہ سے چھوڑدیا گیا اور قسامت اور دیت کی نص صرف ایسی صورت میں وارد ہے کہ مقتول ایسی جگہ میں پایا جائے جو ان مدعا علیہم کی جانب منسوب ہے اور مدعی بھی ان پر قتل کا دعوی کررہا ہو تو ان پر قسامت اور دیت واجب ہو گی پس اس صورت کے علاوہ دیگر صورتوں میں یہ حکم نہیں بلکہ وہ اصل قیاس پر باقی رہیں گی کہ اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب نہ ہو لہذا معین اہل محلہ پر دعوی کی صورت بھی اس حکم سے خارج ہے اور یہ ایسا ہوا جیسے مقتول کے اولیاء نے اہل محلہ کے علاوہ کسی غیر پر قتل کا دعوی کیا ہو جس میں محلہ والوں پر قسامت اور دیت نہیں ہے پس اس صورت میں پورے محلہ والوں پر قسامت اور دیت واجب نہ ہو گی، یہ سب تقریر قیاس کے مطابق ہے۔

{۴}اور استحساناً محلہ کے متعین لوگوں پر دعوی کی صورت میں بھی اہل محلہ والوں پر قسامت اور دیت واجب ہے؛ کیونکہ نصوص مطلقہ میں کوئی تفصیل اور تفریق نہیں ہے کہ ایک دعوی (مطلق دعوی) میں اہل محلہ پر قسامت ہو اور دوسرے دعوی (بعض متعین پر دعوی) میں اہل محلہ پر قسامت نہ ہو لہذا ان نصوص سے ہم مطلقاً ہر قسم کے دعوی میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب کرتے ہیں قیاس سے واجب نہیں کرتے ہیں۔

{۵}اس کے بر خلاف اگر مقتول کے ولی نے اہلِ محلہ کے علاوہ کسی شخص پر قتل کا دعوی کیا تو اہلِ محلہ بری ہوں گے؛ کیونکہ اہلِ محلہ کے علاوہ پر دعوی کرنے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے پس اگر اس صورت میں اہلِ محلہ پر قسامت اور دیت کو ہم واجب کریں تو قیاس سے واجب کریں گے حالانکہ قیاس ممتنع ہے؛ کیونکہ خلافِ قیاس اپنے مورد پر مقصور ہوتا ہے اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے لہٰذا اہلِ محلہ کے غیر پر قتل کا دعوی کرنے کی صورت میں اہلِ محلہ پر قسامت اور دیت واجب نہ ہوگی۔

{٦}پھر اہلِ محلہ کے علاوہ دوسرے شخص پر قتل کا دعوی کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں تو اس کا دعوی ثابت ہو جائے گا اور اگر گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے صرف ایک قسم لے سکتا ہے؛ کیونکہ یہ قسامت نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس بارے میں نص موجود نہیں اور قیاس اس کو مقتضی نہیں ہے اس لیے قسامت نہ ہوگی۔ پھر اگر مدعا علیہ قسم کھا گیا تو بری ہوگا اور اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر مدعی کا دعوی مالِ دیت کا دعوی ہے تو قسم سے انکار کرنے سے مال ثابت ہو جائے گا، اور اگر مدعی کا دعوی قصاص کا دعوی ہے تو اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان وہ اختلاف ہے جس کا بیان "کتاب الدعوی" میں گزر چکا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک قصاص کے اندر دعوی ثابت ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ثابت نہ ہوگا۔ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے کہ اہلِ محلہ کی تعداد پوری پچاس ہو جائے۔

{۷}اور اگر اہلِ محلہ کی تعداد پچاس کو نہ پہنچی تو محلہ والوں پر قسمیں مکرر کی جائیں گی یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب قسامت کے بارے میں حکم دینا چاہا تو آپ کے پاس صرف انچاس مرد لائے گئے تو آپؓ نے ان میں سے ایک مرد پر قسم مکرر کی یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو گئیں پھر دیت کا حکم فرمایا[1]۔ قاضی شریحؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے اسی طرح کی روایت مروی ہے[2] یعنی جب ان کے سامنے اس طرح کی صورت پیش آئی تو ان دونوں نے بھی قسمیں مکرر کر کے پچاس کی تعداد پوری کر دی۔

([1])قلت: اما حديث عمر: فرواه ابن أبي شيبة في مصنفه بنقص، فقال: حدثنا وكيع ثنا سفيان عن عبد الله بن يزيد الهذلي عن أبي مليح أن عمر بن الخطاب رد عليهم الأيمان، حتى وفوا، (نصب الراية: 5ص198)

([2])قلت: حديث شريح رواه ابن أبي شيبة في مصنفه حدثنا عبد الرحيم بن سليمان عن أشعث عن ابن سيرين، بلغ عن شريح، قال: جاءت قسامة، فلم يوفوا خمسين، فردد عليهم القسامة، حتى أوفوا، انتهى. حدثنا وكيع ثنا سفيان عن هشام عن ابن سيرين عن شريح، قال: إذا كانوا أقل من خمسين رددت عليهم الأيمان، انتهى. وحديث النخعي رواه عبد الرزاق في مصنفه أخبرنا الثوري عن مغيرة عن إبراهيم، قال: إذا لم تبلغ القسامة، كرروا حتى يحلفوا خمسين يمينا، (نصب الراية: 5ص199)

{۸}دوسری دلیل یہ ہے کہ پچاس قسموں کا وجوب حدیث سے ثابت ہے تو جہاں تک ممکن ہو ان کو پورا کرنا واجب ہے۔سوال یہ ہے کہ ایک شخص سے مکرر قسم لینے کا فائدہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس تجسس کی کوئی ضرورت نہیں کہ قسمیں مکرر لینے کا کیا فائدہ ہے؛ کیونکہ یہ تکرار حدیث سے ثابت ہے اور حدیث سے ثابت امر میں فائدہ ہونے کو طلب نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا فائدہ موجود بھی ہے وہ یہ کہ اس میں خونِ محترم کا امر عظیم ہونا ظاہر ہوتا ہے اس لیے تعداد پوری نہ ہونے کی صورت میں بعض اہل محلہ سے مکرر قسم لی جائے گی۔ اور اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہو پھر بھی مقتول کے ولی نے چاہا کہ ان میں سے ایک سے بار بار قسم لی جائے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا؛ کیونکہ قسم مکرر کرنے کی اجازت تو صرف تعداد پوری کرنے کی ضرورت سے تھی، جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے تکرارِ قسم کی یہ صورت درست نہیں ہے۔

{۹}نابالغ بچے اور مجنون پر قسامت نہیں ہے؛ کیونکہ یہ دونوں قولِ صحیح کے اہل نہیں ہیں؛ کیونکہ یہ بڑوں اور مالکوں کے تابع ہیں اور تابع کا قول صحیح نہیں ہوتا ہے حالانکہ قسم ایک قول صحیح ہوتی ہے اس لیے ان پر قسامت نہیں ہے۔ اور عورت یا غلام پر بھی قسامت نہیں ہے؛ کیونکہ ان میں نصرت کی اہلیت نہیں ہے حالانکہ قسم انہیں لوگوں پر ہوتی ہے جو اہل نصرت ہیں۔

{۱}قَالَ : وَإِنْ وُجِدَ مَيِّتًا لَا أَثَرَ بِهِ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَتِيلٍ،

فرمایا: اور اگر پایا گیا ایسا مردہ جس پر اثر نہیں ہے تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے؛ کیونکہ یہ مقتول نہیں ہے،

إذِ الْقَتِيلُ فِي الْعُرْفِ مَنْ فَاتَتْ حَيَاتُهُ بِسَبَبٍ يُبَاشِرُهُ حَيٌّ وَهَذَا مَيِّتٌ حَتْفَ أَنْفِهِ

اس لیے کہ مقتول عرف میں وہ ہے جس کی زندگی فوت ہوئی ہو ایسے سبب سے جس کو انجام دیا ہو زندہ انسان نے، جبکہ یہ شخص اپنی موت مرا ہے

وَالْغَرَامَةُ تَتْبَعُ فِعْلَ الْعَبْدِ وَالْقَسَامَةُ تَتْبَعُ احْتِمَالَ الْقَتْلِ ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْقَسَمُ فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ بِهِ أَثَرٌ

اور تاوان تابع ہے فعل عبد کا، اور قسامت تابع ہوتی ہے احتمالِ قتل کا، پھر واجب ہوتی ہے ان پر قسم، پس ضروری ہے کہ ہو اس پر ایسا اثر

يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى كَوْنِهِ قَتِيلًا ، وَذَلِكَ بِأَنْ يَكُونَ بِهِ جِرَاحَةٌ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ أَوْ خَنْقٍ ،{۲}وَكَذَا

جس سے استدلال کیا جا سکتا ہو اس کے مقتول ہونے پر، اور یہ اس طرح کہ ہو اس پر زخم، یا ضرب کا اثر، یا گلا گھونٹنے کا اثر، اور اسی طرح

إذَا كَانَ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ عَيْنِهِ أَوْ أُذُنِهِ لِأَنَّهُ لَا يَخْرُجُ مِنْهَا إلَّا بِفِعْلٍ مِنْ جِهَةِ الْحَيِّ عَادَةً

اگر نکلا ہو خون اس کی آنکھ سے یا اس کے کان سے؛ کیونکہ نہیں نکلتا ہے ان دونوں سے مگر ایسے فعل سے جو زندہ کی طرف سے ہو عادۃً

بِخِلَافِ مَا إذَا خَرَجَ مِنْ فِيهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ ذَكَرِهِ لِأَنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْ هَذِهِ الْمَخَارِجِ عَادَةً بِغَيْرِ فِعْلِ أَحَدٍ، وَقَدْ ذَكَرْنَا

برخلاف اس کے کہ نکلا ہو اس کے منہ، یا دبر یا ذکر سے؛ کیونکہ خون نکلتا ہے ان مخارج سے کسی ایک کے فعل کے بغیر، اور ہم ذکر کر چکے ہیں اس کو

فِي الشَّهِيدِ.﴿٣﴾ وَلَوْ وُجِدَ بَدَنُ الْقَتِيلِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ الْبَدَنِ أَوِ النِّصْفُ وَمَعَهُ الرَّأْسُ فِي مَحَلَّةٍ فَعَلَى أَهْلِهَا الْقَسَامَةُ

باب الشہید میں۔ اور اگر پایا گیا مقتول کا بدن یا اکثر نصف بدن سے، یا نصف اور اس کے ساتھ سر ہو کسی محلہ میں، تو اہل محلہ پر قسامت

وَالدِّيَةُ، وَإِنْ وُجِدَ نِصْفُهُ مَشْقُوقًا بِالطُّولِ أَوْ وُجِدَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ وَمَعَهُ الرَّأْسُ أَوْ وُجِدَ يَدُهُ أَوْ رِجْلُهُ أَوْ رَأْسُهُ

اور دیت ہے، اور اگر پایا گیا اس کا نصف طول میں کٹا ہوا یا پایا گیا نصف سے کم اور اس کے ساتھ سر ہو یا پایا گیا اس کا ہاتھ یا اس کا پاؤں یا اس کا سر

فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ ؛ لِأَنَّ هَذَا حُكْمٌ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَقَدْ وَرَدَ بِهِ فِي الْبَدَنِ، إلَّا أَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ تَعْظِيمًا لِلْآدَمِيِّ

تو کچھ نہیں ان پر؛ کیونکہ یہ حکم ہم جان چکے ہیں نص سے، اور نص وارد ہوئی ہے بدن میں، البتہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے آدمی کی تعظیم کے پیش نظر

بِخِلَافِ الْأَقَلِّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِبَدَنٍ وَلَا مُلْحَقٍ بِهِ فَلَا تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ ،﴿٤﴾ وَلِأَنَّا لَوْ اعْتَبَرْنَاهُ

برخلاف اقل کے؛ کیونکہ اقل نہ بدن ہے اور نہ ملحق ہے بدن کے ساتھ، پس جاری نہ ہوگی اس میں قسامت، اور اس لیے کہ اگر ہم اس کا اعتبار کریں

تَكَرَّرَ الْقَسَامَتَانِ وَالدِّيَتَانِ بِمُقَابَلَةِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَلَا تَتَوَالَيَانِ ،﴿٥﴾ وَالْأَصْلُ فِيهِ

تو مکرر ہو جائیں گی دو قسامتیں اور دو دیتیں نفس واحد کے مقابلے میں، حالانکہ یہ دونوں پے در پے نہیں ہوتیں۔ اور ضابطہ اس میں یہ ہے

أَنَّ الْمَوْجُودَ الْأَوَّلَ إنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وُجِدَ الْبَاقِي تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ لَا تَجِبُ فِيهِ ، وَإِنْ كَانَ بِحَالٍ

کہ موجود اول اگر اس حال میں ہو کہ اگر پایا جائے باقی، تو جاری ہو اس میں قسامت، تو قسامت جاری نہ ہوگی، اور اگر اس حال میں ہو کہ

لَوْ وُجِدَ الْبَاقِي لَا تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ تَجِبُ ، وَالْمَعْنَى مَا أَشَرْنَا إلَيْهِ ، وَصَلَاةُ الْجِنَازَةِ فِي هَذَا

اگر پایا گیا باقی تو جاری نہ ہو اس میں قسامت، تو قسامت واجب ہوگی؛ اور وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، اور نمازِ جنازہ اس میں

تَنْسَحِبُ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ لِأَنَّهَا لَا تَتَكَرَّرُ . ﴿٦﴾ وَلَوْ وُجِدَ فِيهِمْ جَنِينٌ أَوْ سِقْطٌ لَيْسَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ

متفرع ہوگی اسی ضابطہ پر؛ کیونکہ صلاۃ جنازہ مکرر نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر پایا گیا ان میں کوئی جنین یا ناتمام بچہ جس پر نہ ہو اثر ضرب کا

فَلَا شَيْءَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَفُوقُ الْكَبِيرَ حَالًا . وَإِنْ كَانَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ وَهُوَ تَامُّ الْخَلْقِ وَجَبَتِ

تو کچھ نہیں اہل محلہ پر؛ کیونکہ یہ بڑھ کر نہیں ہے کبیر سے حالت کے اعتبار سے، اور اگر ہو اس پر ضرب کا اثر، اور وہ تام الخلقت ہو تو واجب ہوگی

الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ تَامَّ الْخَلْقِ يَنْفَصِلُ حَيًّا، وَإِنْ كَانَ نَاقِصَ الْخَلْقِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ ؛ لِأَنَّهُ

قسامت اور دیت ان پر؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے تام الخلقت زندہ جدا ہوتا ہے، اور اگر ناقص الخلقت ہو تو کوئی چیز نہیں ہے ان پر؛ کیونکہ وہ

يَنْفَصِلُ مَيِّتًا لَا حَيًّا {7} قَالَ: وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ عَلَى دَابَّةٍ يَسُوقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ دُونَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ

مردہ جدا ہوتا ہے نہ کہ زندہ۔ فرمایا: اور اگر پایا گیا مقتول ایسے جانور پر جس کو ہانک رہا ہو کوئی شخص، تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی نہ کہ اہل محلہ پر

لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِي دَارِهِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ قَائِدَهَا أَوْ رَاكِبَهَا

؛کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں ہے پس یہ ایسا ہے جیسے اگر ہو اس کے گھر میں، اور اسی طرح اگر وہ جانور کا قائد ہو یا جانور پر سوار ہو

اجْتَمَعُوا فَعَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّ الْقَتِيلَ فِي أَيْدِيهِمْ فَصَارَ كَمَا إِذَا وُجِدَ فِي دَارِهِمْ.

یہ لوگ جمع ہو جائیں تو ان سب پر ہے؛ کیونکہ مقتول ان کے قبضہ میں ہے پس ہو گیا جیسا کہ جب پایا جائے ان کے گھر میں۔

تشریح:۔ {1} اگر کسی محلہ یا گھر میں ایسا مردہ پایا گیا جس میں قتل کا کوئی اثر نہ ہو تو قسامت یا دیت کچھ واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ تو مقتول نہیں ہے؛ کیونکہ عرف میں مقتول اس کو کہتے ہیں جس کی حیات ایسے سبب سے ختم ہو جس سبب کی مباشرت کسی زندہ نے کی ہو جبکہ یہ شخص تو اپنی موت سے مر گیا ہے اور تاوان واجب ہونا بندہ کے فعل کے تابع ہے اور جب یہاں بندہ کا فعل نہ ہے تو دیت واجب نہ ہوگی، اور قسامت واجب ہونا اس احتمال پر ہوتا ہے کہ شاید یہ قتل کیا گیا تب ان پر قسم واجب ہوتی ہے تو زبان اور دیت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ایسا اثر ہو جس سے اس کے مقتول ہونے پر استدلال کیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے بدن میں زخم یا ضرب یا گلا گھونٹنے کا اثر ہو۔

{2} اسی طرح اگر اس کی آنکھ یا کان سے خون بہہ گیا ہو تو یہ بھی علامتِ قتل ہے؛ کیونکہ عادۃً یہ بات معلوم ہوئی کہ مردار آنکھ یا کان سے خون بہنا تب ہی ہوتا ہے کہ کسی زندہ کی جانب سے کسی فعل کا ارتکاب ہو لہٰذا آنکھ یا کان سے خون بہنا قتل کی علامت ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس کے منہ یا مقعد یا ذکر سے خون بہہ گیا ہو تو یہ اس کے مقتول ہونے کی دلیل نہیں ہے؛ کیونکہ ان مواضع سے خون نکلنا کسی کے فعل کے بغیر عادۃً ہوتا ہے اور ہم اس مسئلہ کو "باب الشہید" میں بیان کر چکے ہیں کہ غیر معتاد جگہ سے خون نکلنا قتل کی دلیل ہے۔

{3} اگر مقتول کا بدن پایا گیا یا نصف بدن سے زیادہ یا نصف بدن سر کے ساتھ کسی محلہ میں پایا گیا تو اس محلہ والوں پر قسامت و دیت واجب ہوگی، اور اگر نصف بدن سر سے پیر تک طول میں ایک ٹکڑا پایا گیا یا نصف سے کم سر کے ساتھ اسی طرح پایا گیا یا اس کا ہاتھ یا پاؤں یا سر پایا گیا تو اہل محلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا یعنی قسامت یا دیت واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ قسامت کا حکم ہم نے نص سے پہچانا ہے اور نص بدن کے بارے میں وارد ہوئی ہے تو جس صورت کو پورا بدن کہہ سکے وہی اس نص کا مورد ہے اس سے کم کی طرف

یہ حکم متعدی نہ ہوگا، البتہ آدمی کی تعظیم کے پیش نظر اکثر بدن کو بھی کل بدن کا حکم دیدیا گیا، باقی اس سے کم کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اس میں قسامت اور دیت نہیں ہے؛ کیونکہ اقل نہ بدن ہے اور نہ بدن کے ساتھ ملحق ہے اس لیے اس میں قسامت جاری نہ ہوگی۔

{۴} دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اقل میں بھی قسامت کے وجوب کا اعتبار کریں تو پھر ایک ہی بدن کے دو ٹکڑوں کے لیے دو قسامتیں اور دو دیتیں واجب ہوں گی حالانکہ دو قسامتیں اور دو دیتیں واجب نہیں ہوتی ہیں اس لیے کہ ایک ہی بدن میں دو قسامتیں اور دو دیتیں مشروع نہیں ہیں۔

{۵} دو ٹکڑے بدن کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ موجود حصہ اگر اس حال میں ہو کہ اگر اس میں باقی مل جائے تو اس باقی میں قسامت جاری ہو تو اس موجود کے لیے قسامت واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ موجود اقل ہے، اور اگر موجود اس حال میں ہو کہ اگر باقی اس کے ساتھ ملے تو اس باقی میں قسامت جاری نہ ہو یعنی باقی اقل ہو تو موجود کے لیے قسامت واجب ہوگی؛ کیونکہ یہ اکثر ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ ایک مقتول کے اقل حصے میں قسامت واجب قرار دینے سے قسامت اور دیت میں تکرار لازم آئے گا کہ اکثر اور اقل میں سے ہر ایک کے لیے قسامت اور دیت ہو حالانکہ قسامت اور دیت میں تکرار مشروع نہیں ہے۔
اور نمازِ جنازہ کی تفریع اسی مذکورہ اصل پر ہوگی یعنی اگر اقل ہے کہ جس میں قسامت نہیں تو نمازِ جنازہ بھی نہیں ہے اور اگر اکثر ہے کہ جس میں قسامت ہو تو نمازِ جنازہ بھی واجب ہوگی؛ کیونکہ نمازِ جنازہ بھی متکرر نہیں ہوتی ہے۔

{۶} اگر گھر یا محلہ میں کوئی جنین (کامل الاعضاء) یا ناتمام بچہ پایا گیا جو پورا تخلیق نہیں ہوا ہے حالانکہ اس میں ضرب کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا ہے تو محلہ والوں پر کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کا حال پورے آدمی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا ہے اور اس طرح کے بڑے آدمی (جس میں ضرب کا اثر نہ ہو) میں محلہ والوں پر کچھ نہیں تو جنین اور ناتمام بچے میں بھی کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر اس میں ضرب کا کوئی نشان موجود ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر جنین کی خلقت پوری ہو تو اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ ظاہر حال یہ ہے کہ جس کی خلقت پوری ہو چکی ہو وہ اپنی ماں سے زندہ برآمد ہوا ہے پھر کسی نے مار کر قتل کیا ہے اس لیے قسامت اور قتل واجب ہوگی، اور اگر اس کی خلقت میں نقصان ہو یعنی اب تک اس کے اعضاء پورے نہ بنے ہوں تو اہل محلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ زندہ ہونے کی حالت میں اپنی ماں سے الگ نہیں ہو سکتا بلکہ مردہ جدا ہوا ہے اس لیے اسے کسی نے نہیں مارا ہے لہٰذا اہل محلہ پر قسامت اور دیت بھی نہ ہوگی۔

{۷} اگر مقتول ایسے جانور پر ملا کہ جس کو کوئی شخص ہانک رہا تھا تو مقتول کی دیت اسی ہانکنے والے کی مدد گار برادری پر واجب ہوگی اہل محلہ پر نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ مقتول اس کے قبضہ میں ہے تو ایسا ہے جیسے مقتول اس کے گھر میں پایا جائے، اسی طرح اگر یہ شخص اس جانور کو آگے سے کھینچتا ہو یا اس پر سوار ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ مقتول کی دیت اس کی مدد گار برادری پر ہوگی۔ اور اگر ایک شخص جانور کو ہانکتا ہو اور دوسرا اس کو کھینچتا ہو اور تیسرا اس پر سوار ہو تو مقتول کی دیت ان تینوں پر واجب ہوگی؛ کیونکہ یہ مقتول ان سب کے قبضہ میں ہے تو ایسا ہوا کہ گویا یہ مقتول ان کے گھر میں پایا گیا ہے۔

{۱} قَالَ : وَإِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ بَيْنَ الْقَرْيَتَيْنِ وَعَلَيْهَا قَتِيلٌ فَهُوَ عَلَى أَقْرَبِهِمَا ؛ لِمَا رُوِيَ

فرمایا: اور اگر گذرا کوئی جانور دو گاؤں کے درمیان اور اس پر کوئی مقتول ہو، تو وہ ان میں سے اقرب پر ہوگا؛ کیونکہ مروی ہے کہ

{ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أُتِيَ بِقَتِيلٍ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَأَمَرَ أَنْ يُذْرَعَ } .وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حضورؐ کے پاس ایسا مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے درمیان پایا گیا تھا، تو آپؐ نے امر فرمایا کہ پیائش کی جائے، اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے

أَنَّهُ لَمَّا كُتِبَ إِلَيْهِ فِي الْقَتِيلِ الَّذِي وُجِدَ بَيْنَ وَدَاعَةَ وَأَرْحَبَ كَتَبَ بِأَنْ يَقِيسَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ،

کہ ان کو جب لکھا گیا اس مقتول کے بارے میں جو پایا گیا تھا وادعہ اور ارحب کے درمیان، تو آپؓ نے لکھا کہ پیائش کی جائے دونوں گاؤں کے درمیان

فَوُجِدَ الْقَتِيلُ إِلَى وَادِعَةَ أَقْرَبَ فَقَضَى عَلَيْهِمْ بِالْقَسَامَةِ . {۲} قِيلَ هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى مَا إِذَا كَانَ بِحَيْثُ

پس مقتول پایا گیا وادعہ کو زیادہ قریب، تو آپؓ نے فیصلہ فرمایا ان پر قسامت کا، کہا گیا ہے کہ یہ محمول ہے اس صورت پر کہ مقتول ایسی جگہ ہو

يَبْلُغُ أَهْلَهُ الصَّوْتُ ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ فَتُمْكِنُهُمْ النُّصْرَةُ

کہ پہنچ جاتی ہو وہاں والوں کو آواز؛ کیونکہ جب وہ اس صفت پر ہو تو اس کو پہنچ سکتا ہے فریاد رس، تو ان کے لیے ممکن تھی نصرت

وَقَدْ قَصَّرُوا . {۳} قَالَ : وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي دَارِ إِنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ

حالانکہ انہوں نے اس میں کوتاہی کی ہے۔ فرمایا: اور اگر پایا گیا مقتول کسی انسان کے گھر میں، تو قسامت اسی پر ہے؛ کیونکہ گھر اسی کے قبضہ میں ہے

وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ ؛ لِأَنَّ نُصْرَتَهُ مِنْهُمْ وَقُوَّتَهُ بِهِمْ . {۴} قَالَ : وَلَا تَدْخُلُ السُّكَّانُ

اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی؛ کیونکہ اس کی نصرت انہی سے ہے اور اس کی قوت انہی سے ہے۔ فرمایا: اور داخل نہ ہوں گے رہائشی لوگ

فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ هُوَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا؛

قسامت میں مالکوں کے ساتھ امام صاحبؒ کے نزدیک اور یہی قول ہے امام محمدؒ کا، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ قسامت ان سب پر ہے

تشریح الہدایہ

ولایۃ التدبیر كَمَا تَكُونُ بِالْمِلْكِ تَكُونُ بِالسُّكْنَى أَلَا تَرَى { أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَعَلَ الْقَسَامَةَ

کو ولایتِ تدبیر جس طرح کہ ملک سے ہوتی ہے اسی طرح رہائش سے بھی ہوتی ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حضورؐ نے لازم فرمایا قسامت

عَلَى الْيَهُودِ وَإِنْ كَانُوا سُكَّانًا بِخَيْبَرَ } . ﴿۵﴾وَلَهُمَا أَنَّ الْمَالِكَ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبُقْعَةِ

کو یہود پر، حالانکہ وہ لوگ رہائشی تھے خیبر کے۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک ہی مختص ہے زمین کے ٹکڑے کی نصرت کے ساتھ

دُونَ السُّكَّانِ لِأَنَّ سُكْنَى الْمُلَّاكِ أَلْزَمُ وَقَرَارُهُمْ أَدْوَمُ فَكَانَتْ وِلَايَةُ التَّدْبِيرِ إلَيْهِمْ فَيَتَحَقَّقُ التَّقْصِيرُ مِنْهُمْ.

نہ کہ رہائشی لوگ؛ کیونکہ مالکوں کی رہائش زیادہ لازم اور ان کا قرار دائمی ہے، پس ہوگی ولایتِ تدبیر ان کو، پس متحقق ہوگی کوتاہی انہی کی طرف سے

وَأَمَّا أَهْلُ خَيْبَرَ فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ فَكَانَ يَأْخُذُ مِنْهُمْ عَلَى وَجْهِ الْخَرَاجِ﴿۶﴾قَالَ :وَهِيَ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ

رہے اہل خیبر تو حضورؐ نے ان کو برقرار رکھا تھا ان کی املاک پر، اور آپؐ لیتے تھے ان سے بطورِ خراج۔ فرمایا: اور قسامت اہل خطہ پر ہے

دُونَ الْمُشْتَرِينَ ،وَهَذَاقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَوَمُحَمَّدٍ.وَقَالَ أَبُويُوسُفَ:الْكُلُّ مُشْتَرِكُونَ لِأَنَّ الضَّمَانَ إنَّمَايَجِبُ بِتَرْكِ الْحِفْظِ

نہ کہ خریداروں پر، اور یہ طرفینؒ کا قول ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ سب شریک ہیں؛ کیونکہ ضمان واجب ہوتا ہے ترکِ حفاظت سے

مِمَّنْ لَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ وَبِهَذَا الطَّرِيقِ يُجْعَلُ جَانِيًا مُقَصِّرًا ، وَالْوِلَايَةُ بِاعْتِبَارِ الْمِلْكِ

اس کی طرف سے جس کو ولایتِ حفاظت حاصل ہے اور اس طریقہ سے قرار دیا جائے گا مجرم اور کوتاہی کرنے والا، اور ولایت باعتبارِ ملک ہے

وَقَدْ اسْتَوَوْا فِيهِ . ﴿۷﴾وَلَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْخِطَّةِ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبُقْعَةِ هُوَ الْمُتَعَارَفُ،

اور سب برابر ہیں اس میں۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ صاحبِ خطہ ہی مختص ہے اس زمین کی نصرت کے ساتھ یہی متعارف ہے،

وَلِأَنَّهُ أَصِيلٌ وَالْمُشْتَرِي دَخِيلٌ وَوِلَايَةُ التَّدْبِيرِ إلَى الْأَصِيلِ ، وَقِيلَ : أَبُو حَنِيفَةَ بَنَى ذَلِكَ

اور اس لیے کہ وہ اصیل ہے اور مشتری دخیل ہے، اور ولایتِ تدبیر اصیل کو حاصل ہوتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ امام صاحبؒ نے بناء کیا ہے اس کو

عَلَى مَا شَاهَدَ بِالْكُوفَةِ . ﴿۸﴾قَالَ : وَإِنْ بَقِيَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَكَذَلِكَ يَعْنِي مِنْ أَهْلِ الْخِطَّةِ لِمَا

اس حال پر جو آپؒ نے دیکھا ہے کوفہ میں۔ فرمایا: اور اگر باقی رہا ایک ان میں سے تو بھی یہی حکم ہے یعنی اہل خطہ میں سے ایک؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا • وَإِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِأَنْ بَاعُوا كُلُّهُمْ فَهُوَ عَلَى الْمُشْتَرِينَ ؛ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ

جو ہم بیان کر چکے، اور اگر نہیں رہا ان میں سے ایک بھی بایں طور کہ ان سب نے فروخت کر دی، تو قسامت خریدنے والوں پر ہوگی؛ کیونکہ ولایت

انْتَقَلَتْ إلَيْهِمْ أَوْ خَلَصَتْ لَهُمْ لِزَوَالِ مَنْ يَتَقَدَّمُهُمْ أَوْ يُزَاحِمُهُمْ .﴿۹﴾ وَإِذَا وُجِدَ قَتِيلٌ فِي دَارٍ

نقل ہو چکی ہے ان کی طرف ذہن کے لیے خالص ہو گئی ہے؛ بوجہ ختم ہونے ان کے جوان سے مقدم اور ان کے حرام تھے۔ اور اگر پایا گیا مقتول کسی کے گھر

فَالْقَسَامَةُ عَلَى رَبِّ الدَّارِ وَعَلَى قَوْمِهِ وَتَدْخُلُ الْعَاقِلَةُ فِي الْقَسَامَةِ إِنْ كَانُوا حُضُورًا ؛ وَإِنْ كَانُوا غُيَّبًا فَالْقَسَامَةُ

تو قسامت مالک مکان اور اس کی قوم پر ہے اور داخل ہوں گے عاقلہ قسامت میں اگر وہ موجود ہوں، اور اگر وہ غائب ہوں تو قسامت

عَلَى رَبِّ الدَّارِ يُكَرَّرُ عَلَيْهِ الْأَيْمَانُ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا قَسَامَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ

مالکِ مکان پر ہو گی، مکرر کی جائیں گی اس پر قسمیں، اور یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے قسامت نہیں ہے عاقلہ پر

؛ لِأَنَّ رَبَّ الدَّارِ أَخَصُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يُشَارِكُهُ غَيْرُهُ فِيهَا كَأَهْلِ الْمَحَلَّةِ

؛کیونکہ مالکِ مکان مخصوص ہے اس مکان کے ساتھ اپنے غیر سے، پس شریک نہ ہو گا اس کے ساتھ اس کا غیر اس میں جیسے اہل محلہ

لَا يُشَارِكُهُمْ فِيهَا عَوَاقِلُهُمْ .وَلَهُمَا أَنَّ الْحُضُورَ لَزِمَتْهُمْ نُصْرَةُ الْبُقْعَةِ كَمَا تَلْزَمُ

کہ شریک نہیں ہوتے ان کے ساتھ اس میں ان کے عاقلہ۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاضرین پر لازم ہے بقعہ کی نصرت جیسا کہ لازم ہے

صَاحِبَ الدَّارِ فَيُشَارِكُونَهُ فِي الْقَسَامَةِ . ﴿١٠﴾قَالَ : وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ نِصْفُهَا لِرَجُلٍ

مالکِ مکان پر پس وہ شریک ہوں گے اس کے ساتھ قسامت میں۔ فرمایا: پس اگر پایا گیا مقتول مشترک مکان میں جس کا نصف ایک شخص کا ہو

وَعُشْرُهَا لِرَجُلٍ وَلِآخَرَ مَا بَقِيَ فَهُوَ عَلَى رُءُوسِ الرِّجَالِ ؛ لِأَنَّ صَاحِبَ الْقَلِيلِ يُزَاحِمُ صَاحِبَ الْكَثِيرِ فِي التَّدْبِيرِ

اور عشر دوسرے کا، اور باقی تیسرے کا تو وہ آدمیوں کے سروں کے مطابق ہو گا؛ کیونکہ صاحب قلیل مزاحم ہے صاحب کثیر کا تدبیر میں

فَكَانُوا سَوَاءً فِي الْحِفْظِ وَالتَّقْصِيرِ فَيَكُونُ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ بِمَنْزِلَةِ الشُّفْعَةِ .

پس وہ برابر ہیں حفاظت اور کوتاہی میں، پس ہو گا عدد رؤس کے مطابق شفعہ کی طرح۔

تشریح:۔﴿۱﴾ اگر ایک جانور دو گاؤں کے درمیان میں جا رہا ہو حالانکہ اس جانور پر ایک مقتول لدا ہوا ہے تو دونوں گاؤں میں سے جس سے زیادہ قریب ہو اسی پر اس کی دیت واجب ہو گی؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے درمیان میں پایا گیا تھا تو آپؐ نے حکم فرمایا کہ مقتول سے دونوں گاؤں کا فاصلہ ناپا جائے پس وہ دونوں میں سے ایک گاؤں سے زیادہ قریب نکلا تو آپؐ نے اسی گاؤں پر ڈالا[1]۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپؓ کو ایک گورنر نے ایسے مقتول کے بارے لکھا

([1])قُلْتُ: رَوَاهُ أَبُو دَاوُد الطَّيَالِسِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْهِ، وَالْبَزَّارُ فِي مَسَانِيدِهِمْ، وَالْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ أَبِي إسْرَائِيلَ الْمُلَائِيِّ، وَاسْمُهُ إسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي إسْحَاقَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ قَتِيلًا وُجِدَ بَيْنَ حَيَّيْنِ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقَاسَ، إلَى أَيِّهِمَا أَقْرَبُ، فَوُجِدَ أَقْرَبَ إلَى أَحَدِ الْحَيَّيْنِ بِشِبْرٍ، قَالَ الْخُدْرِيُّ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إلَى شِبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَلْقَى دِيَتَهُ عَلَيْهِمْ.(نصب الرایۃ:5ص200)

لکھا جو وادعہ قبیلہ اورارحب قبیلہ کے درمیان پایا گیا تھا تو آپؓ نے حکم لکھا کہ دونوں کا فاصلہ ناپا جائے پس مذکورہ مقتول وادعہ قبیلہ کے زیادہ قریب پایا گیا تو آپؓ نے وادعہ پر قسامت کا حکم دیا[1]۔

{۲}بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حکم ایسی صورت پر محمول ہے کہ مقتول ایسی جگہ ہو کہ اس کی آواز نزدیک والوں کو پہنچ سکتی ہو؛کیونکہ جب وہ اس حالت پر ہو تو اس کو ان لوگوں کی مدد پہنچ سکتی تھی اس لیے ان لوگوں کی طرف سے مدد کرنا ممکن تھا حالانکہ انہوں نے کوتاہی کی لہذا دیت کے ضامن ہوں گے،یہی قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ بِشَرْطِ سَمَاعِ الصَّوْتِ مِنْهُمْ) ذَكَرَ عَنْهُ الزَّيْلَعِيُّ وَصَاحِبُ الْهِدَايَةِ يُقْبَلُ، لَكِنْ جَزَمَ بِهِ فِي الْخَانِيَّةِ وَالْوَلْوَالِجِيَّةِ وَتَبِعَهُمَا ابْنُ كَمَالٍ وَصَاحِبُ الدُّرَرِ، وَجَعَلَهُ مَتْنًا كَالْمُصَنِّفِ وَكَذَا فِي الْمَوَاهِبِ، وَوَجْهُهُ ظَاهِرٌ، وَمُفَادُ أَنَّهُ لَمْ يُسْمَعْ مِنْهُ الصَّوْتُ فَدَمُهُ هَدَرٌ، لَكِنْ هَذَا إذَا لَمْ يَكُنْ الْمَكَانُ مَمْلُوكًا أَوْ عَلَيْهِ يَدٌ خَاصَّةٌ أَوْ عَامَّةٌ كَمَا يَأْتِي تَقْرِيرُهُ. (ردّ المحتار:5ص446)۔

{۳}اگر مقتول کسی انسان کے گھر میں پایا گیا تو قسامت خود اسی گھر کے مالک پر ہوگی اہل محلہ اس کے ساتھ قسامت میں شریک نہ ہوں گے؛کیونکہ گھر اسی شخص کے قبضہ میں ہے اور قسامت مقتول کے قتل کی جگہ کے مالک پر ہوتی ہے،اور مقتول کی دیت اس کی مددگار برادری پر ہوگی؛کیونکہ اس شخص کی نصرت انہیں لوگوں سے ہے اور اس کی قوت انہیں سے ہے۔

{۴}طرفینؒ کے نزدیک قسامت میں مالکوں کے ساتھ کرایہ یا عاریت پر رہنے والے داخل نہ ہوں گے،اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قسامت ان سب پر واجب ہوگی؛کیونکہ یہاں کی ولایت تدبیر جیسے ملک کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے بھی حاصل ہوتی ہے،یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے یہودیوں پر قسامت اور دیت واجب کی حالانکہ یہ لوگ خیبر میں صرف رہنے والے تھے[2] یعنی مالک نہیں تھے۔

{۵}طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس جگہ کا مالک ہی یہاں کی مدد کرنے کے لیے مختص ہے اور کرایہ یا عاریۃ رہنے والے مدد کرنے کے ساتھ مختص نہیں ہیں؛کیونکہ مالکوں کی سکونت لازمی اور ان کا قرار دائمی ہوتا ہے تو تدبیر کی ولایت بھی مالکوں ہی کو حاصل

---

(1)قلت: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا إسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الْأَزْمَعِ، قَالَ: وُجِدَ قَتِيلٌ بِالْيَمَنِ بَيْنَ وَادِعَةَ، وَأَرْحَبَ، فَكَتَبَ عَامِلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إلَيْهِ، فَكَتَبَ إلَيْهِ عُمَرُ أَنْ قِسْ مَا بَيْنَ الْحَيَّيْنِ، فَإِلَى أَيِّهِمَا كَانَ أَقْرَبَ، فَخُذْهُمْ بِهِ، قَالَ: فَقَاسُوا، فَوَجَدُوهُ أَقْرَبَ إلَى وَادِعَةَ، فَأَخَذَنَا، وَأَغْرَمَنَا، وَأَحْلَفَنَا، فَقُلْنَا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَتُحَلِّفُنَا، وَتُغَرِّمُنَا؟! قَالَ: نَعَمْ، فَأَحْلَفَ مِنَّا خَمْسِينَ رَجُلًا بِاَللَّهِ مَا قَتَلْتُ، وَلَا عَلِمْتُ قَاتِلًا،(نصب الراية:5ص201)

(2)قلت: تقدّم. (نصب الراية:5ص201)

ہو گی، لہذا کوتاہی انہیں کی جانب سے ثابت ہو گی اس لیے قسامت اور دیت انہیں پر ہو گی۔ رہے اہل خیبر تو حضور ﷺ نے ان کو ان کی املاک پر باقی رکھا تھا اور ان سے خراج لیا کرتے تھے[1] پس وہ مالک تھے اس لیے ان پر قسامت اور دیت کو واجب کیا۔

﴿٦﴾ طرفینؒ کے نزدیک قسامت اور دیت اہل خِطہ پر ہے (جس زمین پر امام خط کھینچ کر کسی کی ملکیت میں دیدے اس کو خِطہ کہتے ہیں) اور اہل خِطہ سے کسی جگہ کو خریدنے والوں پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سب لوگ اس میں مشترک ہیں؛ کیونکہ جن لوگوں پر حفاظت واجب ہے ان کی ترکِ حفاظت سے ان پر تاوان واجب ہوتا ہے اور اسی ترکِ حفاظت کی وجہ سے کسی کو قصوروار اور مجرم ٹھہرایا جاتا ہے اور حفاظت کی ولایت مِلک کی وجہ سے ہوتی ہے اور ملکیت میں خِطہ والے اور مشتری سب برابر ہیں اس لیے تاوان سب پر لازم ہو گا۔

﴿٧﴾ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہل خِطہ اس خِطہ کی نصرت کے ساتھ مختص ہیں اور یہی لوگوں میں متعارف ہے لہذا ولایتِ تدبیر ان کو حاصل ہے پس کوتاہی ان کی جانب سے پائی جائے گی اس لیے قسامت اور دیت انہیں پر واجب ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ صاحبِ خِطہ اصیل ہے اور مشتری دخیل ہے حالانکہ تدبیر کی ولایت اصیل کو ہوتی ہے اس لیے کوتاہی اسی کی طرف سے ہے لہذا قسامت اور دیت بھی اسی پر واجب ہو گی۔ بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول کی بنیاد اس حالت پر رکھا ہے جو حالت آپؒ نے اہل کوفہ کی دیکھی تھی تو یہ عصر اور زمانے کا اختلاف ہے نہ کہ حجت اور برہان کا اختلاف۔

فتوی[1]: مذکورہ بالا صورت میں طرفینؒ کا قول راجح ہے لمافی الدّر المختار: (وَهِيَ) أَيْ الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ (عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ) الَّذِينَ خَطَّ لَهُمْ الْإِمَامُ أَوَّلَ الْفَتْحِ وَلَوْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ (دُونَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِينَ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ كُلُّهُمْ مُشْتَرِكُونَ-قال العلامة ابن عابدين:(قَوْلُهُ دُونَ السُّكَّانِ) كَالْمُسْتَأْجِرِينَ وَالْمُسْتَعْمِرِينَ فَالْقَسَامَةُ عَلَى أَرْبَابِهَا، وَإِنْ كَانُوا غُيَّبًا تَتَارْخَانِيَّةٌ. وَكَالْمُشْتَرِينَ الَّذِينَ يَمْلِكُونَ بِالْهِبَةِ أَوْ الْمَهْرِ أَوْ الْوَصِيَّةِ، أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَسْبَابِ الْمِلْكِ وَإِنْ كَانُوا يَقْبِضُونَهَا قُهُسْتَانِيٌّ (قَوْلُهُ فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ فَعَلَى الْمُشْتَرِينَ) أَيْ دُونَ السُّكَّانِ.وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ إذَا كَانَ فِي مَحَلَّةٍ أَمْلَاكٌ قَدِيمَةٌ وَحَدِيثَةٌ وَسُكَّانٌ فَالْقَسَامَةُ عَلَى الْقَدِيمَةِ دُونَ أُخْرَيَيْهَا، لِأَنَّهُ إنَّمَا يَكُونُ وِلَايَةُ تَدْبِيرِ الْمَحَلَّةِ

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: أَرَادَ الْمُصَنِّفُ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ أَهْلَ خَيْبَرَ لَمْ يَكُونُوا سُكَّانًا، وَإِنَّمَا كَانُوا مُلَّاكًا، وَالصَّحِيحُ الَّذِي اخْتَارَهُ أَبُو عُمَرَ وَغَيْرُهُ أَنَّ خَيْبَرَ فُتِحَتْ كُلُّهَا عَنْوَةً وَأَنَّهَا قُسِمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ، إلَّا حِصْنَيْنِ مِنْهَا، يُسَمَّى أَحَدُهُمَا: الْوَطِيحَةَ، وَالْآخَرُ: السَّلَالِمَ، فَإِنَّ أَهْلَهُمَا سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْخُذَ جَمِيعَ مَا عندهم، وَيَحْقِنَ لَهُمْ دِمَاءَهُمْ، فَفَعَلَ، وَسَأَلُوهُ أَنْ يَتْرُكَهُمْ فِي أَرْضِهِمْ، وَيَعْمَلُونَ فِيهَا عَلَى نِصْفِ الْخَارِجِ، فَفَعَلَ عَلَى أَنْ يُخْرِجَهُمْ مَتَى شَاءَ، وَلَيْسَ فِي هَذَا أَنَّهُ أَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ، مِلْكًا لَهُمْ، إذْ لَا يَكُونُ ذَلِكَ إلَّا فِي فَتْحِ الصُّلْحِ، بِدَلِيلِ أَنَّهُمْ اسْتَمَرُّوا كَذَلِكَ، إلَى زَمَانِ عُمَرَ، فَأَجْلَاهُمْ عُمَرُ، وَقَدْ ذَكَرَ المصنف فِي بَابِ الْغَنَائِمِ أَنَّهُ عليه السلام قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ. (نصب الراية: 5ص201)

عليهم، وَإِذَا كَانَ فِيهَا أَمْلَاكٌ حَدِيثَةٌ وَسُكَّانٌ فَعَلَى الْحَدِيثَةِ، وَإِذَا كَانَ سُكَّانٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، وَهَذَا كُلُّهُ عِنْدَهُمَا، وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَالثَّلَاثَةُ سَوَاءٌ فِي وُجُوبِ الْقَسَامَةِ، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ، قِيلَ: هَذَا فِي عُرْفِهِمْ وَأَمَّا فِي عُرْفِنَا فَعَلَى الْمُشْتَرِينَ لِأَنَّ التَّدْبِيرَ إلَيْهِمْ كَمَا أُشِيرَ إلَيْهِ فِي الْكَرْمَانِيِّ قُهُسْتَانِيٌّ، (الدّر المختار مع الشامية:۵/۴۴۷)

﴿۸﴾اگر اہل خطہ میں سے ایک شخص بھی باقی رہا تو بھی یہی حکم ہے یعنی قسامت اور دیت اسی کی مددگار برادری پر ہوگی؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اہل خطہ اصیل اور مشتری دخیل ہے۔ اور اگر اہل خطہ میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا بایں طور کہ ان سب نے مذکورہ خِطہ کو فروخت کر دیا تو قسامت اور دیت مشتریوں پر واجب ہوگی؛ کیونکہ ولایتِ تدبیر اب انہیں کی جانب منتقل ہوگئی یا ان کے لیے خالص ہوگئی؛ کیونکہ وہ لوگ نہیں رہے جو ان سے مقدم تھے یا جو لوگ ان کے مزاحم تھے وہ نہیں رہے اس لیے اب تدبیر ان کے لیے خالص ہوگئی۔

﴿۹﴾اگر کسی کے گھر میں کوئی شخص مقتول پایا گیا تو قسامت اسی مکان کے مالک اور اس کی قوم پر واجب ہوگی اور قسامت میں اس کی مددگار برادری بھی داخل ہوگی بشرطیکہ وہ لوگ حاضر ہوں اور اگر غائب ہوں تو قسامت مکان کے مالک پر ہوگی اور اس پر قسمیں مکرر کی جائیں گی، اور یہ طرفینؒ کا قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مددگار برادری پر قسامت نہیں ہے؛ کیونکہ مکان کا مالک اوروں کی بنسبت اس مکان کے ساتھ مختص ہے تو قسامت میں اس کے ساتھ دوسرا شریک نہ ہوگا جیسے اہل محلہ کے ساتھ ان کی مددگار برادری شریک نہیں ہوتی ہے۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مددگار برادری میں سے حاضرین پر اس خطہ کی نصرت واجب ہے جیسے مالک مکان پر نصرت واجب ہے اس لیے مددگار برادری میں سے حاضرین قسامت میں مکان کے مالک کے ساتھ شریک ہوں گے؛ کیونکہ سبب میں مشارکت حکم میں مشارکت کو واجب کر دیتی ہے۔

فتویٰ: طرفینؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ) فَتُكَرَّرُ عَلَيْهِ الْأَيْمَانُ وَلْوَالِجِيَّةٌ، وَلَوْ الدَّارُ مُغْلَقَةً لَا أَحَدَ فِيهَا طُورِيٌّ، وَهَذَا إذَا ادَّعَى وَلِيُّ الْقَتِيلِ عَلَى صَاحِبِ الدَّارِ، فَلَوْ ادَّعَى عَلَى آخَرَ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ عَلَى رَبِّ الدَّارِ تَتَارْخَانِيَّةٌ (قَوْلُهُ وَلَوْ عَاقِلَتُهُ حُضُورًا) أَيْ فِي بَلَدِهِ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيِّ قَوْلُهُ عَنْ الْبُرْهَانِ (قَوْلُهُ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) حَيْثُ قَالَ: لَا يَدْخُلُونَ مَعَهُ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِغَيْرِهِ عَلَى دَارِهِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا اجْتَمَعُوا لِلْحِفْظِ وَالتَّنَاصُرِ ثَبَتَ لَهُمْ وِلَايَةُ حِفْظِ الدَّارِ يَحْفَظُ صَاحِبُهُ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانُوا غُيَّبًا وَلْوَالِجِيَّةٌ (ردّ المحتار:5ص447)

{۱۰}اگر مقتول کسی ایسے مشترک گھر میں پایا گیا جس میں سے نصف ایک شخص کا ہو اور دسواں حصہ دوسرے شخص کا اور باقی تیسرے شخص کا ہو تو تاوان تعداد شرکاء کے مطابق واجب ہوگا اور ملکیت کے کم وبیش کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اگر تین شریک ہوں تو ہر ایک پر ایک تہائی واجب ہوگی؛ کیونکہ تدبیر کے بارے میں قلیل حصہ دار اپنے شریک کثیر حصہ دار کا مزاحم ہوتا ہے تو حفاظت اور کوتاہی میں وہ دونوں برابر ہوں گے لہذا تاوان شرکاء کی تعداد پر ہوگا جیسے حق شفعہ میں یہی حکم ہے کہ عدد رؤس کے مطابق ہوتا ہے ملکیت کے بقدر نہیں ہوتا ہے۔

{۱}قَالَ :وَمَنِ اشْتَرَى دَارًاوَلَمْ يَقْبِضْهَا حَتَّى وُجِدَ فِيهَا قَتِيلٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ وَإِنْ كَانَ فِي الْبَيْعِ خِيَارٌ

فرمایا: اور جس نے خرید لیا مکان اور قبضہ نہیں کیا اس پر یہاں تک کہ پایا گیا اس میں مقتول، تو وہ بائع کے عاقلہ پر ہوگی، اور اگر ہو بیع میں خیار

لِأَحَدِهِمَا فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الَّذِي فِي يَدِهِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ{۲}وَقَالَا

دونوں میں سے ایک کے لیے تو وہ اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے قبضہ میں مکان ہے، اور یہ امام صاحب ؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا صاحبین ؒ نے

إنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِي وَإِنْ كَانَ فِيهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الَّذِي تَصِيرُ لَهُ

اگر نہ ہو اس میں خیار تو وہ مشتری کے عاقلہ پر ہوگی اور اگر اس میں خیار ہو تو وہ اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے لیے مکان ہو جائے گا

لِأَنَّهُ إنَّمَا أُنْزِلَ قَاتِلًا بِاعْتِبَارِ التَّقْصِيرِ فِي الْحِفْظِ وَلَا يَجِبُ إلَّا عَلَى مَنْ لَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ

کیونکہ اس کو قاتل کے درجے میں اتار دیا حفاظت میں کوتاہی کے اعتبار سے، اور قسامت واجب نہیں مگر اسی پر جس کے لیے ولایت حفاظت ہو

وَالْوِلَايَةُ تُسْتَفَادُ بِالْمِلْكِ وَلِهَذَا كَانَتِ الدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ صَاحِبِ الدَّارِ دُونَ الْمُودَعِ ،وَالْمِلْكُ لِلْمُشْتَرِي قَبْلَ الْقَبْضِ

اور ولایت مستفاد ہوتی ہے ملک سے، اور اسی لیے صاحب دار کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے نہ کہ مودَع کے، اور ملک مشتری کے لیے ہے

فِي الْبَيْعِ الْبَاتِّ ، وَفِي الْمَشْرُوطِ فِيهِ الْخِيَارُ يُعْتَبَرُ قَرَارُ الْمِلْكِ كَمَا فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ . {۳}وَلَهُ

قبضہ سے پہلے قطعی بیع میں، اور اس بیع میں جس میں خیار شرط ہو اعتبار کیا جائے گا قرار ملک کا جیسا کہ صدقہ فطر میں ہے۔ امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْحِفْظِ بِالْيَدِ لَا بِالْمِلْكِ ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ يَقْتَدِرُ عَلَى الْحِفْظِ بِالْيَدِ دُونَ الْمِلْكِ وَلَا يَقْتَدِرُ بِالْمِلْكِ

کہ حفاظت پر قدرت قبضہ سے ہے نہ کہ ملک سے، کیا نہیں دیکھتا کہ انسان قادر ہوتا ہے حفاظت پر قبضہ سے نہ کہ ملک سے، اور قادر نہیں ہوتا ہے ملک سے

دُونَ الْيَدِ ، وَفِي الْبَاتِّ الْيَدُ لِلْبَائِعِ قَبْلَ الْقَبْضِ ، وَكَذَا فِيمَا فِيهِ الْخِيَارُ لِأَحَدِهِمَا قَبْلَ الْقَبْضِ

بغیر قبضہ کے، اور قطعی بیع میں قبضہ بائع کا ہے مشتری کے قبضہ سے پہلے، اور اسی طرح اس میں جس میں کسی ایک کے لیے خیار ہو قبضہ سے پہلے

لِأَنَّهُ دُونَ الْبَاتِّ ، ﴿۴﴾وَلَوْ كَانَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَالْخِيَارُ لَهُ فَهُوَ أَخَصُّ النَّاسِ بِهِ

کیونکہ یہ بیع قطعی سے کمتر ہے،اوراگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور خیار بھی اسی کے لیے ہو تو وہ دیگر لوگوں سے اخص ہے اس کے ساتھ

تَصَرُّفًا ، وَلَوْ كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ فَهُوَ فِي يَدِهِ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ بِالْقِيمَةِ كَالْمَغْصُوبِ فَتُعْتَبَرُ

تصرف کے اعتبار سے،اوراگر خیار بائع کے لیے ہو تو وہ اس کے قبضہ میں ہے اور مضمون بالقیمۃ ہے اس پر جیسے مغصوب،پس معتبر ہوگا

يَدُهُ إِذْ بِهَا يَقْدِرُ عَلَى الْحِفْظِ . ﴿۵﴾قَالَ : وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ دَارٌ فَوُجِدَ فِيهَا قَتِيلٌ لَمْ تَعْقِلْهُ

اس کا قبضہ؛کیونکہ اسی کی وجہ سے وہ قادر ہے حفاظت پر۔ فرمایا:اور جس کے قبضہ میں مکان ہو پس پایا گیا اس میں مقتول،تو دیت نہیں دیں گے

الْعَاقِلَةُ حَتَّى تَشْهَدَ الشُّهُودُ أَنَّهَا لِلَّذِي فِي يَدِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْمِلْكِ لِصَاحِبِ الْيَدِ حَتَّى تَعْقِلَ

اس کی عاقلہ یہاں تک کہ گواہ گواہی دیں کہ یہ مکان اسی کا ہے جس کے قبضہ میں ہے؛کیونکہ ضروری ہے ملک قابض کے لیے،تاکہ دیت دیں

الْعَوَاقِلُ عَنْهُ ، وَالْيَدُ وَإِنْ كَانَتْ دَلِيلًا عَلَى الْمِلْكِ لَكِنَّهَا مُحْتَمَلَةٌ فَلَا تَكْفِي لِإِيجَابِ الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ

عواقل اس کی طرف سے،اور قبضہ اگرچہ دلیل ہے ملک کی لیکن وہ محتمل ہے،پس قبضہ کافی نہ ہوگا دیت واجب کرنے کے لیے عاقلہ پر

كَمَا لَا تَكْفِي لِاسْتِحْقَاقِ الشُّفْعَةِ بِهِ فِي الدَّارِ الْمَشْفُوعَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ ﴿۶﴾قَالَ : وَإِنْ وُجِدَ قَتِيلٌ فِي سَفِينَةٍ فَالْقَسَامَةُ

جیسا کہ کافی نہیں ہے استحقاقِ شفعہ کے لیے دارِ مشفوعہ میں،پس ضروری ہے بیّنہ قائم کرنا۔ فرمایا:اور اگر پایا گیا مقتول کشتی میں تو قسامت

عَلَى مَنْ فِيهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِينَ ؛ لِأَنَّهَا فِي أَيْدِيهِمْ وَاللَّفْظُ يَشْمَلُ أَرْبَابَهَا حَتَّى تَجِبُ

ان پر ہے جو کشتی میں ہیں یعنی سواروں اور ملاحوں پر ہے؛کیونکہ کشتی ان کے قبضہ میں ہے،اور یہ لفظ شامل ہے اربابِ کشتی کو حتی کہ واجب ہے

عَلَى الْأَرْبَابِ الَّذِينَ فِيهَا وَعَلَى السُّكَّانِ ، وَكَذَا عَلَى مَنْ يَمُدُّهَا وَالْمَالِكُ فِي ذَلِكَ وَغَيْرُ الْمَالِكِ سَوَاءٌ ، وَكَذَا الْعَجَلَةُ

ان مالکوں پر جو اس میں ہیں اور سکّان پر،اور اسی طرح ان پر جو کشتی کھینچتے ہیں،اور مالک اس میں اور غیر مالک برابر ہیں،اور اسی طرح بیل گاڑی ہے

﴿۷﴾وَهَذَا عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ظَاهِرٌ . وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ السَّفِينَةَ تُنْقَلُ وَتُحَوَّلُ

اور یہ اس روایت کے مطابق جو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے ظاہر ہے،اور فرق طرفینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ کشتی منتقل ہوتی ہے اور پھرتی ہے

فَيُعْتَبَرُ فِيهَا الْيَدُ دُونَ الْمِلْكِ كَمَا فِي الدَّابَّةِ ، بِخِلَافِ الْمَحَلَّةِ وَالدَّارِ لِأَنَّهَا لَا تُنْقَلُ ﴿۸﴾قَالَ : وَإِنْ وُجِدَ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ

تو معتبر ہوگا اس میں قبضہ جیسا کہ جانور میں ہے،برخلاف محلہ اور مکان کے؛کیونکہ وہ منتقل نہیں ہوتے ہیں۔ فرمایا:اور اگر پایا گیا محلہ کی مسجد میں

فَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِهَا ؛ لِأَنَّ التَّدْبِيرَ فِيهِ إِلَيْهِمْ . وَإِنْ وُجِدَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ أَوِ الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيهِ

تو قسامت اہل محلہ پر ہے؛ کیونکہ انتظام مسجد کا اہل محلہ کو حاصل ہے، اور اگر پایا گیا جامع مسجد میں یا عام راستے میں، تو قسامت نہیں ہے اس پر
وَالدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّهُ لِلْعَامَّةِ لَا يَخْتَصُّ بِهِ وَاحِدٌ مِنْهُمْ ، وَكَذَلِكَ الْجُسُورُ
اور دیت بیت المال پر ہوگی؛ کیونکہ وہ عام لوگوں کے لیے ہے مختص نہیں ہے اس کے ساتھ ان میں کوئی ایک، اور اسی طرح پل بھی
لِلْعَامَّةِ وَمَالُ بَيْتِ الْمَالِ مَالُ عَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ {9} وَلَوْ وُجِدَ فِي السُّوقِ إِنْ كَانَ مَمْلُوكًا ، فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ
عوام کے لیے ہے اور بیت المال کا مال عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ اور اگر پایا گیا بازار میں تو اگر وہ بازار مملوک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک
تَجِبُ عَلَى السُّكَّانِ وَعِنْدَهُمَا عَلَى الْمَالِكِ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَمْلُوكًا كَالشَّوَارِعِ الْعَامَّةِ الَّتِي بُنِيَتْ فِيهَا فَعَلَى بَيْتِ الْمَالِ
واجب ہوگی مکینوں پر، اور طرفینؒ کے نزدیک مالک پر، اور اگر مملوک نہ ہو جیسے وہ عام راستے جن میں بازار بنایا گیا ہو، تو بیت المال پر ہوگی
لِأَنَّهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ {10} وَلَوْ وُجِدَ فِي السِّجْنِ فَالدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ ، وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ
کیونکہ یہ بازار مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہے۔ اور اگر پایا گیا قید خانہ میں تو دیت بیت المال پر ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق
الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ السِّجْنِ ؛ لِأَنَّهُمْ سُكَّانٌ وَوِلَايَةُ التَّدْبِيرِ إِلَيْهِمْ ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْقَتْلَ حَصَلَ مِنْهُمْ
دیت اور قسامت قید خانہ والوں پر ہوگی؛ کیونکہ وہ وہاں کے باشندے ہیں، اور انتظام کی ولایت ان کو ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ قتل حاصل ہوا ہے ان سے
وَهُمَا يَقُولَانِ : إِنَّ أَهْلَ السِّجْنِ مَقْهُورُونَ فَلَا يَتَنَاصَرُونَ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ مَا يَجِبُ
اور طرفینؒ کہتے ہیں کہ قید خانے والے مغلوب ہیں، پس وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے متعلق نہ ہوگی وہ جو واجب ہو
لِأَجْلِ النُّصْرَةِ ، وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِاسْتِيفَاءِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ ، فَإِذَا كَانَ غُنْمُهُ يَعُودُ إِلَيْهِمْ فَغُرْمُهُ يَرْجِعُ
نصرت کی وجہ سے، اور اس لیے کہ قید خانہ بنایا گیا ہے مسلمانوں کے حقوق کی وصولیابی کے لیے، پس جب اس کا فائدہ ان کی طرف لوٹتا ہے تو اس کا نقصان
عَلَيْهِمْ .قَالُوا : وَهَذِهِ فُرَيْعَةُ الْمَالِكِ وَالسَّاكِنِ وَهِيَ مُخْتَلَفٌ فِيهَا بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ
بھی ان پر ہوگا، مشائخ نے کہا ہے کہ یہ فرع ہے مالک اور ساکن کی، اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان۔
{11} قَالَ : وَإِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدَرٌ، وَتَفْسِيرُ الْقُرْبِ مَا ذَكَرْنَا مِنِ اسْتِمَاعِ الصَّوْتِ لِأَنَّهُ إِذَا
فرمایا: اور اگر پایا گیا جنگل میں جس کے قرب میں آبادی نہ ہو تو وہ ہدر ہے، اور قرب کی تفسیر وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے یعنی آواز سننا؛ کیونکہ جب
كَانَ بِهَذِهِ الْحَالَةِ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يُوصَفُ أَحَدٌ
مقتول اس حالت پر ہو تو نہیں لاحق ہو سکتی ہے اس کے ساتھ مدد اس کے غیر کی جانب سے، پس نہیں متصف کیا جا سکتا ہے کسی ایک کو
بِالتَّقْصِيرِ ، وَهَذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مَمْلُوكَةً لِأَحَدٍ .أَمَّا إِذَا كَانَتْ فَالدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ

کوتاہی کے ساتھ، اور یہ تب ہے کہ جنگل مملوک نہ ہو کسی کا، اور اگر وہ مملوک ہو تو دیت اور قسامت مالک کے عاقلہ پر ہوگی۔

{۱۲} وَإِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلَى أَقْرَبِهِمَا ؛ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ ، وَإِنْ وُجِدَ فِي وَسَطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدَرٌ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ أَحَدٍ وَلَا فِي مِلْكِهِ{۱۳} وَإِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلَى أَقْرَبِ الْقُرَى مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ عَلَى التَّفْسِيرِ الَّذِي تَقَدَّمَ لِأَنَّهُ اخْتَصَّ بِنُصْرَةِ هَذَا الْمَوْضِعِ فَهُوَ كَالْمَوْضُوعِ عَلَى الشَّطِّ وَالشَّطُّ فِي يَدِ مَنْ هُوَ أَقْرَبُ مِنْهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُمْ يَسْتَقُونَ مِنْهُ الْمَاءَ وَيُورِدُونَ بَهَائِمَهُمْ فِيهَا ، بِخِلَافِ النَّهْرِ الَّذِي يَسْتَحِقُّ بِهِ الشُّفْعَةَ لِاخْتِصَاصِ أَهْلِهَا بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِمْ عَلَيْهِ فَتَكُونُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ .

اور اگر پایا گیا دو گاؤں کے درمیان، تو قسامت ان دونوں میں سے اقرب پر ہوگی، اور ہم اس کو بیان کر چکے، اور اگر پایا گیا وسط فرات میں جس کو پانی بہائے لے جا رہا ہو تو وہ ہدر ہے؛ کیونکہ وہ کسی کے قبضہ میں نہیں ہے اور نہ کسی کی ملک میں ہے۔ اور اگر وہ پھنسا ہوا ہو کنارے پر تو وہ قریب ترین گاؤں پر ہے اس جگہ سے، اس تفسیر کے مطابق جو گذر چکی؛ کیونکہ وہ مختص ہیں اس جگہ کی نصرت کے ساتھ، پس وہ کنارے پر رکھے ہوئے کی طرح ہے، اور کنارہ اسی کے قبضہ میں ہے جو اس کے قریب ہو، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وہ پانی بھرتے ہیں اس جگہ سے اور داخل کرتے ہیں اپنے چوپائے اس میں، برخلاف اس نہر کے جس کے ذریعہ استحقاق ہوتا ہے شفعہ کا؛ اہل نہر کے اختصاص کی وجہ سے اس کے ساتھ؛ اس پر ان کا قبضہ قائم ہونے کی وجہ سے، پس ہوگی قسامت اور دیت ان پر۔

{۱۴} قَالَ : وَإِنِ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهِ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ وَذَكَرْنَا فِيهِ الْقِيَاسَ وَالِاسْتِحْسَانَ.

فرمایا: اور اگر دعویٰ کیا ولی نے کسی ایک پر اہل محلہ میں سے متعین طور پر تو ساقط نہ ہوگی قسامت اہل محل سے، اور اس کو ہم ذکر کر چکے، اور ذکر کر چکے اس بارے میں قیاس اور استحسان کو۔

{۱۵} قَالَ : وَإِنِ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ أَنَّ وُجُوبَ الْقَسَامَةِ عَلَيْهِمْ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْقَاتِلَ مِنْهُمْ فَتَعْيِينُهُ وَاحِدًا مِنْهُمْ لَا يُنَافِي ابْتِدَاءَ الْأَمْرِ لِأَنَّهُ مِنْهُمْ بِخِلَافِ مَا إِذَا عَيَّنَ مِنْ غَيْرِهِمْ لِأَنَّ ذَلِكَ بَيَانٌ أَنَّ الْقَاتِلَ لَيْسَ مِنْهُمْ ، وَهُمْ إِنَّمَا يَغْرَمُونَ

فرمایا: اور اگر دعویٰ کیا کسی ایک پر اہل محلہ کے علاوہ میں سے، تو ساقط ہو جائے گی ان سے، اور وجہ فرق ہم بیان کر چکے اس سے پہلے اور وجہ فرق یہ کہ وجوب قسامت ان پر دلیل ہے کہ قاتل ان میں سے ہے، پس اس کا متعین کرنا ایک کو ان میں منافی نہیں ہے ابتداءِ امر کا؛ کیونکہ وہ ان میں سے ہے، برخلاف اس کے جب متعین کرے ان کا غیر؛ کیونکہ یہ بیان ہے کہ قاتل ان میں سے نہیں ہے، اور وہ تاوان برداشت کرتے ہیں

إِذَا كَانَ الْقَاتِلُ مِنْهُمْ لِكَوْنِهِمْ قَتَلَةً تَقْدِيرًا حَيْثُ لَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدِ الظَّالِمِ ، وَلِأَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ لَا يَغْرَمُونَ

جبکہ قاتل ان سے ہو؛ کیونکہ وہ تقدیراً قاتل ہیں اس لیے کہ انہوں نے نہیں روکا ظالم کا ہاتھ، اور اس لیے کہ اہل محلہ تاوان نہیں دیتے

بِمُجَرَّدِ ظُهُورِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ إِلَّا بِدَعْوَى الْوَلِيِّ ، فَإِذَا ادَّعَى الْقَتْلَ عَلَى غَيْرِهِمْ امْتَنَعَ دَعْوَاهُ

محض مقتول ظاہر ہونے سے ان کے درمیان مگر ولی کے دعوی سے، پس جب ولی نے دعوی کیا قتل کا ان کے غیر پر تو ممتنع ہوا اس کا دعوی

عَلَيْهِمْ وَسَقَطَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ .

اہلِ محلہ پر اور تاوان ساقط ہوا شرطِ تاوان مفقود ہونے کی وجہ سے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی شخص نے ایک مکان خریدا اور ابھی تک اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس میں ایک مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بائع کی مدد گار برادری پر ہوگی۔ اور اگر اس بیع میں کسی ایک کے لیے خیار شرط ہو یعنی بائع یا مشتری نے اپنے لیے خیار شرط کیا ہو تو مقتول کی دیت اس شخص پر واجب ہوگی جس کے قبضہ میں مکان ہے، اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

{۲} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر عقدِ بیع میں خیار شرط نہ ہو تو مقتول کی دیت مشتری کی مدد گار برادری پر واجب ہوگی اگرچہ مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو اور اگر بیع میں خیار شرط ہو تو دیت اس شخص پر واجب ہوگی جس کے لیے آخر میں یہ مکان قرار پائے گا؛ کیونکہ حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے کوئی قاتل قرار پاتا ہے اور حفاظت اسی شخص پر واجب ہوتی ہے جس کو حفاظت کی ولایت ہو اور ولایتِ حفاظت کا حصول ملک کے ذریعہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ودیعت مکان میں مقتول پائے جانے کی صورت میں اس کی دیت مستودع پر نہیں آتی بلکہ مالک پر ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ مالک ہے اور اس کو ولایتِ حفاظت حاصل ہے، پس بیع قطعی (جس میں خیار شرط نہ ہو) میں قبضہ سے پہلے مشتری کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے مقتول کی دیت مشتری کی مدد گار برادری پر ہوگی، اور جس بیع میں خیار شرط ہو تو اس میں یہ دیکھنا پڑے گا کہ کس کی ملک ٹھہر جاتی ہے پس جس کی ملک ٹھہری مقتول کی دیت بھی اسی کی مدد گار برادری پر ہوگی جیسے صدقۂ فطر کی صورت میں ہوتا ہے یعنی اگر عید سے پہلے کوئی غلام بشرط خیار خریدا تو خیار زائل ہو کر جس کے لیے یہ غلام قرار پائے گا اسی پر اس غلام کا صدقۂ فطر واجب ہوگا اسی طرح یہاں مذکورہ مکان جس کا قرار پائے گا اسی پر مقتول کی دیت واجب ہوگی۔

{۳} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حفاظت کی قدرت ملک کے ذریعہ نہیں ہوتی ہے بلکہ قبضہ کے ذریعہ ہوتی ہے پس حفاظت کے لیے ملکیت شرط نہیں بلکہ قبضہ کافی ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کے بغیر قبضہ کے ذریعہ بندہ حفاظت پر قادر ہوتا ہے جبکہ قبضہ کے بغیر فقط ملک کے ذریعہ کوئی حفاظت پر قادر نہیں ہوتا ہے، پس قطعی بیع کی صورت میں مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع ہی

موجود ہے تو بائع ضامن ہو گا۔اسی طرح جس بیع میں دونوں میں سے کسی کے لیے خیار شرط ہو تو بھی مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع قابض ہے؛کیونکہ بیع بشرط خیار بیع قطعی کی بنسبت کمتر ہوتی ہے اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہے جو بیع قطعی کا ہے۔

فتوی:۔دونوں مسلوں میں امام ابو حنیفہ ؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: (وَإِنْ بِيعَتْ وَلَمْ تُقْبَضْ) حَتَّى وُجِدَ فِيهَا قَتِيلٌ (فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ وَفِي الْبَيْعِ بِخِيَارٍ عَلَى عَاقِلَةِ ذِي الْيَدِ) خِلَافًا لَهُمَا۔وقال العلامة ابن عابدین: (قَوْلُهُ خِلَافًا لَهُمَا) حَيْثُ قَالَا إنْ لَمْ يَكُنْ خِيَارٌ فَعَلَى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِي، وَإِنْ كَانَ فَعَلَى عَاقِلَةِ مَنْ يَصِيرُ لَهُ سَوَاءٌ كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ أَوْ الْمُشْتَرِي ابْنُ كَمَالٍ.فَالْحَاصِلُ: أَنَّهُ اعْتَبَرَ الْيَدَ وَهُمَا اعْتَبَرَا الْمِلْكَ إنْ وُجِدَ وَإِلَّا تَوَقَّفَ عَلَى قَرَارِ الْمِلْكِ كِفَايَةٌ (الدّر المختار مع الشامیة:۴۴۷/۵)

﴿۴﴾اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو حالانکہ مشتری کے لیے خیار شرط ہے تو وہ اس مبیع میں تمام لوگوں سے زیادہ تصرف کا اختصاص رکھتا ہے،اور اگر اس بیع میں بائع کے لیے خیار شرط ہو اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو مبیع مشتری کے قبضہ میں بعوض قیمت مضمون ہے جیسے مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں مضمون ہوتی ہے تو مشتری کا قبضہ معتبر ہے؛کیونکہ وہ اس قبضہ کے ذریعے حفاظت پر قادر ہے۔

﴿۵﴾اگر کسی شخص کے قبضہ میں ایک مکان ہو پس اس میں ایک مقتول پایا گیا اور قابض کی مددگار برادری نے اس کی ملکیت سے انکار کیا تو مددگار برادری دیت کی ضامن نہ ہو گی جب تک گواہ لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ یہ مکان اسی قابض کی ملکیت ہے؛کیونکہ مددگار برادری کے ضامن ہونے میں یہ شرط ہے کہ قابض اس کا مالک ہو اور ظاہری قبضہ اگرچہ ملکیت کی دلیل ہے لیکن اس میں احتمال ہے کہ شاید اس کی ملک نہ ہو،تو یہ قبضہ مددگار برادری پر دیت واجب ہونے کے لیے کافی نہ ہو گا جیسے مکان مشفوعہ میں شفعہ حاصل کرنے کے لیے ظاہری قبضہ کافی نہیں ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے فروخت شدہ مکان میں جوار کی وجہ سے حق شفعہ کا دعوی کیا اگر مشتری نے انکار کیا کہ یہ مکان جو تیرے قبضہ میں ہے تیری ملک نہیں ہے تو فقط قبضہ کی وجہ سے شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہو گا جب تک کہ بیّنہ قائم نہ کرے،لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی ملکیت پر بیّنہ قائم کرنا ضروری ہے۔

﴿۶﴾اگر کشتی میں کوئی شخص مقتول پایا گیا تو کشتی میں جو لوگ سوار ہیں یا کشتی کے جو ملاح ہیں ان پر قسامت واجب ہو گی ؛کیونکہ کشتی انہیں لوگوں کے قبضہ میں ہے اور قسامت صاحب ملک اور قابض ہی پر ہوتی ہے۔واضح رہے کہ ماتن کے مذکورہ الفاظ کشتی کے مالکان کو بھی شامل ہے حتی کہ قسامت کشتی کے ان مالکان پر بھی واجب ہو گی جو اس کشتی میں موجود ہیں اور ان لوگوں پر بھی واجب

ہوگی جو کشتی میں سوار ہیں، اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو کشتی کھینچتے ہیں اس میں مالک اور غیر مالک برابر ہیں، اسی طرح ریل گاڑی کا بھی یہی حال ہے اور آج کل کی سواری گاڑیوں کا بھی یہی حال ہے۔

{۷} واضح رہے کہ یہ حکم امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق تو ظاہر ہے؛ کیونکہ وہ محلہ میں رہنے والوں اور مالک کو برابر قرار دیتے ہیں یہی حکم کشتی میں پائے جانے والے مقتول کا بھی ہے۔ اور طرفینؒ کے نزدیک محلہ میں پائے جانے والے مقتول اور کشتی میں پائے جانے والے مقتول میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ کشتی ایسی چیز ہے جو اپنی جگہ سے منتقل اور پھرتی ہے تو اس پر قبضہ معتبر ہے ملکیت معتبر نہیں ہے؛ کیونکہ کشتی میں جب کوئی حادثہ پیش آئے تو اس کی تدبیر میں مالک اور سوار دونوں برابر ہیں اس لیے قسامت دونوں پر واجب ہوگی جیسے جانور کی صورت میں یہی حکم مذکور ہوا، باقی محلہ اور مکان کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ منتقل نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ ان کی تدبیر میں سکان مالکوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔

{۸} اگر کسی محلہ کی مسجد میں مقتول پایا گیا تو قسامت اس مسجد والوں پر واجب ہوگی؛ کیونکہ اس مسجد کی تدبیر انہیں لوگوں کو حاصل ہے۔ اور اگر جامع مسجد یا شارع عام پر مقتول پایا گیا تو اس میں قسامت نہیں ہوسکتی اور اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی؛ کیونکہ جامع مسجد یا شارع عام تو عام لوگوں کے لیے ہے ان میں کوئی شخص اس کے ساتھ خاص نہیں ہے حالانکہ قسامت انہیں لوگوں پر ہوتی ہے جو کسی جگہ کی نصرت کے ساتھ مختص ہوں۔ اور اسی طرح عام نہروں یا دریاؤں کے پل بھی عام لوگوں کے لیے ہیں اور بیت المال کا مال بھی عام لوگوں کا مال ہے پس اس کی دیت اس عام مال سے دی جائے گی۔

{۹} اگر کسی بازار میں مقتول پایا گیا تو اگر یہ بازار مملوک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بازار کے رہنے والوں پر قسامت واجب ہے خواہ وہ مالک ہوں یا نہ ہوں، اور طرفینؒ کے نزدیک صرف مالکوں پر واجب ہے، اور اگر یہ بازار مملوک نہ ہو جیسے وہ بازار جو عام شارع پر بنائی گئی ہوں تو اس میں پائے جانے والے مقتول کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی؛ کیونکہ یہ بازار عام مسلمانوں کے لیے ہے اور عام مسلمانوں پر تہمتِ قتل نہیں ہوسکتی ہے۔

{۱۰} اگر قید خانہ میں کوئی مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق قسامت اور دیت قید خانہ والوں پر واجب ہوگی؛ کیونکہ یہی لوگ وہاں کے رہنے والے ہیں اور یہاں کی تدبیر انہیں کو سپرد ہے اور ظاہر اً یہ قتل انہیں سے واقع ہوا ہے اس لیے قسامت اور دیت بھی انہیں لوگوں پر ہوگی۔ طرفینؒ کہتے ہیں کہ قید خانہ والے خود مقہور اور مغلوب ہیں تو وہ باہم مددگاری نہیں کرسکتے ہیں پس جو چیز (قسامت اور دیت) نصرت ترک کرنے کی وجہ سے واجب ہوتی

ہے وہ ان لوگوں سے متعلق نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ نصرت نہ کرنے کی کوتاہی کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قید خانہ
و مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کے لیے بنایا گیا ہے تو جب قید خانہ کا نفع عام مسلمانوں کو پہنچتا ہے تو اس کی وجہ سے جو بار لازم آئے
وہ بھی عام مسلمانوں پر ہوگا یعنی بیت المال سے دلایا جائے گا۔ مشائخ نے بیان فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان
اصل اختلاف یہ ہے کہ قسامت اور دیت امام صاحبؒ کے نزدیک مالک مکان پر واجب ہوتی ہے نہ کہ مکان میں رہنے والوں پر، اور امام
ابو یوسفؒ کے نزدیک مکان میں رہنے والوں پر واجب ہوتی ہے پس قید خانہ کے مذکورہ مسئلہ میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف اسی
اصل کی فرع ہے۔

{۱۱} اگر مقتول کسی جنگل میں پایا گیا جس کے قرب میں آبادی نہیں ہے تو اس کا خون رائیگاں ہے، اور قرب کا معنی ہم نے
اوپر بیان کیا ہے کہ وہاں تک آواز سنائی دے اور اگر آواز سنائی نہ دے تو وہ دور ہے؛ اس صورت میں خون رائیگاں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ
جب مقتول ایسی حالت میں پایا گیا کہ اس کو غیر کی طرف سے مدد نہیں پہنچ سکتی ہے تو کوئی شخص قصوروار نہیں ہو سکتا اس لیے کسی
پر قسامت اور دیت واجب نہ ہوگی۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جہاں مقتول پایا گیا وہ زمین کسی کی مملوک نہ ہو اور اگر وہ زمین کسی
کی مملوک ہو تو قسامت اور دیت اسی مالک کی مددگار برادری پر ہوگی۔

{۱۲} اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان پایا گیا تو دونوں میں سے جس گاؤں سے زیادہ قریب ہو اسی گاؤں والوں پر قسامت
اور دیت واجب ہوگی، اور ہم اس کو سابق میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر دریاءِ فرات (کوفہ کی نہر، مراد عام نہر ہے) کے بیچ پایا گیا جس
کو پانی بہائے لیے جاتا ہے تو اس کا خون رائیگاں ہے؛ کیونکہ ایسا قدرتی دریا کسی کے قبضہ یا ملکیت میں نہیں ہے لہذا اس کی دیت
اور قسامت بھی کسی پر نہ ہوگی۔

{۱۳} اگر مقتول دریا کے کنارے الجھا ہوا ہو تو یہاں سے جو آبادی سب سے زیادہ قریب ہو اس آبادی والوں پر یہ دیت
واجب ہوگی اور قریب ہونے کا وہی معنی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا؛ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی لوگ اس مقام کی نصرت کے لیے مختص
لہٰذا تو مقتول گویا دریا کے کنارے پر رکھا ہوا ہے اور کنارہ اسی قوم کے تصرف میں ہے جو اس سے قریب ہے؛ کیونکہ یہی لوگ اس سے
پانی لینے اور اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے اس پر وارد کرتے ہیں، پس درمیان میں بہتے ہوئے اور کنارے لگے ہوئے کا فرق صرف
ایسے بڑے دریا کی صورت میں ہے جو کسی کی خاص ملک نہ ہو۔ باقی اس نہر کا حکم اس کے برخلاف ہے جس کے ذریعہ سے شفعہ کا استحقاق
ہوتا ہے یعنی ایسی خاص نہر جو لوگوں کے درمیان مشترک ہو جس میں کشتیاں نہ چل سکتی ہوں؛ کیونکہ ایسی نہر کے ساتھ اہل نہر مختص

ہوتے ہیں اس لیے کہ اس پر انہیں لوگوں کا قبضہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت اور دیت انہیں لوگوں پر ہے۔

﴿۱۴﴾ اگر مقتول کے ولی نے اہلِ محلہ میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعوی کیا تو اہلِ محلہ سے قسامت ساقط نہ ہوگی اور ہم اس کو سابق میں بیان کر چکے اور ہم نے اس میں قیاس اور استحسان بھی بیان کر دیا ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ نے سابق میں وعدہ کیا تھا کہ اس کو ہم ذکر کریں گے اور اب کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کو ذکر کر چکے تو شاید ان کو وہم ہوا ہے کہ سابق میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور اگر مقتول کے ولی نے اہلِ محلہ کے علاوہ کسی اور شخص پر قتل کا دعوی کیا تو اہلِ محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی اور ہم نے ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق کو سابق میں بیان کر دیا ہے اور وہ یہ کہ اہلِ محلہ پر قسامت واجب ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ قاتل انہیں لوگوں میں سے ہے پس انہیں میں سے ایک کو متعین کرنا ابتداءِ امر کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ یہ شخص بھی انہیں میں سے ہے تو بقاء کے بھی منافی نہ ہوگا؛ کیونکہ بقاء ابتداء سے اسہل ہے۔

﴿۱۵﴾ اس کے برخلاف اگر مقتول کے ولی نے اہلِ محلہ کے علاوہ کسی شخص کو معین کیا تو اہلِ محلہ سے قسامت اس وجہ سے ساقط ہو جائے گی کہ ولی مقتول کا غیر شخص کو معین کرنا اس امر کا بیان ہے کہ قاتل ان لوگوں میں سے نہیں ہے حالانکہ اہلِ محلہ اس وقت دیت کا تاوان اٹھائیں گے کہ جب قاتل انہیں میں سے ہو؛ کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ تقدیراً قاتل ہو جائیں گے؛ اس لیے کہ انہوں نے ظالم کا ہاتھ قتل سے نہیں روکا تو یہ لوگ قاتل شمار ہوں گے اس لیے ان پر دیت واجب ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ محلہ فقط اس بات پر کہ مقتول ان کے درمیان میں پایا جائے ضامن نہیں ہوتے مگر یہ کہ مقتول کا ولی ان پر قتل کا دعوی کرے تب وہ لوگ ضامن ہو جاتے ہیں پس جب ولی نے اہلِ محلہ کے علاوہ ایک اور شخص پر قتل کا دعوی کیا تو اہلِ محلہ پر ولی کا دعوی ممتنع ہو گیا؛ کیونکہ ان کے غیر پر دعوی کرنا ان کو بری کرنا ہے لہٰذا اہلِ محلہ پر سے تاوان ساقط ہو گیا؛ کیونکہ تاوان کی شرط (مقتول کے ولی کا دعوی) نہیں پائی جاتی ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ : وَإِذَا الْتَقَى قَوْمٌ بِالسُّيُوفِ فَأَجْلَوْا عَنْ قَتِيلٍ فَهُوَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ ؛ لِأَنَّ الْقَتِيلَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ

فرمایا: اور اگر باہم ٹکرا گئے قوم والے تلواروں سے، پھر وہ الگ ہو گئے ایک مقتول سے، تو وہ اہلِ محلہ پر ہے؛ کیونکہ مقتول ان کے درمیان پایا گیا

وَالْحِفْظُ عَلَيْهِمْ ، إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ الْأَوْلِيَاءُ عَلَى أُولَئِكَ أَوْ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ بِعَيْنِهِ فَلَمْ يَكُنْ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ شَيْءٌ

اور حفاظت ان پر تھی مگر یہ کہ دعوی کریں اولیاء بھڑ والوں پر یا ان میں سے ایک متعین شخص پر، تو نہ ہوگی اہلِ محلہ پر کوئی چیز

لِأَنَّ هَذِهِ الدَّعْوَى تَضَمَّنَتْ بَرَاءَةَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَنِ الْقَسَامَةِ ﴿۲﴾ قَالَ: وَلَا عَلَى أُولَئِكَ حَتَّى يُقِيمُوا الْبَيِّنَةَ، لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى

کیونکہ یہ دعوی متضمن ہے براءتِ اہلِ محلہ کو قسامت سے۔ فرمایا: اور نہ مقاتلین پر یہاں تک کہ قائم کریں بینہ؛ کیونکہ فقط دعوی سے

لَا يَثْبُتُ الْحَقُّ لِلْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ، أَمَّا يَسْقُطُ بِهِ الْحَقُّ عَنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ لِأَنَّ قَوْلَهُ حُجَّةٌ عَلَى نَفْسِهِ.

ثابت نہیں ہوتا ہے حق؛ اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم روایت کر چکے، البتہ ساقط ہوتا ہے اس سے حق اہل محلہ سے؛ کیونکہ اس کا قول حجت ہے اپنے نفس پر

﴿۳﴾ وَلَوْ وُجِدَ قَتِيلٌ فِي مُعَسْكَرٍ أَقَامُوهُ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا مِلْكَ لِأَحَدٍ فِيهَا، فَإِنْ وُجِدَ فِي خِبَاءٍ أَوْ فُسْطَاطٍ

اور اگر پایا گیا مقتول معسکر میں، لشکر والے مقیم ہیں ایسے جنگل میں کہ کسی ملکیت نہیں ہے اس میں، پس اگر پایا گیا کسی چھوٹے یا بڑے خیمے میں

فَعَلَى مَنْ يَسْكُنُهَا الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ، وَإِنْ كَانَ خَارِجًا مِنَ الْفُسْطَاطِ فَعَلَى أَقْرَبِ الْأَخْبِيَةِ؛ اعْتِبَارًا لِلْيَدِ عِنْدَ انْعِدَامِ الْمِلْكِ

تو جو لوگ ان میں رہتے ہیں ان پر دیت اور قسامت ہے، اور اگر وہ خارج ہو خیمے سے تو قریبی خیمے پر ہے؛ اعتبار کرتے ہوئے قبضہ کا عدم ملک کے وقت

﴿۴﴾ وَإِنْ كَانَ الْقَوْمُ لَقُوا قِتَالًا وَوُجِدَ قَتِيلٌ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْعَدُوَّ

اور اگر لشکر مل گیا دشمنوں سے لڑتے ہوئے اور پایا گیا مقتول ان کے درمیان، تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دشمن نے

قَتَلَهُ فَكَانَ هَدَرًا، وَإِنْ لَمْ يَلْقَوْا عَدُوًّا فَعَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ﴿۵﴾ وَإِنْ كَانَ لِلْأَرْضِ مَالِكٌ فَالْعَسْكَرُ

اس کو قتل کیا ہے، پس یہ ہدر ہو گا، اور اگر وہ دشمن سے نہ ملے ہوں تو وہی تفصیل ہے جو ہم بیان کر چکے، اور اگر زمین کا مالک ہو تو لشکر

كَالسُّكَّانِ فَيَجِبُ عَلَى الْمَالِكِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ.

رہائشیوں کی طرح ہے پس واجب ہو گی مالک پر امام صاحبؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کا اور ہم ذکر کر چکے ہیں اس کو۔

﴿۶﴾ قَالَ: وَإِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ قَتَلَهُ فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا

فرمایا: اور اگر مستحلف نے کہا قتل کیا ہے اس کو فلاں نے، تو قسم لی جائے گی کہ واللہ نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ جانتا ہوں اس کا قاتل

غَيْرَ فُلَانٍ؛ لِأَنَّهُ يُرِيدُ إِسْقَاطَ الْخُصُومَةِ عَنْ نَفْسِهِ بِقَوْلِهِ فَلَا يُقْبَلُ فَيَحْلِفُ

فلاں کے علاوہ؛ کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے خصومت کو ساقط کرنے کا اپنے نفس سے اپنے اس قول سے، پس مقبول نہ ہو گا، پس وہ قسم کھائے گا

عَلَى مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ عَلَى وَاحِدٍ صَارَ مُسْتَثْنًى عَنِ الْيَمِينِ فَبَقِيَ حُكْمُ مَنْ سِوَاهُ

اس طریقہ پر جو ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ جب اس نے اقرار کیا قتل کا کسی ایک پر تو وہ مستثنیٰ ہو گیا یمین سے، پس باقی رہا حکم اس کا جو اس کے سوا ہے

فَيَحْلِفُ عَلَيْهِ. ﴿۷﴾ قَالَ: وَإِذَا شَهِدَ اثْنَانِ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلَى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ

پس وہ قسم کھائے گا اس پر۔ فرمایا: اور اگر گواہی دی اہل محلہ کے دو آدمیوں نے ان کے علاوہ میں سے کسی شخص پر کہ اس نے

لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا ، وَهٰكَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : تُقْبَلُ لِأَنَّهُمْ كَانُوا بِعَرْضِيَّةِ أَنْ يَصِيرُوا خُصَمَاءَ

تو مقبول نہ ہوگی ان دونوں کی شہادت، اور اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا صاحبینؒ نے، قبول ہوگی؛ کیونکہ وہ نشانہ پر تھے کہ ہو جائیں خصم

وَقَدْ بَطَلَتِ الْعَرْضِيَّةُ بِدَعْوَى الْوَلِيِّ الْقَتْلَ عَلَى غَيْرِهِمْ فَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ إِذَا عُزِلَ

اور باطل ہو گیا ان کا نشانہ بننا ولی کے دعوی سے قتل کا ان کے غیر پر، تو قبول ہوگی ان کی گواہی جیسے وکیل بالخصومت جب معزول کر دیا جائے

قَبْلَ الْخُصُومَةِ . {۸} وَلَهُ أَنَّهُمْ خُصَمَاءُ بِإِنْزَالِهِمْ قَاتِلِينَ لِلتَّقْصِيرِ الصَّادِرِ مِنْهُمْ

خصومت سے پہلے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ خصم ہیں؛ ان کو قاتلین کے درجہ میں اتارنے سے ان سے صادر تقصیر کی وجہ سے

فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَإِنْ خَرَجُوا مِنْ جُمْلَةِ الْخُصُومِ كَالْوَصِيِّ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْوِصَايَةِ بَعْدَمَا قَبِلَهَا

پس قبول نہ ہوگی ان کی گواہی اگرچہ یہ خارج ہو گئے ہیں خصوم کی فہرست سے جیسے وصی جب نکل جائے وصایت سے وصایت قبول کرنے کے بعد

ثُمَّ شَهِدَ . {۹} قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : وَعَلَى هٰذَيْنِ الْأَصْلَيْنِ يَتَخَرَّجُ كَثِيرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ

پھر شہادت دے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان دو اصلوں پر متفرع ہوتے ہیں بہت سارے مسائل اس جنس کے۔ فرمایا: اور اگر دعوی کیا

تشریح: {۱} اگر ایک قوم کے لوگوں نے تلواریں لے کر باہم ٹکرا گئے پھر جدا ہوئے اور ایک مقتول کو چھوڑ گئے تو اس کی دیت اہل محلہ پر واجب ہوگی؛ کیونکہ قاتل معلوم نہیں ہو سکتا ہے اور مقتول اہل محلہ کے درمیان پایا گیا اور اس کی حفاظت انہیں لوگوں پر واجب تھی پس جب انہوں نے حفاظت میں کوتاہی کی تو دیت انہیں پر واجب ہوگی۔ لیکن اگر مقتول کے اولیاء نے ان ٹکرانے والی قوم پر دعوی کیا یا ان میں سے کسی ایک معین شخص پر دعوی کیا تو اہل محلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ مقتول کے اولیاء کا یہ دعوی اس امر کو متضمن ہے کہ انہوں نے اہل محلہ کو مقتول کے قتل سے بری کر دیا ہے اس لیے اہل محلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

{۲} اور جیسے اہل محلہ پر دیت نہیں اسی طرح جو لوگ تلواریں لے کر ٹکرا گئے تھے ان پر بھی دیت واجب نہ ہوگی جب تک کہ مقتول کے اولیاء ان کے قتل کرنے پر گواہ قائم نہ کریں؛ کیونکہ مدعی علیہ کے انکار کی صورت میں فقط مدعی کے دعوی سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا ہے؛ دلیل وہ حدیث ہے جو باب القسامت کے شروع میں ہم ذکر کر چکے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں کے دعوؤں پر دینا شروع کیا جائے تو لوگ دوسروں کے خون اور اموال کا دعوی کرنے لگیں لہٰذا مدعی پر بینہ اور منکر پر قسم ہے لہٰذا مدعی

پر گواہ لازم ہیں، البتہ اہل محلہ کے علاوہ پر دعویٰ کرنے کی وجہ سے اہل محلہ پر سے قسامت اور دیت کا استحقاق ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ مقتول کے ولی کا ان کے غیر پر دعویٰ خود ولی کی ذات پر حجت ہے تو جب اس نے اہل محلہ کو اپنے اس دعویٰ سے بری کیا تو وہ بری ہو گئے۔

{۳} اگر کوئی شخص کسی فوجی کیمپ میں مقتول پایا گیا جنہوں نے ایک ایسے جنگل میں پڑاؤ ڈالا تھا جو کسی کی خاص ملکیت میں نہیں ہے تو اگر یہ مقتول کسی چھوٹے یا بڑے خیمہ میں پایا گیا تو اس خیمہ کے رہنے والوں پر دیت اور قسامت واجب ہوگی، اور اگر وہ خیمہ سے باہر مقتول ملا تو مقتول سے جو خیمہ سب سے زیادہ قریب ہو اس خیمہ والوں پر قسامت اور دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ جب مِلک نہیں ہے تو قبضہ کا اعتبار کیا جائے گا اور قبضہ قریب والے اہل خیمہ کا ہے۔

{۴} اور اگر اہل لشکر نے دشمن سے مقابلہ کیا ہو اور مقتول ان کے درمیان پایا گیا تو نہ قسامت واجب ہوگی اور نہ دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو دشمنوں نے قتل کیا ہے اس لیے اس کا خون رائیگاں جائے گا یعنی کفار کے ساتھ جہاد کا ثواب ملے گا مگر دنیوی دیت وغیرہ واجب نہ ہوگی۔ اور اگر لشکر والوں نے دشمن سے مقابلہ نہیں کیا تو اس میں وہی تفصیل ہے جو اوپر ہم نے بیان کی یعنی دیکھا جائے گا کہ خیمہ میں پایا گیا ہے یا خیمہ سے باہر پایا گیا ہے ہر ایک کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

{۵} اور اگر وہ زمین جس پر لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہے اس کا کوئی خاص مالک ہو تو لشکر والے اس زمین کے رہنے والوں کے درجے میں ہیں لہٰذا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زمین کے مالک پر قسامت اور دیت ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے جس کو ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مالک کے ساتھ ساکنین بھی داخل قسامت ہوں گے۔

{۶} ایک شخص کو کسی مقتول کے بارے میں قسم دلائی گئی پس اس نے کہا کہ اس مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس سے اس طرح قسم لی جائے گی کہ "واللہ میں نے قتل نہیں کیا ہے اور نہ میں اس کا کوئی قاتل فلاں شخص کے علاوہ جانتا ہوں" یعنی اس سے قسم ساقط نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ اپنے اس کہنے سے کہ فلاں نے اس کو قتل کیا ہے اپنی ذات سے خصومت دور کرنا چاہتا ہے تو فقط اس کا قول قبول نہ ہوگا لہٰذا مذکورہ بالا طریقہ سے اس سے قسم لی جائے گی یعنی قسم میں فلاں شخص کا استثناء کر کے باقیوں پر قسم لی جائے گی؛ کیونکہ جب اس نے ایک شخص پر قتل کا اقرار کیا تو وہ اس کی قسم سے مستثنیٰ ہوا پس باقیوں کا حکم باقی رہا تو ان پر قسم لی جائے گی۔

{۷} جس محلہ میں مقتول پایا گیا اور مقتول کا ولی ان پر دعویٰ نہیں کر رہا ہے بلکہ ان کے غیر پر قتل کا مدعی ہے پس اس محلہ کے دو شخصوں نے ان کے علاوہ کسی شخص پر قتل کی گواہی دی کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی گواہی قبول کی جائے گی؛ کیونکہ اہل محلہ مدعا علیہم بننے کے لیے نشانہ

تھے مگر جب مقتول کے ولی نے ان کے علاوہ شخص پر قتل کا دعوی کیا تو اہل محلہ نشانہ بننے سے خارج ہو گئے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی جیسے خصومت کے وکیل کو جب خصومت سے پہلے معزول کر دیا جائے تو اسی مقدمہ میں اس کی گواہی قبول ہوتی ہے مثلاً مقدمہ میں خالد نے زید کو وکیل بنایا کہ بکر پر دعوی کر و مگر ابھی تک زید نے دعوی نہیں کیا تھا کہ خالد نے اس کو معزول کر دیا اور اسی مقدمہ میں زید کو گواہ بنایا تو اس کی گواہی قبول ہوتی ہے اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں اہل محلہ کی گواہی بھی قبول ہوگی۔

{۸} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہل محلہ حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے قاتلوں کے درجے میں ہیں اس لیے اہل محلہ خصم اور مدعا علیہم ہیں اگرچہ مقتول کے اولیاء کے خارج کرنے سے وہ مدعا علیہم کے مجموعہ سے خارج ہو گئے پس ان کی گواہی اس مقدمہ میں قبول نہ ہوگی جیسے وصی اگر وصایت قبول کرنے کے بعد وصایت سے خارج ہو گیا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے مثلاً یتیم بالغ ہو گیا اس لیے وصی وصایت سے خارج ہو گیا، یا قاضی نے اس کو وصایت سے معزول کر دیا پھر اس نے وصایت سے متعلق کسی معاملہ میں گواہی دی تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی ہے۔

{۹} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں انہیں دونوں اصلوں پر اس جنس کے بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں یعنی صاحبینؒ نے اس کو معزول وکیلِ خصومت پر قیاس کیا جس نے اب تک دعوی نہیں کیا ہے۔ اور امام صاحبؒ نے اس کو معزول وصی پر قیاس کیا جو وصایت قبول کر چکا ہے، اور اصل اختلاف یہ ہے کہ صاحبینؒ کی رائے میں اہل محلہ مدعا علیہم ہونے کے لیے نشانہ بنے تھے مگر مدعا علیہم ہونے سے پہلے خارج ہو گئے، اور امام صاحبؒ کی رائے میں یہ لوگ واقع میں مدعا علیہم ہو گئے مگر ولی مقتول نے ان کو خارج کر دیا پس انہی دونوں اصلوں پر اس جنس کے بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں جن میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

فتوی:۔ مولانا عبدالحکیم شاہ لیکوٹیؒ نے صاحبینؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے :واعلم انه اختلف أهل الفتوى فقال العلامة قاسم في تصحيحاته والصحيح قول الامام ابى حنيفة وقال في الاسرار ان قولهما هو الاحق ،ولعل الاحوط ما قاله الامام الحموى حيث قال انى توقفت عن الافتاء بقول الامام ومنعت عن اشاعته لما يترتب عليه من الضرر العام من تجاسر المتمردين على قتل الانفس في المحلات الخالية عن غيراهلها معتمداً على عدم قبول شهادتهم عليه فينبغى الفتوى على قولهما لاسيما والاحكام تختلف باختلاف الايام(هامش الهداية:4ص639)

{۱} قَالَ :وَلَوِادَّعَى عَلَى وَاحِدٍمِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِبِعَيْنِهِ فَشَهِدَشَاهِدَانِ مِنْ أَهْلِهَاعَلَيْهِ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ،لِأَنَّ الْخُصُومَةَ قَائِمَةٌ

ایک متعین پر اہل محلہ میں سے، پس گواہی دی دو گواہوں نے اہل محلہ میں سے اس پر تو قبول نہ ہوگی گواہی؛ کیونکہ خصومت قائم ہے

مَعَ الْكُلِّ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَالشَّاهِدُ يَقْطَعُهَا عَنْ نَفْسِهِ فَكَانَ مُتَّهَمًا .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

سب کے ساتھ جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو، اور شاہد خصومت ختم کرتا ہے اپنے نفس سے، پس وہ متہم ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے

أَنَّ الشُّهُودَ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا يَزْدَادُونَ عَلَى ذٰلِكَ لِأَنَّهُمْ أَخْبَرُوا

کہ گواہوں سے قسم لی جائے گی کہ واللہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے اس کو، اور اضافہ نہیں کریں گے وہ لوگ اس پر؛ کیونکہ انہوں نے خبر دی

أَنَّهُمْ عَرَفُوا الْقَاتِلَ . ﴿۲﴾قَالَ : وَمَنْ جُرِحَ فِي قَبِيلَةٍ فَنُقِلَ إِلَى أَهْلِهِ فَمَاتَ مِنْ تِلْكَ الْجِرَاحَةِ،

کہ انہوں نے پہچان لیا ہے قاتل کو۔ فرمایا: اور جس شخص کو زخمی کیا گیا کسی قبیلہ میں پھر منتقل کیا گیا اپنے اہل کی طرف، پس وہ مر گیا اسی زخم سے

فَإِنْ كَانَ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْقَبِيلَةِ، وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا قَسَامَةَ

تو اگر وہ صاحبِ فراش ہو یہاں تک کہ مر گیا تو قسامت اور دیت قبیلہ پر ہے، اور یہ امام صاحبؒ کا قول ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے قسامت

وَلَا دِيَةَ ؛ لِأَنَّ الَّذِي حَصَلَ فِي الْقَبِيلَةِ وَالْمَحَلَّةِ مَا دُونَ النَّفْسِ وَلَا قَسَامَةَ فِيهِ، فَصَارَ كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبَ فِرَاشٍ

اور دیت نہیں ہے؛ کیونکہ وہ جو پایا جائے قبیلہ یا محلہ میں نفس سے کم تو قسامت نہیں ہے اس میں پس ہو گیا جیسا کہ وہ صاحبِ فراش نہ ہو

﴿۳﴾وَلَهُ أَنَّ الْجُرْحَ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ صَارَ قَتْلًا وَلِهٰذَا وَجَبَ الْقِصَاصُ ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبَ فِرَاشٍ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ زخم کے ساتھ جب متصل ہو موت تو وہ قتل بن جاتا ہے، اور اسی لیے واجب ہے قصاص، پس اگر وہ صاحبِ فراش ہو

أُضِيفَ إِلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ احْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ الْمَوْتُ مِنْ غَيْرِ الْجُرْحِ فَلَا يَلْزَمُ بِالشَّكِّ.

تو قتل منسوب ہو گا زخم کی طرف، اور اگر وہ صاحبِ فراش نہ ہو تو احتمال رکھتا ہے کہ موت زخم کے غیر سے ہو، پس لازم نہ ہو گی شک سے

﴿۴﴾ وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مَعَهُ جَرِيحٌ بِهِ رَمَقٌ حَمَلَهُ إِنْسَانٌ إِلَى أَهْلِهِ فَمَكَثَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ

اور اگر کسی شخص کے ساتھ ایسا زخمی ہو کہ جس میں رمق ہو زندگی کی، اٹھایا اس کو انسان نے اس کے اہل کی طرف، پس وہ ٹھہرا ایک یا دو دن

ثُمَّ مَاتَ لَمْ يَضْمَنْ الَّذِي حَمَلَهُ إِلَى أَهْلِهِ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَفِي قِيَاسِ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ

پھر مر گیا تو ضامن نہ ہو گا وہ جس نے اس کا اٹھایا اس کے اہل کی طرف امام ابو یوسفؒ کے قول میں، اور امام صاحبؒ کے قول کے قیاس کے مطابق

يَضْمَنُ ؛ لِأَنَّ يَدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَلَّةِ فَوُجُودُهُ جَرِيحًا فِي يَدِهِ كَوُجُودِهِ فِيهَا ، وَقَدْ ذَكَرْنَا

ضامن ہو گا؛ کیونکہ حامل کا قبضہ محلے کے درجے میں ہے پس حامل کے قبضے میں مجروح ہونا محلہ میں مجروح ہونے کی طرح ہے، اور ہم ذکر کر چکے

وَجْهَيْ الْقَوْلَيْنِ فِيمَا قَبْلَهُ مِنْ مَسْأَلَةِ الْقَبِيلَةِ . ﴿۵﴾ وَلَوْ وُجِدَ رَجُلٌ قَتِيلًا فِي دَارِ نَفْسِهِ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ

دونوں قولوں کی دلیل ماقبل میں قبیلہ کے مسئلے میں۔ اور اگر کوئی شخص مقتول پایا گیا اپنے مکان میں، تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے

لِوَرَثَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَزُفَرُ لَا شَيْءَ فِيهِ ؛ لِأَنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ

اس کے ورثہ کے لیے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور طرفینؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا: کچھ نہیں ہے اس میں؛ کیونکہ مکان اسی کے قبضہ میں ہے

حِينَ وُجِدَ الْجَرِيحُ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيَكُونُ هَدَرًا . ﴿٦﴾ وَلَهُ أَنَّ الْقَسَامَةَ

جس وقت وہ زخمی پایا گیا پس قرار دیا جائے گا گویا اس نے خود کو قتل کیا ہے پس ہدر ہو گا۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت

إِنَّمَا تَجِبُ بِنَاءً عَلَى ظُهُورِ الْقَتْلِ ، وَلِهَذَا لَا يَدْخُلُ فِي الدِّيَةِ مَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ ، وَحَالَ ظُهُورِ الْقَتْلِ

واجب ہوتی ہے ظہورِ قتل پر بناء کرتے ہوئے، اسی لیے داخل نہ ہو گا دیت میں وہ جو مر جاتا ہے اس سے پہلے، اور ظہورِ قتل کے وقت

الدَّارُ لِلْوَرَثَةِ فَتَجِبُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ ، بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ إِذَا وُجِدَ قَتِيلًا فِي دَارِ نَفْسِهِ لِأَنَّ حَالَ ظُهُورِ قَتْلِهِ

مکان ورثہ کا ہے پس واجب ہو گی ان کے عاقلہ پر، برخلاف مکاتب کے جب پایا جائے مقتول اپنے گھر میں؛ کیونکہ اس کے قتل کے ظہور کے وقت

بَقِيَتِ الدَّارُ عَلَى حُكْمِ مِلْكِهِ فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيُهْدَرُ دَمُهُ . ﴿٧﴾ وَلَوْ أَنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَيْتٍ

باقی ہے مکان اس کی ملکیت کے حکم پر، پس ہو جائے گا گویا اس نے قتل کیا ہے اپنے نفس کو، پس رائیگاں ہو گا اس کا خون۔ اور اگر دو آدمی

وَلَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَوُجِدَ أَحَدُهُمَا مَذْبُوحًا ، قَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَضْمَنُ

ایک گھر میں ہوں اور نہ ہو ان دونوں کے ساتھ تیسرا، پس پایا گیا دونوں میں سے ایک ذبح کیا ہوا، تو فرمایا امام ابو یوسفؒ نے ضامن ہو گا

الْآخَرُ الدِّيَةَ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا يَضْمَنُهُ ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ . وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ قَتَلَهُ

دوسرا دیت کا، اور فرمایا امام محمدؒ نے ضامن نہ ہو گا ان کا؛ کیونکہ احتمال رکھتا ہے کہ اس نے خود کو قتل کیا ہو اور احتمال رکھتا ہے کہ اس کو قتل کیا ہو

الْآخَرُ فَلَا يَضْمَنُهُ بِالشَّكِّ . وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ

دوسرے نے تو ضامن نہ ہو گا اس کا شک کی وجہ سے، اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ انسان قتل نہیں کرتا ہے خود کو،

فَكَانَ التَّوَهُّمُ سَاقِطًا كَمَا إِذَا وُجِدَ قَتِيلٌ فِي مَحَلَّةٍ ﴿٨﴾ وَلَوْ وُجِدَ قَتِيلٌ فِي قَرْيَةٍ لِامْرَأَةٍ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ عَلَيْهَا الْقَسَامَةُ

پس توہم ساقط ہو گیا جیسا کہ جب پایا جائے مقتول محلہ میں۔ اور اگر پایا گیا مقتول کسی عورت کے گاؤں میں، تو طرفینؒ کے نزدیک قسامت عورت پر ہے

تُكَرَّرُ عَلَيْهَا الْأَيْمَانُ ، وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهَا أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ إِلَيْهَا فِي النَّسَبِ . ﴿٩﴾ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

اور مکرر کی جائیں گی اس پر قسمیں، اور دیت اس کے عاقلہ پر جو قبائل میں سے زیادہ قریب ہو اس سے نسب میں۔ اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے

الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا ؛ لِأَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ عَلَى مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِ وَالْمَرْأَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِهَا فَأَشْبَهَتِ الصَّبِيَّ

قسامت عاقلہ پر بھی ہے؛ کیونکہ قسامت واجب ہوتی ہے اس پر جو اہل نصرت ہو، اور عورت اہل نصرت نہیں ہے پس وہ مشابہ ہو گئی بچے کے۔

وَلَهُمَا أَنَّ الْقَسَامَةَ لِنَفْيِ التُّهْمَةِ. وَتُهْمَةُ الْقَتْلِ مِنَ الْمَرْأَةِ مُتَحَقِّقَةٌ. قَالَ الْمُتَأَخِّرُونَ:

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قسامت نفی تہمت کے لیے ہے اور تہمتِ قتل عورت کی جانب سے متحقق ہے، متاخرین نے فرمایا کہ

إِنَّ الْمَرْأَةَ تَدْخُلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِي التَّحَمُّلِ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ لِأَنَّا أَنْزَلْنَاهَا قَاتِلَةً وَالْقَاتِلُ يُشَارِكُ الْعَاقِلَةَ.

عورت شامل ہوگی عاقلہ کے ساتھ تحمل دیت میں اس مسئلہ میں؛ کیونکہ ہم نے اسے قاتل مانا ہے اور قاتل شریک ہوتا ہے عاقلہ کے ساتھ۔

{۱۰} وَلَوْ وُجِدَ رَجُلٌ قَتِيلًا فِي أَرْضِ رَجُلٍ إِلَى جَانِبِ قَرْيَةٍ لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْ أَهْلِهَا، قَالَ:

اور اگر پایا گیا کوئی شخص مقتول دوسرے شخص کی زمین میں ایسے گاؤں کی جانب میں کہ نہیں ہے مالکِ زمین اس کا باشندہ، توامام محمدؒ نے فرمایا:

هُوَ عَلَى صَاحِبِ الْأَرْضِ؛ لِأَنَّهُ أَحَقُّ بِنُصْرَةِ أَرْضِهِ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ.

کہ وہ مالکِ زمین پر ہے؛ کیونکہ وہ زیادہ حقدار ہے زمین کی نصرت کا گاؤں والوں سے۔

تشریح:۔{۱} اگر مقتول کے ولی نے اہل محلہ میں سے ایک معین شخص پر دعویٰ کیا پھر اہل محلہ میں سے دو شخصوں نے اس مدعاعلیہ پر قتل کی گواہی دی تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی؛ کیونکہ یہاں پورے اہل محلہ کے ساتھ خصومت قائم ہے جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے پھر ان میں سے جو گواہ کسی معین شخص پر گواہ بنیں گے وہ اس خصومت کو اپنی ذات سے دفع کرنا چاہتے ہیں لہٰذا یہ گواہ متہم ہیں اس لیے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مذکورہ گواہوں سے صرف یہ قسم لی جائے گی کہ "واللہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا ہے" اس سے زیادہ قسم نہیں لی جائے گی کہ ہم اس کے قاتل کو نہیں جانتے ہیں؛ کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے خبر دی ہے کہ ہم اس کے قاتل کو پہچانتے ہیں۔

{۲} اگر ایک محلہ میں ایک شخص مجروح ہو کر اپنے گھر منتقل کیا گیا پھر وہ اس زخم سے مر گیا تو اگر وہ برابر بستر پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قسامت اور مقتول کی دیت اسی محلہ والے قبیلہ پر واجب ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہ قسامت واجب ہوگی اور نہ دیت واجب ہوگی؛ کیونکہ قبیلہ یا محلہ میں جو بات پائی گئی وہ جان تلف ہونے سے کم ہے یعنی فقط جراحت ہے حالانکہ جراحت میں قسامت واجب نہیں ہوتی ہے پس یہ ایسا ہے جیسے اگر مذکورہ مجروح برابر بستر پر نہیں پڑا رہا بلکہ چل پھر رہا تھا پھر مر گیا تو بالاتفاق قسامت اور دیت واجب نہیں ہوتی ہے۔

{۳} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جراحت اگر ایسی ہو کہ اس کے ساتھ موت لاحق ہو گئی تو وہ قتل ہو جاتی ہے اسی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے پس دیکھا جائے گا کہ اگر وہ برابر بستر پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا تو یہ موت اسی زخم کی جانب منسوب ہوگی؛ اس

لیے اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی۔ اور اگر وہ برابر بستر پر نہیں پڑا رہا تو احتمال ہے کہ شاید اس جراحت کے علاوہ کسی اور وجہ سے موت واقع ہوئی ہو تو شک کی وجہ سے قسامت یا دیت لازم نہ ہوگی۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشہید: وظاھر عبارۃ الشامی والدر المختار ومجمع الانھر وغیرھم ترجیح قول الامام ابی حنیفۃ (ھامش الھدایۃ:4ص640)

{۴} اگر ایک شخص زخمی ہوا اور اس میں کچھ جان باقی ہو اور اس کو کسی شخص نے اٹھا کر اس کے اہل وعیال میں لے گیا پھر وہ ایک یا دو دن ٹھہر کر مر گیا تو جو شخص اس کو اس کے گھر اٹھا کے لے گیا ہے وہ امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق ضامن نہ ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کے قیاس کے مطابق ضامن ہوگا؛ کیونکہ لادنے والے کا ہاتھ محلہ کے درجے میں ہے تو اس کے ہاتھ میں مجروح پایا جانا ایسا ہے جیسے محلہ میں مجروح کا ملنا کہ اگر برابر بستر پر پڑا رہا تو قسامت اور دیت اہل محلہ پر واجب ہے اور اگر برابر بستر پر پڑا رہا تو اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہے اور ہم نے اوپر قبیلہ اور محلہ کے مسئلہ میں دونوں کی وجہ بیان کر دی۔

{۵} اگر ایک شخص اپنے ذاتی گھر میں مقتول پایا گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی دیت اس کے وارثوں کے لیے وارثوں کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔ اور صاحبینؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس صورت میں کچھ واجب نہیں ہے؛ کیونکہ مجروح ہونے کے وقت یہ مکان اسی کے قبضہ میں تھا تو ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے پس اس کا خون رائیگاں ٹھہرے گا۔

{۶} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت تو اسی لیے واجب ہوتی ہے تاکہ قتل ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ قتل ظاہر ہونے سے پہلے جو لوگ مددگار برادری میں سے مر جائیں وہ دیت میں شامل نہیں ہوتے ہیں اور یہاں قتل ظاہر ہونے کے وقت مذکورہ مکان مقتول کے وارثوں کے قبضہ میں ہے تو وارثوں کی مددگار برادری پر اس کی دیت واجب ہوگی۔ پھر یہ حکم آزاد آدمی کی صورت میں ہے۔ اس کے برخلاف اگر مکاتب شخص اپنے ذاتی گھر میں مقتول پایا جائے تو اس کا خون بالاتفاق رائیگاں ہے؛ کیونکہ اس کا قتل ظاہر ہونے کے وقت یہ مکان اس کی ملکیت کے حکم پر باقی ہے؛ کیونکہ مکاتب جب بدلِ کتابت کے بقدر مال چھوڑ دے تو عقدِ کتابت فسخ نہیں ہوتا؛ پس جب مکان اس کی ملکیت کے حکم پر باقی تو یہ ایسا ہوگا کہ گویا اس نے اپنی ذات کو قتل کیا اس لیے اس کا خون رائیگاں ہوگا۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما فی الدرّ المختار: (وَإِنْ وُجِدَ قَتِيلٌ فِي دَارِ نَفْسِهِ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ وَرَثَتِهِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَعِنْدَهُمَا وَزُفَرَ وَلَا شَيْءَ فِيهِ) أَيْ فِي الْقَتِيلِ الْمَذْكُورِ (وَبِهِ يُفْتَى) كَذَا ذَكَرَهُ مُنْلَا خُسْرو تَبَعًا لِمَا رَجَّحَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، وَتَبِعَهُمَا الْمُصَنِّفُ وَخَالَفَهُمْ ابْنُ الْكَمَالِ فَقَالَ: لَهُمَا إنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ حِينَ وُجِدَ الْجُرْحُ فَيُجْعَل

كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيَكُونُ هَدَرًا وَلَهُ أَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ بِظُهُورِ الْقَتِيلِ، وَحَالَ ظُهُورِهِ الدَّارُ لِوَرَثَتِهِ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ (الدرّ المختار علی ھامش ردّ المحتار:5ص451)

﴿۷﴾اور اگر ایک کوٹھری میں دو شخص ہوں حالانکہ ان کے ساتھ تیسرا شخص نہیں ہے پس ان دونوں میں سے ایک شخص ذبح کیا ہوا پایا گیا، تو امام ابو یوسف ؒفرماتے ہیں کہ دوسرا شخص دیت کا ضامن ہوگا، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ احتمال ہے کہ اس نے اپنی جان کو خود قتل کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید اس کو دوسرے نے ذبح کیا ہو پس شک کی وجہ سے دوسرے پر تاوان واجب نہیں کر سکتے ہیں جب کہ وہ محض انکار کر رہا ہو۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر حال شاہد ہے کہ آدمی اپنے آپ کو قتل نہیں کرتا ہے تو خودکشی کا وہم ساقط ہے جیسے کوئی شخص کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ شاید اس نے خودکشی کرلی ہو مگر یہ وہم ساقط ہے اس لیے بالاتفاق اہل محلہ پر قسامت اور دیت ہوتی ہے پس اسی طرح یہاں بھی یہ وہم ساقط ہوگا۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) حَيْثُ قَالَ: لَا يَضْمَنُ لِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ أَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ، وَيُحْتَمَلُ أَنَّهُ قَتَلَهُ الْآخَرُ، فَلَا يَضْمَنُ بِالشَّكِّ هِدَايَةٌ قَالَ الرَّمْلِيُّ: يَعْنِي فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى مَالِكِ الْبَيْتِ أَعْنِي عَاقِلَتَهُ تَنَبَّهْ اهـ وَقَدَّمْنَا أَنَّ هَذَا هُوَ قِيَاسُ قَوْلِ الْإِمَامِ فَتَأَمَّلْ. وَقَالَ الرَّمْلِيُّ أَيْضًا: وَعِنْدِي أَنَّ قَوْلَ مُحَمَّدٍ أَقْوَى مُدْرَكًا إذْ قَدْ يَقْتُلُهُ غَيْرُ الثَّانِي وَكَثِيرًا مَا وَقَعَ (ردّ المحتار:5ص451)

﴿۸﴾ایک عورت کی مِلک میں ایک گاؤں ہے جس میں ایک شخص مقتول پایا گیا تو طرفینؒ کے نزدیک اسی عورت پر قسامت واجب ہوگی اور اس عورت سے پچاس قسمیں مکرر لی جائیں گی پھر مقتول کی دیت اس عورت کی مدد گار برادری پر واجب ہوگی جس کو عاقلہ کہتے ہیں اور اس عورت کی عاقلہ وہ قبیلہ ہے جو نسب میں دیگر قبائل کی بنسبت اس عورت سے زیادہ قریب ہو۔

﴿۹﴾اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دیت کی طرح قسامت بھی اس عورت کی عاقلہ پر واجب ہوگی؛ کیونکہ قسامت ایسے لوگوں پر واجب ہوتی ہے جو نصرت اور مددگاری کے اہل ہوں جبکہ عورت مددگاری کا اہل نہیں ہے تو وہ بچہ کے مشابہ ہوگئی اس لیے بچے کی طرح عورت پر قسامت نہیں ہے بلکہ اس کی مددگار برادری پر ہے۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت اس لیے واجب ہوتی ہے تاکہ قتل کی تہمت دور ہو اور عورت میں قتل کرنے کی تہمت موجود ہے لہٰذا اس سے قسم بھی لی جائے گی۔

متأخرین مشائخ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں عاقلہ کے ساتھ دیت کا بار اٹھانے میں یہ عورت بھی داخل ہوگی؛ کیونکہ ہم نے اس عورت کو قاتل کے درجے میں اتار دیا ہے اور قاتل ہمیشہ عاقلہ کے ساتھ دیت دینے میں شریک ہوتا ہے اس لیے یہ عورت دیت دینے میں عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگی۔

فتویٰ:۔ طرفین کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشهید: الراجح قولهما عند اکثر المشائخ (هامش الهداية: 4ص 641)

{۱۰} اگر کسی گاؤں کی جانب میں ایک شخص کی زمین ہو اور اس میں کوئی مقتول پایا گیا حالانکہ زمین کا مالک اس گاؤں کا رہنے والا نہیں ہے تو قسامت اور دیت زمین کے مالک ہی پر واجب ہوگی؛ کیونکہ گاؤں والوں کی بہ نسبت زمین کے مالک پر اپنی زمین کی مددگاری کا زیادہ استحقاق ہے اس لیے کہ زمین کی حفاظت اور تدبیر کی ولایت زمین کے مالک کو حاصل ہے نہ کہ مذکورہ گاؤں والوں کو۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ

یہ کتاب اہل معاقل کے بیان میں ہے۔

چونکہ اقسام قتل میں سے قتل خطاء کا موجب یہ بیان فرمایا کہ قاتل کی عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، پھر یہ بیان فرمایا کہ کن صورتوں میں دیت عاقلہ برداشت کرتی ہے اور کن میں نہیں، لیکن یہ باقی رہا کہ عاقلہ کس کا نام ہے؟ تو اس کتاب میں عاقلہ کی وضاحت، اس کے انواع اور احکام کو بیان فرمایا ہے۔

{۱} الْمَعَاقِلُ جَمْعُ مَعْقُلَةٍ، وَهِيَ الدِّيَةُ، وَتُسَمَّى الدِّيَةُ عَقْلًا لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفَكَ: أَيْ تُمْسِكُ. {۲} قَالَ: وَالدِّيَةُ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ وَالْخَطَإِ، وَكُلُّ دِيَةٍ تَجِبُ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَالْعَاقِلَةُ الَّذِينَ يَعْقِلُونَ، يَعْنِي يُؤَدُّونَ الْعَقْلَ وَهُوَ الدِّيَةُ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الدِّيَاتِ {۳} وَالْأَصْلُ فِي وُجُوبِهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ حَمَلِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِلْأَوْلِيَاءِ { قُومُوا فَدُوهُ } {۴} وَلِأَنَّ النَّفْسَ مُحْتَرَمَةٌ لَا وَجْهَ إلَى الْإِهْدَارِ وَالْخَاطِئُ مَعْذُورٌ

معاقل جمع ہے معقلۃ کی اور وہ دیت ہے، اور نام رکھا گیا ہے عقل؛ کیونکہ دیت عقل کرتی ہے خون کا بہنے سے یعنی روکتی ہے۔ فرمایا: اور دیت شبہ عمد اور خطاء میں ہے، اور ہر وہ دیت جو واجب ہو نفس قتل سے عاقلہ پر، اور عاقلہ وہ لوگ ہیں جو ادا کرتے ہیں عقل اور وہ دیت ہے، اور ہم ذکر کر چکے ہیں اس کا کتاب الدیات میں، اور اصل اس کے وجوب کی عاقلہ پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے حمل بن مالک کی حدیث میں

اولیاء سے کہ کھڑے ہو جاؤ اور اس کا فدیہ ادا کرو، اور اس لیے کہ نفس محترم ہے کوئی وجہ نہیں ہے اس کو ضائع کرنے کی، اور خاطی معذور ہے

{5} وَكَذَا الَّذِي تَوَلَّى شِبْهَ الْعَمْدِ نَظَرًا إِلَى الْآلَةِ فَلَا وَجْهَ إِلَى إِيجَابِ الْعُقُوبَةِ عَلَيْهِ ، وَفِي إِيجَابِ مَالٍ عَظِيمٍ

اور اسی طرح وہ جو مرتکب ہے شبہ عمد کا؛ آلہ کو دیکھتے ہوئے، پس کوئی وجہ نہیں سزا کو واجب کرنے کی اس پر، اور مال عظیم واجب کرنے میں

إِجْحَافُهُ وَاسْتِئْصَالُهُ فَيَصِيرُ عُقُوبَةً فَضُمَّ إِلَيْهِ الْعَاقِلَةُ تَحْقِيقًا لِلتَّخْفِيفِ.

اس کو تنگ کرنا اور اس کا استیصال ہے، پس یہ سزا ہو جائے گی، اس لیے ملا دیا جائے گا اس کے ساتھ عاقلہ؛ اثبات تخفیف کے لیے،

وَإِنَّمَا خُصُّوا بِالضَّمِّ لِأَنَّهُ إِنَّمَا قَصَّرَ لِقُوَّةٍ فِيهِ وَتِلْكَ بِأَنْصَارِهِ

اور عاقلہ مختص ہیں ملانے کے ساتھ؛ کیونکہ اس نے کوتاہی کی اس میں قوت کی بنا پر اور یہ قوت اس کے انصار سے حاصل ہوئی ہے

وَهُمْ الْعَاقِلَةُ فَكَانُوا هُمُ الْمُقَصِّرِينَ فِي تَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ فَخُصُّوا بِهِ.

اور انصار عاقلہ ہیں، پس انصار ہی کوتاہی کرنے والے ہیں ان کا اس کی نگرانی ترک کرنے میں، پس مختص کیے گئے ضم کے ساتھ۔

{6} قَالَ : وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ إِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الدِّيوَانِ يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ ، وَأَهْلُ الدِّيوَانِ

فرمایا: اور عاقلہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو لے لی جائے گی ان کے عطایا سے تین سالوں میں، اور اہل دیوان

أَهْلُ الرَّايَاتِ وَهُمْ الْجَيْشُ الَّذِينَ كُتِبَتْ أَسَامِيهِمْ فِي الدِّيوَانِ وَهَذَا عِنْدَنَا . {7} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : الدِّيَةُ

جھنڈوں والے ہیں اور یہ وہ لشکر والے ہیں جن کے نام لکھے گئے ہوں رجسٹروں میں، اور یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے دیت

عَلَى أَهْلِ الْعَشِيرَةِ لِأَنَّهُ كَانَ كَذَلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَلَا نَسْخَ بَعْدَهُ وَلِأَنَّهُ صِلَةٌ وَالْأَوْلَى بِهَا

خاندان والوں پر ہے؛ کیونکہ اسی طرح تھا حضورؐ کے زمانے میں اور نسخ کا احتمال نہیں آپ کے بعد، اور اس لیے کہ دیت صلہ ہے اور صلہ کے ساتھ اولی

الْأَقَارِبُ {8} وَلَنَا قَضِيَّةُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَمَّا دَوَّنَ الدَّوَاوِينَ جَعَلَ الْعَقْلَ عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ ، وَكَانَ ذَلِكَ

اقارب ہیں۔ اور ہماری دلیل حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے؛ کیونکہ انہوں نے جب مدون کیا رجسٹروں کو تو مقرر فرمایا دیت کو اہل دیوان پر، اور یہ

بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ مِنْهُمْ ، وَلَيْسَ ذَلِكَ بِنَسْخٍ بَلْ هُوَ تَقْرِيرٌ مَعْنًى لِأَنَّ الْعَقْلَ كَانَ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجودگی میں تھا بغیر نکیر کے ان کی طرف سے، اور یہ نسخ نہیں بلکہ یہ اثبات ہے معنیً؛ کیونکہ دیت اہل نصرت پر تھی

وَقَدْ كَانَتْ بِأَنْوَاعٍ : بِالْقَرَابَةِ وَالْحِلْفِ وَالْوَلَاءِ وَالْعَدِّ . وَفِي عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ صَارَتْ بِالدِّيوَانِ فَجَعَلَهَا

اور نصرت مختلف قسم پر ہے قرابت، معاہدہ، ولاء اور شمار کرنے کی وجہ سے، اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں نصرت ہو گئی دیوان سے، پس مقرر فرمایا دیت کو

لَوْ كَانَ الْيَوْمَ قَوْمٌ تَنَاصُرُهُمْ بِالْحِرَفِ فَعَاقِلَتُهُمْ أَهْلُ الْحِرْفَةِ عَلَى أَهْلِهِ اتِّبَاعًا لِلْمَعْنَى {۹} وَلِهَذَا قَالُوا :

اہل دیوان پر؛ معنی کا اتباع کرتے ہوئے۔ اسی لیے فقہاء نے فرمایا کہ اگر آج کوئی ایسی قوم ہو جن کا تناصر پیشہ کی بنیاد پر ہو تو ان کا عاقلہ اہل پیشہ ہوں گے

وَإِنْ كَانَ بِالْحِلْفِ فَأَهْلُهُ وَالدِّيَةُ صِلَةٌ كَمَا قَالَ ، لَكِنَّ إِيجَابَهَا فِيمَا هُوَ صِلَةٌ وَهُوَ الْعَطَاءُ

اور اگر تناصر معاہدہ سے ہو تو اہل معاہدہ ہوں گے، اور دیت صلہ ہے جیسا کہ کہا ہے، لیکن اس کو واجب کرنا ہے اس مال میں جو صلہ ہے اور وہ عطاء ہے

أَوْلَى مِنْهُ فِي أُصُولِ أَمْوَالِهِمْ، وَالتَّقْدِيرُ بِثَلَاثِ سِنِينَ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَمَحْكِيٌّ عَنْ عُمَرَ رضي الله عنه

اولیٰ ہے ان کے اصول اموال میں واجب کرنے سے، اور اندازہ تین سالوں کا مروی ہے حضورؐ سے، اور منقول ہے حضرت عمرؓ سے،

وَلِأَنَّ الْأَخْذَ مِنَ الْعَطَاءِ لِلتَّخْفِيفِ وَالْعَطَاءُ يَخْرُجُ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً.

اور اس لیے کہ عطایا سے لینا تخفیف کے لیے ہے اور عطاء نکلتی ہے ہر سال میں ایک مرتبہ۔

تشریح:۔ {۱} "معاقل" جمع ہے "معقلۃ" کی بمعنی دیت ہے۔ اور دیت کا نام عقل اس لیے رکھا گیا کہ عقل کا معنی روکنا اور باندھ دینا ہے تو دیت بھی خون کو بہانے سے عقل کرتی ہے یعنی روکتی ہے؛ کیونکہ برادری ایک کثیر جماعت ہے جو اس بوجھ کو اٹھائے گی اور لوگ جس کی وجہ سے یہ بوجھ اٹھائیں گے وہ لوگ قاتل کو قتل سے مانع ہوں گے تا کہ ان کو یہ بوجھ اٹھانا نہ پڑے، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب میں معاقل یعنی دیات کا بیان نہیں بلکہ اہل معاقل یعنی دیت کا بوجھ اٹھانے والوں کا بیان ہے۔

{۲} واضح رہے کہ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں جو دیت لازم آئے اسی طرح ہر دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہو عاقلہ پر لازم ہوتی ہے اور نفس قتل اس لیے کہا کہ جو مال صلح کی وجہ سے واجب ہو مثلاً قاتل عمد نے مقتول کے وارثوں سے اس کے خون پر صلح کرلی تو یہ خود قاتل پر ہے عاقلہ پر نہیں ہے۔ اور عاقلہ وہ لوگ ہیں جو عقل کرتے ہیں یعنی دیت ادا کرتے ہیں اور عقل دیت کو کہتے ہیں، اور عقل کو ہم "کتاب الدیات" میں ذکر کر چکے کہ وہ کتنی مقدار ہوتی ہے اور کن صورتوں میں واجب ہوتی ہے۔

{۳} عاقلہ پر واجب ہونے کے بارے میں اصل حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو حمل بن مالکؓ کی حدیث میں مجرم کے اولیاء سے آپؐ نے فرمایا تھا کہ "تم کھڑے ہو اور اس کی دیت دو"[1]۔ واقعہ اس طرح ہے کہ حمل بن مالک کی دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک نے دوسرے کو خیمہ کی لکڑی سے مار دیا جس سے اس کا حمل ساقط ہوا اور وہ خود بھی مر گئی، تو حضور ﷺ نے مارنے والی کے اولیاء کو فرمایا کہ اس کی دیت ادا کرو۔

([1]) قُلْت: تَقَدَّمَ فِي بَابِ الْجَنِينِ، (نصب الرایۃ: 5 ص 206)

{۴} دوسری دلیل یہ ہے کہ جو نفس مقتول ہوا وہ بے گناہ اور محترم تھا اس کو بالکل رائیگاں قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور کل تاوان قاتل پر واجب کرنا بھی مناسبت نہیں؛ کیونکہ اس نے خطاءً قتل کیا ہے لہذا وہ معذور ہے؛ کیونکہ آدمی عذر پر ماخوذ ہوتا ہے اور اس نے مقتول کو قصداً ہرگز قتل نہیں کیا تھا بلکہ مثلاً اس نے شکار کو تیر مارا اور وہ جا کر کسی آدمی کو لگا جس سے وہ مر گیا تو یہ خطاءً قتل ہے قصداً نہیں ہے اس لیے اس پر سزا واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے

{۵} اسی طرح وہ شخص بھی معذور ہے جو شبہ عمد کا مرتکب ہوا آلۂ قتل کے اعتبار سے یعنی آلہ قتل اس قابل نہ تھا کہ اس سے قتل واقع ہو پھر بھی اس سے قتل واقع ہوا تو قاتل معذور ہے تو اس پر بھی سزا واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور مال عظیم واجب کرنا یعنی دیت واجب کرنے میں اس پر تنگی اور اس کی بربادی ہے تو یہ بھی اس کے حق میں سزا ہو جائے گی حالانکہ اس پر سزا دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے دیت ادا کرنے میں اس کے ساتھ اس کی مددگار برادری شامل کر دی گئی تاکہ اس معذور قاتل کے حق میں تخفیف ثابت ہو، اور خاص کر مددگار برادری دیت ادا کرنے میں اس کے ساتھ شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اور قاتل کی کوتاہی تو اس کے ہاتھ کی قوت کی وجہ سے تھی کہ اس نے ہاتھ کی قوت کو استعمال کرنے میں احتیاط نہیں کی، اور مددگار برادری کی کوتاہی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے نصرت کو ترک کیا تھا یعنی ان پر واجب تھا کہ وہ قاتل کو اس خطاء سے روک دیتے حالانکہ انہوں نے اس اعتبار سے قاتل کی نگرانی نہیں کی تو اس ترکِ ذمہ داری کی وجہ سے وہ بھی خطاوار ٹھہرے لہذا دیت میں قاتل کے ساتھ خاص کر ان کو شریک کیا گیا۔

نوٹ: قاتل کے عاقلہ کی تین انواع ہیں، اہل دیوان، اہل رزق اور اہل رزق والعطاء معاً۔ جنگی لشکر کے لیے مقرر شدہ کو عطیہ کہتے ہیں اور مسلمان فقراء کے لیے مقرر شدہ کو رزق کہتے ہیں۔ عاقلہ میں سب سے پہلے درجہ "اہل دیوان" کا ہے، فی زمانہ اس کا ترجمہ ہم پیشہ یا ایک محکمہ کے ملازمین سے کیا جا سکتا ہے، اصل میں حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں پہلی بار فوجیوں اور دیگر عہدیداروں کے رجسٹر تیار کرائے اور اہل دیوان میں سے کسی نے قابل دیت جرم کا ارتکاب کیا تو "اہل دیوان" کو عاقلہ قرار دے کر ان پر دیت عائد کی۔۔۔ ان حضرات کو بیت المال سے جو ہفتہ وار یا ماہانہ یا کفاف (ارزاق) یا سالانہ عطیہ وانعام (عطایا) دیا جاتا ہے اسی میں سے یہ رقم کاٹی جائے گی (قاموس الفقہ بتغیر: 4/367)

{۶} قاتل کے عاقلہ اس کے اہل دیوان ہوں گے بشرطیکہ قاتل اہل دیوان میں سے ہو پس اہل دیوان کے عطیات میں سے تین سال میں یہ دیت وصول کی جائے گی، اور اہل دیوان سے مراد جھنڈوں والے ہیں یعنی وہ لشکر جن کے نام ایک رجسٹر میں لکھے گئے ہوں اور اس لشکر نے ایک جھنڈے کے نیچے جہاد کیا اور ان کے لیے سالانہ عطیہ اور رزق مقرر ہو تو یہ سب ایک ہی دیوان والے

اور باہم اہل نصرت ہیں حتی کہ جب سال میں ان کو عطیہ دیا جائے تو اس میں سے دیت کا حصہ وصول کیا جائے گا اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مقرر فرمایا تھا، اور یہ تفصیل احناف ؒ کے نزدیک ہے۔

{7} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دیت قاتل کے قبیلہ اور خاندان پر واجب ہوگی؛ کیونکہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں حکم یہی تھا کہ قاتل کے قبیلہ پر دیت مقرر کی گئی تھی! ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دیت صلہ ہے اور صلہ وہ ہے جو ابتداءً بلا عوض واجب ہو لہٰذا یہ اہل قرابت پر واجب ہوگی؛ کیونکہ باہمی صلہ کے لیے اہل قرابت اولیٰ ہیں۔

{8} ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے؛ کیونکہ جب آپؓ نے رجسٹر مقرر فرمائے تو ہر ایک کی دیت اس کے دیوان یعنی رجسٹر والوں پر مقرر کی[2] یعنی جن کے نام ایک رجسٹر میں ہیں ان میں سے جس کسی پر بارِ دیت لازم آئے تو اس کی مدد گار عاقلہ اہل کے دیوان والے لوگ ہوں گے، اور یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں واقع ہوئی اور ان میں سے کسی کی جانب سے انکار نہیں پایا گیا پس گویا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا ہے۔ باقی یہ حضور ﷺ کے قول کے لیے نسخ نہیں ہے بلکہ یہ معنوی طور پر حضور ﷺ کے حکم کی تقریر ہے؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ نے خاندان والوں پر دیت کا فیصلہ ان کی باہمی نصرت کی وجہ سے کیا تھا اس لیے کہ ہر شخص کی دیت اس کے مددگاروں پر واجب ہوتی تھی اور باہمی مددگاری کئی طرح پر جاری تھی ایک ان میں سے قرابت کے ذریعہ تھی، دوم قسم کے ذریعہ تھی یعنی جس شخص نے کسی قوم سے ہر حال میں ساتھ دینے کی قسم کرلی تو وہ لوگ اس کے مددگار ہوتے تھے جس کو ولاء الموالات کہتے ہیں، سوم ولاء کے ذریعہ تھی یعنی جس نے کسی غلام کو آزاد کیا تو وہ ہر حال میں انہی کا ساتھی ہوتا جس کو ولاء العتاقہ کہتے ہیں، چہارم شمار کے ذریعہ تھی یعنی کوئی شخص کسی قوم میں جا کر رہا اور انہیں میں شمار ہو گیا اگرچہ ان کے نسب سے نہ ہو پس ان سب میں عاقلہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ باہمی مددگاری ہیں پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دیوان مقرر ہوئے تو دیوان کی وجہ سے باہمی مددگار ہوئے اس لیے مقتول کی دیت قاتل کے دیوان والوں پر ہوگی۔

(1) قلت: روى ابن أبي شيبة في مصنفه حدثنا حفص عن حجاج عن مقسم عن ابن عباس، قال: كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا بين المهاجرين، والأنصار أن يعقلوا معاقلهم، وأن يفدوا عانيهم بالمعروف، والإصلاح بين المسلمين.(نصب الراية:5ص206)

(2) قلت: روى ابن أبي شيبة في مصنفه في الديات حدثنا حميد بن عبد الرحمن عن حسن عن مطرف عن الحكم، قال: عمر أول من جعل الدية عشرة عشرة في عطيات المقاتلة، دون الناس، انتهى. حدثنا عبد الرحيم بن سليمان عن أشعث عن الشعبي، وعن الحكم عن إبراهيم، قالا: أول من فرض العطاء عمر بن الخطاب، وفرض فيه الدية كاملة في ثلاث سنين، وأخرج في كتاب الأوائل من المصنف أيضا حدثنا غسان بن مضر عن سعيد بن يزيد عن أبي نضرة عن جابر، قال: أول من فرض الفرائض، ودون الدواوين، وعرف العرفاء عمر بن الخطاب.(نصب الراية:5ص207)

{۹}اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس زمانے میں کوئی قوم ایسی ہو کہ ان کی باہم مددگاری حرفت اور پیشہ کی وجہ سے ہو تو اس کے پیشہ والے اس کے عاقلہ ہوں گے اور اگر باہمی معاہدہ اور قسم کی وجہ سے باہم مددگار ہوں تو جو لوگ اس کے ہم قسم ہیں وہی اس کے عاقلہ ہوں گے۔

اور دیت بے شک ایک صلہ ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے کہا تھا، لیکن وہ ایسے ہی مال میں واجب ہوگی جو بطورِ صلہ ملتا ہے اور وہ سالانہ عطیہ ہے تو اصلی مالوں کی بنسبت عطیات میں اس کا واجب ہونا اولیٰ ہے۔ باقی تین سالوں میں اس کو مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے اسی طرح مروی ہے اور یہی حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے[1]۔ اور قیاسی دلیل یہ ہے کہ دیت عطیہ میں سے لیا تخفیف کے پیش نظر ہے اور عطیہ ہر سال میں ایک بار ملتا ہے پس ہر سال میں ایک مرتبہ لی جاسکتی ہے یوں تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

{۱}فَإِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِ سِنِينَ أَوْ أَقَلَّ

پھر اگر نکلے عطایا تین سالوں سے زیادہ یا کم میں

أُخِذَ مِنْهَا؛ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَتِ الْعَطَايَا لِلسِّنِينَ الْمُسْتَقْبَلَةِ بَعْدَ الْقَضَاءِ ، حَتَّى لَوِ اجْتَمَعَتْ

تو لی جائے گی ان سے؛ حصولِ مقصود کی وجہ سے، اور اس کی تاویل یہ ہے کہ عطایا آئندہ سالوں کی ہوں قضاءِ قاضی کے بعد، حتیٰ کہ اگر جمع ہو جائیں

فِي السِّنِينَ الْمَاضِيَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا لِأَنَّ الْوُجُوبَ بِالْقَضَاءِ عَلَى مَا

گزشتہ سالوں میں قضاءِ قاضی سے پہلے پھر نکلیں قضاءِ قاضی کے بعد تو نہیں لی جائے گی ان سے؛ کیونکہ وجوب قضاء سے ہے جیسا کہ

نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . {۲}وَلَوْ خَرَجَ لِلْقَاتِلِ ثَلَاثُ عَطَايَا فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ مَعْنَاهُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ يُؤْخَذُ

ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر نکل جائیں قاتل کے لیے تین عطایا ایک سال میں اس کا معنی ہے مستقبل میں تو لی جائے گی

مِنْهَا كُلُّ الدِّيَةِ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَإِذَا كَانَ جَمِيعُ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فَكُلُّ ثُلُثٍ مِنْهَا فِي سَنَةٍ،

ان سے پوری دیت؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور اگر ہو پوری دیت تین سالوں میں تو ہر ثلث دیت میں سے ایک سال میں ہو

وَإِنْ كَانَ الْوَاجِبُ بِالْعَقْلِ ثُلُثَ دِيَةِ النَّفْسِ أَوْ أَقَلَّ كَانَ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ وَمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَى تَمَامِ الثُّلُثَيْنِ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ،

اور اگر واجب بالفعل ثلث دیت ہو نفس کی یا کم ہو تو ایک سال میں ہوگی، اور جو زائد ہو ثلث سے دو ثلث مکمل ہونے تک دوسرے سال میں ہوگی

وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ إِلَى تَمَامِ الدِّيَةِ فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ . {۳}وَمَا وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنَ الدِّيَةِ أَوْ عَلَى الْقَاتِلِ بِأَنْ

---

[1] قلت: تقدما في الجنايات. (نصب الراية: 5ص207)

اور جو زائد ہو اس سے دیت پوری ہونے تک وہ تیسرے سال میں ہوگی۔ اور وہ دیت جو عاقلہ پر واجب ہے یا قاتل پر واجب ہے

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : وَمَا وَجَبَ عَلَى الْقَاتِلِ فِي قَتْلِ الْأَبِ ابْنَهُ عَمْدًا فَهُوَ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ .

اور فرمایا امام شافعیؒ نے جو واجب ہو قاتل پر اس کے کہ قتل کیا باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً تو وہ قاتل کے مال میں ہوگی تین سالوں میں۔

فَهُوَ حَالٌّ ، لِأَنَّ التَّأْجِيلَ لِلتَّخْفِيفِ لِتَحَمُّلِ الْعَاقِلَةِ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ الْعَمْدُ

وہ فی الحال واجب ہوگی؛ کیونکہ میعاد تخفیف کے لیے ہے عاقلہ کے تحمل کی وجہ سے، پس لاحق نہیں کیا جائے گا اس کے ساتھ عمد کو

{۴} وَلَنَا أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ مُؤَجَّلًا فَلَا يَتَعَدَّاهُ

اور ہماری دلیل یہ کہ قیاس انکار کر رہا ہے اس کا، اور شریعت وارد ہوئی ہے مؤجل واجب کرنے کے ساتھ، لہٰذا تجاوز نہیں کرے گا اس سے

{۵} وَلَوْ قَتَلَ عَشَرَةٌ رَجُلًا خَطَأً فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ عُشْرُ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ

اور اگر قتل کر دیا دس آدمیوں نے ایک شخص کو خطاءً، تو ہر ایک پر دیت کا دسواں حصہ ہے تین سالوں میں؛ قیاس کرتے ہوئے جزء کو کل پر

إِذْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ ، وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ مُدَّةُ ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ بِالدِّيَةِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ الْمِثْلُ

اس لیے کہ یہ بدلِ نفس ہے، اور معتبر ہوگی مدت تین سالوں کی دیت کا فیصلہ کرنے کے وقت سے؛ کیونکہ واجبِ اصلی مثل ہے

وَالتَّحَوُّلُ إِلَى الْقِيمَةِ بِالْقَضَاءِ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِهِ كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْرُورِ . {۶} قَالَ : وَمَنْ

اور قیمت کی طرف پھرنا قضاء سے ہے، تو معتبر ہوگی اس کی ابتداء قضاء کے وقت سے جیسا کہ مغرور کے بچے میں ہے۔ فرمایا: اور جو شخص

لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الدِّيوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيلَتُهُ ، لِأَنَّ نُصْرَتَهُ بِهِمْ وَهِيَ الْمُعْتَبَرَةُ فِي التَّعَاقُلِ

اہل دیوان نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے؛ کیونکہ اس کی نصرت انہی سے ہے، اور نصرت ہی معتبر ہے عاقلہ ہونے میں۔ فرمایا:

وَتُقَسَّمُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لَا يُزَادُ الْوَاحِدُ عَلَى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِي كُلِّ سَنَةٍ وَيُنْقَصُ مِنْهَا ، قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :

اور تقسیم کی جائے گی ان پر تین سالوں میں، ایک سے زیادہ نہیں لیا جائے گا چار دراہم سے ہر سال میں، اور کم کیا جا سکتا ہے ان سے۔ مصنفؒ نے فرمایا:

كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي مُخْتَصَرِهِ، وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ يُزَادُ عَلَى أَرْبَعَةٍ مِنْ جَمِيعِ الدِّيَةِ ، وَقَدْ نَصَّ

اسی طرح ذکر کیا ہے امام قدوریؒ نے اپنی مختصر میں، اور یہ اشارہ ہے کہ زیادہ کیا جا سکتا ہے چار درہم پر پوری دیت میں سے، اور تصریح کی

مُحَمَّدٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يُزَادُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جَمِيعِ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عَلَى ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ فَلَا يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ

امام محمدؒ نے کہ اضافہ نہیں کیا جائے گا ہر ایک پر پوری دیت میں سے تین سالوں میں تین یا چار پر، پس نہیں لیا جائے گا ہر ایک سے

فِي كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمٌ أَوْ دِرْهَمٌ وَثُلُثُ دِرْهَمٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ ﴿٧﴾ قَالَ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ تَتَّسِعُ الْقَبِيلَةُ لِذَلِكَ ضُمَّ إِلَيْهِمْ

ایک سال میں مگر ایک درہم یا ایک درہم اور ثلث درہم، اور یہی اصح ہے۔ فرمایا: اور اگر نہ ہو وسعت قبیلہ والوں کو اس کی، تو ملادیا جائے گا ان کے ساتھ

أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ مَعْنَاهُ: نَسَبًا كُلُّ ذَلِكَ لِمَعْنَى التَّخْفِيفِ وَيُضَمُّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ عَلَى تَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ:

قریب ترین قبائل کو، اس کا معنی ہے نسبی قریب، یہ سب تخفیف کے لیے ہیں، اور ملایا جائے گا اقرب فالاقرب کو عصبات کی ترتیب پر

الْإِخْوَةُ ثُمَّ بَنُوهُمْ، ثُمَّ الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوهُمْ. ﴿٨﴾ وَأَمَّا الْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ فَقِيلَ يَدْخُلُونَ لِقُرْبِهِمْ، وَقِيلَ

بھائی ہیں پھر بھتیجے، پھر چچے، پھر ان کے بیٹے ہیں، رہے آباء اور ابناء تو کہا گیا ہے کہ وہ داخل ہوں گے ان کے قرب کی وجہ سے اور کہا گیا ہے

لَا يَدْخُلُونَ لِأَنَّ الضَّمَّ لِنَفْيِ الْحَرَجِ حَتَّى لَا يُصِيبَ كُلَّ وَاحِدٍ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ، وَهَذَا الْمَعْنَى إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَ الْكَثْرَةِ

داخل نہ ہوں گے؛ کیونکہ ملانا نفی حرج کے لیے ہے یہاں تک کہ نہ پہنچے ہر ایک کو تین یا چار سے زیادہ، اور یہ معنی متحقق ہوتا ہے کثرت کے وقت،

وَالْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ لَا يَكْثُرُونَ. ﴿٩﴾ وَعَلَى هَذَا حُكْمُ الرَّايَاتِ إِذَا لَمْ يَتَّسِعْ لِذَلِكَ أَهْلُ رَايَةٍ ضُمَّ إِلَيْهِمْ

اور آباء اور ابناء کثیر نہیں ہوتے ہیں۔ اور اسی پر حکم ہے اہل رایات کا بشرطیکہ گنجائش نہ رکھتے ہوں اس کے اہل رایہ، تو ملادیا جائے گا ان کے ساتھ

أَقْرَبُ الرَّايَاتِ: يَعْنِي أَقْرَبَهُمْ نُصْرَةً إِذَا حَزَبَهُمْ أَمْرٌ

قریب ترین جھنڈے والوں کو یعنی جو سب سے زیادہ قریب ہو ان کا نصرت کے اعتبار سے جب انہیں درپیش ہو گا کوئی معاملہ تو

الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ، وَيُفَوَّضُ ذَلِكَ إِلَى الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَالِمُ بِهِ. ﴿١٠﴾ ثُمَّ هَذَا كُلُّهُ عِنْدَنَا،

اقرب فالاقرب کے اعتبار سے ہو گا، اور یہ سپرد کیا جائے گا امام کو؛ کیونکہ امام ہی اس سے باخبر ہوتا ہے، اور یہ تمام تفصیل ہمارے نزدیک ہے

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُ دِينَارٍ فَيُسَوَّى بَيْنَ الْكُلِّ لِأَنَّهُ صِلَةٌ فَيُعْتَبَرُ

اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہو گا ہر ایک پر نصف دینار، پس برابری کی جائے گی کل کے درمیان؛ کیونکہ یہ صلہ ہے پس قیاس کیا جائے گا

بِالزَّكَاةِ وَأَدْنَاهَا ذَلِكَ إِذْ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ عِنْدَهُمْ نِصْفُ دِينَارٍ، وَلَكِنَّا نَقُولُ: هِيَ أَحَطُّ رُتْبَةً

زکوۃ پر، اور زکوۃ کی ادنیٰ مقدار یہی ہے؛ اس لیے پانچ دراہم ان کے نزدیک نصف دینار ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ دیت کمتر ہے رتبہ کے اعتبار سے

مِنْهَا؛ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَا تُؤْخَذُ مِنْ أَصْلِ الْمَالِ فَيَنْتَقِصُ مِنْهَا تَحْقِيقًا لِزِيَادَةِ التَّخْفِيفِ.

زکوۃ سے، کیا نہیں دیکھتے کہ دیت نہیں لی جاتی ہے اصل مال سے، پس کم ہو گی زکوۃ سے؛ تخفیف ثابت کرنے کے لیے۔

تشریح:۔{۱}پھر اگر عطیات تین سال سے زیادہ یا کم میں عطا ہوں تو دیت انہیں میں سے لی جائے گی یعنی مثلاً چھ سالوں
عطایا ملیں تو چھ سالوں میں دیت کا حصہ لیا جائے گا اور اگر دو سالوں میں ملیں تو انہیں میں سے پوری دیت وصول کی جائے گی؛ کیونکہ
سے مقصود (عطایا سے وصولی) حاصل ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے سالوں کو مطلق ذکر کیا ہے اس میں قضاءِ قاضی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ مطلق
نہیں ہے لہٰذا ان کے قول کی تاویل یہ ہے کہ جب یہ عطیات حکم قاضی کے بعد آئندہ سالوں کے لیے دی گئی ہوں تو ان میں سے دیت
لی جائے گی حتیٰ کہ اگر حکم قاضی سے پہلے چند سالوں کی عطیات جمع ہو گئی ہوں پھر حکم قاضی کے بعد یہ عطیات وصول ہو گئیں تو ان میں
سے یہ دیت وصول نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ دیت کا واجب ہونا حکم قاضی کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

{۲}اور اگر قاتل (مراد قاتل مع عاقلہ ہے) کو ایک ہی سال میں تین عطیات دی گئیں، اس کا معنی یہ ہے کہ حکم قاضی
کے بعد آئندہ کے لیے دی گئیں تو ان میں سے پوری دیت وصول کر لی جائے گی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مقصود حاصل
ہو گیا؛ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ ماخوذ عطایا میں سے ہو اصلی اموال میں سے نہ ہو اور یہ مقصود حاصل ہو گیا۔

واضح رہے کہ جب پوری دیت تین برس کے اندر ہوئی تو ہر سال دیت میں سے ایک ثلث ہو گا؛ اور اگر بالفعل دیت کا
کا ثلث یا اس سے کم واجب ہو تو وہ ایک ہی سال میں لے لی جائے گی اور جو ثلث سے بڑھ جائے دو ثلث تک وہ آئندہ سال میں لی جائے
گی اور دو ثلث سے زائد جس قدر پوری دیت تک ہو وہ تیسرے سال میں لی جائے گی۔

{۳}واضح رہے کہ جو دیت عاقلہ برادری پر واجب ہوئی یا قاتل پر واجب ہوئی بایں طور کہ باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل
کیا تو اس صورت میں دیت قاتل پر واجب ہوتی ہے یہ دیت تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز قاتل
پر اس کے مال میں واجب ہوئی وہ فی الحال واجب الاداء ہے؛ کیونکہ میعاد تو تخفیف کے لیے ہوتی ہے تا کہ عاقلہ برادری اس کو برداشت
کر سکے پس محض عمد اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ عمد کا مرتکب تخفیف کا مستحق نہیں ہوتا ہے اس لیے قاتل پر واجب
دیت فی الحال ہو گی۔

{۴}ہماری دلیل یہ ہے کہ قیاس اس کو مقتضی نہیں ہے کہ نفس کے مقابلے میں مال واجب ہو اور شریعت میں جو وجوب مال
وارد ہے وہ میعاد کے ساتھ ہے یعنی قتل خطاء میں وجوب مال مؤجل ہے لہٰذا وجوب مال حدِ شرعی سے متجاوز نہ ہو گا یعنی وجوب مال

قیاس کے خلاف ہے تو جس طرح شریعت وارد ہوئی ہے اسی طرح رکھا جائے گا؛ کیونکہ جو امر خلاف قیاس وارد ہو وہ اپنے مورد پر مقصور ہوتا ہے۔

{۵} اگر دس آدمیوں نے ایک شخص کو خطاء قتل کیا تو ہر ایک قاتل پر دسواں حصہ دیت تین برس میں واجب ہوگا اور یہ جزء کو کل پر قیاس کرنا ہے یعنی جیسے کل دیت تین سالوں میں واجب ہوتی ہے اسی طرح دیت کا دسواں حصہ بھی تین سالوں میں واجب ہوگا؛ کیونکہ یہ بھی نفس کا عوض ہے۔ واضح رہے کہ دیت کی مدت اس وقت سے معتبر ہوگی کہ جس وقت سے قاضی کا حکم صادر ہوا ہے؛ کیونکہ اصل واجب تو مثل تھا یعنی جان کے بدلے جان اور زخم کے بدلے زخم واجب تھا پھر مثل سے قیمت کی جانب حکم کا بدل جانا قاضی کے حکم سے ہوتا ہے تو قیمت اور دیت کے وقت کی ابتدا قاضی کے حکم کے وقت سے ہوگی جیسے دھوکہ شدہ کے بچے میں ہوتی ہے مثلاً کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کیا اور مرد کو اس نے بتایا تھا کہ میں آزاد ہوں اور ان کے کچھ بچے ہوئے پھر کسی نے اس عورت پر دعوی کیا کہ یہ میری باندی ہے تو وہ باندی مستحق کو واپس کر دی جائے گی اور بچے آزاد ہوں گے، لیکن ان کی قیمت مستحق کو ادا کرنی پڑے گی اور قیمت قضاء کے دن کی معتبر ہوگی، اسی طرح یہاں بھی مدت کی ابتداء قضاء کے وقت سے ہوگی۔

{٦} اگر کوئی شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کی عاقلہ اس کا نسبی قبیلہ ہے؛ کیونکہ اس کی نصرت اپنے قبیلہ ہی سے ہے اور عاقلہ ہونے میں نصرت ہی معتبر ہے۔ اور دیت اس قبیلہ پر تین سال میں تقسیم کی جائے گی اس طرح کہ ہر ایک شخص پر ایک سال میں چار درہم سے زیادہ نہ ہوں اور چار درہم سے کم ہو سکتے ہیں۔

صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ امام قدوری" نے اپنی مختصر میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور امام قدوری" کا یہ قول "کہ ایک سال میں چار درہم سے زیادہ نہ ہوں" اشارہ ہے کہ پوری دیت میں چار درہم سے زیادہ ہو سکتے ہیں، اور امام محمد" نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ پوری دیت سے تین برس میں ہر شخص پر تین یا چار درہم سے زیادہ نہ ہوں گے پس ہر شخص سے ہر سال میں ایک درہم سے یا ایک درہم اور ثلث درہم سے زیادہ نہیں لیا جائے گا، اور یہی اصح ہے، پس اصح یہ قرار پایا کہ پوری دیت قاتل کے قبیلہ پر اس طرح پھیلائی جائے کہ ہر شخص سے ایک سال میں ایک درہم یا ایک درہم اور ایک ثلث درہم وصول کیا جائے۔

{۷} اگر قبیلہ کی تعداد کم ہو پس تین سالوں میں قبیلہ کے ہر شخص پر چار درہم مقرر کرنا کافی نہ ہوا تو اس قبیلہ والوں کے ساتھ دیگر قبائل میں سے جو سب سے زیادہ اس کے قریب ہو وہ ملایا جائے گا، اس کا معنی یہ ہے کہ نسب کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ اس کے قریب ہو وہ ملایا جائے گا اور یہ تخفیف کے پیش نظر ملایا جائے گا، اور اگر دوسرے قبیلہ کے ملانے سے وسعت پوری نہ ہو تو اس

کے بعد الاقرب فالاقرب عصبات کی ترتیب پر قبائل ملائے جائیں گے یعنی پہلے بھائیوں اور ان کی اولاد کو ملایا جائے گا پھر چچا پھر ان کی اولاد ترتیب وار ملائے جائیں۔

{۸} باقی قاتل کا باپ، دادا اور پردادا، اور اس کا بیٹا، پوتا اور پڑپوتا دیت ادا کرنے والوں میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ داخل ہوں گے؛ کیونکہ یہ سب سے قریب ہیں، اور دیگر بعض نے کہا ہے کہ داخل نہیں ہوں گے؛ کیونکہ خطاء قتل کرنے والے کے ساتھ دوسروں کو ملانا اسی غرض سے تھا کہ حرج اور مشقت دور ہو تا کہ ہر ایک پر تین یا چار درہم سے زیادہ لازم نہ آئے اور حرج کی نفی اس وقت متحقق ہوگی کہ مددگاروں میں کثرت ہو اور عادۃً یہ بات معلوم ہے کہ باپ دادوں اور بیٹے پوتوں میں اتنی کثرت نہیں ہوتی ہے۔

{۹} اور جھنڈوں والوں کا حکم بھی اسی طرح ہے یعنی جب ایک جھنڈے والوں میں سے کسی ایک پر قتل خطاء کی دیت واجب ہوئی اور اس جھنڈے کے نیچے والے لوگ اس دیت کی ادائیگی کے لیے کافی نہ ہوں تو دوسرے جھنڈے والوں میں سے جو ان سے زیادہ قریب ہوں ملائے جائیں یعنی دیکھا جائے گا کہ اگر ان کو کوئی مشکل پیش آئے تو مددگاری میں ان کے ساتھ کونسے جھنڈے والے زیادہ قریب ہیں پس وہی ملائے جائیں گے پھر الاقرب فالاقرب کو ملایا جائے گا۔ اور یہ امور امام المسلمین کے سپرد ہیں؛ کیونکہ وہی اس کو خوب جانتا ہے۔

{۱۰} پھر مذکورہ بالا تفصیلات ہمارے مذہب کے مطابق ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قبیلہ والوں میں سے ہر شخص پر نصف دینار واجب ہوگا پھر سب پر یکساں واجب ہوگا یعنی باپ اور بیٹے وغیرہ سب برابر ہوں گے؛ کیونکہ یہ شرکت بطور صلہ (واجب بلا عوض) ہے تو زکوۃ پر اس کا قیاس ہوگا؛ کیونکہ زکوۃ بھی صلہ ہے اور زکوۃ کی ادنیٰ مقدار نصف دینار ہے یعنی پانچ درہم ہے؛ کیونکہ سلف کے نزدیک پانچ درہم کی مقدار نصف دینار ہے اور دو سو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ دیت کا مرتبہ بنسبت زکوۃ کے کمتر ہے یہی وجہ ہے کہ یہ دیت اصل مال میں سے نہیں لی جاتی ہے تو زکوۃ (پانچ درہم) سے اس کی مقدار گھٹائی جائے گی تاکہ زیادہ تخفیف متحقق ہو۔

{۱} وَلَوْ كَانَتْ عَاقِلَةُ الرَّجُلِ أَصْحَابَ الرِّزْقِ يُقْضَى بِالدِّيَةِ فِي أَرْزَاقِهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فِي كُلِّ سَنَةٍ الثُّلُثُ

اور اگر ہوں کسی شخص کے عاقلہ اصحاب رزق، تو فیصلہ کیا جائے دیت کا ان کے ارزاق میں تین سالوں میں، ہر سال میں ایک ثلث ہوگا

لِأَنَّ الرِّزْقَ فِي حَقِّهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ قَائِمٌ مُقَامَهُ إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا صِلَةٌ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ

کیونکہ رزق ان کے حق میں عطیہ کے درجے میں اور اس کا قائم مقام ہے؛ اس لیے کہ ہر ایک ان دونوں میں صلہ ہے بیت المال سے،

{۲} ثُمَّ يُنظَرُ إِنْ كَانَتْ أَرْزَاقُهُمْ تَخْرُجُ فِي كُلِّ سَنَةٍ، فَكَمَا يَخْرُجُ رِزْقٌ يُؤْخَذُ مِنْهُ الثُّلُثُ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ

پھر دیکھا جائے گا اگر ان کے ارزاق ہر سال میں نکلتے ہوں تو جیسے ہی نکلے رزق لے لیا جائے گا ثلث جیسے عطاء میں، اور اگر نکلتے ہوں

فِي كُلِّ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَخَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ يُؤْخَذُ مِنْهُ سُدُسُ الدِّيَةِ وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ فِي كُلِّ شَهْرٍ يُؤْخَذُ

ہر چھ ماہ میں اور نکلا قضاء قاضی کے بعد تو لیا جائے گا اس سے سدس دیت، اور اگر نکلتا ہو ہر ماہ میں تو لیا جائے گا

مِنْ كُلِّ رِزْقٍ بِحِصَّتِهِ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى يَكُونَ الْمُسْتَوْفَى فِي كُلِّ سَنَةٍ مِقْدَارَ الثُّلُثِ، وَإِنْ خَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ بِيَوْمٍ أَوْ أَكْثَرَ أُخِذَ

ہر رزق سے مہینے کے حصے کے بقدر تاکہ ہو جائے ہر سال وصول کیا ہوا ثلث کے بقدر، اور اگر نکلا قضاء کے ایک دن بعد یا زیادہ، تو لیا جائے گا

مِنْ رِزْقِ ذَلِكَ الشَّهْرِ بِحِصَّةِ الشَّهْرِ {۳} وَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ أَرْزَاقٌ فِي كُلِّ شَهْرٍ وَأَعْطِيَةٌ فِي كُلِّ سَنَةٍ فُرِضَتِ الدِّيَةُ

اسی مہینے کے رزق سے مہینے کے حصے کے بقدر۔ اور اگر ہوں ان کے لیے ارزاق ہر مہینہ میں اور عطایا ہر سال میں، تو فرض کی جائے گی دیت

فِي الْأَعْطِيَةِ دُونَ الْأَرْزَاقِ لِأَنَّهُ أَيْسَرُ، إِمَّا لِأَنَّ الْأَعْطِيَةَ أَكْثَرُ، أَوْ لِأَنَّ الرِّزْقَ لِكِفَايَةِ الْوَقْتِ فَيَتَعَسَّرُ الْأَدَاءُ مِنْهُ

عطایا میں نہ کہ ارزاق میں؛ کیونکہ یہ آسان ہے، یا تو اس لیے کہ عطایا زیادہ ہیں، یا اس لیے کہ رزق کفایتِ وقت کے لیے ہے پس مشکل ہوگی ادائیگی اس سے

وَالْأَعْطِيَاتُ لِيَكُونُوا فِي الدِّيوَانِ قَائِمِينَ بِالنُّصْرَةِ فَيَتَيَسَّرُ عَلَيْهِمْ. {۴} قَالَ: وَأُدْخِلَ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَيَكُونُ

اور عطایا اس لیے ہیں تاکہ وہ دیوان میں قائم ہوں نصرت پر، پس آسان ہوگا ان پر۔ فرمایا: اور داخل کیا جائے گا قاتل عاقلہ کے ساتھ پس ہوگا

فِيمَا يُؤَدِّي كَأَحَدِهِمْ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْفَاعِلُ فَلَا مَعْنَى لِإِخْرَاجِهِ

ادا کی جانے والی دیت میں ان میں سے ایک فرد کی طرح؛ کیونکہ وہی فاعل ہے، پس کوئی وجہ نہیں اس کو خارج کرنے کی

وَمُؤَاخَذَةِ غَيْرِهِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ مِنَ الدِّيَةِ اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ فِي النَّفْيِ عَنْهُ

اور اس کے غیر کے مواخذہ کی اور فرمایا امام شافعیؒ نے واجب نہ ہوگا قاتل پر دیت میں سے کچھ؛ قیاس کرتے ہوئے جزء کو کل پر اس سے نفی میں

وَالْجَامِعُ كَوْنُهُ مَعْذُورًا. {۵} قُلْنَا: إِيجَابُ الْكُلِّ إِجْحَافٌ بِهِ وَلَا كَذَلِكَ إِيجَابُ الْجُزْءِ، وَلَوْ كَانَ

اور جامع اس کا معذور ہونا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کل واجب کرنے میں اس کو تنگی میں ڈالنا ہے، اور اس طرح نہیں ہے بعض کو واجب کرنا، اور اگر ہو

الْخَاطِئُ مَعْذُورًا فَالْبَرِيءُ مِنْهُ أَوْلَى، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى}.

خاطی معذور تو خطاء سے بری شخص بطریقہ اولی معذور ہوگا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ"۔

{٦} وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ مِمَّنْ كَانَ لَهُ حَظٌّ فِي الدِّيوَانِ عَقْلٌ ؛ لِقَوْلِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ: لَا يَعْقِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ

اور نہیں ہے عورتوں اور بچوں میں سے ان پر جن کے لیے حصہ ہے دیوان میں، دیت؛ کیونکہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے "دیت نہیں دے گا عاقلہ کے ساتھ

صَبِيٌّ وَلَا امْرَأَةٌ ،وَلِأَنَّ الْعَقْلَ إِنَّمَا يَجِبُ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ لِتَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ ، وَالنَّاسُ لَا يَتَنَاصَرُونَ

بچہ اور نہ عورت" اور اس لیے کہ دیت واجب ہوتی ہے اہل نصرت پر؛ اس کی نگرانی چھوڑنے کی وجہ سے، اور لوگ نصرت نہیں حاصل کرتے

بِالصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَلِهَذَا لَا يُوضَعُ عَلَيْهِمْ مَا هُوَ خَلَفٌ عَنِ النُّصْرَةِ وَهُوَ الْجِزْيَةُ ،وَعَلَى هَذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ صَبِيًّا أَوِ امْرَأَةً

بچوں اور عورتوں سے، اسی لیے مقرر نہیں کیا جاتا ہے ان پر وہ جو خلیفہ ہے نصرت کا اور وہ جزیہ ہے۔ اور اسی حکم پر اگر قاتل بچہ یا عورت ہو

لَا شَيْءَ عَلَيْهِمَا مِنَ الدِّيَةِ بِخِلَافِ الرَّجُلِ ، لِأَنَّ وُجُوبَ جُزْءٍ مِنَ الدِّيَةِ عَلَى الْقَاتِلِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَحَدُ الْعَوَاقِلِ

تو کچھ نہیں ان دونوں پر دیت میں سے، برخلاف مرد کے؛ کیونکہ دیت کے جزء کا وجوب قاتل پر اس اعتبار سے ہے کہ وہ عاقلہ میں سے ایک ہے

لِأَنَّهُ يَنْصُرُ نَفْسَهُ وَهَذَا لَا يُوجَدُ فِيهِمَا ،{٧}وَالْفَرْضُ لَهُمَا مِنَ الْعَطَاءِ لِلْمَعُونَةِ لَا لِلنُّصْرَةِ

اس لیے کہ وہ مدد کرتا ہے اپنے نفس کی، اور یہ نہیں پایا جاتا ہے عورت و بچے میں، اور مقرر ان دونوں کے لیے عطایا میں معونت کے لیے ہے نہ کہ نصرت کے لیے

كَفَرْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ.{٨} وَلَا يَعْقِلُ أَهْلُ مِصْرٍ عَنْ مِصْرٍ آخَرَ يُرِيدُ بِهِ أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِأَهْلِ كُلِّ مِصْرٍ

جیسے ازواج النبی کا حصہ۔ اور دیت نہیں ادا کریں گے ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی طرف سے، مراد اس سے یہ ہے کہ ہر ایک شہر والوں

دِيوَانٌ عَلَى حِدَةٍ لِأَنَّ التَّنَاصُرَ بِالدِّيوَانِ عِنْدَ وُجُودِهِ ، وَلَوْ كَانَ بِاعْتِبَارِ الْقُرْبِ فِي السُّكْنَى فَأَهْلُ مِصْرِهِ

علیحدہ دیوان ہو؛ کیونکہ تناصر دیوان سے ہوتا ہے اس کے وجود کے وقت، اور اگر رہائش میں قرب کے اعتبار سے ہو تو اس کے شہر والے

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ مِصْرٍ آخَرَ{٩}وَيَعْقِلُ أَهْلُ كُلِّ مِصْرٍ مِنْ أَهْلِ سَوَادِهِمْ ؛ لِأَنَّهُمْ أَتْبَاعٌ لِأَهْلِ الْمِصْرِ، فَإِنَّهُمْ

زیادہ قریب ہیں اس کے دوسرے شہر والوں سے۔ اور دیت ادا کریں گے ہر شہر والے اپنے گاؤں والوں کی؛ کیونکہ وہ تابع ہیں اہل شہر کے کیونکہ ان کو

إِذَا حَزَبَهُمْ أَمْرٌ اسْتَنْصَرُوا بِهِمْ فَيَعْقِلُهُمْ أَهْلُ الْمِصْرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْقُرْبِ فِي النُّصْرَةِ

جب پیش آتا ہے کوئی معاملہ تو وہ نصرت طلب کرتے ہیں گاؤں والوں سے، پس ان کی دیت ادا کریں گے شہر والے قرب اور نصرت کے معنی کی وجہ سے

تشریح:۔{١}اگر کسی قاتل کی عاقلہ برادری ایسے لوگ ہوں جن کو بیت المال سے رزق ملتا ہے تو حکم دیا جائے گا کہ دیت ان کے ارزاق میں سے تین سال میں وصول کی جائے، ہر سال میں ایک تہائی دیت لی جائے گی؛ کیونکہ ان لوگوں کے حق میں رزق عطا

کے درجے میں ہے اور عطیہ کا قائم مقام ہے؛ کیونکہ رزق اور عطیہ میں سے ہر ایک بطورِ صلہ بیت المال سے دیا جاتا ہے لہٰذا دونوں کا حکم ایک ہے۔

{۲} پھر دیکھا جائے کہ اگر ان کے ارزاق بیت المال سے سالانہ نکلتے ہوں تو جب بھی ان کے ارزاق نکلیں ان میں سے ایک ثلث لیا جائے گا جیسے عطایا میں سے ثلث لیا جاتا ہے، اور اگر رزق ہر ششماہی میں نکلتا ہو اور حکم قاضی سے چھ مہینے پر دیا گیا تو اس میں سے دیت کا چھٹا حصہ لے لیا جائے گا اور اگر رزق ماہانہ دیا جاتا ہو تو ہر رزق میں سے مہینہ کے حصہ کے بقدر لیا جائے گا تاکہ ہر سال میں وصول کردہ ایک ثلث کے بقدر ہو۔ اگر قضاءِ قاضی کے ایک یا زیادہ دن بعد رزق نکلا تو اس ماہ کے رزق میں سے ان ایام کے حصے کے بقدر لے لیا جائے گا۔

{۳} اور اگر یہ لوگ اس طرح کے ہوں کہ ان کو ماہانہ ارزاق بھی ملتے ہوں اور سالانہ عطیات بھی ملتے ہوں تو دیت ارزاق میں نہیں بلکہ عطیات میں فرض کی جائے گی؛ کیونکہ یہ ان لوگوں کے لیے زیادہ آسان ہے، یا تو اس لیے کہ عطیہ رزق کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس سے ادائیگی آسان ہے، اور یا اس لیے کہ رزق کفایتِ وقت کے لیے ہوتا ہے جس سے ادائیگی مشکل ہے؛ کیونکہ اس میں سے ادا کرنے میں ان کے لیے ضرر ہے، اور عطایا اس لیے ہیں تاکہ عطایا والے دیوان میں نصرت اور مددگاری کے لیے قائم ہوں لہٰذا عطایا میں سے کچھ نکال کر اس سے ادائیگی ان کے لیے آسان ہوگی۔

{۴} خطاءً قتل کرنے والا قاتل بھی عاقلہ برادری کے ساتھ دیت کی ادائیگی میں داخل کیا جائے گا پس جو کچھ ادا کی جائے گی اس میں وہ عاقلہ کی جماعت میں سے ایک فرد کی طرح ہوگا؛ کیونکہ فعلِ قتل کرنے والا درحقیقت یہی ہے تو اس کو بارِ دیت سے خارج کرنے اور دوسروں کا مواخذہ کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاتل پر دیت میں سے کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ جیسے کل دیت اس سے منفی ہے ویسے ہی جزء بھی اس سے منفی ہوگا، اور جزء کو کل پر قیاس کرنے کی علتِ جامعہ یہ ہے کہ خطاءً قتل کرنے والا معذور ہے اس لیے اس پر دیت میں سے کچھ نہ ہوگا۔

{۵} ہم کہتے ہیں کہ قاتل پر کل دیت واجب کرنے میں اس پر سخت تنگی ہے جبکہ کل میں سے ایک جزء واجب کرنے میں کوئی تنگی نہیں ہے اس لیے جزء کو کل پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر حقیقی خطاکار قاتل معذور ہو تو جو شخص (عاقلہ) اس خطاء سے بری ہے وہ بدرجہ اولیٰ معذور ہوگا چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى[1]﴾ (اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ

---

(1) الانعام: 164.

اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ) یعنی کوئی گنہگار نفس دوسرے کا گناہ نہیں اٹھائے گا لہذا عاقلہ پر دیت کو واجب کرنا اور
کرنا درست نہیں ہے۔

{۶} ان عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں پر دیت نہیں ہے جن کے لیے دیوان میں کوئی حصہ ہو؛ کیونکہ حضرت عمر
فرمایا کہ "مددگار برادری کے ساتھ بچہ یا عورت دیت نہیں دے گی"[1] لہذا ان پر دیت نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دیت کا
ہونا مددگاروں پر ہوتا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے قاتل کی نگرانی کر کے اس خطاء سے اس کو نہیں بچایا تو یہ ان کی طرف
تقصیر ہے جبکہ بچوں اور عورتوں سے مدد لینے کی عادت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جو چیز مددگاری کے قائم مقام ہے یعنی جزیہ
عورتوں اور بچوں پر نہیں رکھا جاتا ہے یعنی کافروں کی عورتوں اور بچوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے تو ان سے دیت بھی نہیں لی جا
گی، اور اس دلیل کے مطابق لازم آتا ہے کہ اگر قاتل کوئی بچہ یا عورت ہو تو ان دونوں پر دیت نہ ہو گی۔ باقی بالغ مرد قاتل کا حکم
کے برخلاف ہے کہ اس پر دیت کا ایک جزء واجب ہو گا؛ کیونکہ وہ بھی مددگاروں میں سے ایک فرد ہے؛ کیونکہ وہ اپنے نفس کا مدد
اور یہ بات عورت اور بچہ میں نہیں پائی جاتی ہے اس لیے ان پر دیت واجب نہ ہو گی۔

{۷} سوال یہ ہے کہ غزاۃ عورتوں اور ان کے بچوں کے لیے بھی عطایا مقرر ہوتے ہیں جیسے دیگر غازیوں
لیے مقرر ہوتے ہیں لہذا دیگر غازیوں کی طرح عورتوں اور بچوں پر بھی دیت کا حصہ واجب ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ عورتوں
کے لیے جو عطیات مقرر کیے جاتے ہیں وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اہل اسلام کے مددگار ہیں بلکہ ان کی کفایت اور مؤنت کی غرض
ہوتے ہیں جیسے حضور ﷺ کے ازواج مطہرات ؓ کے لیے بغرض کفایت عطایا مقرر تھے۔

{۸} ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی طرف سے دیت کے عاقلہ نہ ہوں گے مراد یہ ہے کہ جب ہر شہر وا
کے لیے دیوان جہاد علیحدہ ہو تو ایک دوسرے کے لیے عاقلہ نہیں ہوں گے؛ کیونکہ جب ہر ایک کا دیوان موجود ہے تو ان کی
مددگاری اہل دیوان کے ذریعہ ہو گی، اور اگر مددگاری قاتل کے ساتھ قربِ سکونت کے اعتبار سے ہو تو بھی اس کے شہر والے
دوسرے شہر والوں کے اس کے زیادہ قریب ہیں اس لیے اس کے اپنے شہر والے اس کے عاقلہ ہوں گے۔

{۹} اور ہر شہر والے اپنے شہر کے ارد گرد گاؤں والوں کے عاقلہ ہوں گے یعنی اگر گاؤں میں سے کسی شخص نے
کیا اور دیت کے لیے گاؤں والے کافی نہ ہوں تو اہل شہر ان کے عاقلہ ہوں گے؛ کیونکہ گاؤں والے اہل شہر کے تابع ہیں

(۱) قلت: غریب. (نصب الرایۃ: 5 ص 207)

شہر کو جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو وہ گاؤں والوں سے مدد لیتے ہیں پس اہل شہر قرب و مددگاری کی وجہ سے گاؤں والوں کے عاقلہ ہوں گے۔

{۱} وَمَنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بِالْبَصْرَةِ وَدِيوَانُهُ بِالْكُوفَةِ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ ؛ لِأَنَّهُ

اور جس کا گھر بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو دیت ادا کریں گے اس کی طرف سے اہل کوفہ؛ کیونکہ وہ

يَسْتَنْصِرُ بِأَهْلِ دِيوَانِهِ لَا بِجِيرَانِهِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ الِاسْتِنْصَارَ بِالدِّيوَانِ أَظْهَرُ

نصرت حاصل کرتا ہے اپنے اہل دیوان سے نہ کہ اپنے پڑوسیوں سے، اور حاصل یہ کہ نصرت طلب کرنا اہل دیوان سے زیادہ ظاہر ہے،

فَلَا يَظْهَرُ مَعَهُ حُكْمُ النُّصْرَةِ بِالْقَرَابَةِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَقُرْبِ السُّكْنَى وَغَيْرِهِ وَبَعْدَ الدِّيوَانِ النُّصْرَةُ بِالنَّسَبِ

پس ظاہر نہ ہوگا اس کے ساتھ حکم نصرت قرابت، نسب، ولاء اور قرب سکنیٰ وغیرہ کے ذریعہ، اور دیوان کے بعد نصرت نسب سے ہے

عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَعَلَى هَذَا يُخَرَّجُ كَثِيرٌ مِنْ صُوَرِ مَسَائِلِ الْمَعَاقِلِ {۲} وَمَنْ جَنَى جِنَايَةً مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس کو، اور اسی پر تخریج کی جائیں گی معاقل کے مسائل کی بہت ساری صورتیں۔ اور جس نے جنایت کی اہل شہر میں سے

وَلَيْسَ لَهُ فِي الدِّيوَانِ عَطَاءٌ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إلَيْهِ وَمَسْكَنُهُ الْمِصْرُ عَقَلَ عَنْهُ

اور نہ ہو اس کے لیے دیوان میں عطیہ، اور گاؤں والے اس کے زیادہ قریب ہوں، اور اس کی رہائش شہر میں ہو تو دیت ادا کریں گے اس کی طرف سے

أَهْلُ الدِّيوَانِ مِنْ ذَلِكَ الْمِصْرِ، وَلَمْ يُشْتَرَطْ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ الدِّيوَانِ قَرَابَةٌ، قِيلَ هُوَ صَحِيحٌ لِأَنَّ الَّذِينَ

اس شہر کے اہل دیوان، اور شرط نہیں ہے کہ ہو اس کے اور اہل دیوان کے درمیان قرابت، اور کہا گیا ہے یہ صحیح ہے؛ کیونکہ وہ لوگ

يَذُبُّونَ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَيَقُومُونَ بِنُصْرَتِهِمْ وَيَدْفَعُونَ عَنْهُمْ أَهْلُ الدِّيوَانِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ

جو دفاع کرتے ہیں اہل شہر کا وہ قائم ہوتے ہیں ان کی نصرت کے ساتھ اور دفاع کرتے ہیں ان کی طرف سے شہر والوں کے اہل دیوان،

وَلَا يَخُصُّونَ بِهِ أَهْلَ الْعَطَاءِ . {۳} وَقِيلَ تَأْوِيلُهُ إذَا كَانَ قَرِيبًا لَهُمْ ، وَفِي الْكِتَابِ إشَارَةٌ إلَيْهِ

اور اہل دیوان خاص نہیں کرتے ہیں اہل عطاء کو۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ قریب ہو ان کا، اور کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے

حَيْثُ قَالَ: وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إلَيْهِ مِنْ أَهْلِ مِصْرٍ، وَهَذَا لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَيْهِمْ بِحُكْمِ الْقَرَابَةِ وَأَهْلُ الْمِصْرِ أَقْرَبُ

چنانچہ فرمایا: اور اہل بادیہ زیادہ قریب ہیں اس کے اہل شہر سے، اور یہ اس لیے کہ وجوب ان پر بحکم قرابت ہے اور اہل شہر زیادہ قریب ہیں

مِنْهُمْ مَكَانًا فَكَانَتِ الْقُدْرَةُ عَلَى النُّصْرَةِ لَهُمْ وَصَارَ نَظِيرَ مَسْأَلَةِ الْغَيْبَةِ الْمُنْقَطِعَةِ {۴} وَلَوْ كَانَ الْبَدْوِيُّ

گاؤں والوں سے مکان کے اعتبار سے، پس نصرت پر قدرت ان کے لیے ہوگی، اور ہو گیا غیبتِ منقطعہ کے مسئلے کی نظیر۔ اور اگر ...

نَازِلًا فِي الْمِصْرِ لَا مَسْكَنَ لَهُ فِيهِ لَا يَعْقِلُهُ أَهْلُ الْمِصْرِ ؛ لِأَنَّ أَهْلَ الْعَطَاءِ لَا يَنْصُرُونَ ...

شہر میں آیا ہو اور اس کا کوئی مسکن نہ ہو اس میں، تو اس کی دیت ادا نہیں کریں گے اہلِ مصر؛ کیونکہ اہلِ عطا نصرت نہیں کرتے ...

لَا مَسْكَنَ لَهُ فِيهِ ، كَمَا أَنَّ أَهْلَ الْبَادِيَةِ لَا تَعْقِلُ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ النَّازِلِ فِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يَسْتَنْصِرُ بِهِمْ

جس کا مسکن نہ ہو شہر میں جیسا کہ گاؤں والے دیت نہیں ادا کرتے ہیں اہلِ مصر میں سے اس کی جوان کے پاس آیا ہو؛ کیونکہ وہ مدد نہیں حاصل کرتا ان سے۔

تشریح:۔{۱} جس شخص کا مکان بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو یعنی اس کا نام کوفہ والوں کے ساتھ دیوانِ جہاد میں ... ہو تو اس کی طرف سے ادائیگی دیت میں اہلِ کوفہ عاقلہ ہوں گے؛ کیونکہ وہ اپنے دیوان والوں سے مددگاری حاصل کرتا ہے نہ کہ ... پڑوسیوں سے، حاصل کلام یہ ہے کہ اہلِ دیوان سے مدد حاصل کرنا زیادہ ظاہر ہے پس دیوان موجود ہونے کی صورت میں قرابت، نسب، ولاء اور قرب مسکن وغیرہ سے مددگاری حاصل کرنے کا حکم ظاہر نہ ہوگا، اور دیوان کے بعد نسب سے مددگاری ... ہوگا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اقرب فالاقرب کو ملایا جائے گا، اور اس اصل پر بہت سے مسائل دیت متفرع ہوتے ہیں۔

{۲} اگر اہلِ شہر میں سے کسی نے کوئی جرم کیا یعنی خطاءً کسی کو قتل کیا حالانکہ دیوان میں اس کے لیے عطیہ نہ ہو اور نسب کے اعتبار سے اس سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو گاؤں میں رہتے ہیں جبکہ مکان کے اعتبار سے شہر والے اس کے زیادہ قریب ہیں یعنی اس کا مسکن شہر میں ہے تو اس کی جانب سے اسی شہر کے اہلِ دیوان عاقلہ ہوں گے اور گاؤں والے عاقلہ نہ ہوں گے، اور ... میں یہ شرط نہیں لگائی کہ قاتل اور شہر کے اہلِ دیوان کے درمیان قرابت ہو، بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے کہ قرابت کے بغیر اہلِ دیوان اس کے عاقلہ ہوں گے؛ کیونکہ جو لوگ اس شہر والوں سے آفت دور کرتے ہیں اور ان کی مددگاری کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان سے ضرر دور کرتے ہیں وہ یہی لوگ ہیں جو اس شہر کے اہلِ دیوان ہیں اور ان کاموں کے لیے فقط اہلِ عطیات مخصوص نہیں ہیں بلکہ اہلِ شہر میں سے ہر شخص یہ کام کرتا ہے اس لیے عاقلہ بھی یہ سب لوگ ہوں گے۔

{۳} بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اہلِ شہر کا اس شخص کے لیے عاقلہ ہونے کی تاویل یہ ہے کہ اہلِ دیوان اس کے لیے عاقلہ ہوں گے کہ اس کو اہلِ دیوان کے ساتھ قرابت حاصل ہو، اور کتاب میں بھی اسی بات کی جانب اشارہ موجود ہے چنانچہ فرمایا کہ "گاؤں والے اس کے ساتھ زیادہ قریب ہیں" یعنی شہر والوں کے ساتھ بھی قرابت ہے البتہ ان کی بنسبت گاؤں والوں کی قرابت اس کے ساتھ زیادہ ہے تو معلوم ہوا کہ شہر والے بھی اس کے قریب ہیں اور اس تاویل کی وجہ یہ ہے کہ دیت کی مددگاری ان پر واجب ...

ہونا قرابت کی وجہ سے ہے اور شہر والے گاؤں والوں کی بنسبت مکان کے اعتبار سے اس سے زیادہ قریب ہیں تو اس کی نصرت کی قدرت شہر والوں کو زیادہ حاصل ہوگی اس لیے شہر والے عاقلہ ہوں گے، اور یہ مسئلہ نظیر ہے غیبتِ منقطعہ کی یعنی جیسے ایک عورت کے لیے مناسب کفو ملا اور اس عورت کے دو ولی ہیں ایک قریب ہے دوسرا بعید ہے مگر قریب کا ولی غائب ہے اور اس کی غیبت منقطعہ ہے حتی کہ اس کی رائے کا انتظار کرنے تک کفو جاتا رہے گا اور بعید کا ولی حاضر ہے تو اسی کو قریب کی جگہ قرار دیا جائے گا اسی طرح یہاں نسبی قریب کے بجائے مکان کے اعتبار سے قریب کو عاقلہ قرار دیا جائے گا۔

{۴} اگر کوئی ایسا دیہاتی کسی شہر میں آیا ہو جس کا مسکن شہر میں نہیں ہے تو اہل شہر اس کے عاقلہ نہ ہوں گے؛ کیونکہ شہر کے عطیات والے ایسے شخص کی مدد نہیں کرتے جس کا گھر شہر میں نہ ہو جیسے گاؤں والے ایسے شہری کے عاقلہ نہیں ہوتے ہیں جو گاؤں میں آیا ہو؛ کیونکہ یہ شخص ان سے مدد حاصل نہیں کرتا ہے۔

{۱} وَإِنْ كَانَ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ عَوَاقِلُ مَعْرُوفَةٌ يَتَعَاقَلُونَ بِهَا فَقَتَلَ أَحَدُهُمْ قَتِيلًا

اور اگر اہل ذمہ کے معروف عواقل ہوں جن کے ذریعہ وہ دیت ادا کرتے ہوں، پس ان میں سے کسی ایک نے قتل کر دیا کسی شخص کو

فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ؛ لِأَنَّهُمْ الْتَزَمُوا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِي الْمُعَامَلَاتِ لَاسِيَّمَا فِي الْمَعَانِي الْعَاصِمَةِ عَنِ الْإِضْرَارِ

تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی مسلمان کی طرح؛ کیونکہ انہوں نے التزام کیا ہے احکام اسلام کا معاملات میں خاص کر ضرر سے بچانے والے

وَمَعْنَى التَّنَاصُرِ مَوْجُودٌ فِي حَقِّهِمْ {۲} وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ عَاقِلَةٌ مَعْرُوفَةٌ فَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ

اسباب میں اور تناصر کا معنی موجود ہے ان کے حق میں۔ اور اگر نہ ہو ان کا معروف عاقلہ، تو اس کی دیت اس کے مال میں ہے تین سالوں میں

مِنْ يَوْمِ يُقْضَى بِهَا عَلَيْهِ ؛ كَمَا فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْقَاتِلِ

اس دن سے جس دن اس پر فیصلہ کیا جائے گا اس کا جیسا کہ مسلمان کے حق میں؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ وجوب قاتل پر ہے

وَإِنَّمَا يَتَحَوَّلُ عَنْهُ إِلَى الْعَاقِلَةِ أَنْ لَوْ وُجِدَتْ، فَإِذَا لَمْ تُوجَدْ بَقِيَتْ عَلَيْهِ بِمَنْزِلَةِ تَاجِرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ

اور پھرے گا عاقلہ کی طرف کہ جب وہ پایا جائے، پس جب وہ نہیں پایا گیا تو باقی رہی اس پر جیسے دو مسلمان تاجر دار الحرب میں

قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ لِأَنَّ أَهْلَ دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَعْقِلُونَ عَنْهُ،

قتل کر دے اپنے ساتھی کو تو فیصلہ کیا جائے گا دیت کا اس پر اس کے مال میں؛ کیونکہ دار الاسلام والے دیت ادا نہیں کرتے ہیں اس کی طرف سے

وَتَمَكُّنُهُ مِنْ هَذَا الْقَتْلِ لَيْسَ بِنُصْرَتِهِمْ . {۳} وَلَا يَعْقِلُ كَافِرٌ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمٌ عَنْ كَافِرٍ

اور اس کی قدرت اس قتل پر ان کی نصرت سے نہیں ہے۔ اور دیت ادا نہیں کرے گا کوئی کافر مسلمان کی طرف سے اور نہ مسلمان کافر کی طرف

لِعَدَمِ التَّنَاصُرِ وَالْكُفَّارُ يَتَعَاقَلُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ مِلَلُهُمْ لِأَنَّ الْكُفْرَ كُلَّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ

؛ باہمی نصرت نہ ہونے کی وجہ سے، اور کفار دیت ادا کریں گے آپس میں اگرچہ مختلف ہوں ان کی ملتیں؛ کیونکہ سارا کفر ملت واحدہ ہے

قَالُوا : هَذَا إِذَا لَمْ تَكُنِ الْمُعَادَاةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ ظَاهِرَةً ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ ظَاهِرَةً كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى

مشائخ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت کہ نہ ہو ظاہری دشمنی ان کے درمیان، اور اگر ظاہری دشمنی ہو ان کے درمیان جیسے یہود اور نصاریٰ

يَنْبَغِي أَنْ لَا يَتَعَاقَلُونَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ ، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِانْقِطَاعِ التَّنَاصُرِ

تو چاہیے کہ دیت ادا نہ کریں بعض دیگر بعض کی طرف سے، اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے؛ تناصر منقطع ہونے کی وجہ سے

{٤}وَلَوْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَلَهُ بِهَا عَطَاءٌ فَحُوِّلَ دِيوَانُهُ إِلَى الْبَصْرَةِ ثُمَّ رُفِعَ إِلَى الْقَاضِي

اور اگر قاتل اہل کوفہ سے ہو اور اس کے لیے کوفہ میں عطاء ہو پھر منتقل کر دیا گیا اس کا دیوان بصرہ کی طرف، پھر پیش کیا گیا قاضی کے سامنے

فَإِنَّهُ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ .وَقَالَ زُفَرُ : يُقْضَى عَلَى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ

تو وہ فیصلہ کرے گا دیت کا اس کے عاقلہ پر اہل مصر میں سے، اور فرمایا امام زفرؒ نے فیصلہ کیا جائے گا اس کے عاقلہ پر اہل کوفہ میں سے

وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، لِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ الْجِنَايَةُ وَقَدْ تَحَقَّقَ وَعَاقِلَتُهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ، وَصَارَ

اور یہی روایت ہے امام ابو یوسفؒ سے؛ کیونکہ موجب جنایت ہی ہے اور وہ متحقق ہو گئی اس حال میں کہ اس کے عاقلہ اہل کوفہ ہیں اور ہو گیا

كَمَا إِذَا حُوِّلَ بَعْدَ الْقَضَاءِ . {٥}وَلَنَا أَنَّ الْمَالَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ الْقَضَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا

جیسا کہ جب پھیر دیا جائے قضاء کے بعد۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مال واجب ہوتا ہے قضاء کے وقت؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی

أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْمِثْلُ وَبِالْقَضَاءِ يَنْتَقِلُ إِلَى الْمَالِ ، وَكَذَا الْوُجُوبُ عَلَى الْقَاتِلِ وَتَتَحَمَّلُ عَنْهُ

کہ واجب مثل ہے اور قضاء سے منتقل ہوتا ہے مال کی طرف، اور اسی طرح وجوب قاتل پر ہے اور اس کو برداشت کرتا ہے اس کی طرف سے

عَاقِلَتُهُ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ مَنْ يَكُونُ عَاقِلَتَهُ عِنْدَ الْقَضَاءِ ،{٦}بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَضَاءِ

اس کا عاقلہ، اور جب اس طرح ہے تو برداشت کرے گا اس کی طرف سے وہ جو اس کا عاقلہ ہو قضاء کے وقت، برخلاف قضاء کے بعد کے

لِأَنَّ الْوَاجِبَ قَدْ تَقَرَّرَ بِالْقَضَاءِ فَلَا يَنْتَقِلُ بَعْدَ ذَلِكَ،لَكِنْ حِصَّةُ الْقَاتِلِ تُؤْخَذُ مِنْ عَطَائِهِ بِالْبَصْرَةِ لِأَنَّهَا تُؤْخَذُ مِنَ الْعَطَاءِ

کیونکہ واجب متقرر ہوا قضاء سے، پس منتقل نہ ہو گا اس کے بعد، لیکن قاتل کا حصہ لیا جائے گا بصرہ میں اس کے عطیہ سے؛ کیونکہ وہ لیا جاتا ہے عطاء سے

وعطاؤه بالبصرة﴿۷﴾بخلاف ما إذا قلت العاقلة بعد القضاء عليهم حيث يضم إليهم أقرب القبائل

اور اس کی عطاء بصرہ میں ہے۔ برخلاف اس کے جب کم ہو جائے عاقلہ ان پر قضاء کے بعد کہ ملایا جائے گا ان کے ساتھ قبائل میں سے قریب ترین قبیلہ

في النسب ، لأن في النقل إبطال حكم الأول فلا يجوز بحال ، وفي الضم تكثير المتحملين

نسب میں؛ کیونکہ نقل میں حکم اول کا ابطال ہے، پس جائز نہیں ہے کسی حال میں، اور ملانے میں دیت برداشت کرنے والوں کی تکثیر ہے

لما قضي به عليهم فكان فيه تقرير الحكم الأول لا إبطاله ،﴿۸﴾وعلى هذا لو كان القاتل مسكنه

اس لیے کہ فیصلہ کیا گیا ہے اس کا ان پر پس اس میں حکم اول کی تقریر ہے نہ کہ اس کا ابطال، اور اسی اصل پر متفرع ہے اگر ہو قاتل کا مسکن

بالكوفة وليس له عطاء فلم يقض عليه حتى استوطن البصرة قضي بالدية على أهل البصرة،

کوفہ میں، اور نہ ہو اس کے لیے عطاء، پس فیصلہ نہیں کیا گیا اس پر یہاں تک کہ اس نے وطن بنایا بصرہ کو تو فیصلہ کیا جائے گا دیت کا اہل بصرہ پر

ولو كان قضى بها على أهل الكوفة لم ينتقل عنهم ، وكذا البدوي إذا ألحق بالديوان بعد القتل قبل القضاء

اور اگر فیصلہ کیا گیا ہو اس کا اہل کوفہ پر تو منتقل نہ ہو گا ان سے۔ اور اسی طرح دیہاتی جب ملایا جائے دیوان کے ساتھ قتل کے بعد قضاء سے پہلے

يقضى بالدية على أهل الديوان ، وبعد القضاء على عاقلته بالبادية لا يتحول عنهم ،﴿۹﴾وهذا بخلاف ما

فیصلہ کیا جائے گا دیت کا اہل دیوان پر، اور فیصلہ کے بعد دیہات میں اس کے عاقلہ پر ہے منتقل نہ ہو گا ان سے۔ اور یہ برخلاف اس کے

إذا كان قوم من أهل البادية قضي بالدية عليهم في أموالهم في ثلاث سنين ثم جعلهم الإمام في العطاء

جب ہو کوئی قوم اہل دیہات سے فیصلہ کیا گیا دیت کا ان پر ان کے اموال میں تین سالوں میں، پھر شامل کیا ان کو امام نے عطاء میں کہ

حيث تصير الدية في أعطياتهم وإن كان قضى بها أول مرة في أموالهم لأنه ليس فيه نقض القضاء الأول

ہو جائے گی دیت ان کے عطایا میں اگرچہ فیصلہ کیا گیا ہو دیت کا پہلی مرتبہ ان کے اموال میں؛ کیونکہ نہیں ہے اس میں پہلے فیصلے کا توڑنا

لأنه قضى بها في أموالهم وأعطياتهم أموالهم ، غير أن الدية تقضى من أيسر الأموال أداء،

کیونکہ فیصلہ کیا گیا ہے دیت کا ان کے اموال میں، اور ان کے عطایا ان کے اموال ہیں، البتہ دیت ادا کی جاتی ہے ان اموال سے جن سے ادائیگی آسان ہو

والأداء من العطاء أيسر إذا صاروا من أهل العطاء﴿۱۰﴾إلا إذا لم يكن مال العطاء من جنس ما قضي به عليه بأن

اور عطایا سے ادائیگی آسان ہے جب وہ اہل عطاء میں سے ہوں، مگر یہ کہ نہ ہو عطاء کا مال اس جنس سے جس کا فیصلہ کیا گیا ہے اس پر بایں طور

كان القضاء بالإبل والعطاء دراهم فحينئذ لا تتحول إلى الدراهم أبدا لما فيه من إبطال القضاء الأول،

کہ ذمیلہ اونٹوں کا ہو اور عطا دراہم ہوں تو اس وقت دیت منتقل نہ ہو گی دراہم کی طرف کبھی بھی؛ اس لیے کہ اس میں اول

لَكِنْ يُقْضَى ذَلِكَ مِنْ مَالِ الْعَطَاءِ لِأَنَّهُ أَيْسَرُ

ت: لیکن ادا کیا جائے گا یہ مال عطاء سے؛ کیونکہ یہ آسان ہے

تشریح:۔ {۱} اگر ذمیوں کے لیے عواقل معروفہ ہوں یعنی برادری والے ایسے معروف ہوں جو باہم مددگاری کرتے ہوں، ذمی نے خطاء کسی کو قتل کیا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہو گی جیسے مسلمانوں میں یہی ہوتا ہے؛ کیونکہ ذمیوں نے معاملات میں اسلامی احکام کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور خصوصاً ان معاملات میں جن میں ضرر پہنچانے سے بچاؤ ہوتا ہے اور باہمی مددگاری حق میں موجود ہے، تو ان کی مددگار برادری سے دیت لی جائے گی۔

{۲} اگر ذمیوں کے لیے کوئی مددگار برادری معروف نہ ہو تو جس دن سے قاضی نے اس پر دیت کا حکم دیا ہے اس تین سال میں خود قاتل کے مال میں سے دیت وصول کی جائے گی جیسے مسلمان کے حق میں عاقلہ نہ ہونے کی صورت میں خود قاتل کے مال میں واجب ہوتی ہے؛ کیونکہ ہم نے بیان کر دیا کہ اصل وجوب قاتل پر ہوتا ہے البتہ قاتل سے پھر کر عاقلہ پر واجب ہو جاتی ہے کہ جب اس کی مددگار برادری موجود ہو پس اگر مددگار برادری نہیں پائی گئی تو دیت خود قاتل کے مال میں رہے گی جیسے دار الحرب میں دو مسلمان تاجروں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو قاتل کے مال پر دیت کا حکم دیا جائے گا؛ دار الاسلام کے رہنے والے اس قاتل کے عاقلہ نہیں ہیں اور قاتل کو اس قتل کا قابو حاصل ہونے میں مسلمانوں کی جانب سے مدد نہیں پائی گئی ہے۔

فتوی:۔ مگر عاقلہ نہ ہونے کی صورت میں ظاہر الروایت یہ ہے کہ دیت بیت المال سے دی جائے گی لما فی الدرّ المختار: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْقَاتِلِ عَاقِلَةٌ كَاللَّقِيطِ وَحَرْبِيٌّ أَسْلَمَ (فَالدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى دُرَرٌ وَجَعَلَ الزَّيْلَعِيُّ رِوَايَةَ وُجُوبِهَا فِي مَالِهِ رِوَايَةً شَاذَّةً. (الدرّ المختار علی ھامش ردّ المحتار:5ص456)

{۳} واضح رہے کہ مسلمان کی جانب سے کافر عاقلہ نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کی جانب سے عاقلہ ہو گا؛ کیونکہ ان میں باہمی مددگاری جاری نہیں ہے، اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے عاقلہ ہوں گے اگرچہ آپس میں ان کی ملتیں مختلف ہوں؛ کیونکہ کفر کل ایک ہی ملت ہے۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہے کہ دونوں طرح کے کفار میں کھلی ہوئی دشمنی نہ ہو اور اگر کھلی ہوئی ہو جیسے یہود اور نصاریٰ کے درمیان میں کھلی دشمنی واقع ہے تو چاہیے کہ ان میں سے بعض دیگر بعض کے عاقلہ نہ ہوں، امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے؛ کیونکہ ان کے آپس میں مددگاری نہیں پائی جاتی ہے۔

{۴}اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور کوفہ کے دیوان ہی میں اس کے لیے عطیہ ہو پھر قتل کے بعد اس کا دیوان پھر کر بصرہ میں ہو گیا پھر اس کے بعد قاتل کے قتل کا مقدمہ قاضی کے حضور میں پیش کیا گیا تو قاضی اس کی دیت کا حکم اہل بصرہ میں سے اس کے عاقلہ پر جاری کرے گا۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں سے اس کے عاقلہ پر حکم جاری کرے گا اور یہی امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت ہے؛ کیونکہ موجب دیت یہی جرم خطاء ہے اور یہ جرم ایسی حالت میں متحقق ہوا کہ اہل کوفہ اس کے عاقلہ تھے تو یہ ایسا ہے جیسے قاضی کے حکم کے بعد اس کا دیوان کوفہ سے تبدیل کر کے بصرہ میں لایا گیا ہو حالانکہ ایسی صورت میں بالاتفاق اہل کوفہ ہی اس کے عاقلہ رہیں گے اس لیے مذکورہ صورت میں بھی اہل کوفہ میں سے اس کے عاقلہ پر حکم جاری کرے گا۔

{۵}ہماری دلیل یہ ہے کہ مالِ دیت کا وجوب قاضی کی قضاء کے وقت ہوتا ہے؛ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ اصلی واجب مثل (قصاص) ہے یعنی جان کے عوض جان چاہیئے تھی البتہ قاضی کی قضاء کی وجہ سے حکم مال کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، اسی طرح مال کا اصل وجوب قاتل پر ہوتا ہے پھر قاتل کی مددگار برادری اس کی جانب سے مال برداشت کرتی ہے پس جب یہ بات ثابت ہوئی کہ قاتل کی طرف سے وہی عاقلہ اس مال کو برداشت کرے گی جو قاضی کی قضاء کے وقت اس کی عاقلہ ہو اور مذکورہ صورت میں قاضی کی قضاء کے وقت اہل بصرہ اس کی عاقلہ ہیں اس لیے اہل نصرت پر اس دیت کا حکم کیا جائے گا۔

{۶}اس کے برخلاف اگر قاضی کی قضاء کے بعد اس کا دیوان بصرہ کی طرف منتقل ہوا تو اہل کوفہ ہی اس کے عاقلہ رہیں گے کیونکہ قاضی کی قضاء سے اہل کوفہ پر اس دیت کا وجوب متقرر ہو گیا اس لیے اب ان سے منتقل نہ ہوگا، البتہ قاتل کا حصہ اس عطیہ میں سے لیا جائے گا جو اس کو بصرہ سے دیا جائے گا اگرچہ قاضی کی قضاء کے بعد ہو؛ کیونکہ دیت تو عطیہ میں سے لی جاتی ہے اور اس کا عطیہ بصرہ میں ہے اس لیے قاتل کا حصہ بصرہ کے عطیہ سے لیا جائے گا۔

{۷}اس کے برخلاف اگر قاضی کی قضاء کے بعد عاقلہ میں قلت ہو تو اس صورت میں نسب کے اعتبار سے جو قبیلہ اس سے زیادہ قریب ہو اس کو دیت کی ادائیگی میں اول کے ساتھ ملایا جائے گا؛ کیونکہ اول سے منتقل کرنے میں اول کا حکم باطل کرنا لازم آتا ہے جو کسی حالت میں جائز نہیں ہے جبکہ اول کے ساتھ دوسرے قبیلہ کو ملا دینے میں دیت اٹھانے والوں کی کثرت ہو جاتی ہے جس سے حکم اول کو مضبوط کرنا لازم آتا ہے نہ کہ حکم اول کا باطل کرنا اس لیے یہ صحیح ہے۔

{۸}اسی طرح اگر قاتل کا مسکن کوفہ میں ہو حالانکہ کوفہ کے دیوان میں اس کے لیے کوئی عطیہ نہیں ہے مگر اب تک قاتل پر دیت کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اس نے بصرہ کو اپنا وطن بنا دیا تو دیت کا حکم اہل بصرہ پر دیا جائے گا، اور اگر اہل کوفہ پر دیت کا حکم

ہو چکا ہو تو اب ان سے بصرہ والوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر دیہاتی آدمی قتل خطاء کے بعد اور حکم قاضی سے پہلے دیوان مجاہدین میں درج کیا گیا تو اب دیت کا حکم اہل دیوان پر دیا جائے گا، اور اگر گاؤں والوں پر اس کی دیت کا حکم ہونے کے بعد وہ دیوان میں درج کیا گیا تو اب گاؤں والوں سے دیت کا حکم منتقل نہ ہوگا۔

{۹} اس کے برخلاف اگر گاؤں والوں میں سے ایک قوم پر ان کے اموال میں دیت کا حکم دیا گیا کہ تین برس میں ادا کریں پھر سلطان نے ان کے ناموں کو عطیات میں درج کیا تو اب یہ دیت ان کے مالوں سے منتقل ہو کر عطیات میں واجب ہو جائے گی اگرچہ پہلی مرتبہ میں ان کے مالوں میں سے ادا کرنے کا حکم ہوا؛ کیونکہ اس میں پہلی قضاء کو توڑنا لازم نہیں آتا ہے اس لیے کہ پہلی قضاء یہ تھی کہ وہ اپنے مالوں سے یہ دیت ادا کریں اور مذکورہ عطیات بھی انہیں کے مال ہیں، اور یہ اپنی جگہ معلوم ہوا ہے کہ دیت ایسے مال سے وصول کی جائے گی جس سے ادا کرنا زیادہ آسان ہو اور عطیات میں سے ادا کرنا زیادہ آسان ہے جبکہ وہ لوگ عطیات کے اہل ہو جائیں لہٰذا عطیات ہی میں سے یہ دیت وصول کی جائے گی۔

{۱۰} البتہ اگر مالِ عطیہ اس جنس سے نہ ہو جس کے ادا کرنے کا ان پر حکم دیا گیا ہے مثلاً اونٹوں سے ادا کرنے کا حکم دیا گیا جبکہ ان کو عطیات درہموں سے دی جاتی ہیں تو ایسی صورت میں یہ حکم درہموں کی جانب کبھی منتقل نہ ہوگا؛ کیونکہ اس میں پہلے حکم کو باطل کرنا لازم آتا ہے، البتہ دیت کی ادائیگی کا حکم مالِ عطیہ میں سے دیا جائے گا یعنی عطیہ کے درہموں سے اونٹ خرید کر ادا کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے۔

{۱} قَالَ : وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلَةُ مَوْلَاهُ ، لِأَنَّ النُّصْرَةَ بِهِمْ يُؤَيِّدُ

فرمایا: اور معتق کا عاقلہ اس کے مولیٰ کا قبیلہ ہے؛ کیونکہ نصرت انہی سے ہے، اور مؤید ہے

ذَلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ} . {۲} قَالَ : وَمَوْلَى الْمُوَالَاةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَتُهُ؛

اس کا حضورؐ کا ارشاد ہے "قوم کا مولیٰ انہی میں سے ہے"۔ فرمایا: اور مولیٰ الموالات کی طرف سے ادا کرے گا اس کا مولیٰ اور اس کا قبیلہ

لِأَنَّهُ وَلَاءٌ يُتَنَاصَرُ بِهِ فَأَشْبَهَ وَلَاءَ الْعَتَاقَةِ ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَقَدْ

؛ کیونکہ یہ ایسی ولاء ہے جس کے ذریعہ باہمی نصرت ہوتی ہے، پس مشابہ ہو گیا ولاء عتاقہ کے، اور اس میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کا، اور یہ

مَرَّ فِي كِتَابِ الْوَلَاءِ {۳} قَالَ : وَلَاتَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا

بحث گذر چکی ولاء میں۔ فرمایا: اور دیت ادا نہیں کریں گے عاقلہ دیت کے نصف عشر سے کم، اور برداشت کریں گے نصف عشر یا زیادہ

وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَوْقُوفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوعًا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ {لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمْدًا
اور اس بارے میں اصل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے جو موقوف ہے ان پر اور مرفوع ہے حضورؐ تک: ادا نہیں کرتے ہیں عواقل عمد کی دیت

وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا وَلَا مَا دُونَ أَرْشِ الْمُوضِحَةِ } وَأَرْشُ الْمُوضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ بَدَلِ النَّفْسِ ، وَلِأَنَّ
اور نہ غلام کی، نہ صلح کی، اور نہ اعتراف کی، اور نہ موضحہ کے ارش سے کم کی، اور موضحہ کا ارش نصف عشر ہے نفس کے بدل کا، اور اس لیے

التَّحَمُّلَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْإِجْحَافِ وَلَا إِجْحَافَ فِي الْقَلِيلِ وَإِنَّمَا هُوَ فِي الْكَثِيرِ ، وَالتَّقْدِيرُ الْفَاصِلُ عُرِفَ بِالسَّمْعِ.
کہ عاقلہ کا تحمل تنگی سے بچنے کے لیے ہے، اور کوئی تنگی نہیں ہے قلیل میں، بلکہ وہ تو کثیر میں ہے، اور حدِ فاصل کی تقدیر سماع سے معلوم ہوئی ہے

{۲} قَالَ :وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ يَكُونُ فِي مَالِ الْجَانِي ؛وَالْقِيَاسُ فِيهِ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَيَجِبُ الْكُلُّ عَلَى الْعَاقِلَةِ
فرمایا: اور جو کم ہو اس سے وہ مجرم کے مال میں ہو گا ، اور قیاس میں تسویہ ہے قلیل اور کثیر کے مابین پس واجب ہو گا کل عاقلہ پر

كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ ، وَ التَّسْوِيَةُ فِي أَنْ لَا يَجِبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ شَيْءٌ ، إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِمَا
جیسا کہ مذہب کیا ہے اس کی طرف امام شافعیؒ نے، اور تسویہ اس میں ہے کہ واجب نہ ہو عاقلہ پر کچھ، مگر ہم نے اس کو چھوڑ دیا اس حدیث کی وجہ سے

رَوَيْنَا ،وَبِمَا رُوِيَ { أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْجَبَ أَرْشَ الْجَنِينِ عَلَى الْعَاقِلَةِ} وَهُوَ نِصْفُ عُشْرِ بَدَلِ الرَّجُلِ
جو ہم روایت کر چکے، اور اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ حضورؐ نے واجب کیا ارشِ جنین کو عاقلہ پر اور وہ نصف عشر ہے مرد کے بدل کا

عَلَى مَا مَرَّ فِي الدِّيَاتِ ، فَمَا دُونَهُ يُسْلَكُ بِهِ مَسْلَكُ الْأَمْوَالِ لِأَنَّهُ يَجِبُ بِالتَّحْكِيمِ
جیسا کہ گذر چکا کتاب الدیات میں، پس جو کم ہو گا اس سے تو اختیار کیا جائے گا اس میں اموال کا معاملہ؛ کیونکہ واجب ہو گا تحکیم کے ذریعہ

كَمَا يَجِبُ ضَمَانُ الْمَالِ بِالتَّقْوِيمِ فَلِهَذَا كَانَ فِي مَالِ الْجَانِي أَخْذًا بِالْقِيَاسِ.
جیسا کہ واجب ہوتا ہے ضمانِ مال تقویم کے ذریعہ، اسی لیے واجب ہو گا مجرم کے مال میں قیاس پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح:۔{۱} آزاد کئے ہوئے غلام کی مددگار برادری اس کے مولیٰ کا قبیلہ ہے؛ کیونکہ انہیں سے اس کی نصرت ہوتی ہے اور اس کی تائید حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ "مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ"[1] یعنی قوم کا آزاد کیا ہوا اسی قوم میں شمار ہے، جس میں آزاد کردہ غلام کو آزاد کرنے والے کے قبیلے سے قرار دیا ہے۔

{۲} اور جس نے دوسرے سے موالات کرلی ہو تو اس کے خطاء جرم میں اس کی مددگار برادری اس کا مولی اور اس کے مولی کی قوم ہوگی؛ کیونکہ یہ بھی ایسی ولاء ہے جس سے باہمی نصرت کی جاتی ہے تو ولاءِ آزادی کے مشابہ ہوگی جس کا حکم اوپر گذر چکا۔ اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور وہ "کتاب الولاء" میں گذر چکا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک موالات کوئی چیز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں بیت المال کے حق کا ابطال لازم آتا ہے۔

{۳} عاقلہ برادری دیت کے دسویں حصہ کے نصف سے کم کو برداشت نہیں کرتی ہے اور دسویں حصہ کے نصف یا اس سے زائد کو برداشت کرتی ہے؛ اس بارے میں اصل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے جو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف بھی مروی ہے اور حضور ﷺ سے مرفوع روایت کی گئی ہے کہ "مددگار برادری دیت عمد کو نہیں برداشت کرتی اور نہ غلام کے جرم کو برداشت کرتی ہے اور نہ مالِ صلح کو برداشت کرتی ہے اور نہ مالِ اقرار کو برداشت کرتی ہے اور نہ موضحہ زخم کے تاوان سے کم کو برداشت کرتی ہے" پھر موضحہ زخم کا جرمانہ جان کی دیت کے نصف کا دسواں حصہ ہے لہٰذا اس سے کم کو مددگار برادری برداشت نہیں کرے گی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مددگار برادری کا برداشت کرنا اس لیے تھا کہ خطاء قاتل پر تنگی نہ آئے یعنی وہ برباد و پریشان نہ ہو اور حال یہ کہ قلیل تاوان برداشت کرنے میں کوئی پریشانی اور بربادی نہیں ہے بلکہ پریشانی اور بربادی تو کثیر مال ادا کرنے میں ہے، اور قلیل وکثیر فاصل کا اندازہ دلیل سمعی سے معلوم ہوگیا یعنی اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ موضحہ کا تاوان کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔

{۴} جو جرمانہ دیت کے دسویں حصہ کے نصف سے کم ہو وہ مجرم کے مال میں واجب ہوگا؛ اور قیاس اس کو مقتضی تھا کہ یا تو قلیل اور کثیر دونوں کو اس طرح یکساں رکھا جائے کہ دونوں مددگار برادری پر واجب ہو چنانچہ یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اور یا دونوں کو اس طرح برابر رکھا جائے کہ دونوں میں مددگار برادری پر کچھ واجب نہ ہو، مگر ہم نے اس قیاس کو مذکورہ بالا حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی وجہ سے ترک کیا، دوم اس حدیث کی وجہ سے ترک کیا کہ حضور ﷺ نے جنین کا جرمانہ مجرم کی مددگار برادری پر واجب فرمایا ہے چنانچہ سابق میں یہ حدیث گذر چکی ہے، اور جنین کے اس تاوان کی مقدار جان کے عوض کے دسویں حصہ کا نصف ہے چنانچہ "باب الدیات" میں گذر چکا، پس جو مقدار جان کی دیت کے دسویں حصے کے نصف سے کم ہو اس کے ساتھ اموال جیسا معاملہ کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ مقدار عادل کی تحکیم کے ذریعہ سے واجب ہو جاتی ہے جیسے عادل کے قیمت لگانے سے مال کا تاوان واجب ہو جاتا ہے پس اس میں ہم نے اموال پر قیاس کرتے ہوئے یہ اختیار کیا کہ یہ تاوان مجرم کے مال میں واجب ہوگا عاقلہ کے ذمہ نہ ہوگا۔

{1} قال: وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَلَا مَا لَزِمَ بِالصُّلْحِ أَوْ بِاعْتِرَافِ الْجَانِي ؛ لِمَا رَوَيْنَا،

فرمایا: اور ادا نہیں کریں گے عاقلہ جنایت غلام کی دیت، اور نہ وہ جو لازم ہو صلح یا اعتراف جانی سے؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے

وَلِأَنَّهُ لَا تَنَاصُرَ بِالْعَبْدِ وَالْإِقْرَارُ وَالصُّلْحُ لَا يُلْزِمَانِ الْعَاقِلَةَ لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ عَنْهُمْ .قَالَ : إلَّا أَنْ

اور اس لیے کہ تناصر نہیں ہوتا غلام سے، اور اقرار اور صلح لازم نہیں کرتے ہیں عاقلہ پر؛ ان سے قصور ولایت کی وجہ سے۔ فرمایا: مگر یہ کہ

يُصَدِّقُوهُ ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ بِتَصَادُقِهِمْ وَالِامْتِنَاعُ كَانَ لِحَقِّهِمْ وَلَهُمْ وِلَايَةٌ

عاقلہ ان کی تصدیق کر دیں؛ کیونکہ وجوب ثابت ہوا ان کے تصادق سے، اور امتناع ان کے حق کی وجہ سے تھا، اور ان کو ولایت حاصل ہے

عَلَى أَنْفُسِهِمْ . {۲} وَمَنْ أَقَرَّ بِقَتْلِ خَطَإٍ وَلَمْ يَرْفَعُوا إلَى الْقَاضِي إلَّا بَعْدَ سِنِينَ قَضَى عَلَيْهِ بِالدِّيَةِ

اپنے نفوس پر۔ اور جس نے اقرار کیا قتل خطاء کا، اور لوگوں نے نہیں پیش کیا قاضی کے سامنے مگر سالوں کے بعد تو فیصلہ کیا جائے گا اس پر دیت کا

فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمِ يُقْضَى ؛ لِأَنَّ التَّأْجِيلَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ فِي الثَّابِتِ بِالْبَيِّنَةِ

ان کے مال میں تین سالوں میں اس دن سے جس دن فیصلہ کیا جائے؛ کیونکہ تاجیل ثابت ہوتی ہے وقت قضاء سے بیّنہ سے ثابت ہونے والے قتل میں

فَفِي الثَّابِتِ بِالْإِقْرَارِ أَوْلَى {۳} وَلَوْ تَصَادَقَ الْقَاتِلُ وَوَلِيُّ الْجِنَايَةِ عَلَى أَنَّ قَاضِيَ بَلَدِ كَذَا قَضَى

پس اقرار سے ثابت ہونے والے قتل میں بطریقہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔ اور اگر اتفاق کیا قاتل اور ولی جنایت نے اس پر کہ فلاں شہر کے قاضی نے فیصلہ کیا

بِالدِّيَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِالْكُوفَةِ بِالْبَيِّنَةِ وَكَذَّبَهُمَا الْعَاقِلَةُ فَلَا شَيْءَ عَلَى الْعَاقِلَةِ ؛ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا لَيْسَ بِحُجَّةٍ

دیت کا اس کے عاقلہ پر کوفہ میں بیّنہ کے ذریعہ، اور تکذیب کی ان کی عاقلہ نے، تو کچھ نہ ہوگا عاقلہ پر؛ کیونکہ ان دونوں کا اتفاق حجت نہیں ہے

عَلَيْهِمْ . وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي مَالِهِ ؛ لِأَنَّ الدِّيَةَ بِتَصَادُقِهِمَا تَقَرَّرَتْ عَلَى الْعَاقِلَةِ بِالْقَضَاءِ

عاقلہ پر، اور کچھ واجب نہ ہوگا قاتل پر اس کے مال میں؛ کیونکہ دیت ان دونوں کے تصادق سے متقرر ہو گئی عاقلہ پر قضاء کے ذریعہ،

وَتَصَادُقُهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا ، {۴} بِخِلَافِ الْأَوَّلِ . إلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ عَطَاءٌ مَعَهُمْ فَحِينَئِذٍ يَلْزَمُهُ

اور ان دونوں کا اتفاق حجت ہے ان کے حق میں، برخلاف اول کے۔ البتہ اگر ہو اس کے لیے عطاء ان کے ساتھ تو اس وقت لازم ہوگا اس پر

بِقَدْرِ حِصَّتِهِ ؛ لِأَنَّهُ فِي حَقِّ حِصَّتِهِ مُقِرٌّ عَلَى نَفْسِهِ وَفِي حَقِّ الْعَاقِلَةِ مُقِرٌّ عَلَيْهِمْ . {۵} قَالَ : وَإِذَا جَنَى

اس کے حصہ کے بقدر؛ کیونکہ وہ اپنے حصے کے بقدر مقر ہے اپنے نفس پر اور عاقلہ کے حق میں مقر ہے ان پر۔ فرمایا: اور اگر جنایت کی

الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ فَقَتَلَهُ خَطَأً كَانَ عَلَى عَاقِلَتِهِ قِيمَتُهُ ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ النَّفْسِ عَلَى مَا عُرِفَ

آزاد نے غلام پر، پس قتل کر دیا اس کو، تو اس کے عاقلہ پر اس کی قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ یہ نفس کا بدل ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا

مِنْ أَصْلِنَا. وَفِي أَحَدِ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ تَجِبُ فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَالِ

ہماری اصل سے، اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک میں واجب ہوگی اس کے مال میں؛ کیونکہ یہ بدل مال ہے ان کے نزدیک،

وَلِهَذَا يُوجِبُ قِيمَتَهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ، ﴿٦﴾وَمَا دُونَ النَّفْسِ مِنَ الْعَبْدِ لَا تَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ

اور اسی لیے واجب کی جائے گی اس کی قیمت جتنی بھی ہو۔ اور غلام کے نفس سے کم کو برداشت نہیں کریں گے عاقلہ؛ کیونکہ اس کے ساتھ

يُسْلَكُ بِهِ مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ عِنْدَنَا عَلَى مَا عُرِفَ، وَفِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ الْعَاقِلَةُ تَتَحَمَّلُهُ

اموال کا معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک جیسا کہ معلوم ہے، اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک میں برداشت کریں گے عاقلہ

كَمَا فِي الْحُرِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ. ﴿٧﴾قَالَ أَصْحَابُنَا: إنَّ الْقَاتِلَ إذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ فَالدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ

جیسا کہ آزاد میں ہے اور گذر چکا اس سے پہلے۔ فرمایا ہمارے اصحاب نے کہ قاتل کا اگر عاقلہ نہ ہوں تو دیت بیت المال میں واجب ہوگی

لِأَنَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ هُمْ أَهْلُ نُصْرَتِهِ وَلَيْسَ بَعْضُهُمْ أَخَصَّ مِنْ بَعْضٍ بِذَلِكَ، وَلِهَذَا لَوْ مَاتَ

کیونکہ مسلمانوں کی جماعت اس کی نصرت کرنے والی ہے، اور نہیں ہیں بعض دیگر بعض سے اخص اس کے ساتھ، اور اسی لیے اگر مر جائے

كَانَ مِيرَاثُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ فَكَذَا مَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْغَرَامَةِ يَلْزَمُ بَيْتَ الْمَالِ. ﴿٨﴾وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رِوَايَةٌ شَاذَّةٌ

تو اس کی میراث بیت المال کے لیے ہوگی، پس اسی طرح جو لازم ہو جائے اس پر تاوان تو وہ لازم ہوگا بیت المال پر، اور امام صاحبؒ سے شاذ روایت ہے

أَنَّ الدِّيَةَ فِي مَالِهِ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْأَصْلَ أَنْ تَجِبَ الدِّيَةُ عَلَى الْقَاتِلِ لِأَنَّهُ بَدَلُ مُتْلَفٍ وَالْإِتْلَافُ

کہ دیت اس کے مال میں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ دیت واجب ہو قاتل پر؛ کیونکہ یہ تلف کردہ کا بدل ہے، اور اتلاف

مِنْهُ، إلَّا أَنَّ الْعَاقِلَةَ تَتَحَمَّلُهَا تَحْقِيقًا لِلتَّخْفِيفِ عَلَى مَا مَرَّ. وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ عَادَ الْحُكْمُ إلَى الْأَصْلِ

اسی کی جانب سے ہے، البتہ عاقلہ اس کا تحمل کریں گے تاکہ تخفیف ثابت ہو جیسا کہ گذر چکا، پس جب نہیں ہے اس کے لیے عاقلہ تو لوٹ آئے گا

حکم اصل کی طرف۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ کسی شخص کی مددگار برادری اس کے غلام کے جرم کو برداشت نہیں کرتی ہے اور نہ اس مال کو برداشت کرے گی جو مجرم نے صلح کرکے اپنے ذمہ ٹھہرایا ہو یا مجرم کے اقرار کی وجہ سے اس پر لازم آیا ہو بلکہ یہ اموال خود مجرم برداشت کرے گا؛ دلیل وہی حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے جو اوپر ہم روایت کر چکے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ غلام سے باہمی نصرت نہیں ہوتی ہے اس

لیے اس کے جرم کو مددگار برادری برداشت نہیں کرے گی، اور اقرار اور صلح سے لازم آنے والا مال بھی مددگار برادری پر لازم نہیں آتا ہے؛ کیونکہ مددگار برادری پر سے اس کی ولایت قاصر ہے۔ البتہ اگر مددگار برادری اس کے اقرار کی تصدیق کریں تو ان پر مال لازم ہوگا؛ کیونکہ ان کی باہمی تصدیق سے یہاں لازم آیا حالانکہ انہیں کے حق کی وجہ سے اس کا لزوم ممتنع تھا تو جب انہوں نے خود تصدیق کر لی تو مال ان پر لازم آئے؛ کیونکہ عاقلہ کو اپنی ذاتوں پر ولایت حاصل ہے۔

{۲} اگر کسی شخص نے قتل خطاء کا اقرار کیا اور مقتول کے اولیاء نے قاضی کی عدالت میں اس کو پیش نہیں کیا یہاں تک کہ چند سال گذر گئے تو جس دن سے قاضی حکم دے گا اس دن سے تین سال کے اندر قاتل کے مال سے ادا کرنا لازم ہوگا؛ کیونکہ جو قتل بینہ کے ذریعہ ثابت ہو اس میں قاضی کی قضاء کے وقت سے میعاد شروع ہوتی ہے تو جو قتل اقرار کے ذریعہ ثابت ہو اس میں بطریقہ اولیٰ اسی وقت سے میعاد شروع ہوگی۔

{۳} اگر قاتل اور مقتول کے اولیاء نے باہم اس امر کی تصدیق کی کہ فلاں شہر کے قاضی نے اس قاتل کی مددگار برادری پر جو کوفہ میں ہیں گواہوں کے ذریعہ دیت کا حکم دیا ہے اور مددگار برادری نے قاتل اور ولی مقتول دونوں کی تکذیب کی کہ یہ جھوٹے ہیں تو مددگار برادری پر کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ قاتل اور ولی مقتول کا باہم تصدیق کرنا مددگار برادری پر حجت نہیں ہے، اور قاتل پر بھی اس کے مال میں اس کے حصے کے علاوہ کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ دونوں کی باہمی تصدیق سے دیت قاضی کے حکم سے اس کی مددگار برادری پر واجب ہوئی تھی اور ان دونوں کی باہمی تصدیق صرف ان دونوں کے حق میں حجت ہے اس حصے کے بارے میں حجت نہیں جو مددگار برادری پر واجب ہوا تھا، لہٰذا قاتل پر اس کے حصے کے علاوہ کچھ واجب نہ ہوگا۔

{۴} باقی مسئلہ اول کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی تصدیق ولی کے بغیر محض اقرار اور صلح کی صورت میں دیت مقر پر لازم ہوگی؛ کیونکہ یہاں ان دونوں کی تصدیق سے دیت قاضی کے حکم سے مددگار برادری پر واجب نہیں ہوئی ہے لہٰذا مقر کے مال میں واجب ہوگی۔

البتہ اگر قاتل کے لیے مددگار برادری کے ساتھ عطیہ ہو تو ایسی صورت میں قاتل پر اپنے حصے کے بقدر لازم ہوگا؛ کیونکہ وہ اپنے حصے کے حق میں اپنی ذات پر مقر ہے لہٰذا اس کی ذات پر اس کا اقرار قبول کیا جائے گا، باقی مددگار برادری کے حق میں وہ ان کی ذات پر مقر ہے اس لیے ان کے حق میں اس کا اقرار قبول نہ ہوگا۔

﴿۵﴾ اگر کسی آزاد شخص نے کسی غیر کے غلام پر جنایت کر کے اس کو خطاء قتل کیا تو آزاد کی مددگار برادری پر اس غلام کی قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ یہ بھی جان کا عوض ہے اور جان کا عوض مددگار برادری برداشت کرتی ہے جیسا کہ "فصل فی احکام الجنایۃ علی العبد" میں ہماری اصل معلوم ہو گئی۔ اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہ قیمت اس آزاد کے مال میں ہوگی؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قیمت مال کا عوض ہے اور مالی تاوان مجرم کے مال میں واجب ہوتا ہے لہٰذا امام شافعیؒ اس غلام کی قیمت چاہے جتنی بھی ہو پوری واجب کرتے ہیں۔

﴿۶﴾ اور اگر غلام پر اس کی جان سے کم جرم کیا تو اس کو مددگار برادری برداشت نہیں کرے گی؛ کیونکہ ہمارے نزدیک جان سے کم جرم کے ساتھ مال کا معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ سابق میں "باب القصاص فیما دون النفس" میں معلوم ہوا۔ اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ جان سے کم کو بھی مددگار برادری برداشت کرے گی جیسا کہ آزاد میں یہی حکم ہے چنانچہ ہم اس کو سابق میں بیان کر چکے ہیں، مگر یہ حوالہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ ماقبل میں یہ بیان نہیں ہوا ہے کہ جان سے کم مددگار برادری برداشت کرے گی۔

﴿۷﴾ ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر قاتل کی کوئی مددگار برادری نہ ہو تو اس پر جو دیت لازم آئے وہ بیت المال سے لی جائے گی؛ کیونکہ مسلمانوں کی جماعت والے ہی اس قاتل کی مددگار برادری ہیں اور اس مددگاری میں بعض کو بعض کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان اس کے مددگار ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر یہ قاتل مر جائے تو اس کی میراث بھی بیت المال کے لیے ہوگی اسی طرح جو کچھ تاوان اس پر واجب ہوگا تو وہ بھی بیت المال پر لازم ہوگا۔

﴿۸﴾ امام ابو حنیفہؒ سے شاذ روایت یہ مروی ہے کہ یہ دیت اس قاتل کے مال پر ہوگی؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہ قرار پائی ہے کہ دیت قاتل ہی پر واجب ہوتی ہے؛ کیونکہ یہ تلف شدہ کا عوض ہے اور تلف کرنا اسی کی جانب سے پایا گیا ہے اس لیے دیت بھی اسی پر واجب ہوگی، البتہ اس مال کو قاتل کی مددگار برادری برداشت کرتی ہے تاکہ قاتل کے لیے تخفیف ثابت ہو جیسا کہ "کتاب المعاقل" میں گذر چکا پس جب اس شخص کی مددگار برادری ہی نہیں ہے تو حکم اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے گا اس لیے دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔

﴿۱﴾ وَابْنُ الْمُلَاعَنَةِ تَعْقِلُهُ عَاقِلَةُ أُمِّهِ ؛ لِأَنَّ نَسَبَهُ ثَابِتٌ مِنْهَا دُونَ الْأَبِ

اور ملاعنہ کے بیٹے کی دیت ادا کریں گے اس کی ماں کے عاقلہ؛ کیونکہ اس کا نسب ثابت ہے ماں سے نہ کہ باپ سے،

فَإِنْ عَقَلُوا عَنْهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ الْأَبُ رَجَعَتْ عَاقِلَةُ الْأُمِّ بِمَا

پس اگر انہوں نے دیت ادا کر دی اس کی طرف سے پھر اس کا دعوی کیا باپ نے تو رجوع کریں گے ماں کے عاقلہ اس مقدار کے بارے میں

أَدَّتْ عَلَى عَاقِلَةِ الْأَبِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمِ يَقْضِي الْقَاضِي لِعَاقِلَةِ الْأُمِّ عَلَى عَاقِلَةِ الْأَبِ؛

جو انہوں نے ادا کی ہے باپ کے عاقلہ پر تین سالوں میں اس دن سے جس دن فیصلہ کرے گا قاضی ماں کے عاقلہ کے لیے باپ کے عاقلہ پر،

لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّ الدِّيَةَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِمْ ، لِأَنَّ عِنْدَ الْإِكْذَابِ ظَهَرَ أَنَّ النَّسَبَ لَمْ يَزَلْ كَانَ ثَابِتًا مِنَ الْأَبِ

کیونکہ معلوم ہوا کہ دیت واجب تھی ان پر؛ کیونکہ خود کو جھٹلانے کے وقت ظاہر ہوا کہ نسب شروع سے ثابت تھا باپ سے؛ اس لیے کہ

حَيْثُ بَطَلَ اللِّعَانُ بِالْإِكْذَابِ، وَمَتَى ظَهَرَ مِنَ الْأَصْلِ فَقَوْمُ الْأُمِّ تَحَمَّلُوا مَا كَانَ وَاجِبًا عَلَى قَوْمِ الْأَبِ فَيَرْجِعُونَ

باطل ہوا لعان خود کو جھٹلانے سے، اور جب ظاہر ہوا اصل سے تو ماں کی قوم نے برداشت کیا ہے وہ جو واجب ہے باپ کی قوم پر، پس وہ رجوع کریں گے

عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ مُضْطَرُّونَ فِي ذَلِكَ ، ﴿۲﴾ وَكَذَلِكَ إِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ عَنْ وَفَاءٍ وَلَهُ وَلَدٌ حُرٌّ فَلَمْ يُؤَدِّ كِتَابَتَهُ

ان پر؛ اس لیے کہ وہ اس میں مجبور تھے۔ اور اسی طرح اگر مر گیا مکاتب بقدر بدل مال سے اور اس کا آزاد بیٹا ہو، اور اس کی کتابت ادا نہیں کی تھی

حَتَّى جَنَى ابْنُهُ وَعَقَلَ عَنْهُ قَوْمُ أُمِّهِ ثُمَّ أُدِّيَتِ الْكِتَابَةُ لِأَنَّهُ عِنْدَ الْأَدَاءِ

حتی کہ جنایت کی اس کے بیٹے نے اور دیت ادا کر دی اس کی طرف سے اس کی ماں کی قوم نے، پھر ادا کی گئی کتابت؛ کیونکہ ادائیگی کے وقت

يَتَحَوَّلُ وَلَاؤُهُ إِلَى قَوْمِ أَبِيهِ مِنْ وَقْتِ حُرِّيَّةِ الْأَبِ وَهُوَ آخِرُ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ

پھر جاتی ہے اس کی ولاء اس کے باپ کی قوم کی طرف باپ کی آزادی کے وقت سے اور وہ آخری جزء ہے باپ کی حیات کے اجزاء میں سے

فَتَبَيَّنَ أَنَّ قَوْمَ الْأُمِّ عَقَلُوا عَنْهُمْ فَيَرْجِعُونَ عَلَيْهِمْ ، ﴿۳﴾ وَكَذَلِكَ رَجُلٌ أَمَرَ صَبِيًّا

پس معلوم ہوا کہ ماں کی قوم نے دیت ادا کی تھی ان کی طرف سے، پس وہ رجوع کریں گے ان پر۔ اور اسی طرح کسی مرد نے امر کیا بچے کو

بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَضَمِنَتْ عَاقِلَةُ الصَّبِيِّ الدِّيَةَ رَجَعَتْ بِهَا عَلَى عَاقِلَةِ الْآمِرِ

کسی شخص کے قتل کا، پس بچے نے قتل کیا اس کو پس ضمان ادا کیا بچے کے عاقلہ نے دیت کا تو وہ رجوع کریں گے اس کے بارے میں آمر کے عاقلہ پر

إِنْ كَانَ الْأَمْرُ ثَبَتَ بِالْبَيِّنَةِ ، وَفِي مَالِ الْآمِرِ إِنْ كَانَ ثَبَتَ بِإِقْرَارِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمِ يَقْضِي بِهَا

اگر امر ثابت ہوا بینہ سے، اور آمر کے مال میں ہے اگر ثابت ہوا اس کے اقرار سے تین سالوں میں اس دن سے جس دن فیصلہ کرے گا

الْقَاضِي عَلَى الْآمِرِ، أَوْ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِأَنَّ الدِّيَاتِ تَجِبُ مُؤَجَّلَةً بِطَرِيقِ التَّيْسِيرِ ﴿۴﴾ قَالَ رضي الله عنه: هَاهُنَا عِدَّةُ مَسَائِلَ

قاضی آمر پر یا اس کے عاقلہ پر؛ کیونکہ دیات واجب ہوتی ہیں مؤجل آسانی پیدا کرنے کے لیے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ یہاں چند مسائل ہیں

حَالُ الْقَاتِلِ إِذَا تَبَدَّلَ ذَكَرَهَا مُحَمَّدٌ مُتَفَرِّقَةً ، وَالْأَصْلُ الَّذِي يُخَرَّجُ عَلَيْهِ أَنْ يُقَالَ :

جن کوذکر کیاہے امام محمدؒ نے متفرق طور پر، اور وہ اصل جس پر یہ مسائل متفرع ہیں یہ کہ کہاجائے کہ حال قاتل جب بدل جائے

فَانْتَقَلَ وَلَاؤُهُ إِلَى وَلَاءٍ بِسَبَبِ أَمْرٍ حَادِثٍ لَمْ تَنْتَقِلْ جِنَايَتُهُ عَنِ الْأَوَّلِ قُضِيَ

اور منتقل ہو جائے اس کی ولاء دوسری ولاء کی طرف امر حادث کی وجہ سے، تو منتقل نہ ہوگی اس کی جنایت پہلے عاقلہ سے خواہ اس کا فیصلہ کیا گیا ہو

أَوْلَمْ يُقْضَ ﴿۵﴾ وَإِنْ ظَهَرَتْ حَالَةٌ خَفِيَّةٌ مِثْلُ دِعْوَةِ وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ حُوِّلَتِ الْجِنَايَةُ إِلَى الْأُخْرَى وَقَعَ الْقَضَاءُ

یا فیصلہ نہ کیا گیا، اور اگر ظاہر ہوگئی حالتِ خفی جیسے دعوی ملاعنہ کے بیٹے کا تو منتقل ہو جائے گی جنایت دوسرے عاقلہ کی طرف، خواہ اس پر فیصلہ صادر ہوا ہو

أَوْلَمْ يَقَعْ ﴿۶﴾ وَلَوْلَمْ يَخْتَلِفْ حَالُ الْجَانِي وَلَكِنَّ الْعَاقِلَةَ تَبَدَّلَتْ كَانَ الِاعْتِبَارُ فِي ذَلِكَ لِوَقْتِ الْقَضَاءِ، فَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا

یا واقع نہ ہوا ہو، اور اگر مختلف نہ ہوا جانی کا حال، لیکن عاقلہ بدل گئے تو اعتبار ہوگا اس میں وقتِ قضاء کا، پس اگر فیصلہ کیا گیا ہو اس کا

عَلَى الْأُولَى لَمْ تَنْتَقِلْ إِلَى الثَّانِيَةِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ قَضَى بِهَا عَلَى الْأُولَى فَإِنَّهُ يُقْضَى بِهَا عَلَى الثَّانِيَةِ

اول پر تو منتقل نہ ہوگی ثانی کی طرف، اور اگر اس کا فیصلہ نہ کیا گیا ہو پہلے عاقلہ پر، تو فیصلہ کیا جائے گا اس کا دوسرے عاقلہ پر،

﴿۷﴾ وَإِنْ كَانَتِ الْعَاقِلَةُ وَاحِدَةً فَلَحِقَهَا زِيَادَةٌ أَوْ نُقْصَانٌ اشْتَرَكُوا فِي حُكْمِ الْجِنَايَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَبَعْدَهُ

اور اگر عاقلہ ایک ہو پس لاحق ہوگئی اس کے ساتھ زیادتی یا نقصان، تو وہ شریک ہوں گے حکم جنایت میں فیصلہ سے پہلے اور فیصلہ کے بعد

إِلَّا فِيمَا سَبَقَ أَدَاؤُهُ . فَمَنْ أَحْكَمَ هَذَا الْأَصْلَ مُتَأَمِّلًا يُمْكِنُهُ التَّخْرِيجُ فِيمَا

مگر اس میں جس کی ادائیگی پہلے ہوئی ہو، پس جو شخص مضبوط کرلے اس اصل کو غور وفکر کرکے تو ممکن ہوگی اس کے لیے تخریج ان کی

وَرَدَ عَلَيْهِ مِنَ النَّظَائِرِ وَالْأَضْدَادِ .

جو وارد ہوتے ہیں اس پر نظائر اور اضداد میں سے، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

تشریح:۔ ﴿۱﴾ جس عورت اور مرد نے لعان کیا ہو اور قاضی نے بچے کا نسب باپ سے نفی کرکے ماں سے ثابت کیا ہو تو اس بچے نے اگر کوئی جرم کیا تو اس کی عاقلہ اس کی ماں کی مددگار برادری ہوگی؛ کیونکہ اس بچے کا نسب اپنی ماں سے ثابت ہے باپ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کی عاقلہ اس کی ماں کی مددگار برادری ہوگی۔

پھر اگر ماں کی مددگار برادری نے اس بچے کی طرف سے دیت ادا کی پھر باپ نے اس بچے کے نسب کا دعوی کیا کہ: میرا بیٹا ہے تو ماں کی مددگار برادری نے جو کچھ ادا کیا ہے وہ باپ کی مددگار برادری سے واپس لے لیں گے، البتہ جس وقت قاضی اس کی

ماں کے عاقلہ کے لیے اس کے باپ کے عاقلہ کو دیت واپس دینے کا حکم دے اس وقت سے وہ تین سالوں میں یہ دیت واپس لیں گے کیونکہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ان کی دیت اس کے باپ کی مددگار برادری پر واجب تھی؛ کیونکہ جب اس کے لعان کرنے والے باپ نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو خود کو جھوٹا قرار دینے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس بچے کا نسب برابر اس کے اس باپ سے ثابت تھا اور جب اصل سے یہ بات ثابت اور ظاہر ہو گئی کہ نسب اسی سے ثابت ہے تو یہ صورت ہوئی کہ ماں کی مددگار برادری نے وہ دیت ادا کر دی جو بچے کے باپ کی مددگار برادری پر واجب تھی اس لیے یہ لوگ اس کے باپ کی مددگار برادری سے یہ دیت واپس لیں گے چونکہ یہ لوگ اس دیت کو ادا کرنے میں شریعت کی طرف سے مجبور تھے اور جو شخص شرعاً مجبور ہو کر دوسرے کی طرف سے کوئی تاوان ادا کر دے وہ اس سے واپس لینے کا مستحق ہوتا ہے۔

{۲} اسی طرح اگر کوئی مکاتب اس قدر مال چھوڑ کر مر جائے جس سے اس کا بدلِ کتابت ادا ہو سکتا ہے اور اس کا ایک آزاد بیٹا موجود ہے اور اب تک اس مکاتب کا مالِ کتابت ادا نہیں کیا گیا تھا کہ اس کے بیٹے نے ایسا جرم کیا جس سے دیت لازم آئی اور اس کی آزاد ماں کی قوم نے یہ دیت ادا کر دی پھر اس کے مکاتب باپ کا مالِ کتابت ادا کیا گیا تو اس کی ماں کی قوم یہ دیت اس کے باپ کی قوم سے واپس لے گی؛ کیونکہ مالِ کتابت ادا کرنے کے وقت ظاہر ہو گا کہ مذکورہ مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے پس آزادی کے وقت سے اس کی ولاء اس کے باپ کی قوم کی جانب منتقل ہو گی اور آزادی کا وقت مکاتب کی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جزء ہے پس ظاہر ہوا کہ ماں کی قوم نے ایسا مال ادا کیا ہے جو مجرم بچے کے باپ کی قوم پر واجب تھا پس ماں کی قوم والے اس مال کو مجرم کے باپ کی قوم والوں سے واپس لیں گے۔

{۳} اسی طرح اگر کسی مرد نے ایک بچے کو یہ حکم دیا کہ تو فلاں شخص کو قتل کر دو پس بچے نے اس کو قتل کر دیا پھر بچے کی مددگار برادری نے مقتول کی دیت ادا کی تو یہ لوگ اس دیت کو حکم دینے والے کی مددگار برادری سے واپس لیں گے بشرطیکہ اس کا بچے کو حکم دینا گواہوں کے ذریعہ سے ثابت ہو جائے، یا خود حکم دینے والے کے مال سے واپس لیں گے اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے حکم دیا تھا۔ پھر دونوں صورتوں میں جس وقت سے قاضی حکم دہندہ یا اس کی مددگاری برادری کو ادائیگی کا حکم کرے گا اسی وقت سے بچے کی مددگار برادری تین سالوں میں یہ دیت واپس لیں گے؛ کیونکہ آسانی دینے کے لیے تمام دیات کی ادائیگی میعادی ہے یعنی تین سال کی مدت میں واجب ہوتی ہیں۔

{۴} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں چند مسائل ہیں جن کو امام محمدؒ نے متفرق طور پر ذکر فرمایا ہے اور جس اصل پر یہ مسائل متفرع ہیں وہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے گا کہ اگر قاتل کا حال حکماً بدل گیا پس کسی امر جدید کی وجہ سے اس کی ولاء دوسرے ولاء کی

طرف منتقل ہوگئی تو قاتل کے عاقلہ سے اس کا جرم منتقل نہ ہوگا خواہ قاضی نے اس کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو مثلاً ایک غلام نے کسی قوم کی آزاد کردہ باندی کے ساتھ نکاح کیا جس سے اس کے بچے پیدا ہوئے تو بچوں کی ولاء ماں کی قوم کے لیے ہوگی اور اگر بچے نے جنایت کی تو اس کی جنایت ماں کی مددگار برادری پر ہوگی، پس جب انہوں نے اس تاوان کو برداشت کر دیا پھر باپ آزاد ہوگیا تو وہ اس جدید امر (عتق) کی وجہ سے بچوں کی ولاء اپنی طرف کھینچ لے گا مگر اس کی جنایت باپ کی طرف منتقل نہ ہوگی۔

{۵}اور اگر کوئی حالت پوشیدہ ظاہر ہوئی مثلاً ملاعنہ عورت کے بچے کے نسب کا ملاعن مرد نے دعویٰ کیا تو اس کا جرم اول عاقلہ سے منتقل ہوکر دوسرے عاقلہ پر لازم ہوگا خواہ قاضی نے اس کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو مثلاً ملاعنہ کے بچے نے کسی کو خطاءً قتل کر دیا جس کی دیت ماں کی برادری نے ادا کی پھر ملاعن نے اس بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور ماں کی برادری نے جو کچھ دیت اس کی طرف سے ادا کی ہے وہ باپ کی برادری سے واپس لے گی اور جس دن قاضی باپ کے عاقلہ پر حکم کرے گا اس دن سے تین سالوں میں لی جائے گی۔

{۶}اور اگر مجرم کا حال نہیں بدلا البتہ مددگار برادری بدل گئی تو اس بارے میں قاضی کی قضاء کا وقت معتبر ہوگا پس اگر قاضی نے اول عاقلہ پر حکم دیدیا ہو تو یہ دیت دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ اور اگر قاضی نے اس دیت کا حکم اول عاقلہ پر نہ دیا ہو تو اب دیت کا حکم دوسرے عاقلہ پر جاری کرے گا مثلاً قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور اس کے لیے کوفہ میں عطیہ مقرر ہو مگر اب تک قاضی نے دیت کا حکم اس کے عاقلہ پر نہیں کیا ہے کہ اس کا دیوان بصرہ کی طرف منتقل ہوگیا تو اب قاضی اس کی دیت کا حکم اس کے بصرہ کے عاقلہ پر کرے گا۔

{۷}اور اگر مددگار برادری ایک ہو مگر اس میں لوگوں کی کمی یا زیادتی ہوگئی مثلاً ان میں سے کوئی مر گیا یا ان میں نابالغ بچہ بالغ ہوگیا تو یہ سب اس جرمانہ کے حکم میں مشترک ہو جائیں گے خواہ یہ واقعہ قاضی کی قضاء کے بعد ہو یا قاضی کے حکم سے پہلے ہو، البتہ دیت کا وہ جزء جس کی ادائیگی اب تک ہو چکی ہو اس میں سب شریک نہ ہوں گے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے تامل کے ساتھ اس اصل کو محکم کر لیا تو اس کے جو نظائر اور اضداد اس پر پیش آئیں گے وہ ان کے احکام نکال سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْوَصَايَا

یہ کتاب وصیتوں کے بیان میں ہے۔

"وصایا" جمع ہے "وصیۃ" کی، اور "وصیۃ" اسم بمعنی المصدر ہے پھر موصی بہ کو وصیت کا نام دیا گیا۔ اور اصطلاح شریعت میں وصیت "تملیک ہے جو موت کے بعد کی طرف بطریق تبرع مضاف ہو خواہ تملیکِ عین ہو یا تملیکِ دین یا تملیکِ منافع ہو۔

وصیت کرنے والے کو "موصی" کہتے ہیں اور جس کو وصیت کی جائے اس کو "وصی" اور "موصیٰ الیہ" کہتے ہیں اور جس کے لیے وصیت کی جائے اس کو "موصیٰ لہ" اور جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو "موصیٰ بہ" کہتے ہیں۔

وصیت کی چند شرطیں ہیں (1) موصی کو یہ اہلیت حاصل ہو کہ وہ کسی پر تبرع اور احسان کر سکتا ہو (2) موصی مقروض نہ ہو (3) بوقتِ وصیت موصی لہ زندہ ہو اگرچہ وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا ہو (4) موصی لہ موصی کا وارث نہ ہو (5) موصی لہ موصی کا قاتل نہ ہو (6) موصی بہ چیز قابلِ تملیک ہو (7) ترکہ کی تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ ہو۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عموماً انسان موت کے وقت وصیت کرتا ہے اور موت انسان کا آخری مرحلہ ہے اس لیے مصنف زندگی کے تمام معاملات بیان کرنے کے بعد آخر میں وصیت کو بیان فرمایا ہے۔

بَابٌ فِي صِفَةِ الْوَصِيَّةِ مَا يَجُوزُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْهُ وَمَا يَكُونُ رُجُوعًا عَنْهُ

یہ باب وصیت کی صفت کے بیان میں ہے جو جائز ہے اس میں سے، جو مستحب ہے اس میں سے اور جو رجوع شمار ہوتا ہے اس سے۔

(1) قَالَ : الْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ ؛ وَالْقِيَاسُ يَأْبَى جَوَازَهَا لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ

فرمایا: وصیت واجب نہیں ہے اور وہ مستحب ہے اور قیاس انکار کر رہا ہے اس کے جواز کا؛ کیونکہ یہ ایسی تملیک ہے جو منسوب ہے

إِلَى حَالِ زَوَالِ مَالِكِيَّتِهِ ، وَلَوْ أُضِيفَ إِلَى حَالِ قِيَامِهَا بِأَنْ قِيلَ مَلَّكْتُكَ غَدًا

موصی کی مالکیت کے زوال کی حالت کی طرف، اور اگر منسوب کر دیا جائے قیام ملکیت کی طرف بایں طور کہ کہا جائے: میں نے تجھے مالک کیا کل کے دن

كَانَ بَاطِلًا فَهَذَا أَوْلَى ، إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَّاهُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهَا ، فَإِنَّ الْإِنْسَانَ

تو باطل ہے، تو یہ بطریقۂ اولیٰ باطل ہوگی، لیکن ہم نے مستحسن قرار دیا اس کو لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اس کی طرف؛ کیونکہ انسان

مَغْرُورٌ بِأَمَلِهِ مُقَصِّرٌ فِي عَمَلِهِ ، فَإِذَا عَرَضَ لَهُ الْمَرَضُ وَخَافَ الْبَيَانَ

دھوکہ کھاجاتا ہے اپنی امید کی وجہ سے اور کوتاہی کرتا ہے اپنے عمل میں، پھر جب پیش آئے اس کو مرض اور گھبرا جاتا ہے موت سے

يَحْتَاجُ إِلَى تَلَافِي بَعْضِ مَا فَرَّطَ مِنْهُ مِنَ التَّفْرِيطِ بِمَالِهِ عَلَى وَجْهٍ لَوْ مَضَى فِيهِ

تو وہ محتاج ہوتا ہے ان بعض کوتاہیوں کی تلافی کو جو ماضی میں وہ کر چکا ہے اپنے مال سے اس طور پر کہ اگر وہ انتقال کر گیا اس مرض میں

يَتَحَقَّقُ مَقْصَدُهُ الْمَآلِيُّ ، وَلَوْ أَنْهَضَهُ الْبُرْءُ يَصْرِفُهُ إِلَى مَطْلَبِهِ الْحَالِيِّ

تو محقق ہو جائے گا اس کا مقصدِ اخروی، اور اگر کھڑا کر دیا اس کو تندرستی نے تو وہ خرچ کرے گا اس کو اپنے دنیاوی مقصد میں،

وَفِي شَرْعِ الْوَصِيَّةِ ذَلِكَ فَشَرَعْنَاهُ ، وَمِثْلُهُ فِي الْإِجَارَةِ بَيَّنَّاهُ ، {۲}وَقَدْ تَبْقَى

اور وصیت کی مشروعیت میں یہ مقصد ہے، پس ہم نے مشروع قرار دیا اس کو، اور اس کا مثل اجارہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور کبھی باقی رہتی ہے

الْمَالِكِيَّةُ بَعْدَ الْمَوْتِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ كَمَا فِي قَدْرِ التَّجْهِيزِ وَالدَّيْنِ ، وَقَدْ نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى

مالکیت موت کے بعد حاجت کے اعتبار سے جیسے تجہیز اور دین کی مقدار میں، اور تصریح کی ہے اس کی کتاب اللہ نے اور وہ باری تعالیٰ قول ہے

{ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ } وَالسُّنَّةُ وَهُوَ قَوْلُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَصَدَّقَ

"یہ حصے اس وصیت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد ہیں جو وہ کر جاتا ہے"، اور سنت نے اور وہ حضورؐ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے صدقہ فرمایا ہے

عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ فِي آخِرِ أَعْمَارِكُمْ زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ تَضَعُونَهَا

تم پر تمہارے اموال کے ثلث کے ذریعہ تمہاری آخری عمروں میں؛ تاکہ اضافہ ہو جائے تمہارے لیے تمہارے اعمال میں، تم خرچ کرو اس کو

حَيْثُ شِئْتُمْ }أَوْقَالَ {حَيْثُ أَحْبَبْتُمْ } وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ .ثُمَّ تَصِحُّ لِلْأَجْنَبِيِّ فِي الثُّلُثِ مِنْ غَيْرِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ

جہاں تم چاہو، یا کہا جہاں تم پسند کرتے ہو" اور اسی پر امت کا اجماع ہے، پھر صحیح ہے اجنبی کے لیے ثلث میں ورثہ کی اجازت کے بغیر

لِمَا رَوَيْنَا ، وَسَنُبَيِّنُ مَا هُوَ الْأَفْضَلُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . {۳}قَالَ : وَلَا تَجُوزُ

اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور ہم عنقریب بیان کریں گے وہ جو افضل ہے وصیت میں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: اور جائز نہیں

بِمَازَادَعَلَى الثُّلُثِ ،لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ { الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ }

اتنی جو زائد ہو ثلث سے؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں: "ثلث کی وصیت کرو، اور ثلث کثیر ہے"

بَعْدَ مَا نَفَى وَصِيَّتَهُ بِالْكُلِّ وَالنِّصْفِ ،{۴}وَلِأَنَّهُ حَقُّ الْوَرَثَةِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ انْعَقَدَ سَبَبُ الزَّوَالِ

بعد اس کے کہ آپ نے نفی کی کل اور نصف کی وصیت کی، اور اس لیے کہ مال ورثہ کا حق ہے، اور یہ اس لیے کہ منعقد ہوا ہے سبب زوال

إليهم وَهُوَ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ الْمَالِ فَأَوْجَبَ تَعَلُّقَ حَقِّهِمْ بِهِ ، إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يُظْهِرْهُ

ان کی طرف، اور وہ اس کا استغناء ہے مال سے، پس اس نے واجب کیا ان کے حق کا تعلق اس مال کے ساتھ، البتہ شریعت نے ظاہر نہیں کیا ہے اس کو

فِي حَقِّ الْأَجَانِبِ بِقَدْرِ الثُّلُثِ لِيَتَدَارَكَ تَقْصِيرَهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَأَظْهَرَهُ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ لِأَنَّ

اجانب کے حق میں ثلث کے بقدر؛ تاکہ وہ تدارک کرے اپنی کوتاہی کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو، اور ظاہر کر دیا ورثہ کے حق میں؛ کیونکہ

الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ تَحَرُّزًا عَمَّا يَتَّفِقُ مِنَ الْإِيثَارِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ،

ظاہر یہ ہے کہ وہ صدقہ نہیں کریں گے اس مال کو ان پر؛ تاکہ بچ جائے اتفاقاً واقع ہونے والے ایثار سے جیسا کہ ہم بیان کریں گے اس کو،

وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيثِ{ الْحَيْفُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ} وَفَسَّرُوهُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ وَبِالْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ

اور حدیث میں آیا ہے "وصیت میں ظلم کرنا اکبر الکبائر ہے" اور علماء نے اس کی تفسیر ثلث سے زیادہ سے اور وارث کے لیے وصیت کرنے سے

{5} قَالَ : إِلَّا أَنْ يُجِيزَهُ الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَهُمْ كِبَارٌ ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَهُمْ أَسْقَطُوهُ

فرمایا: مگر یہ کہ اجازت دیں ورثہ اس کے موت کے بعد اس حال میں کہ وہ بڑے ہوں؛ کیونکہ امتناع ان کے حق کی وجہ سے ہے اور انہوں نے ساقط کر دیا اپنے حق کو

وَلَا مُعْتَبَرَ بِإِجَازَتِهِمْ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ؛ لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوتِ الْحَقِّ إِذِ الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ

اور معتبر نہیں ہے ان کی اجازت اس کی زندگی میں؛ کیونکہ یہ ثبوتِ حق سے پہلے ہے؛ اس لیے کہ حق ثابت ہوتا ہے موت کے وقت،

فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّهُ بَعْدَ ثُبُوتِ الْحَقِّ فَلَيْسَ لَهُمْ

پس ان کو حق ہے کہ رد کر دے اس کو اس کی وفات کے بعد۔ بر خلاف موت کے بعد؛ کیونکہ یہ ثبوتِ حق کے بعد ہے، پس نہیں ہے ان کو حق

أَنْ يَرْجِعُوا عَنْهُ ، لِأَنَّ السَّاقِطَ مُتَلَاشٍ . {6}غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُ يُسْتَنَدُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ ، لَكِنَّ

کہ رجوع کریں اس سے؛ کیونکہ ساقط شدہ چیز معدوم ہو جاتی ہے، انتہائی بات یہ کہ ورثہ کا حق منسوب ہو جائے گا اجازت کے وقت، لیکن

الِاسْتِنَادَ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْقَائِمِ وَهَذَا قَدْ مَضَى وَتَلَاشَى .{7}وَلِأَنَّ الْحَقِيقَةَ تَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَقَبْلَهُ

استناد ظاہر ہو جاتا ہے حق موجود میں، جبکہ یہ تو گذر کر معدوم ہو چکی ہے۔ اور اس لیے کہ حقیقت ثابت ہوتی ہے موت کے وقت اور اس سے پہلے

يَثْبُتُ مُجَرَّدُ الْحَقِّ ، فَلَوِ اسْتَنَدَ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ يَنْقَلِبُ حَقِيقَةً قَبْلَهُ ، وَالرِّضَا بِبُطْلَانِ الْحَقِّ لَا يَكُونُ

ثابت ہوتا ہے فقط حق، پس اگر منسوب ہو جائے ہر اعتبار سے تو حق حقیقت بن جائے گا موت سے پہلے، اور بطلان حق کی رضامندی نہیں ہوتی ہے

رِضًا بِبُطْلَانِ الْحَقِيقَةِ وَكَذَا إِنْ كَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ وَأَجَازَهُ الْبَقِيَّةُ فَحُكْمُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ.

بطلان حقیقت کی رضامندی۔ اور اسی طرح اگر وصیت وارث کے لیے ہو اور اجازت دی باقی وارثوں نے تو اس کا حکم وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے

{۸} وَكُلُّ مَا جَازَ بِإِجَازَةِ الْوَارِثِ يَتَمَلَّكُهُ الْمُجَازُ لَهُ مِنْ قِبَلِ الْمُوصِي عِنْدَنَا ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ

اور ہر وہ تصرف جو جائز ہو وارث کی اجازت سے مالک ہو جاتا ہے مجاز لہ موصی کی طرف سے ہمارے نزدیک۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک

مِنْ قِبَلِ الْوَارِثِ ، وَالصَّحِيحُ قَوْلُنَا لِأَنَّ السَّبَبَ صَدَرَ مِنَ الْمُوصِي ، وَالْإِجَازَةُ رَفْعُ الْمَانِعِ

وارث کی طرف سے ، اور صحیح ہمارا قول ہے ؛ کیونکہ سبب صادر ہوا ہے موصی کی طرف سے اور اجازت ختم کرنا ہے مانع کو،

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِهِ الْقَبْضُ فَصَارَ كَالْمُرْتَهِنِ إِذَا أَجَازَ بَيْعَ الرَّاهِنِ .

اور اس کے لیے شرط نہیں ہے قبضہ، اور ہو گیا جیسے مرتہن جب اجازت دے راہن کی بیع کی۔

تشریح:۔ {۱} وصیت واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو؛ کیونکہ موصی وصیت کے ذریعہ ایسے وقت (موت کے وقت) میں موصی لہ کو موصی بہ چیز کا مالک بناتا ہے جس وقت کہ اس کی مالکیت زائل ہو جاتی ہے حالانکہ اگر وہ اپنے مالک ہونے کی حالت میں آئندہ زمانے کی جانب مضاف کر کے یوں کہے کہ میں نے تجھے کل کے دن اس چیز کا مالک بنایا تو یہ باطل ہوتا ہے پس اپنی ملکیت زائل ہونے کے بعد موصی لہ کو مالک کرنا بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا، لیکن ہم نے اس قیاس کو چھوڑ دیا اور استحساناً وصیت کو جائز رکھا؛ وجہ استحسان یہ ہے کہ لوگوں کو وصیت کی حاجت ہے ؛ کیونکہ آدمی اپنی زندگی کی اُمیدوں پر دھوکہ میں ہوتا ہے اور مال کے ذریعہ سے نیکی کمانے سے غافل اور قاصر ہوتا ہے پھر جب اس کو کوئی مرض لاحق ہو جائے اور وہ موت سے ڈر جائے تو اس کو حاجت ہوتی ہے کہ اس نے جو کوتاہی کی ہے تو مال کے ذریعہ ایسے طور پر اس کی تلافی کرے کہ اگر وہ مر کر یہ تلافی پوری ہو جائے تو اس کا یہ اخروی مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر وہ تندرست ہو کر اٹھ جائے تو وہ اس مال کو فی الحال کی اپنی دنیوی ضرورت میں صرف کرے اور وصیت کے مشروع ہونے میں یہ اخروی اور دنیوی مقصد پورا ہو جاتا ہے اس لیے ہم نے وصیت کو مشروع قرار دیا، اسی طرح ہم نے اجارہ میں بیان کیا کہ اجارہ میں بھی منافع معدوم ہوتے ہیں تو قیاس اس کے جواز کا مقتضی نہیں ہے، لیکن بنابر ضرورت ہم نے اس کو جائز قرار دیا پس اسی ضرورت کی وجہ سے یہاں بھی ہم نے وصیت کو جائز قرار دیا۔

{۲} باقی قیاس کا مدار چونکہ اس پر ہے کہ موت کے بعد اس کی ملکیت نہیں رہتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے بعد بھی بنابر ضرورت ملکیت باقی رہتی ہے جیسے میت کے ترکہ میں تجہیز اور تکفین کے بقدر اور میت کے قرضہ کے بقدر میت کی ملکیت

باقی رہتی ہے۔اور جوازِ وصیت کی قرآن مجید نے بھی تصریح کی ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ[1]﴾(یہ
ے اس وصیت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد ہیں جو وہ کرجاتا ہے)۔اور وصیت کا جواز سنت سے بھی ثابت ہے چنانچہ
ضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے تمہارے اموال کا ثلث تمہاری عمروں کے آخر میں تاکہ تمہارے اعمال
میں زیادتی ہو اس کو تم جہاں چاہو یا جہاں پسند کرو وہاں صرف کرو[2]" جس میں جوازِ وصیت کی تصریح ہے۔نیز جوازِ وصیت پر امت
کا اجماع ہے اس لیے وصیت خلافِ قیاس جائز ہے۔پھر اجنبی شخص کے لیے مذکورہ وصیت ترکہ کے ایک ثلث تک ورثہ کی اجازت
کے بغیر مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے صحیح ہے،پھر وصیت میں جو طریقہ افضل ہے ہم اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کرتے ہیں۔

﴿۳﴾ترکہ کے ثلث سے زیادہ جس قدر ہو اس کی وصیت جائز نہیں ہے؛کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی
وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا کہ "ثلث کو کم نہ سمجھو حالانکہ ثلث بہت ہے،یہ اس وقت فرمایا جب آپ نے کل مال اور نصف مال کی
اجازت کی نفی فرمائی[3]" یعنی جب حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے کل یا نصف مال کی وصیت کی اجازت چاہی تو آپ نے اس
پر انکار فرمایا پھر ثلث تک کی اجازت دی بلکہ فرمایا کہ ثلث بھی بہت ہے اس لیے ثلث سے زیادہ وصیت جائز نہیں ہے۔

﴿۴﴾دوسری دلیل یہ ہے کہ مالِ ترکہ وارثوں کا حق ہے وجہ یہ ہے کہ میت کی موت سے ایسا سبب پایا گیا جس سے موصی کی
ملکیت باطل ہو کر وارثوں کی ملکیت ثابت ہو گئی اور وہ سبب یہ ہے کہ موصی اب اس مال سے مستغنی ہو گیا لہذا لازمی ہوا کہ وارثوں کا حق
اس مال کے ساتھ متعلق ہو،البتہ شریعت نے اجنبی شخص کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں وارثوں کی ملکیت کو ترکہ کے ایک
ثلث تک مؤثر نہیں رکھا تاکہ میت سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی ہو چنانچہ ہم اس کو سابق میں بیان کر چکے ہیں،اور وارثوں
کے حق میں وصیت کرنے کی صورت میں ترکہ کے ثلث تک بھی اس کو مؤثر رکھا پس ان کے لیے مطلقاً وصیت کو صحیح نہیں
قرار دیا؛کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ میت اس ثلث کو ان پر صدقہ نہیں کرے گا تاکہ اس سے جو اتفاقی بعض وارثوں کو ترجیح دینا لازم
آتا ہے اس سے بچا جا سکے چنانچہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کریں گے کہ بعض وارثوں کو ترجیح دینا ظلم ہے اور حدیث شریف میں

([1])النساء:11.

([2])أخرجه ابن ماجة في سننه عن طلحة بن عمرو المكي عن عطاء بن أبي رباح عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله تصدق عليكم عند وفاتكم، بثلث أموالكم، زيادة لكم في أعمالكم".(نصب الراية:5ص214)

([3])قلت: أخرجه الأئمة الستة في كتبهم عن سعد بن أبي وقاص، قال: قلت: يا رسول الله إن لي مالا كثيرا، وإنما يرثني ابنتي، أفأوصي بمالي كله؟ قال: "لا"، قال: فبالثلثين؟ قال: "لا"، قال: فالنصف؟ قال: "لا"، قال: فبالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثير، إن صدقتك من مالك صدقة، وإن نفقتك على عيالك صدقة، وإن ما تأكل امرأتك من مالك صدقة، وإنك أن تدع أهلك بخير"، أو قال: "بعيش، خير من أن تدعهم يتكففون الناس".(نصب الراية:5ص216)

آیا ہے کہ وصیت میں ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے [1] اور فقہاء نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ ترکہ کے ثلث سے زیادہ وصیت کرے یا وارث کے لیے وصیت کرے۔

﴿۵﴾ لیکن اگر ثلث سے زائد وصیت کرنے کی صورت میں موصی کی موت کے بعد وارثوں نے اس کی اجازت دی تو جائز ہے بشرطیکہ تمام وارث بالغ ہوں؛ کیونکہ ایک ثلث سے زائد انہیں لوگوں کے حق کی وجہ سے ممتنع تھا تو جب انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا تو جائز ہے؛ کیونکہ حقدار کو اپنا حق چھوڑ دینے کا اختیار ہوتا ہے۔ اور اگر وارثوں نے موصی کی زندگی میں اجازت دے دی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ کیونکہ یہ اجازت ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوئی؛ اس لیے کہ ان کا حق تو موصی کی موت کے وقت ثابت ہوگا لہٰذا یہ اجازت بے محل ہے اس لیے لغو ہے۔ اور جب اجازت لغو ہے تو ان کو اختیار رہے گا کہ موصی کی موت کے بعد اپنی اجازت کو رد کر دیں۔ اس کے برخلاف اگر انہوں نے موصی کی موت کے بعد اجازت دی تو یہ اجازت معتبر ہے؛ کیونکہ یہ اجازت ان کا حق ثابت ہونے کے بعد ہے اسی لیے ان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اجازت دینے کے بعد اس سے پھر جائیں؛ کیونکہ انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا اور ساقط معدوم ہو جاتا ہے اور معدوم میں رجوع نہیں کیا جا سکتا ہے۔

﴿۶﴾ اگر کہا جائے کہ یہ اجازت ساقط کیسی ہے حالانکہ ورثہ کا حق اس کے مال میں شروع مرض سے ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ مریض ورثہ کے حق کی وجہ سے اس مال میں تصرف نہیں کر سکتا ہے البتہ ان کا یہ حق مریض کی موت تک موقوف ثابت ہے پس جب مریض مر جائے تو ان کا وہ حق ظاہر ہو جاتا ہے جو شروع مرض سے ثابت تھا لہٰذا ان کی یہ اجازت بے محل نہیں ہے؛ کیونکہ ان کا حق شروع مرض سے ہے پس یہ ایسا ہے گویا ورثہ نے مورث کی موت کے بعد اجازت دی ہے؟ جواب یہ ہے کہ وارثوں کا حق اگرچہ میت کے ابتداء مرض ہی سے اس مال کے ساتھ متعلق ہوا ہے لیکن ان کی اجازت صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ان کو تصرف کا اختیار نہیں ہے، غایۃ الامر یہ کہ ان کا حق اجازت کے وقت شروع مرض کی طرف منسوب ہو کر ثابت ہوتا ہے لیکن استناد تو امر موجود کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے حالانکہ موت سے پہلے جو اجازت تھی وہ تو گذر کر ختم ہو گئی پس ان کی اجازت اس کی زندگی میں واقع ہوئی ہے اور جو باطل واقع ہو جائے وہ بذات خود قائم نہیں ہوتا ہے لہٰذا استناد کے حق میں بھی ظاہر نہ ہوگا۔

﴿۷﴾ دوسری دلیل یہ ہے کہ ورثہ کی حقیقی ملک تو موصی کی موت کے وقت ثابت ہوگی اور موت سے پہلے فقط حق ثابت تھا پس اگر ہر طرح سے شروع مرض کی طرف منسوب ہو تو یہ حق بدل کر موت سے پہلے ہی حقیقی ملک ہو جائے گا حالانکہ یہ باطل

([1]) قلت: غريب، وأخرجه الدارقطني في سننه3 عن عمر بن المغيرة عن داود بن أبي هند عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "الإضرار في الوصية من الكبائر"(نصب الراية:5ص217)

ہے، کیونکہ یہ خلاف موضوع ہے لہٰذا موت سے پہلے یہ فقط حق ہے، اور اگر کوئی شخص اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہو تو یہ حقیقی مِلک
باطل کرنے پر رضامندی نہ ہوگی یعنی مورث کی زندگی میں وارثوں کو مال ترکہ میں صرف حق حاصل تھا اور انہوں نے موصی لہ کے
لیے مقدار وصیت میں اجازت دے کر اپنا حق باطل کر دیا لیکن ابھی حقیقی مِلک نہیں ہے پس جب تک حق مِلک تھا اس وقت تک
رضامندی موجود تھی اور موصی کی موت کے بعد جب ان کو حقیقی ملک حاصل ہوئی تو پہلی رضامندی کافی نہ ہوگی؛ کیونکہ شاید وہ فقط حق
باطل کرنے تک راضی ہوں اس سے آگے حقیقی مِلک باطل کرنے پر راضی نہ ہوں۔

اسی طرح اگر مورث نے اپنے وارث کے لیے کچھ وصیت کی اور باقی وارثوں نے اجازت دیدی تو اس اجازت کا حکم بھی وہی
ہے جو ہم نے اجنبی کے حق میں بیان کیا کہ مورث کی موت سے پہلے اجازت معتبر نہیں ہے اور مورث کی موت کے بعد معتبر ہے۔

{8} اور جو وصیت وارث کی اجازت سے جائز ہوئی ہے موصی لہ کو اس کی ملکیت ہمارے نزدیک موصی کی جانب سے
حاصل ہوئی ہے یعنی اصل مِلک موصی ہی کی جانب سے ہے اور وارثوں کی اجازت فقط شرط ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک موصی لہ
کو ملکیت بھی وارثوں ہی کی جانب سے حاصل ہوگی، مگر ہمارا قول ہی صحیح ہے؛ کیونکہ وصیت جو موصی لہ کی مِلک کا سبب ہے وہ موصی ہی
سے صادر ہوئی ہے اور وارثوں کی اجازت تو فقط روک اور مانع کو دور کرنا ہے لہٰذا ان کی اجازت موصی کی مِلک سے خروج کا سبب نہیں بلکہ
فقط مانع کو دور کرنا ہے۔

{9} اور وصیت صحیح ہونے کے لیے موصی لہ کا موصی بہ پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے اور یہ ایسا ہے جیسے راہن نے مال مرہون
فروخت کیا اور مرتہن نے اس کی اجازت دی تو مشتری کو راہن ہی کی جانب سے ملکیت حاصل ہوتی ہے مرتہن کی جانب سے حاصل
نہیں ہوتی ہے اگرچہ مرتہن کی اجازت شرط ہے۔

{1} قَالَ: وَلَا يَجُوزُ لِلْقَاتِلِ عَامِدًا كَانَ أَوْ خَاطِئًا بَعْدَ أَنْ كَانَ مُبَاشِرًا ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { لَا وَصِيَّةَ
فرمایا: اور جائز نہیں ہے قاتل کے لیے خواہ وہ عامد ہو یا خاطی ہو بعد اس کے کہ وہ مباشر ہو؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "وصیت نہیں ہے
لِلْقَاتِلِ } وَلِأَنَّهُ اسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَيُحْرَمُ الْوَصِيَّةَ كَمَا
قاتل کے لیے" اور اس لیے کہ اس نے جلدی حاصل کرنا چاہا وہ جس کو مؤخر کر دیا ہے اللہ تعالیٰ، پس محروم کیا جائے گا وصیت سے جیسا کہ
يُحْرَمُ الْمِيرَاثَ . {2} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَجُوزُ لِلْقَاتِلِ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أَوْصَى لِرَجُلٍ
محروم کیا جاتا ہے میراث سے۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے جائز ہے قاتل کے لیے، اور اسی اختلاف پر ہے جب وصیت کرے کسی شخص کے لیے

أَنَّ [illegible] الْمُوصِيَ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ عِنْدَنَا ، وَعِنْدَهُ لَا تَبْطُلُ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ فِي النَّوْعَيْنِ

پھر اس نے قتل کر دیا موصی کو، تو باطل ہو جائے گی وصیت ہمارے نزدیک، اور ان کے نزدیک باطل نہ ہوگی، اور حجت ان پر دونوں صورتوں میں

مَا بَيَّنَّاهُ ﴿۳﴾ وَلَوْ أَجَازَتْهَا الْوَرَثَةُ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے۔ اور اگر قاتل کے لیے وصیت کی اجازت دی ورثہ نے تو جائز ہے طرفینؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے

لَا تَجُوزُ ؛ لِأَنَّ جِنَايَتَهُ بَاقِيَةٌ وَالِامْتِنَاعُ لِأَجْلِهَا .وَلَهُمَا أَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ

جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی جنایت باقی ہے اور امتناع اسی کی وجہ سے ہے۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ امتناع وصیت ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے

لِأَنَّ نَفْعَ بُطْلَانِهَا يَعُودُ إلَيْهِمْ كَنَفْعِ بُطْلَانِ الْمِيرَاثِ ، وَلِأَنَّهُمْ لَا يَرْضَوْنَهَا لِلْقَاتِلِ

کیونکہ اس کے بطلان کا نفع ان کی طرف لوٹتا ہے جیسے بطلان میراث کا نفع، اور اس لیے کہ وہ پسند نہیں کریں گے وصیت کو قاتل کے لیے

كَمَا لَا يَرْضَوْنَهَا لِأَحَدِهِمْ . ﴿۴﴾ قَالَ : وَلَا تَجُوزُ لِوَارِثِهِ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

جیسا کہ وہ پسند نہیں کرتے ہیں اپنوں میں سے کسی ایک کے لیے۔ فرمایا: اور وصیت جائز نہیں ہے اپنے وارث کے لیے؛ کیونکہ حضورﷺ کا ارشاد ہے

{ إنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ ، أَلَا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ } وَلِأَنَّهُ يَتَأَذَّى الْبَعْضُ

"اللہ تعالیٰ نے دیدیا ہے ہر حقدار کو اس کا حق، آگاہ رہو کہ وصیت نہیں ہے وارث کے لیے" اور اس لیے کہ تکلیف اٹھائیں گے بعض

بِإِيثَارِ الْبَعْضِ فَفِي تَجْوِيزِهِ قَطِيعَةُ الرَّحِمِ وَلِأَنَّهُ حَيْفٌ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ

دیگر بعض کو ترجیح دینے سے پس اس کو جائز قرار دینے میں قطع رحمی ہے، اور اس لیے کہ یہ ظلم ہے اس حدیث کی رو سے جو ہم روایت کر چکے

﴿۵﴾ وَيُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ وَقْتَ الْمَوْتِ لَا وَقْتَ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ

اور معتبر ہے اس کا وارث یا غیر وارث ہونا موت کے وقت، نہ کہ وصیت کے وقت؛ کیونکہ وہ ایسی تملیک ہے جو منسوب ہے مابعد الموت کی طرف

وَحُكْمُهُ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ .وَالْهِبَةُ مِنْ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ فِي هَذَا نَظِيرُ الْوَصِيَّةِ ؛ لِأَنَّهَا

اور اس کا حکم ثابت ہوتا ہے موت کے بعد، اور ہبہ مریض کی طرف سے وارث کے لیے اس میں وصیت کی نظیر ہے؛ کیونکہ ہبہ

وَصِيَّةٌ حُكْمًا حَتَّى تَنْفُذَ مِنْ الثُّلُثِ ، وَإِقْرَارُ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ عَلَى عَكْسِهِ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي الْحَالِ

حکماً وصیت ہے حتی کہ نافذ ہوتا ہے ثلث سے، اور مریض کا اقرار وارث کے لیے اس کے برعکس ہے؛ کیونکہ یہ فوری تصرف ہے،

فَيُعْتَبَرُ ذَلِكَ وَقْتَ الْإِقْرَارِ . ﴿۶﴾ قَالَ : إلَّا أَنْ تُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ ؛ وَيُرْوَى هَذَا الِاسْتِثْنَاءُ فِيمَا رَوَيْنَاهُ

پس معتبر ہوگا یہ اقرار کے وقت۔ فرمایا: مگر یہ کہ اجازت دے اس کی ورثہ، اور مروی ہے یہ استثناء اس حدیث میں جو ہم روایت کر چکے،

وَلِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ فَتَجُوزُ بِإِجَازَتِهِمْ ؛ وَلَوْ أَجَازَ بَعْضٌ وَرَدَّ بَعْضٌ

اور اس لیے کہ امتناع ان کے حق کی وجہ سے ہے پس جائز ہوگی ان کی اجازت سے، اور اگر اجازت دی بعض نے اور رد کر دی بعض نے،

تَجُوزُ عَلَى الْمُجِيزِ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ لِوِلَايَتِهِ عَلَيْهِ وَبَطَلَ فِي حَقِّ الرَّادِّ.

تو جائز ہو جائے گی اجازت دینے والے پر اس کے حصے کے بقدر؛ بوجہ ولایت کے اپنے اوپر، اور باطل ہوگی رد کرنے والے کے حق میں۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ موصی کو قتل کرنے والے قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہے بشرطیکہ قتل اس کے ہاتھ سے صادر ہوا ہو خواہ عمداً صادر ہوا ہو یا خطاء ہو؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "قاتل کے لیے وصیت نہیں ہے"۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قاتل نے اس چیز کے لینے میں جلدی کی جو اللہ نے اس کے لیے دیر میں رکھی تھی یعنی اس کو موصی یہ چیز موصی کی موت کے بعد ملنی تھی مگر اس نے موصی کو قتل کر کے اسے جلدی لینا چاہا تو وصیت سے محروم ہو جائے گا جیسے قاتل قتل کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

﴿۲﴾ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاتل کے لیے وصیت جائز ہے؛ کیونکہ قاتل اجنبی ہے اور اجنبی کے لیے وصیت جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے لیے وصیت کی گئی پھر اس نے اپنے موصی کو قتل کیا تو ہمارے نزدیک وصیت باطل ہو جائے گی، اور امام شافعیؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگی اور جو دلیل ہم نے اوپر بیان کی وہی دونوں صورتوں میں امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

﴿۳﴾ اگر قاتل کے لیے کی گئی وصیت کو وارثوں نے جائز رکھا تو طرفینؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا جرم ابھی باقی ہے اور اس کا وصیت سے محروم ہونا اسی جرم کی وجہ سے تھا لہٰذا وارثوں کی اجازت سے یہ وصیت جائز نہ ہوگی۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا امتناع وارثوں کے حق کی وجہ سے تھا؛ کیونکہ وصیت باطل ہونے کا نفع انہیں کو پہنچتا ہے جیسے میراث باطل ہونے کا نفع ان کو پہنچتا ہے لہٰذا ان کی اجازت سے وصیت جائز ہو جائے گی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ورثہ قاتل کے حق میں وصیت کرنے پر راضی نہ ہوں گے جیسے کسی وارث کے حق میں وصیت کرنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں لیکن ورثہ اگر کسی ایک وارث کے لیے وصیت پر راضی ہو جائیں تو وصیت جائز ہو جائے گی اسی طرح قاتل کے لیے بھی ورثہ کی رضامندی سے وصیت جائز ہو جائے گی۔

(۱) أخرجه الدارقطني في الأقضية عن مبشر بن عبيد عن الحجاج بن أرطاة عن الحكم بن عتيبة عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس لقاتل وصية" (نصب الراية: 5ص217)

...طرفین کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول الطرفین۔ قال العلامة ... ولو اوصی ... ان اجازت الورثة و الا فلا فی قول ابی حنیفة ومحمد، وقال ابو یوسف وزفر لا یجوز وان اجازت الورثة (القول الراجح: 2ص371)

﴿۴﴾ موصی کا اپنے وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، خبردار! کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے" جس میں وارث کے لیے وصیت جائز نہ ہونے کی تصریح ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کسی ایک وارث کے لیے وصیت کرکے اس کو دیگر ورثہ پر ترجیح دینے سے دوسرے ورثہ تکلیف محسوس کریں گے پس کسی ایک کے لیے وصیت جائز قرار دینے میں قطع رحمی ہے اور قطع رحمی حرام ہے تو جو اس کا سبب ہوگا وہ بھی حرام ہوگا اس لیے وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کی رُو سے ظلم ہے جو حدیث اس سے پہلے ہم روایت کرچکے۔

﴿۵﴾ پھر واضح رہے کہ کسی شخص کا موصی کا وارث یا غیر وارث ہونا موصی کی موت کے وقت معتبر ہے وصیت کے وقت وارث ہونا معتبر نہیں ہے؛ کیونکہ یہ ایسی تملیک ہے جو موت کے بعد کی طرف منسوب ہوتی ہے اور موت کے بعد اس کا حکم ثابت ہوتا ہے تو ثبوتِ حکم کا وقت معتبر ہوگا نہ کہ اس سے پہلے کا وقت۔

واضح رہے کہ مرض الموت میں مبتلا مریض نے اگر اپنے وارث کے لیے کوئی چیز ہبہ کردی تو یہ وصیت کی نظیر ہے کہ واہب کی موت کے وقت وارث ہونہ کہ اس سے پہلے؛ کیونکہ یہ ہبہ بھی حکماً وصیت ہے حتیٰ کہ واہب کے ترکہ کے فقط ایک ثلث سے نافذ کیا جاتا ہے اس لیے موت کے وقت وارث ہونے کا اعتبار ہوگا۔ اور وارث کے لیے اگر مریض مورث نے اقرار کیا تو یہ اس کے برعکس ہے یعنی فی الحال وارث ہونا معتبر ہوگا موت کے وقت وارث ہونا معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ تصرف فی الحال ہے تو اقرار کے وقت اس کا اعتبار ہوگا۔

﴿۶﴾ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے لیکن اگر دیگر ورثہ اس کی اجازت دیں تو یہ وصیت جائز ہوجائے گی اور اس صورت کا استثناء اس حدیث میں مذکور ہے جو ہم نے اوپر روایت کی یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "والا ان ...

عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ فَقَالَ: "اِنَّ ... (نصب الرایة: 5ص219)

کے لیے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دیگرورثہ اس کو جائز رکھیں[1]"۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس وصیت کا جائز نہ ہونا دیگر ورثہ
کے حق کی وجہ سے تھاتوان کی اجازت سے جائز ہوجائے گی۔ اوراگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض وارثوں نے رد کردی
تو اجازت دینے والوں کے حق میں ان کے حصہ کے بقدر جائز ہوگی؛ کیونکہ ان کو اپنے حصہ پر اختیار حاصل ہے اور رد کرنے والوں کے
حصہ میں یہ وصیت باطل ہوجائے گی۔

{1}قَالَ : وَيَجُوزُ أَنْ يُوصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ ، فَالْأَوَّلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { لَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ
فرمایا: اور جائز ہے کہ وصیت کرے مسلمان کافر کے لیے اور کافر مسلمان کے لیے؛ پس اول اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ تم کو
عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ } الْآيَةَ . وَالثَّانِي
ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے"، اور ثانی اس لیے جائز ہے
لِأَنَّهُمْ بِعَقْدِ الذِّمَّةِ سَاوَوْا الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُعَامَلَاتِ وَلِهَذَا جَازَ التَّبَرُّعُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ فَكَذَا
کہ وہ عقدِ ذمہ کی وجہ سے برابر ہوگئے مسلمانوں کے ساتھ معاملات میں، اسی وجہ سے جائز ہے تبرع جانبین سے حالتِ حیاۃ میں، پس اسی طرح
بَعْدَ الْمَمَاتِ{2} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ الْوَصِيَّةُ لِأَهْلِ الْحَرْبِ بَاطِلَةٌ ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ
موت کے بعد، اور جامع صغیر میں ہے کہ حربیوں کے لیے وصیت باطل ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے
الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ } الْآيَةَ . قَالَ : وَقَبُولُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَإِنْ قَبِلَهَا الْمُوصَى لَهُ
جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی"۔ فرمایا: اور قبولیت وصیت موت کے بعد ہے، اور اگر قبول کیا وصیت کو موصی لہ نے
حَالَ الْحَيَاةِ أَوْ رَدَّهَا فَذَلِكَ بَاطِلٌ ؛ لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوتِ حُكْمِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِتَعَلُّقِهِ
موصی کی زندگی میں یا اس کو رد کردیا تو یہ باطل ہے؛ کیونکہ اس کے حکم کے ثبوت کا زمانہ موت کے بعد ہے؛ بوجہ اس کے تعلق کے
بِهِ فَلَا يُعْتَبَرُ قَبْلَهُ كَمَا لَا يُعْتَبَرُ قَبْلَ الْعَقْدِ . {3}قَالَ : وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُوصِيَ
موت کے ساتھ، پس معتبر نہ ہوگی موت سے پہلے، جیسا کہ معتبر نہیں ہوتا ہے عقدِ وصیت سے پہلے۔ فرمایا: اور مستحب ہے کہ وصیت کرے
الْإِنْسَانُ بِدُونِ الثُّلُثِ سَوَاءٌ كَانَتْ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ أَوْ فُقَرَاءَ ، لِأَنَّ فِي التَّنْقِيصِ صِلَةَ الْقَرِيبِ بِتَرْكِ مَا لِهِ
انسان ثلث سے کم کی خواہ ورثہ غنی ہوں یا فقیر ہوں؛ کیونکہ ثلث سے کم کرنے میں صلہ رحمی ہے قریب کے ساتھ اپنا مال چھوڑنے سے

(1) أخرجه الدارقطني أيضا عن منهل بن عمار ثنا الحسن بن الوليد ثنا حماد بن سلمة عن حبيب بن الشهيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال في خطبته يوم النحر: "لا وصية لوارث، إلا أن تجيز الورثة"، (نصب الرایۃ: 5ص221)

عَنْهُمْ بِخِلَافِ اسْتِكْمَالِ الثُّلُثِ، لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءُ تَمَامِ حَقِّهِ فَلَا صِلَةَ وَلَا مِنَّةَ ، ﴿۴﴾ثُمَّ الْوَصِيَّةُ بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ

ان کے لیے، برخلاف ثلث پورا کرنے کے؛ کیونکہ یہ لے لینا ہے اپنا پورا حق، لہذا نہ صلہ رحمی ہے اور نہ احسان ہے، پھر وصیت ثلث سے کم

أَوْلَى أَمْ تَرْكُهَا ؟ قَالُوا : إِنْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ فُقَرَاءَ وَلَا يَسْتَغْنُونَ بِمَا يَرِثُونَ

اولی ہے یا اس کا ترک اولی ہے؟ تو مشائخ نے کہا ہے کہ اگر ورثہ فقراء ہوں اور مستغنی نہ ہوتے ہوں اس سے جو وہ وراثت میں پاتے ہوں

فَالتَّرْكُ أَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَى الْقَرِيبِ .وَقَدْ قَالَ ﷺ { أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ }

تو ترک اولی ہے؛ کیونکہ اس میں صدقہ ہے قریب پر، اور حضورؐ نے فرمایا: "بہترین صدقہ اس رشتہ دار پر ہے جس سے وہ خوش نہ ہو"

وَلِأَنَّ فِيهِ رِعَايَةَ حَقِّ الْفُقَرَاءِ وَالْقَرَابَةِ جَمِيعًا ، ﴿۵﴾وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ أَوْ يَسْتَغْنُونَ بِنَصِيبِهِمْ فَالْوَصِيَّةُ أَوْلَى

اور اس لیے کہ اس میں رعایت ہے فقراء اور قرابت دونوں کے حق کی۔ اور اگر وہ اغنیاء ہوں یا مستغنی ہوتے ہوں اپنے حصے سے تو وصیت اولی ہے

لِأَنَّهُ يَكُونُ صَدَقَةً عَلَى الْأَجْنَبِيِّ ، وَالتَّرْكُ هِبَةٌ مِنَ الْقَرِيبِ وَالْأُولَى أَوْلَى لِأَنَّهُ يُبْتَغَى بِهَا وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى

کیونکہ یہ صدقہ ہو جائے گا اجنبی پر، اور ترکِ وصیت ہبہ ہے قریب کو، اور اول اولی ہے؛ کیونکہ طلب کی جاتی ہے اس سے اللہ تعالی کی خوشنودی

وَقِيلَ فِي هَذَا الْوَجْهِ يُخَيَّرُ لِاشْتِمَالِ كُلٍّ مِنْهُمَا عَلَى فَضِيلَةٍ وَهُوَ الصَّدَقَةُ وَالصِّلَةُ فَيُخَيَّرُ

اور کہا گیا ہے کہ اس صورت میں اختیار دیا جائے؛ ہر ایک کے فضیلت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اور وہ صدقہ اور صلہ ہے پس اس کو اختیار دیا جائے گا

بَيْنَ الْخَيْرَيْنِ . ﴿۶﴾قَالَ : وَالْمُوصَى بِهِ يُمْلَكُ بِالْقَبُولِ خِلَافًا لِزُفَرَ ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ

دو نیکیوں میں۔ فرمایا: اور موصی بہ مملوک ہو جاتی ہے قبولیت سے، اختلاف ہے امام زفرؒ کا اور یہی دو قولوں میں سے ایک ہے امام شافعیؒ کے

هُوَ يَقُولُ : الْوَصِيَّةُ أُخْتُ الْمِيرَاثِ ، إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا خِلَافَةٌ لِمَا أَنَّهُ انْتِقَالٌ ، ثُمَّ الْإِرْثُ يَثْبُتُ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی بہن ہے؛ کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں سے خلافت ہے، اس لیے کہ یہ انتقال ہے، پھر میراث ثابت ہوتی ہے

مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ فَكَذَلِكَ الْوَصِيَّةُ . ﴿۷﴾وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِثْبَاتُ مِلْكٍ جَدِيدٍ ، وَلِهَذَا لَا يَرُدُّ الْمُوصَى لَهُ

قبول کرنے کے بغیر، پس اسی طرح وصیت ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ملکِ جدید کا اثبات ہے، اسی لیے ردّ نہیں کر سکتا ہے موصی لہ

بِالْعَيْبِ ، وَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ ، وَلَا يَمْلِكُ أَحَدٌ إِثْبَاتَ الْمِلْكِ لِغَيْرِهِ إِلَّا بِقَبُولِهِ

عیب کی وجہ سے اور نہ ردّ کی جا سکتی ہے موصی لہ پر عیب کی وجہ سے اور اختیار نہیں کسی کو اثباتِ ملک کا غیر کے لیے مگر اس کے قبول کرنے سے

﴿۸﴾أَمَّا الْوِرَاثَةُ فَخِلَافَةٌ حَتَّى يَثْبُتَ فِيهَا هَذِهِ الْأَحْكَامُ فَيَثْبُتُ جَبْرًا مِنَ الشَّرْعِ

تو وہ خلاف ہے حتیٰ کہ جاری ہوتے ہیں وارث میں یہ احکام، پس ملکیت ثابت ہوجائے گی جبراً شریعت کی جانب سے بغیر قبول کرنے کے۔

قَالَ : إلَّافِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ أَنْ يَمُوتَ الْمُوصِي ثُمَّ يَمُوتَ الْمُوصَى لَهُ قَبْلَ الْقَبُولِ فَيَدْخُلَ الْمُوصَى بِهِ فِي مِلْكِ وَرَثَتِهِ ؛ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ أَنْ تَبْطُلَ الْوَصِيَّةُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ عَلَى الْقَبُولِ فَصَارَ كَمَوْتِ الْمُشْتَرِي قَبْلَ قَبُولِهِ بَعْدَ إيجَابِ الْبَائِعِ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ مِنْ جَانِبِ الْمُوصِي قَدْ تَمَّتْ بِمَوْتِهِ تَمَامًا لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَتِهِ ، وَإِنَّمَا تَوَقَّفَتْ لِحَقِّ الْمُوصَى لَهُ ، فَإِذَا مَاتَ دَخَلَ فِي مِلْكِهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْمَشْرُوطِ فِيهِ الْخِيَارُ إذَا مَاتَ قَبْلَ الْإِجَازَةِ.

فرمایا: مگر ایک مسئلہ میں ہے وہ یہ کہ مرجائے موصی پھر مرجائے موصی لہ قبول کرنے سے پہلے، تو داخل ہوجائے گی موصی بہ اس کے ورثہ کی ملک میں استحساناً، اور قیاس مقتضی ہے کہ باطل ہو وصیت؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے کہ ملک موقوف ہے قبول کرنے پر، پس ہوگیا جیسے مشتری کی موت اس کے قبول کرنے سے پہلے ایجابِ بائع کے بعد۔ وجہِ استحسان یہ ہے کہ وصیت موصی کی جانب سے پوری تام ہوگئی اس کی موت سے کہ لاحق نہیں ہوتا اس کے ساتھ فسخ موصی کی جانب سے، اور موقوف ہے موصیٰ لہ کے حق کی وجہ سے، پس جب وہ مرگیا تو داخل ہوجائے گی اس کی ملک میں جیسے وہ بیع جس میں خیار شرط ہو مشتری کے لیے جب وہ مرجائے اجازت سے پہلے۔

تشریح:۔{۱} مسلمان کے لیے جائز ہے کہ کافر ذمی کے لیے وصیت کرے اور کافر ذمی کے لیے جائز ہے کہ مسلمان کے لیے وصیت کرے یعنی یہ وصیت صحیح ہوگی، پس اول کی دلیل باری تعالیٰ ارشاد ہے ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ[1]﴾ (اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے)، جس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے وصیت کرکے اس کے ساتھ احسان کرنا جائز ہے۔ اور مسلمان کے لیے جائز ہے کہ کافر ذمی کے لیے وصیت کرے؛ کیونکہ ان لوگوں نے عقدِ ذمہ کرکے معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہوگئے۔یہی وجہ ہے کہ جانبین سے زندگی میں احسان اور سلوک جائز ہے تو موت کے بعد بھی جائز ہوگا۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ حربی کافروں کے لیے وصیت کرنا باطل ہے؛کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ[2]﴾ (اللہ تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی) یعنی ان کے ساتھ موالات سے ممانعت فرمائی ہے اس لیے ان کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔

[1] الممتحنۃ:8.
[2] الممتحنۃ:9.

{۲} وصیت میں موصی لہ کا وہ قبول کرنا معتبر ہے جو موصی کی موت کے بعد ہو پس اگر موصی لہ نے موصی کی زندگی میں وصیت کو قبول کیا یا رد کر دیا تو یہ قبول یا رد کرنا باطل ہے؛ کیونکہ حکم وصیت کے ثابت ہونے کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے؛ کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی موت کے ساتھ معلق ہے اس لیے موصی کی موت سے پہلے قبول کرنا یا رد کرنا معتبر نہیں ہے جیسے عقدِ وصیت سے پہلے موصی لہ کا قبول کرنا یا انکار کرنا معتبر نہیں ہے۔

{۳} انسان کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنے ترکہ کے ایک ثلث سے کم کی وصیت کرے خواہ اس کے ورثہ غنی ہوں یا محتاج ہوں؛ کیونکہ ثلث سے کم کی وصیت کرنے میں رشتہ داروں کے ساتھ اس طرح صلہ رحمی ہے کہ اس نے اپنا مال ان کے لیے چھوڑا۔ اس کے برخلاف اگر اس نے پورے ثلث کی وصیت کر دی تو یہ صلہ رحمی نہیں رہے گی؛ کیونکہ موصی نے اپنا پورا حق وصول کر لیا لہٰذا اس کی طرف سے کوئی صلہ رحمی اور احسان نہیں رہا۔

{۴} پھر سوال یہ ہے کہ ایک ثلث سے کم کی وصیت کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا بہتر ہے؟ جواب یہ ہے کہ مشائخ نے اس میں یوں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر اس کے ورثہ محتاج ہوں اور ترکہ میں سے جو کچھ ان کو میراث کا حصہ ملتا ہے اس سے بھی وہ غنی نہ ہوتے ہوں تو ثلث سے کم کی وصیت ترک کر دینا بہتر ہے؛ کیونکہ اس میں اپنے قریبوں پر صدقہ کرنا پایا جاتا ہے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو ایسے قریب پر ہو جس کو اس کے ساتھ محبت بھی نہیں ہے"[1] وجہ یہ ہے کہ ایسے قریب پر صدقہ کرنے میں نفس کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں فقیری اور قرابت دونوں کا لحاظ ہے ظاہر ہے کہ ایک حق کی رعایت سے دو حقوں کو جمع کرنا اولیٰ ہے۔

{۵} اور اگر اس کے ورثہ غنی ہوں یا اس کے ترکہ سے اپنا حصہ پا کر غنی ہو جاتے ہوں تو پھر ثلث سے کم کی وصیت کرنا بہتر ہے؛ کیونکہ یہ وصیت تو اجنبی پر صدقہ ہو جائے گی اور وصیت نہ کرنا قریب کے حق میں ہبہ ہو جائے گا حالانکہ اول یعنی اجنبی پر صدقہ کرنا ہبہ کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی جاتی ہے اس لیے یہ محض ہبہ سے بہتر ہے اور بعض نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اس کو دونوں باتوں میں یکساں اختیار ہے؛ کیونکہ دونوں صورتوں میں سے ہر ایک میں ایک ایک

---

[1] رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ثَنَا الْحَجَّاجُ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَكِيمِ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إنَّ أَفْضَلَ الصَّدَقَةِ، الصَّدَقَةُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ". (نصب الراية: 5ص 223)

فضیات ہے اور وہ اجنبی کے لیے وصیت کی صورت میں صدقہ ہے اور قریب کے لیے چھوڑ دینے میں صلہ رحمی ہے لہذا اس کو ان دونوں نیکیوں میں اختیار ہے کہ چاہے اجنبی کے لیے وصیت کرے اور چاہے قریب کے لیے چھوڑ دے۔

﴿۶﴾ موصی بہ یعنی جس چیز کی وصیت کی گئی وہ موصی لہ کے قبول کرنے سے اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک موصی لہ کے قبول کرنے کے بغیر موصی بہ اس کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے، اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ امام زفرؒ کہتے ہیں کہ وصیت تو میراث کی طرح ہے؛ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک میت کی جانب سے خلافت ہے؛ کیونکہ یہ مورث سے وارث یا موصی لہ کی طرف ملک کا انتقال ہے پھر میراث بالاتفاق بغیر قبول کے ثابت ہو جاتی ہے تو اسی طرح وصیت بھی موصی لہ کے قبول کرنے کے بغیر ثابت ہو جائے گی۔

﴿۷﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک جدید ملکیت کا اثبات ہے یعنی میت کی خلافت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ موصی لہ عیب کی وجہ سے اس کو واپس نہیں کر سکتا مثلاً مریض نے کوئی چیز خریدی اور کسی کے لیے اس کی وصیت کی پھر موصی لہ نے اس کو عیب دار پایا تو موصی لہ اسے بائع کو واپس نہیں کر سکتا ہے، اور موصی لہ کو بھی عیب کی وجہ سے واپس نہیں دی جا سکتی ہے مثلاً مریض نے کسی کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کی پھر ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دی اور اس میں مشتری نے عیب پایا تو اسے موصی لہ کو واپس نہیں کر سکتا ہے تو اگر موصی لہ کی ملک خلافۃ ہوتی تو ان دونوں صورت میں واپسی کا اختیار حاصل ہوتا پس جب واپسی کا اختیار نہیں تو یہ علامت ہے کہ یہ ملک جدید ہے خلافت نہیں ہے، اور کوئی شخص دوسرے کے لیے ملکیت ثابت نہیں کر سکتا مگر اس وقت کہ وہ اس کو قبول کرلے؛ کیونکہ اس میں کبھی اس کا نقصان ہو سکتا ہے مثلاً کسی نابینا غلام کی کسی کے لیے وصیت کی تو اگر موصی لہ کے قبول کئے بغیر اس کی ملک میں آجائے تو اس غلام کا نفقہ اس پر لازم ہوگا اور اس غلام سے اس کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا ہے اس لیے قبول کئے بغیر ملک ثابت نہ ہوگی۔

﴿۸﴾ البتہ وراثت خلافت ہے حتی کہ اس میں مورث کے بائع پر واپس کرنے یا مشتری کا وارث پر واپس کرنے کے احکام ثابت ہوتے ہیں لہذا وراثت کی ملکیت قبول کئے بغیر شریعت کی جانب سے جبراً ثابت ہوتی ہے۔

البتہ ایک مسئلہ میں موصی لہ کے قبول کرنے کے بغیر ملک ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ موصی وصیت کرنے کے بعد مرجائے پھر قبول سے پہلے موصی لہ مرجائے تو استحساناً موصی بہ چیز موصی لہ کے وارثوں کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ ہم نے بیان کر دیا کہ ملکیت قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے تو ایسا ہے جیسے بائع کے ایجاب کے بعد مشتری کے قبول کرنے سے پہلے مشتری مرجائے تو مشتری کے لیے ملک ثابت نہیں ہوتی ہے۔ لیکن ہم نے یہ قیاس ترک کر کے

تشریح الہدایہ: استحساناً ملک کو ثابت مانا وجہ استحسان یہ ہے کہ موصی کی جانب سے وصیت پوری ہو گئی یعنی اس کی موت سے عقد وصیت اس طرح پورا ہوا کہ اب فسخ نہیں ہو سکتا ہے اور توقف صرف موصی لہ کے حق کی وجہ سے رہا تھا پس جب موصی لہ مر گیا تو یہ چیز اس کی ملک میں داخل ہو گئی جیسے وہ بیع کہ جس میں مشتری کے لیے خیار شرط ہو اور اجازت سے پہلے مشتری مر جائے تو بیع پوری ہو جائے گی اور مبیع مشتری کے ورثہ کی ملک میں آجائے گی اسی طرح یہاں بھی وصیت پوری ہو جائے گی اور موصی بہ چیز موصی لہ کے ورثہ کی ملک میں داخل ہو جائے گی۔

[1] قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ لَمْ تَجُزِ الْوَصِيَّةُ ؛ لِأَنَّ الدَّيْنَ يُقَدَّمُ عَلَى الْوَصِيَّةِ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اور اس پر اتنا دین ہے جو محیط ہے اس کے مال کو، تو جائز نہ ہوگی وصیت؛ کیونکہ دین مقدم کیا جاتا ہے وصیت پر

لِأَنَّهُ أَهَمُّ الْحَاجَتَيْنِ فَإِنَّهُ فَرْضٌ وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ ، وَأَبَدًا يُبْدَأُ

اس لیے کہ دین دو حاجتوں میں سے اہم حاجت ہے، اس لیے کہ ادائیگی دین فرض ہے، اور وصیت تبرع ہے، اور ہمیشہ ابتداء کی جاتی ہے

بِالْأَهَمِّ فَالْأَهَمِّ . إِلَّا أَنْ يُبْرِئَهُ الْغُرَمَاءُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ الدَّيْنُ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ عَلَى الْحَدِّ الْمَشْرُوعِ لِحَاجَتِهِ

اہم فالاہم سے مگر یہ کہ بری کر دیں اس کو قرضخواہ؛ کیونکہ باقی نہ رہا دین، پس نافذ ہو جائے گی وصیت حدِ مشروع تک؛ اس کی حاجت کی وجہ سے

إِلَيْهَا [2] قَالَ : وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَصِحُّ إِذَا كَانَ فِي وُجُوهِ الْخَيْرِ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَجَازَ

اس کی طرف۔ فرمایا: اور صحیح نہیں ہے بچے کی وصیت، اور فرمایا امام شافعیؒ نے صحیح ہے بشرطیکہ طرقِ خیر میں ہو؛ کیونکہ حضرت عمرؓ نے جائز قرار دیا تھا

وَصِيَّةَ يَفَاعٍ أَوْ يَافِعٍ وَهُوَ الَّذِي رَاهَقَ الْحُلُمَ ، وَلِأَنَّهُ نَظَرٌ لَهُ

یفاع یا یافع کی وصیت کو، اور یفاع وہ بچہ ہے جو قریب البلوغ ہو گیا ہو، اور اس لیے کہ اس میں رعایت ہے بچے کی؛ کیونکہ رعایت ہے اس کی

بِصَرْفِهِ إِلَى نَفْسِهِ فِي نَيْلِ الزُّلْفَى ، وَلَوْ لَمْ تَنْفُذْ يَبْقَى عَلَى غَيْرِهِ . [3] وَلَنَا

بوجہ اس کے صرف کرنے کے اپنے نفس کے لیے قرب حاصل کرنے میں، اور اگر نافذ نہ ہو تو باقی رہے گا اس کا مال غیر کے لیے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَالصَّبِيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ ، وَلِأَنَّ قَوْلَهُ غَيْرُ مُلْزِمٍ وَفِي تَصْحِيحِ وَصِيَّتِهِ قَوْلٌ

کہ یہ تبرع ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے، اور اس لیے کہ بچے کا قول لازم کرنے والا نہیں ہے اور اس کی وصیت صحیح قرار دینے میں قول کرنا ہے

بِالْإِلْزَامِ قَوْلِهِ وَالْأَثَرُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ قَرِيبَ الْعَهْدِ بِالْحُلُمِ مَجَازًا أَوْ كَانَتْ وَصِيَّتُهُ فِي تَجْهِيزِهِ

اس کے قول کے ملزم ہونے کا، اور حضرت عمرؓ کا اثر محمول ہے اس صورت پر کہ وہ قریب العہد ہو بلوغت کے مجازاً، یا تھی اس کی وصیت اس کی تجہیز

وأمُورِ دَفْنِهِ ، وَذَلِكَ جَائِزٌ عِنْدَنَا ، ﴿۴﴾ وَهُوَ يُحْرِزُ الثَّوَابَ بِالتَّرْكِ عَلَى وَرَثَتِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ ،
اور اس کے دفن کے امور میں، اور یہ جائز ہے ہمارے نزدیک، اور بچہ ثواب جمع کرے گا اپنے ورثہ پر مال چھوڑنے سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو
وَالْمُعْتَبَرُ فِي النَّفْعِ وَالضَّرَرِ النَّظَرُ إلَى أَوْضَاعِ التَّصَرُّفَاتِ لَا إلَى مَا يَتَّفِقُ بِحُكْمِ الْحَالِ اعْتَبِرْهُ
اور معتبر نفع اور ضرر میں نظر کرنا ہے اوضاع تصرفات کی طرف، نہ کہ اتفاقاً اور فوری طور پر واقع ہونے والی وضع کی طرف، قیاس کر اس کو
بِالطَّلَاقِ فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ وَلَا وَصِيَّهُ وَإِنْ كَانَ يَتَّفِقُ نَافِعًا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ ، ﴿۵﴾ وَكَذَا إذَا أَوْصَى ثُمَّ مَاتَ
طلاق پر، کیونکہ بچہ اس کا مالک نہیں اور نہ اس کا وصی، اگرچہ اتفاقاً نافع ہو بعض احوال میں، اور اسی طرح جب وصیت کرلے پھر مر جائے
بَعْدَ الْإِدْرَاكِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ وَقْتَ الْمُبَاشَرَةِ وَكَذَا إذَا قَالَ إذَا أَدْرَكْتُ فَثُلُثُ مَالِي لِفُلَانٍ وَصِيَّةً
بلوغ کے بعد؛ عدم اہلیت کی وجہ سے بوقتِ مباشرت، اور اسی طرح اگر کہا کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا ثلث فلاں کے لیے وصیت ہے
لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ فَلَا يَمْلِكُهُ تَنْجِيزًا وَتَعْلِيقًا كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ وَالْمُكَاتَبِ
قصور اہلیت کی وجہ سے؛ پس وہ مالک نہ ہوگا اس کا نہ فی الحال اور نہ معلق کر کے جیسا کہ طلاق اور عتاق میں ہے، برخلاف غلام اور مکاتب کے
لِأَنَّ أَهْلِيَّتَهُمَا مُسْتَتِمَّةٌ وَالْمَانِعُ حَقُّ الْمَوْلَى فَتَصِحُّ إضَافَتُهُ إلَى حَالِ سُقُوطِهِ .
کیونکہ ان کی اہلیت پوری ہے، اور مانع مولیٰ کا حق ہے، پس صحیح ہے وصیت کی اضافت مولیٰ کے حق کے سقوط کی حالت کی طرف۔

﴿۶﴾ قَالَ : وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمُكَاتَبِ وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً ؛ لِأَنَّ مَالَهُ لَا يَقْبَلُ التَّبَرُّعَ ، وَقِيلَ
فرمایا: اور صحیح نہیں ہے مکاتب کی وصیت اگرچہ وہ بقدر بدلِ کتابت مال چھوڑ دے؛ کیونکہ اس کا مال تبرع قبول نہیں کرتا ہے، اور کہا گیا ہے
عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ لَا تَصِحُّ ، وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ رَدًّا لَهَا إلَى مُكَاتَبٍ يَقُولُ
کہ امام صاحبؒ کے قول پر صحیح نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے، وصیت کو ایسے مکاتب کی طرف پھیرتے ہوئے جو کہتا ہو کہ
كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فِيمَا أَسْتَقْبِلُ فَهُوَ حُرٌّ ثُمَّ عَتَقَ فَمَلَكَ ، وَالْخِلَافُ فِيهَا مَعْرُوفٌ
ہر وہ مملوک جس کا میں مالک ہو جاؤں مستقبل میں تو وہ آزاد ہے، پھر وہ آزاد کیا گیا اور وہ مالک ہوا، اور اختلاف اس میں معروف ہے،
عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ . ﴿۷﴾ قَالَ : وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ إذَا وُضِعَ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ
جو جانا گیا ہے اپنے مقام پر۔ فرمایا: اور جائز ہے وصیت حمل کے لیے، اور حمل کی وصیت، بشرطیکہ جن دیا جائے چھ ماہ سے کم مدت میں
مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ ؛ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْوَصِيَّةَ اسْتِخْلَافٌ مِنْ وَجْهٍ لِأَنَّهُ يَجْعَلُهُ خَلِيفَةً فِي بَعْضِ مَالِهِ

وصیت کے وقت سے، بہرحال اول تو اس لیے کہ وصیت استخلاف ہے من وجہ؛ کیونکہ موصی اس کو خلیفہ بناتا ہے اپنے بعض مال میں،

وَالْجَنِينُ صَلَحَ خَلِيفَةً فِي الْإِرْثِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ إِذْ هِيَ أُخْتُهُ ، إِلَّا أَنَّهُ تَرْتَدُّ بِالرَّدِّ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى التَّمْلِيكِ . {8} بِخِلَافِ الْهِبَةِ ، لِأَنَّهَا تَمْلِيكٌ مَحْضٌ وَلَا وِلَايَةَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ لِيُمَلِّكَهُ شَيْئًا . {9} وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ بِعَرَضِ الْوُجُودِ ، إِذِ الْكَلَامُ فِيمَا إِذَا عُلِمَ وُجُودُهُ وَقْتَ الْوَصِيَّةِ ، وَبَابُهَا أَوْسَعُ لِحَاجَةِ الْمَيِّتِ وَعَجْزِهِ ، وَلِهَذَا تَصِحُّ فِي غَيْرِ الْمَوْجُودِ كَالثَّمَرَةِ فَلَأَنْ تَصِحَّ فِي الْمَوْجُودِ أَوْلَى . {10} قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِجَارِيَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالِاسْتِثْنَاءُ ؛ لِأَنَّ اسْمَ الْجَارِيَةِ لَا يَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ لَفْظًا وَلَكِنَّهُ يُسْتَحَقُّ بِالْإِطْلَاقِ تَبَعًا ، فَإِذَا أَفْرَدَ الْأُمَّ بِالْوَصِيَّةِ صَحَّ إِفْرَادُهَا ، وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ إِفْرَادُ الْحَمْلِ بِالْوَصِيَّةِ فَجَازَ اسْتِثْنَاؤُهُ ، وَهَذَا هُوَ الْأَصْلُ أَنَّ مَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ إِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا ، وَمَا لَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ لَا يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ ، وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ .

اور جنین صلاحیت رکھتا ہے خلیفہ ہونے کا میراث میں، پس اسی طرح وصیت میں؛ اس لیے کہ وصیت میراث کی بہن ہے، البتہ وصیت رد ہو جاتا ہے رد کرنے سے؛ کیونکہ اس میں تملیک کا معنی ہے۔ برخلاف ہبہ کے؛ کیونکہ وہ محض تملیک ہے، اور جنین پر کسی کو ولایت حاصل نہیں کہ اسے مالک بنائے کسی چیز کا، رہا ثانی تو وہ اس لیے کہ جنین معرض وجود میں ہے؛ اس لیے کہ کلام اس میں ہے کہ معلوم ہوا اس کا وجود وصیت کے وقت، اور وصیت کا باب وسیع ہے؛ میت کی حاجت اور اس کے عجز کی وجہ سے، اور وصیت صحیح ہے غیر موجود میں جیسے پھل میں تو صحیح ہوگی موجود میں بطریقِ اولیٰ۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی باندی کی مگر اس کا حمل، تو صحیح ہے وصیت اور استثناء؛ کیونکہ اسم جاریہ شامل نہیں ہے حمل کو لفظاً، البتہ اس کا استحقاق ثابت ہو جاتا ہے مطلق جاریہ کہنے سے تبعاً، پس جب فقط ماں کی وصیت کی تو صحیح ہے اس کا ازرو اور اس لیے کہ صحیح ہے تنہا حمل کی وصیت، تو جائز ہوگا اس کا استثناء، اور یہی ضابطہ ہے کہ جس کا افراد بالعقد صحیح ہو اس کا استثناء صحیح ہے عقد سے اس لیے کہ فرق نہیں ہے ان دونوں کے درمیان، اور جس کا افراد بالعقد صحیح نہ ہو صحیح نہ ہوگا اس کا استثناء عقد سے، اور یہ گذر چکا ہے کتاب البیوع میں۔

تشریح: {1} اگر کسی شخص نے کچھ وصیت کی حالانکہ اس پر اس قدر قرضہ ہے جو اس کے تمام مال کو محیط ہے تو اس کی یہ وصیت جائز نہ ہوگی؛ کیونکہ وصیت پر قرضہ مقدم ہے؛ کیونکہ قرضہ اس کی دو حاجتوں میں سے زیادہ اہم حاجت ہے اس لیے کہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت نفل ہے اور ہمیشہ کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ پہلے اہم سے شروع کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ اہم

البتہ اگر قرضخواہ لوگوں نے موصی کو اپنے قرضہ سے بری کر دیا تو وصیت جائز ہو جائے گی؛ کیونکہ قرضہ باقی نہیں

وصیت مشروع ہے، نافذ ہو جائے گی؛ کیونکہ انسان کو اس کار خیر کی بھی حاجت ہوتی ہے۔

{۲} بچہ کی وصیت صحیح نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے بشرطیکہ کسی خیر کے کام میں ہو؛ کیونکہ حضرت

نے یفاع یا یافع کی وصیت کی اجازت دی[1] اور یفاع وہ بچہ ہے جو بلوغ کے قریب پہنچا ہو، لہذا بچے کی وصیت صحیح ہے۔ دوسری

ہے کہ جواز وصیت میں اس بچے کے لیے بہتری ہے کہ اس نے اپنے مال کو اپنے لیے رضاءِ الہی اور قربِ الہی حاصل کرنے میں

حالانکہ اگر وصیت نافذ نہ ہو تو یہ مال دوسرے کے لیے باقی رہے گا خود بچے کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت محض تبرع ہے اور بچے کو تبرعات کی اہلیت حاصل نہیں ہے اس لیے بچے کی وصیت صحیح

ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ کی بات اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ کوئی چیز لازم کرے حالانکہ اگر اس کی وصیت کو نافذ کہیں تو یہ

بھی لازم ہوگا کہ بچہ کا قول لازم کرنے والا ہے حالانکہ یہ خلاف موضوع ہے۔ اور جو اثر امام شافعیؒ نے روایت کیا وہ اس پر محمول ہے

یہ بچہ متقریب بالغ ہوا تھا جس کو مجازاً قریب البلوغ کہہ دیا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس بچے نے اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں

بت کی تھی اور تجہیز و تکفین کے بارے میں بچے کی وصیت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔

{۴} امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس بچے نے اگر اپنا مال اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیا تو گویا اپنے قریبوں

صدقہ کیا جیسا کہ سابق میں ہم بیان کر چکے لہذا ثواب تو وہ اس طرح بھی پائے گا اس لیے ثواب فقط وصیت میں منحصر نہیں

ہے اور نفع و ضرر کے بارے میں تصرف کے اوضاع کی جانب نظر کرنا معتبر ہے کہ اصل وضع نفع کے لیے ہے یا ضرر کے لیے، اس

رف کی جانب نظر کرنا معتبر نہیں ہے جو فی الحال تصرف کرنے والے کے حال کے موافق ہو چنانچہ طلاق پر اس کو قیاس کر لو کہ بچے

اس کے وصی کو طلاق کا اختیار نہیں ہے اگرچہ اتفاقاً بعض صورتوں میں بچے کے لیے نافع ہوتی ہے مثلاً بچے نے بیوی کو طلاق دی اور اس

الدار بہن سے نکاح کر لیا تو اس طلاق میں بچے کا نفع ہے لیکن اس اتفاقی نفع کا اعتبار نہیں ہے اسی طرح بچے کی وصیت بھی جائز نہیں

ہے اگرچہ اس میں اتفاقی نفع ہو سکتا ہے۔

[1] روى مالك في الموطأ في الاقضاء عن عبد الله بن أبي بكر بن حزم عن ابيه ان عمرو بن سليم الزرقي اخبره انه قيل لعمر بن الخطاب: هبنا غلاما يفاعا لم يحتلم من غسان، ووارثه بالشام، وهو ذو مال، وليس له ههنا إلا ابنة عم له، فقال عمر: فليوص لها، فاوصى لها بمال يقال له: بئر جشم، قال عمرو بن سليم: فبيعت بثلاثين الف درهم، وابنة عمه هي ام عمرو بن سليم۔(نصب الرایۃ: 5ص224)

{۵} اسی طرح اگر بچے نے وصیت کی پھر بالغ ہو جانے کے بعد مر گیا تو پھر بھی اس کی یہ وصیت جائز نہ ہوگی؛ کیونکہ عقدِ وصیت کی مباشرت کے وقت اس کو اہلیت حاصل نہ تھی۔ اسی طرح اگر بچے نے کہا کہ جب میں بالغ ہوں تو میرا ثلثِ مال زید کے لیے وصیت ہے پھر بلوغ کے بعد وہ مر گیا تو بھی وصیت جائز نہ ہوگی؛ کیونکہ وصیت کے وقت اس کو وصیت کی اہلیت حاصل نہیں ہے تو فی الحال وصیت کرنا یا کسی زمانے اور حالت پر معلق کرنا جائز نہیں ہے جیسے اس کی طلاق اور اعتاق کی نہ تنجیز جائز ہے اور نہ تعلیق جائز ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی غلام یا مکاتب نے کہا کہ جب میں آزاد ہو جاؤں تو میرا ثلثِ مال فلاں کے لیے وصیت ہے پھر آزاد ہو کر مرا تو یہ وصیت صحیح ہے؛ کیونکہ غلام یا مکاتب کی اہلیت پوری ہے اور اس کی وصیت سے مانع صرف اس کے مولیٰ کا حق ہے پس مولیٰ کا حق ساقط ہونے کے بعد کی طرف وصیت کی نسبت کرنا صحیح ہے۔

{۶} مکاتب کی وصیت فی الحال صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ ادائیگی کتابت کے بقدر مال چھوڑ کر مر جائے؛ کیونکہ اس کا مال قابلِ تبرع نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا ہبہ کرنا اور اپنے غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بھی وصیت کی طرح تبرع ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے جیسے مکاتب کا عتق اس طرح صحیح ہے جب وہ اس طرح کہے کہ "ہر مملوک جس کا میں آئندہ مالک ہوں وہ آزاد ہے" پھر مکاتب آزاد ہو جائے اور ایک غلام کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے پس اسی طرح مکاتب کی وصیت بھی صحیح ہے؛ کیونکہ مکاتب اپنی زندگی کے آخری جزء میں آزاد ہو جاتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مذکورہ مسئلہ میں بھی جب مکاتب آزاد ہو جائے تو اس کا مملوک غلام آزاد نہیں ہوتا ہے اور اس مسئلہ میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف معروف ہے جو اپنے موقع (جامع کبیر) میں مذکور ہے، پس اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک مکاتب کی وصیت بھی صحیح نہیں ہے جبکہ وہ ادائیگی کتابت کے بقدر مال چھوڑ دے۔

{۷} حمل کے لیے وصیت کرنا جائز ہے یعنی جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہو ابھی تک پیدا نہ ہوا ہو اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کرنا جائز ہے، اور حمل کی کسی شخص کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے مثلاً مولیٰ کہے کہ جو کچھ میری فلاں باندی کے پیٹ میں ہے اس کی میں نے زید کے لیے وصیت کی تو یہ بھی جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہو۔ حمل کے لیے وصیت جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک اعتبار سے اپنا خلیفہ کرنا ہوتا ہے؛ کیونکہ موصی اپنے بعض مال میں موصی لہ کو اپنا خلیفہ کرتا ہے اور پیٹ میں موجود بچہ میراث میں خلیفہ ہو سکتا ہے تو وصیت میں بھی خلیفہ ہو سکتا ہے؛ کیونکہ وصیت میراث کی بہن اور نظیر ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ میراث لازمی ہے جبکہ وصیت لازمی نہیں بلکہ موصی لہ کے ردّ کرنے سے ردّ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ وصیت میں موصی لہ کو موصی بہ کا مالک کرنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور تملیک ردّ کرنے سے ردّ ہو جاتی ہے جبکہ میراث محض استخلاف ہے۔

{۸}باقی ہبہ کا حکم وصیت کے برخلاف ہے یعنی حمل کے لیے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ہبہ محض تملیک ہے اور حمل مالک بنانے کا اہل نہیں؛ کیونکہ وہ موہوب چیز پر قبضہ نہیں کر سکتا ہے حالانکہ ہبہ میں موہوب چیز پر قبضہ ضروری ہے، اور حمل کی نیابت میں بھی کوئی موہوب چیز کا مالک نہیں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ جنین پر کسی کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے کہ اس کو کسی چیز کا مالک کر دے۔

{۹}اور کسی شخص کے لیے حمل کی وصیت جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ حمل وجود کے پیش آنے کے مقام پر ہے یعنی پیدا ہونے والا ہے؛ کیونکہ کلام ایسے ہی حمل میں ہے جو وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا معلوم ہو اسی لیے قید لگائی کہ وصیت سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہو اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ وصیت کا باب تنگ نہیں بلکہ وسیع رکھا گیا ہے؛ کیونکہ میت کو اس کی ضرورت ہے اور وہ موت کے بعد عاجز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر موجود چیز کی وصیت صحیح ہوتی ہے مثلاً میری موت کے بعد اس سال میں جو پھل اس باغ میں آئیں وہ فلاں کے لیے وصیت ہیں تو یہ وصیت صحیح ہے پس جب غیر موجود میں وصیت جائز ہے تو موجود حمل میں بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔

{۱۰}اگر کسی نے زید کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کیا کہ حمل کے علاوہ باندی زید کے لیے وصیت ہے تو وصیت اور استثناء دونوں صحیح ہیں؛ کیونکہ باندی کا لفظ اس کے حمل کو شامل نہیں ہے لیکن اگر باندی کا لفظ استثناء کے بغیر بولا جائے تو باندی کے تابع ہو کر حمل بھی واجب ہو جاتا ہے پس جب لفظِ باندی حمل کو شامل نہیں تو اس نے وصیت میں باندی کو علیحدہ کر لیا لہٰذا یہ علیحدہ کرنا صحیح ہوا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کسی کے لیے فقط حمل کی وصیت کرنا صحیح ہوتا ہے تو حمل کا استثناء بھی صحیح ہوگا، پس یہی اصل قرار پائی کہ جس چیز کو تنہا کر کے عقد صحیح ہوتا ہے تو عقد سے اس کو مستثنیٰ کرنا بھی صحیح ہوگا؛ کیونکہ ان دونوں (افرادِ عقد اور صحتِ استثناء) میں کوئی فرق نہیں ہے اور جس پر تنہا عقد صحیح نہیں ہوتا ہے تو عقد سے اس کو مستثنیٰ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور "کتاب البیوع" کے "باب البیع الفاسد" میں یہ اصل گذر چکی۔

{۱}قَالَ : وَيَجُوزُ لِلْمُوصِي الرُّجُوعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ لَمْ يَتِمَّ فَجَازَ الرُّجُوعُ عَنْهُ

فرمایا: اور موصی کو رجوع کا حق ہے وصیت سے؛ کیونکہ وصیت ایسا تبرع ہے جو تام نہیں ہوا ہے، پس جائز ہے رجوع اس سے

كَالْهِبَةِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي كِتَابِ الْهِبَةِ ، وَلِأَنَّ الْقَبُولَ يَتَوَقَّفُ عَلَى الْمَوْتِ وَالْإِيجَابُ يَصِحُّ إِبْطَالُهُ قَبْلَ الْقَبُولِ

جیسے ہبہ، اور ہم ثابت کر چکے ہیں اس کو کتاب الہبہ میں، اور اس لیے کہ قبول موقوف ہے موت پر اور ایجاب کا ابطال صحیح ہے قبول سے پہلے

كَمَا فِي الْبَيْعِ{۲}قَالَ : وَإِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوعِ أَوْفَعَلَ مَايَدُلُّ عَلَى الرُّجُوعِ كَانَ رُجُوعًا ؛ أَمَّا الصَّرِيحُ فَظَاهِرٌ

جیسے بیع میں ہے۔ فرمایا: اور اگر تصریح کر لی رجوع کی یا ایسا فعل کیا جو دلالت کرتا ہے رجوع پر تو یہ رجوع ہوگا، بہر حال صریح تو ظاہر ہے

وَكَذَا الدَّلَالَةُ لِأَنَّهَا تَعْمَلُ عَمَلَ الصَّرِيحِ فَقَامَ مَقَامَ قَوْلِهِ قَدْ أَبْطَلْتُ ، وَصَارَ

اور اسی طرح دلالت ہے؛ کیونکہ کام کرتی ہے صریح جیسا، لہذا یہ موصی کے قول "کہ میں نے باطل کر دی" کے قائم مقام ہوا اور ہو گیا

كَالْبَيْعِ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَإِنَّهُ يَبْطُلُ الْخِيَارُ فِيهِ بِالدَّلَالَةِ ،{۳}ثُمَّ كُلُّ فِعْلٍ لَوْ فَعَلَهُ الْإِنْسَانُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ

بیع بشرط الخیار کی طرح؛ کہ باطل ہو جاتا ہے خیار اس میں دلالت سے۔ پھر ہر وہ فعل کہ اگر کر لے اس کو انسان دوسرے کی ملک میں

يَنْقَطِعُ بِهِ حَقُّ الْمَالِكِ ، فَإِذَا فَعَلَهُ الْمُوصِي كَانَ رُجُوعًا ، وَقَدْ عَدَدْنَا هَذِهِ الْأَفَاعِيلَ فِي كِتَابِ الْغَصْبِ

تو منقطع ہو جائے اس سے مالک کا حق، تو اگر اس کو کر لیا موصی نے تو یہ رجوع ہوگا، اور ہم شمار کر چکے ہیں ان افعال کو کتاب الغصب میں

وَكُلُّ فِعْلٍ يُوجِبُ زِيَادَةً فِي الْمُوصَى بِهِ وَلَا يُمْكِنُ تَسْلِيمُ الْعَيْنِ إِلَّا بِهَا فَهُوَ رُجُوعٌ إِذَا فَعَلَهُ

اور ہر وہ فعل جو واجب کر دیتا ہے زیادتی کو موصی بہ میں، اور ممکن نہ ہو عین سپرد کرنا مگر زیادتی کے ساتھ تو یہ رجوع ہوگا جب موصی انجام دے اس کو

مِثْلُ السَّوِيقِ يَلُتُّهُ بِالسَّمْنِ وَالدَّارِ يَبْنِي فِيهِ الْمُوصِي وَالْقُطْنِ يَحْشُو بِهِ وَالْبِطَانَةِ يُبَطِّنُ بِهَا وَالظِّهَارَةِ

جیسے ستو کو ملا دے گھی میں، اور گھر میں عمارت بنا دے موصی، اور روئی کو کسی چیز میں بھر لے، اور استر کے کپڑے سے استر بنائے، اور ابرے

يُظَهِّرُ بِهَا ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ تَسْلِيمُهُ بِدُونِ الزِّيَادَةِ ، وَلَا يُمْكِنُ نَقْضُهَا لِأَنَّهُ حَصَلَ فِي مِلْكِ الْمُوصِي

کو ابرہ بنائے؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے اس کو سپرد کرنا زیادتی کے بغیر، اور ممکن نہیں ہے اس کو توڑنا؛ کیونکہ حاصل ہوئی ہے موصی کی ملک میں

مِنْ جِهَتِهِ،بِخِلَافِ تَخْصِيصِ الدَّارِ الْمُوصَى بِهَا وَهَدْمِ بِنَائِهَا لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّابِعِ {۴}وَكُلُّ تَصَرُّفٍ أَوْجَبَ

موصی ہی کی طرف، برخلاف گچ کرنے کے موصی بہ گھر کو، اور اس کو گرانے کے؛ کیونکہ یہ تصرف ہے تابع میں۔ اور ہر وہ تصرف جو موجب ہو

زَوَالَ مِلْكِ الْمُوصِي فَهُوَ رُجُوعٌ ، كَمَا إِذَا بَاعَ الْعَيْنَ الْمُوصَى بِهِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ أَوْ وَهَبَهُ ثُمَّ رَجَعَ فِيهِ

ملک موصی کے زوال کو تو وہ رجوع ہے جیسا کہ اگر فروخت کر دیا عین موصی بہ، پھر خرید لیا اس کو، یا ہبہ کر دیا اس کو پھر رجوع کیا اس میں

لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَا تَنْفُذُ إِلَّا فِي مِلْكِهِ ، فَإِذَا أَزَالَهُ كَانَ رُجُوعًا .وَذَبْحُ الشَّاةِ الْمُوصَى بِهَا رُجُوعٌ

کیونکہ وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے مگر موصی کی ملک میں، پس جب اس کو زائل کر دیا تو یہ رجوع ہے، اور ذبح کرنا موصی بہ بکری کو رجوع ہے

لِأَنَّهُ لِلصَّرْفِ إِلَى حَاجَتِهِ عَادَةً،فَصَارَ هَذَا الْمَعْنَى أَصْلًا أَيْضًا ، وَغَسْلُ الثَّوْبِ الْمُوصَى بِهِ لَا يَكُونُ رُجُوعًا لِأَنَّ

؛ کیونکہ یہ اپنی حاجت میں صرف کرنے کے لیے ہے عادۃً، پس ہو گیا یہ بھی ایک ضابطہ، اور موصی بہ کپڑا دھونا رجوع نہ ہوگا؛ کیونکہ

مَنْ أَرَادَ أَنْ يُعْطِيَ ثَوْبَهُ غَيْرَهُ يَغْسِلُهُ عَادَةً فَكَانَ تَقْرِيرًا . {۵}قَالَ : وَإِنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ

غرض ارادہ کرتا ہے کہ دے اپنا کپڑا غیر کو وہ دھولیتا ہے اس کو عادۃً، پس یہ تقریر وصیت ہے۔

يَكُونُ رُجُوعًا، كَذَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ. وَقَالَ أَبُويُوسُفَ: يَكُونُ رُجُوعًا، لِأَنَّ الرُّجُوعَ نَفْيٌ فِي الْحَالِ وَالْجُحُودَ نَفْيٌ

فرمایا: اور جس نے انکار کیا وصیت سے، تو یہ رجوع نہ ہوگا، اسی طرح ذکر کیا ہے امام محمدؒ نے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے یہ رجوع ہے؛ کیونکہ رجوع فی الحال نفی ہے، اور انکار نفی ہے

فِي الْمَاضِي وَالْحَالِ، فَأَوْلَى أَنْ يَكُونَ رُجُوعًا ﴿٦﴾ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْجُحُودَ نَفْيٌ فِي الْمَاضِي وَالِانْتِفَاءُ فِي الْحَالِ ضَرُورَةٌ ذَلِكَ

ماضی اور حال میں، پس بہتر یہ ہے کہ یہ رجوع ہو، اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ انکار نفی ہے ماضی میں اور فی الحال انتفاء ضرورت ہے اس کی

وَإِذَا كَانَ ثَابِتًا فِي الْحَالِ كَانَ الْجُحُودُ لَغْوًا، أَوْ لِأَنَّ الرُّجُوعَ إِثْبَاتٌ فِي الْمَاضِي وَنَفْيٌ فِي الْحَالِ وَالْجُحُودُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِي

اور جب ثابت ہو گا فی الحال تو انکار لغو ہو گا، یا اس لیے کہ رجوع اثبات ہے ماضی میں اور نفی ہے حال میں، اور انکار نفی ہے ماضی

وَالْحَالِ فَلَا يَكُونُ رُجُوعًا حَقِيقَةً وَلِهَذَا لَا يَكُونُ جُحُودُ النِّكَاحِ فُرْقَةً ﴿٧﴾ وَلَوْ قَالَ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتُ بِهَا لِفُلَانٍ

اور حال میں پس یہ حقیقۃً رجوع نہ ہو گا، اسی لیے نہ ہو گا انکارِ نکاح فرقت۔ اور اگر کہا: ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لیے کی ہے

فَهُوَ حَرَامٌ وَرِبًا لَا يَكُونُ رُجُوعًا ؛ لِأَنَّ الْوَصْفَ يَسْتَدْعِي بَقَاءَ الْأَصْلِ - بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ فَهِيَ بَاطِلَةٌ ؛ لِأَنَّهُ

وہ حرام اور ربوا ہے تو یہ رجوع نہ ہو گا؛ کیونکہ وصف تقاضا کرتا ہے بقاءِ اصل کا، برخلاف اس کے جب کہا کہ وہ باطل ہے؛ کیونکہ باطل وہ ہے

الذَّاهِبُ الْمُتَلَاشِي ﴿٨﴾ وَلَوْ قَالَ أَخَّرْتُهَا لَا يَكُونُ رُجُوعًا ؛ لِأَنَّ التَّأْخِيرَ لَيْسَ لِلسُّقُوطِ كَتَأْخِيرِ الدَّيْنِ

جو ختم اور معدوم ہو جائے، اور اگر کہا کہ میں نے وصیت کو مؤخر کر دیا، تو یہ رجوع نہ ہو گا؛ کیونکہ تاخیر سقوط کے لیے نہیں ہے جیسے دَین کو مؤخر کرنا

بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ تَرَكْتُ ؛ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ ﴿٩﴾ وَلَوْ قَالَ الْعَبْدُ الَّذِي أَوْصَيْتُ بِهِ لِفُلَانٍ فَهُوَ لِفُلَانٍ

برخلاف اس کے جب کہا کہ میں نے ترک کر دی؛ کیونکہ یہ اسقاط ہے۔ اور اگر کہا وہ غلام جس کی میں نے وصیت کی فلاں کے لیے تو وہ فلاں کے لیے ہے

كَانَ رُجُوعًا ؛ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَدُلُّ عَلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ - بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى بِهِ لِرَجُلٍ ثُمَّ أَوْصَى بِهِ لِآخَرَ ؛

تو یہ رجوع ہے؛ کیونکہ لفظ دلالت کرتا ہے قطع شرکت پر، برخلاف اس کے جب وصیت کرلے کسی شخص کے لیے پھر وصیت کرلے اس کی دوسرے کے لیے

لِأَنَّ الْمَحَلَّ يَحْتَمِلُ الشَّرِكَةَ وَاللَّفْظُ صَالِحٌ لَهَا - وَكَذَا إِذَا قَالَ فَهُوَ لِفُلَانٍ وَارِثِي يَكُونُ رُجُوعًا

کیونکہ محل احتمال رکھتا ہے شرکت کا، اور لفظ صلاحیت رکھتا ہے شرکت کی، اور اسی طرح اگر کہا کہ وہ میرے فلاں وارث کا ہے تو یہ رجوع ہے

عَنِ الْأَوَّلِ ؛ لِمَا بَيَّنَّا وَيَكُونُ وَصِيَّةً لِلْوَارِثِ . وَقَدْ ذَكَرْنَا حُكْمَهُ ﴿١٠﴾ وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ الْآخَرُ مَيِّتًا حِينَ أَوْصَى

اول سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور یہ وصیت ہو گی وارث کے لیے، اور ہم ذکر چکے ہیں اس کا حکم، اور اگر فلاں آخر مر چکا ہو وصیت کے وقت

فالوصیۃ الاولی علی حالہا ، لان الوصیۃ الاولی انما تبطل ضرورۃ کونہا للثانی ولم یتحقق

تو پہلی وصیت اپنے حال پر ہو گئی؛ کیونکہ پہلی وصیت باطل ہوتی ہے ثانی کے لیے وصیت ہونے کی ضرورت سے، اور ثانی متحقق نہیں ہوا

فبقی للاول . ولو کان فلان حین قال ذلک حیا ثم مات قبل موت الموصی فہی للورثۃ

تو باقی رہی اول کے لیے، اور اگر فلاں جس وقت کہ یہ کہا زندہ ہو، پھر مر گیا موصی کی موت سے پہلے، تو وصیت اس کے ورثہ کے لیے ہے

لبطلان الوصیتین الاولی بالرجوع والثانیۃ بالموت .

دونوں وصیتوں کے بطلان کی وجہ سے، اول رجوع کی وجہ سے اور ثانی موت کی وجہ سے، واللہ تعالی اعلم بالصواب

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اور موصی کے لیے اپنی وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے؛ اس دلیل سے کہ وصیت ایک عقد تبرع ہے جو ابھی پورا نہیں ہوا ہے تو ہبہ کی طرح اس سے بھی رجوع کرنا جائز ہے اور ہم نے اس کو "کتاب الہبہ" میں بیان کر چکے ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی لہ کا وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت پر موقوف ہے پس موت سے پہلے موصی کی زندگی میں وصیت فقط ایجاب ہے اور قبول سے پہلے ایجاب کو باطل کرنا صحیح ہے جیسے بیع میں بیان ہوا کہ معاوضات میں قبول سے پہلے ایجاب کا ابطال صحیح ہے۔

﴿۲﴾ اگر موصی نے وصیت سے رجوع کرنے کو صریح بیان کیا مثلاً کہا کہ میں نے اپنی اس وصیت سے رجوع کیا یا زبان سے نہیں کہا البتہ ایسا کام کیا جو رجوع کرنے پر دلالت کرتا ہے تو یہ وصیت سے رجوع ہوگا پس صریح رجوع کرنے کی صورت میں تو رجوع کا صحیح ہونا ظاہر ہے؛ کیونکہ یہ عقد تبرع ہے جس سے قبول سے پہلے رجوع صحیح ہے، اسی طرح دلالۃً رجوع کرنا بھی اس لیے رجوع ہو جائے گا کہ دلالت بھی صریح کا کام دیتی ہے تو دلالۃً رجوع اس کے اس قول کے قائم مقام ہوگا کہ میں نے اپنی وصیت باطل کردی، اور یہ ایسا ہے جیسے مشتری کے لیے خیار شرط کے ساتھ بیع ہے جس میں اگر مشتری نے ایسا فعل کیا جو ابطال خیار پر دلالت کرتا ہو تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا۔

﴿۳﴾ پھر ہر وہ فعل جس کو اگر آدمی کسی غیر کی ملکیت میں کرے تو اس سے مالک کا حق اس ملک سے منقطع ہو جائے اس طرح کا فعل اگر موصی اپنی وصیت کی چیز میں عمل میں لائے تو یہ وصیت سے رجوع کرنا قرار دیا جائے گا اور ہم نے ایسے افعال کو "کتاب الغصب" میں شمار کر دیا ہے۔ اور ہر ایسا فعل جس سے موصی بہ چیز میں اس طرح زیادتی لازم آتی ہو کہ اس زیادتی کے بغیر یہ چیز موصی لہ کو سپرد نہ کی جا سکتی ہو تو یہ بھی اس کی وصیت سے رجوع ہے جب موصی اس طرح کا فعل کرے مثلاً وصیت کے ستو کو گھی میں ملا دیا یا وصیت کے مکان میں موصی کوئی عمارت بنائے یا وصیت کی روئی کو لحاف میں بھر دے یا وصیت کے استر (دوہرے کپڑے کی نیچے کی تہ) کو کسی کپڑے کا استر کر دے، یا وصیت کے ابرے (دوہرے کپڑے کی اوپر کی پرت)

و ہر ابتداء ے تو یہ وصیت سے رجوع ہے؛ کیونکہ موصی اس زیادتی کے بغیر موصی بہ چیز موصی لہ کو سپرد نہیں کر سکتا اور اس تصرف و توڑنا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ یہ موصی کی ملکیت میں موصی ہی کی جانب سے پیدا ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کام کسی کی جانب سے تام ہو جائے پھر وہ خود اس کے توڑنے میں سعی کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہے۔

اس کے برخلاف اگر کسی مکان کی وصیت کی پھر اس میں گچ کرائی یا اس کی عمارت گرائی تو یہ رجوع نہیں ہے؛ کیونکہ یہ اس زمین میں تصرف نہیں بلکہ اس کے تابع عمارت میں تصرف ہے اور تابع میں تصرف اصل سے رجوع پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

{۴} ہر وہ تصرف جو موصی کی ملکیت کو زائل کر دے وہ بھی وصیت سے رجوع ہے مثلاً موصی نے عین موصی بہ کو فروخت کر دیا تو یہ وصیت سے رجوع ہے اگرچہ پھر اس کو خرید لے، یا عین موصی بہ کو ہبہ کر دیا تو یہ وصیت سے رجوع ہے اگرچہ پھر ہبہ سے رجوع کرلے؛ کیونکہ وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے مگر موصی کی ملک میں تو جب اس نے اپنی ملکیت زائل کر دی تو یہ وصیت سے رجوع ہے۔ وصیت کی بکری کو ذبح کر دینا بھی رجوع ہے؛ کیونکہ اپنی بکری کو ذبح کرنا عادۃً اپنی ضرورت میں صرف کرنے لیے ہوتا ہے تو یہ بھی ایک قاعدہ کلیہ ہو گیا کہ جب موصی موصی بہ میں ایسا تصرف کرے جس کے بعد اسے عادۃً اپنی حاجت میں صرف کیا جاتا ہو تو یہ وصیت سے رجوع ہے۔ اور موصی بہ کپڑے کو دھونا وصیت سے رجوع نہیں ہے؛ کیونکہ جو شخص اپنا کپڑا کسی دوسرے کو دینا چاہتا ہے تو عادت یہ ہے کہ اس کو دھولیتا ہے تو دھونا اس وصیت کی مضبوطی ہو گئی لہذا وصیت سے رجوع نہیں ہے۔

{۵} جس شخص نے اپنی وصیت سے انکار کیا یعنی کہا کہ میں نے وصیت ہی نہیں کی تھی تو یہ وصیت سے رجوع کرنا نہیں ہوگا ایسا ہی امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ وصیت سے رجوع ہے؛ کیونکہ رجوع فی الحال وصیت کی نفی ہے یعنی گویا فی الحال اس عقد وصیت کو باطل کر دیا اور انکار ایسی چیز ہے کہ جس سے فی الحال اور ماضی دونوں میں وصیت کی نفی ہے تو یہ بدرجہ اولی رجوع ہوگا۔

{۶} امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ انکار در حقیقت زمانہ ماضی میں نفی ہے یعنی زمانہ ماضی میں وصیت نہیں ہوئی تھی، اور فی الحال منفی ہونا اس کے لیے ضرورۃً ثابت ہے یعنی جب ماضی میں نفی ہے تو لازمی طور پر فی الحال بھی نفی ہوگی، لیکن ماضی میں انتفاء وصیت ثابت نہیں؛ کیونکہ یہ جھوٹ ہے لہذا فی الحال انتفاء وصیت بھی ثابت نہ ہوگا اور جب انتفاء ثابت نہ ہوا تو لامحالہ وصیت فی الحال ثابت ہوگی اور جب وصیت ثابت ہو گئی تو اس کا ماضی میں انکار لغو ہوگا اس لیے وصیت سے انکار رجوع نہیں ہے۔ یا اس وجہ سے کہ رجوع کا معنی یہ ہے کہ فقط زمانہ ماضی میں اثبات تھا اور فی الحال اس کی نفی ہے اور انکار کا معنی یہ ہے کہ زمانہ ماضی اور حال دونوں میں نفی ہے تو یہ در حقیقت رجوع نہیں ہے؛ کیونکہ رجوع مفرد اور انکار مرکب ہے اور مفرد و مرکب میں منافات ہے یہی وجہ ہے کہ نکاح سے

انکار میں فرقت اور طلاق نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ انکار ماضی میں مقتضی ہے کہ نکاح ماضی میں نہ ہو اور طلاق نکاح کے وجود کے لیے مقتضی ہے پس دونوں میں منافات ہے اس لیے انکار رجوع نہ ہوگا۔

فتوی:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی الدرّ المختار: (وَلَا بِجُحُودِهَا) دُرَرٌ وَكَنْزٌ وَوِقَايَةٌ وَفِي الْمَجْمَعِ بِهِ يُفْتَى وَمِثْلُهُ فِي الْعَيْنِيِّ ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْعُيُونِ: أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى أَنَّهُ رُجُوعٌ وَفِي السِّرَاجِيَّةِ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ قال العلامة ابن عابدين (قَوْلُهُ وَلَا بِجُحُودِهَا) لِأَنَّ الرُّجُوعَ عَنْ الشَّيْءِ يَقْتَضِي سَبْقَ وُجُودِهِ وَجُحُودُ الشَّيْءِ يَقْتَضِي سَبْقَ عَدَمِهِ إذَا الْجُحُودُ نَفْيٌ لِأَصْلِ الْعَقْدِ، فَلَوْ كَانَ الْجُحُودُ رُجُوعًا اقْتَضَى وُجُودَ الْوَصِيَّةِ وَعَدَمَهَا فِيمَا سَبَقَ وَهُوَ مُحَالٌ كِفَايَةٌ (قَوْلُهُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ) قَالَ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى وَلَكِنَّ الْمُتُونَ عَلَى الْأَوَّلِ وَلِذَا قَدَّمَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى عَادَتِهِ اهـ. أَقُولُ: وَأَخَّرَ فِي الْهِدَايَةِ دَلِيلَهُ فَكَانَ مُخْتَارًا لَهُ قَالَ فِي النِّهَايَةِ. وَجَزَمَ بِهِ فِي الْمَوَاهِبِ وَالْإِصْلَاحِ قَالَ فِي قَضَاءِ الْفَوَائِتِ مِنْ الْبَحْرِ، وَإِذَا اخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ وَالْإِفْتَاءُ فَالْعَمَلُ بِمَا وَافَقَ الْمُتُونَ أَوْلَى (الدر المختار مع الشامية: ۴۶۶/۵)

{۷} اگر موصی نے کہا کہ ہر وصیت جس کی میں نے زید کے لیے وصیت کی تھی وہ حرام اور سود ہے تو یہ وصیت سے رجوع نہیں ہوگا؛ کیونکہ حرام اور سود ہونا ایک وصف ہے اور وصف چاہتا ہے کہ اصل موصوف یعنی وصیت باقی رہے؛ کیونکہ جب اصل موصوف موجود ہو تو وصف اس کے ساتھ لاحق ہو سکتا ہے لہٰذا وصف چاہتا ہے کہ موصوف موجود رہے اس لیے وصیت کو مذکورہ وصف کے ساتھ متصف کرنا اصل وصیت سے رجوع نہ ہوگا۔ اس کے خلاف اگر کہا کہ وہ باطل ہے یعنی ہر وہ وصیت جو میں نے زید کے لیے وصیت کی تھی وہ باطل ہے تو یہ وصیت سے رجوع ہے؛ کیونکہ باطل ایسی چیز کو کہتے ہیں جو نیست و نابود ہو جائے لہٰذا نہ اصل وصیت رہے گی اور نہ اس کا وصف، اس لیے یہ وصیت سے رجوع ہے۔

{۸} اور اگر موصی نے کہا کہ میں نے جو وصیت زید کے لیے کی تھی اس کو میں نے مؤخر کر دیا تو یہ وصیت سے رجوع نہیں ہے؛ کیونکہ تاخیر اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ چیز ساقط ہو جائے جیسے قرضہ مؤخر کر دینے کی وجہ سے ساقط نہیں ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر موصی نے کہا کہ میں نے جو وصیت زید کے لیے کی تھی اس کو میں نے ترک کر دیا تو یہ وصیت سے رجوع ہے؛ کیونکہ متروک کرنا ساقط کرنے کے معنی میں ہے اور ساقط کرنا رجوع ہے۔ اور اگر کہا کہ وہ غلام جس کی میں نے زید کے لیے وصیت کی تھی وہ بکر کے لیے ہے تو یہ وصیت سے رجوع ہے؛ کیونکہ یہ لفظ زید اور بکر کے درمیان شرکت کے انقطاع پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ زید کے لیے وصیت کی گئی چیز بعینہ بکر کے لیے قرار دی اس لیے یہ زید کے لیے وصیت سے رجوع ہے۔

{۹}اس کے برخلاف اگر اپنے غلام کی وصیت زید کے لیے کی پھر اسی غلام کی وصیت بکر کے لیے کی تو یہ ان دونوں کے لیے مساوی وصیت ہے؛ کیونکہ وصیت کا محل یعنی غلام شرکت کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ وصیت بھی اس معنی کے لیے لائق ہے یعنی لفظِ وصیت انقطاع شرکت کا تقاضا نہیں کر رہا ہے اس لیے موصی بہ چیز میں دونوں شریک ہوں گے۔ اور اگر کہا کہ ہر وصیت جو میں نے زید کے لیے کی تھی وہ میرے وارث خالد کے لیے ہے تو یہ زید کی وصیت سے رجوع ہے؛ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ یہ لفظ اول سے انقطاع پر دلالت کرتا ہے پھر یہ وارث کے لیے وصیت ہو جائے گی اور ہم نے وارث کے لیے وصیت کا حکم پہلے بیان کیا ہے کہ دیگر ورثہ کو اختیار ہے کہ وہ اس وصیت کی اجازت دیں یا اس کو رد کر دیں۔

{۱۰}اور اگر اس مسئلہ میں کہ "جس غلام کی وصیت میں نے زید کے لیے کی تھی وہ بکر کے لیے ہے" بکر وصیت کے وقت مر چکا تھا تو زید کے لیے وصیت اپنے حال پر باقی رہے گی؛ کیونکہ زید کے لیے وصیت باطل ہونا اس ضرورت سے تھا کہ مذکورہ غلام بکر کے لیے بلا شرکتِ غیر ہوا تھا اور اب چونکہ بکر مر چکا ہے تو غلام بکر کے لیے متحقق نہ ہوا اس لیے وصیت اول (زید) کے لیے باقی رہے گی، اور اگر وصیت کے وقت بکر زندہ ہو پھر موصی کی موت سے پہلے مر گیا تو یہ وصیت (غلام) اس موصی کے وارثوں کے لیے میراث ہوگی؛ کیونکہ دونوں وصیتیں باطل ہوگئی، پہلی وصیت رجوع کی وجہ سے باطل ہوگئی اور دوسری وصیت موصی لہ (بکر) کی موت کی وجہ سے باطل ہوگئی اس لیے موصی بہ غلام موصی کے وارثوں کو میراث میں ملے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ

یہ باب ثلثِ مال کی وصیت کرنے کے بیان میں ہے۔

چونکہ "کتاب الوصایا" کے مسائل کا محور ثلثِ مال ہے بشرطیکہ ورثہ زائد کی اجازت نہ دیں اس لیے اس کتاب کے مقدمات کو ذکر کرنے کے بعد مصنف نے اس باب میں ان مسائل کو بیان فرمایا ہے جو اس باب سے تعلق رکھتے ہیں۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ
فرمایا: اور جس نے وصیت کی کسی شخص کے لیے اپنے ثلثِ مال کی اور ایک اور شخص کے لیے بھی اپنے ثلثِ مال کی وصیت کی، اور اجازت نہ دی
الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّهُ يَضِيقُ الثُّلُثُ عَنْ حَقِّهِمَا إِذْ لَا يُزَادُ
ورثہ نے تو ثلث ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا؛ کیونکہ تنگ ہے ثلث ان دونوں کے حق سے؛ اس لیے کہ اضافہ نہیں کیا جائے گا
عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ وَقَدْ تَسَاوَيَا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الِاسْتِحْقَاقِ،
ثلث پر عدم اجازت کے وقت جیسا کہ سابق میں گزر چکا، اور وہ دونوں برابر ہیں سبب استحقاق میں، پس دونوں برابر ہوں گے استحقاق میں۔

وَالْمَحَلُّ يَقْبَلُ الشَّرِكَةَ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا {۲} وَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ

اور محل قبول کرتا ہے شرکت کو، پس ثلث دونوں میں مشترک ہوگا۔ اور اگر وصیت کی دونوں میں سے ایک کے لیے ثلث کی اور

بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُدْلِي بِسَبَبٍ صَحِيحٍ وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْ

سدس کی، تو ثلث ان دونوں کے درمیان اثلاثا ہوگا؛ کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں سے لیتا ہے صحیح سبب کی وجہ سے، اور تنگ ہے ثلث ان دونوں

فَيَقْتَسِمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا كَمَا فِي أَصْحَابِ الدُّيُونِ فَيَجْعَلُ الْأَقَلَّ سَهْمًا وَالْأَكْثَرَ سَهْمَ

پس وہ دونوں تقسیم کریں گے ثلث کو اپنے حقوق کے بقدر جیسا کہ اصحاب دیون میں ہوتا ہے، پس اقل کو ایک سہم اور اکثر کو دو سہم قرار دیا جائے

فَصَارَ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ : سَهْمٌ لِصَاحِبِ الْأَقَلِّ وَسَهْمَانِ لِصَاحِبِ الْأَكْثَرِ {۳} وَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِ

پس ہو جائیں گے تین حصے، ایک حصہ صاحب اقل کے لیے اور دو حصے صاحب اکثر کے لیے۔ اور اگر وصیت کی دونوں میں سے ایک کے لیے

بِجَمِيعِ مَالِهِ وَلِلْآخَرِ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ ، فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَسْهُمٍ

اپنے پورے مال کی اور دوسرے کے لیے اپنے ثلث مال کی، اور اجازت نہ دی ورثہ نے، تو ثلث ان دونوں کے درمیان چار حصوں پر ہوگا

عِنْدَهُمَا .وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ ،{۴}وَلَا يَضْرِبُ أَبُو حَنِيفَةَ لِلْمُوصَى

صاحبینؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام صاحبؒ نے ثلث ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، اور نہیں دیتے ہیں امام صاحبؒ موصیٰ لہ کو

بِمَازَادَعَلَى الثُّلُثِ إِلَّافِي الْمُحَابَاةِوَالسِّعَايَةِوَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ؛{۵}لَهُمَافِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْمُوصِي قَصَدَ شَيْئَيْنِ

ثلث سے زائد، مگر محابات، سعایت اور دراہم مرسلہ میں۔ صاحبینؒ کی دلیل اختلافی مسئلہ میں یہ ہے کہ موصی نے قصد کیا ہے دو چیزوں کا

الِاسْتِحْقَاقَ وَالتَّفْضِيلَ ، وَامْتَنَعَ الِاسْتِحْقَاقُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلَا مَانِعَ مِنَ التَّفْضِيلِ فَيَثْبُتُ كَمَا فِي الْمُحَابَاةِ

استحقاق اور تفضیل کا، استحقاق تو ممتنع ہوا ورثہ کے حق کی وجہ سے، اور کوئی مانع نہیں ہے تفضیل سے پس ثابت ہوگی جیسا کہ محابات

وَأُخْتَيْهَا . {۶}وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ وَقَعَتْ بِغَيْرِ الْمَشْرُوعِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ مِنَ الْوَرَثَةِ

اور اس کی دونوں نظیروں میں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت واقع ہوئی ہے غیر مشروع کی ورثہ کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی صورت میں

إِذْ لَا نَفَاذَ لَهَا بِحَالٍ فَيَبْطُلُ أَصْلًا ، وَالتَّفْضِيلُ يَثْبُتُ فِي ضِمْنِ الِاسْتِحْقَاقِ فَبَطَلَ

اس لیے کہ نافذ نہیں ہوسکتی ہے یہ وصیت کسی حال میں، پس باطل ہوگی بالکل، اور تفضیل ثابت ہوتی ہے استحقاق کے ضمن میں، پس باطل ہوگی

بِبُطْلَانِهِ كَالْمُحَابَاةِ الثَّابِتَةِ فِي ضِمْنِ الْبَيْعِ ،{۷}بِخِلَافِ مَوَاضِعِ الْإِجْمَاعِ لِأَنَّ لَهَا نَفَاذًا

بطلانِ استحقاق کی وجہ سے جیسے وہ محابات جو ثابت ہو بیع کے ضمن میں۔ برخلاف متفق علیہا صورتوں کے؛ کیونکہ ان کے لیے نفاذ ہے

فِي الْجُمْلَةِ بِدُونِ إجَازَةِ الْوَرَثَةِ بِأَنْ كَانَ فِي الْمَالِ سَعَةٌ فَتُعْتَبَرُ فِي التَّفَاضُلِ لِكَوْنِهِ مَشْرُوعًا فِي الْجُمْلَةِ،

فی الجملہ ورثہ کی اجازت کے بغیر، بایں طور کہ مال میں وسعت ہو تو معتبر ہوگی تفاضل کے حق میں؛ اس کے مشروع ہونے کی وجہ سے فی الجملہ

بِخِلَافِ مَا نَحْنُ فِيهِ . ﴿٨﴾وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا أَوْصَى بِعَيْنٍ مِنْ تَرِكَتِهِ

برخلاف اس مسئلہ کے جس میں ہماری گفتگو ہے۔ اور یہ برخلاف اس صورت کے ہے جب وصیت کرلے کسی معین چیز کی اپنے ترکہ میں سے

وَقِيمَتُهُ تَزِيدُ عَلَى الثُّلُثِ فَإِنَّهُ يُضْرَبُ بِالثُّلُثِ وَإِنْ احْتَمَلَ أَنْ يَزِيدَ الْمَالُ فَيَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ ، لِأَنَّ هُنَاكَ

اور اس کی قیمت زائد ہو ثلث سے، تو اس کو دیا جائے گا ثلث، اگرچہ احتمال ہو کہ بڑھ جائے مال، پس عین نکلے ثلث سے؛ کیونکہ یہاں

الْحَقُّ تَعَلَّقَ بِعَيْنِ التَّرِكَةِ ، بِدَلِيلِ أَنَّهُ لَوْ هَلَكَ وَاسْتَفَادَ مَالًا آخَرَ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ،

حق متعلق ہوا ہے عین ترکہ سے؛ اس دلیل کی وجہ سے کہ اگر ہلاک ہوا اور موصی نے حاصل کیا دوسرا مال تو باطل ہو جائے گی وصیت،

وَفِي الْأَلْفِ الْمُرْسَلَةِ لَوْ هَلَكَتِ التَّرِكَةُ تَنْفُذُ فِيمَا يُسْتَفَادُ فَلَمْ يَكُنْ مُتَعَلِّقًا بِعَيْنِ مَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْوَرَثَةِ.

اور ہزار مطلق میں اگر ہلاک ہوا ترکہ تو وصیت نافذ ہوگی مستفاد مال میں، پس حق متعلق نہ ہوا اس عین کے ساتھ جس کے ساتھ متعلق ہے ورثہ کا حق۔

تشریح:۔﴿۱﴾اگر ایک شخص نے اپنے ثلث مال کی زید کے لیے وصیت کی اور بکر کے لیے بھی ثلث مال کی وصیت کی اور وارثوں نے دونوں ثلثوں کی اجازت نہ دی تو ترکہ میں سے ایک ثلث مال ان دونوں میں مساوی تقسیم ہوگا؛ کیونکہ بندہ ایک ثلث تک وصیت کرسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں کرسکتا ہے اور ایک ثلث میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ دونوں موصی لہا کا حق پورا ہو جائے؛ کیونکہ وارثوں کی اجازت نہ ہونے کے وقت ایک ثلث سے زیادہ وصیت نہیں ہوسکتی چنانچہ "کتاب الوصایا" کے شروع میں اس کا بیان ہو چکا اور سببِ استحقاق میں دونوں موصی لہا برابر ہیں تو استحقاق میں بھی دونوں برابر ہوں گے یعنی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی؛ کیونکہ شئی کے سبب میں برابری استحقاق میں برابری کو واجب کرتی ہے اس لیے ثلث مال میں دونوں برابر ہوں گے، اور محل (ثلث مال) اس قابل ہے کہ جس میں شرکت ہوسکے اس لیے ثلث مال ان دونوں میں مساوی مشترک ہوگا۔

﴿۲﴾اور اگر موصی نے زید کے لیے ثلث مال کی اور بکر کے لیے چھٹے حصے مال کی وصیت کی ہو اور وارثوں نے ثلث سے زائد کی اجازت نہ دی تو ثلث مال ان دونوں میں اثلاثاً مشترک ہوگا یعنی ترکہ کے ثلث کے تین حصے کیے جائیں جن میں سے دو حصے

زید کے لیے اور ایک حصہ بکر کے لیے ہوگا؛ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک سبب صحیح کی وجہ سے مستحق ہے اور ترکہ کا ثلث ان دونوں کے حق سے کم ہے یعنی ان دونوں کے حق کی گنجائش ایک ثلث میں نہیں ہے تو یہ دونوں ایک ثلث کو اپنے حقوق کے بقدر تقسیم کریں جیسے مختلف قرضخواہوں کی صورت میں ہوتا ہے یعنی اگر میت کے ذمہ مختلف قرضخواہوں کے قرضے ہوں کسی کے کم کسی کے زیادہ ہوں اور ترکہ سے یہ قرضے ادا نہ ہوسکتے ہوں تو ہر ایک قرضخواہ کو اس کے حق کے بقدر ترکہ میں سے دیا جائے گا، پس مذکورہ صورت میں بھی کمتر حصہ والے کو ایک حصہ دیا جائے یعنی چھٹے حصے والے کو ایک حصہ دیا جائے اور زیادہ حصے والے کو دو حصے دیئے جائیں؛ کیونکہ ایک تہائی میں دو چھٹے حصے نکلتے ہیں پس کل تین حصے ہوئے جن میں سے ایک حصہ بکر کے لیے ہوگا اور دو حصے زید کے لیے ہوں گے۔

{۳} اگر موصی نے زید کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کی اور بکر کے لیے ایک ثلث مال کی وصیت کی اور وارثوں نے ثلث سے زائد مال کی اجازت نہ دی، تو صاحبینؒ کے نزدیک ترکہ کا ثلث ان دونوں میں چار حصے ہو کر تقسیم ہوگا تین حصے کل مال کے موصی لہ کو ملیں گے اور ایک حصہ ثلث مال کے موصی لہ کو ملے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ترکہ کا ثلث ان دونوں میں نصف نصف ہوگا۔

{۴} امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جب موصی لہ کے لیے ترکہ کے ثلث سے زائد کی وصیت ہو تو وہ زائد موصی لہ کو نہیں دیتے ہیں، سوائے تین صورتوں کے ایک یہ کہ مریض نے بیع میں کوئی محابات کی ہو (2) غلام کی کمائی میں (3) دراہم مرسلہ یعنی غیر معین مال کی وصیت میں مثلاً درہموں کی وصیت ہو۔

محابات فی البیع کی صورت یہ ہے کہ زید کے دو غلام ہیں ان میں سے ایک کی قیمت گیارہ سو روپے ہے اور دوسرے کی چھ سو روپے ہے، اب اول کی وصیت زید نے خالد کے لیے کی اور دوسرے کی بکر کے لیے کی، اور یوں کہا کہ اول غلام خالد کے ہاتھ سو روپے میں فروخت کیا جائے اور دوسرا بکر کے ہاتھ سو روپے میں فروخت کیا جائے، تو اگر زید نے ان دونوں غلاموں کے علاوہ اتنا مال چھوڑا ہو جو ان کا دو ثلث یا زیادہ ہے تو یہ وصیت پوری پوری نافذ ہوگی، اور اگر زید نے ان دونوں کے علاوہ کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو وصیت فقط ترکہ کے ثلث میں نافذ ہوگی اور وہ ثلث ان دونوں موصی لہما کو ان کے حق کے تناسب سے ملے گا تو گویا زید نے خالد کے لیے ہزار روپے اور بکر کے لیے پانچ سو روپے وصیت کئے ہیں جن کا ثلث پانچ سو روپے ہے تو خالد کو پانچ سو کے دو ثلث اور بکر کو ایک ثلث ملے گا اور باقی قیمت موصی کے ورثہ کو دی جائے گی، بہرحال امام صاحبؒ کے نزدیک اگر یہ صورت مستثنیٰ نہ ہوتی تو خالد اور بکر دونوں کے لیے پانچ سو میں سے نصف نصف ہوتا اور باقی قیمت موصی کے ورثہ کو دی جاتی، مگر یہاں انہوں نے اپنے اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور حق کے تناسب کے لحاظ سے ثلث کو تقسیم کیا ہے۔

غلام کی کمائی کی صورت یہ ہے کہ زید نے اپنے دو غلاموں کے عتق کی وصیت کی اور زید کا کوئی مال ان دونوں غلاموں کے علاوہ نہیں ہے اور ان میں سے ایک کی قیمت دو ہزار ہے اور دوسرے کی ایک ہزار ہے تو یہ وصیت ثلث کے اندر نافذ ہوگی اور دو ثلث کے اندر ان پر کمائی واجب ہوگی جو یہ کما کر ورثہ کو دیں گے لیکن اس ثلث کے اندر دونوں کی قیمت کے تناسب سے تقسیم ہوگی، اور ان دونوں کی قیمت کا مجموعہ تین ہزار ہے جس کا ثلث ایک ہزار ہے تو جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے اس کی قیمت میں سے دو ثلث یعنی چھ سو چھیاسٹھ روپے ساقط ہو جائیں گے اور باقی وہ کما کر ورثہ کو دے گا، اور جس غلام کی قیمت ایک ہزار روپے ہے اس کی قیمت میں سے ایک ثلث یعنی تین سو تینتیس روپے ساقط ہو جائیں گے اور وہ اپنی بقیہ قیمت کما کر ورثہ کو دے گا، یہاں بھی اگر امام صاحبؒ کے نزدیک یہ صورت مستثنٰی نہ ہوتی تو یہ وصیت دونوں غلاموں پر نصف نصف تقسیم ہوتی مگر یہاں بھی امام صاحبؒ نے اپنے اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور ہر ایک کے حق کے تناسب کے لحاظ سے ثلثِ ترکہ کو تقسیم کیا ہے۔

دراہم مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ ثلث اس کا اور نصف اس کا وغیرہ بلکہ وہ مطلقاً یوں کہتا ہے کہ دو سو روپے کی وصیت خالد کے لیے ہے اور بکر کے لیے سو کی اور اس کے پاس صرف یہی مال ہے تو یہ وصیت صرف ثلث یعنی سو میں نافذ ہوگی جن میں سے اول کو ثلث میں سے دو حصے یعنی چھیاسٹھ روپے اور دوسرے کو ایک حصہ یعنی تینتیس روپے ملیں گے، یہاں بھی امام صاحبؒ نے اپنا یہ اصول چھوڑ دیا ہے کہ دونوں کو ترکہ کے ثلث کا نصف نصف دیا جائے بلکہ ہر ایک کے حق کے تناسب کے لحاظ سے ترکہ کے ثلث کو تقسیم کیا ہے۔

{۵} اختلافی صورت (جس میں ایک کے لیے کل مال اور دوسرے کے لیے ثلث کی وصیت ہو) میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے کل مال کی وصیت کرنے میں دو باتوں کا قصد کیا، ایک یہ کہ زید کے لیے کل مال کا استحقاق ثابت ہو، دوم یہ کہ بکر پر اس کو ترجیح اور تفضیل حاصل ہو، پھر ان دونوں باتوں میں سے کل مال کا استحقاق تو ورثہ کے حق کی وجہ سے ممتنع ہوا؛ کیونکہ ثلث سے زائد مال کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا، اور رہی دوسری بات یعنی زید کو بکر پر ترجیح دینا تو اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے لہٰذا یہ ترجیح ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ حکم علت کے بقدر ثابت ہو جاتا ہے اور یہ ترجیح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ثلث کو زید اور بکر کے درمیان ارباعاً تقسیم کیا جائے یعنی زید کو تین حصوں کے حساب سے اور بکر کو ایک حصہ کے حساب سے شریک قرار دیا جائے یوں بقدرِ امکان میت کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے جیسے محابات، سعایت اور دراہم مرسلہ کی صورت میں اس طرح ہوتا ہے۔

{۶}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب وارثوں نے اجازت نہ دی تو ثلث سے زائد کی وصیت ایسے طور پر واقع ہوئی جو مشروع نہیں ہے؛کیونکہ یہ وصیت کسی حال میں نافذ نہیں ہوسکتی تو یہ وصیت ابتداء ہی سے باطل ہوگئی یعنی ثلث سے زائد کی وصیت باطل ہوگئی اور فقط ثلث کی وصیت رہ گئی تو زید اور بکر دونوں برابر ہوگئے رہا زید کو ترجیح دینا تو یہ ترجیح اگر ثابت ہوتی تو استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتی لیکن یہاں ثلث سے زائد کا استحقاق باطل ہوا تو استحقاق باطل ہونے کے ضمن میں یہ ترجیح بھی باطل ہوگئی جیسے وہ محابات جو بیع کے ضمن میں ہو تو بیع کے باطل ہونے کے ضمن میں محابات بھی باطل ہو جاتی ہے لہذا ثلث مال دونوں میں نصف نصف ہوگا۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الشامیة: (قَوْلُهُ: فَاضْرِبْ الْكُلَّ فِي الثُّلُثَيْنِ) صَوَابُهُ فِي الثُّلُثِ كَمَا فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَيْ اضْرِبْ كُلَّ حَظٍّ فِي ثُلُثِ الْمَالِ بِأَنْ تَضْرِبَ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ حَظَّ صَاحِبِ الْكُلِّ فِي الثُّلُثِ وَسَهْمًا وَاحِدًا حَظًّا لِآخِرِ الثُّلُثِ يَحْصُلُ أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ، تَجْعَلُ ثُلُثَ الْمَالِ، يُعْطَى لِلْأَوَّلِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الثُّلُثِ، وَلِلثَّانِي رُبُعُهُ وَسَيَتَّضِحُ ثُمَّ الصَّحِيحُ قَوْلُ الْإِمَامِ كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْعَلَّامَةِ قَاسِمٍ وَالدُّرِّ الْمُنْتَقَى عَنِ الْمُضْمَرَاتِ وَغَيْرِهَا (ردالمحتار:۵/۴۷۲)

{۷}باقی مذکورہ بالا متفق علیہا تین مسائل کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی مریض کی محابات جو بمعنی وصیت ہوتی ہے،سعایت کی صورت اور دراہم مرسلہ کی صورت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛کیونکہ ان تین صورتوں میں وارثوں کی اجازت کے بغیر فی الجملہ وصیت نافذ ہوتی ہے بایں طور کہ مثلاً مال میں گنجائش نکل آئے مثلاً کوئی مخفی مال ظاہر ہو جائے یا وہ موت سے پہلے اتنا کمائے کہ یہ وصیتیں ثلثِ ترکہ سے نکلیں جبکہ کل مال کا ایک کے لیے اور ثلث کا دوسرے کے لیے وصیت کی صورت ممکن نہیں ہوسکتا ہے؛کیونکہ مال جتنا بڑھ جائے یہ وصیت اس سے نہیں نکل سکتی ہے،بہر حال نصف نصف کے بجائے کمی بیشی کے بارے میں صرف اس وجہ سے اس وصیت کا اعتبار کیا گیا کہ یہ فی الجملہ مشروع ہے،برخلافِ کتاب کے مسئلہ کے کہ وہ ورثہ کی اجازت کے بغیر کسی طرح مشروع نہیں ہے اس لیے اس میں تفاضل کا اعتبار ظاہر نہ ہوگا۔

{۸}واضح رہے کہ یہ اعتبار صرف دراہم مرسلہ کی وصیت میں ہے یعنی جن میں کوئی تعیین نہ ہو باقی یہ صورت اس کے برخلاف ہے کہ جب ترکہ میں سے کسی مالِ عین کی وصیت میں اس طرح کا تفاضل ہو اور ثلثِ ترکہ سے اس کی قیمت زائد ہو تو موصی لہ صرف ایک ثلث کے حساب سے مستحق قرار دیا جائے گا اگرچہ یہاں بھی یہ احتمال ہے کہ مال میں زیادتی ہو جائے کہ جس سے یہ عین وصیت اس کا ثلث نکلے؛اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی لہ کا حق اس صورت میں اسی مالِ عین سے متعلق ہوا ہے اس لیے کہ اگر یہ مالِ عین تلف ہو جائے اور میت کو دوسرا مال حاصل ہو تو بھی وصیت باطل ہو جاتی ہے جبکہ ہزار دراہم مرسلہ کی وصیت کی صورت میں اگر کل

ترکہ تلف ہو جائے پھر میت کا کچھ مال برآمد ہو تو مذکورہ وصیت اس مال سے نافذ کی جاتی ہے؛ کیونکہ وصیت اسی ترکہ کے ساتھ متعلق نہیں تھی جس سے وارثوں کا حق متعلق ہے اس لیے اس کا بطلان لازم نہیں آتا ہے، پس وصیتِ معینہ اور وصیتِ مرسلہ میں یہی فرق ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا أَوْصَى بِنَصِيبِ ابْنِهِ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ .وَلَوْ أَوْصَى بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ جَازَ ؛

فرمایا: اور اگر وصیت کی اپنے بیٹے کے حصے کی تو وصیت باطل ہے، اور اگر وصیت کی بیٹے کے حصے کے مثل کی تو جائز ہے

لِأَنَّ الْأَوَّلَ وَصِيَّةٌ بِمَالِ الْغَيْرِ ، لِأَنَّ نَصِيبَ الِابْنِ مَا يُصِيبُهُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالثَّانِيَ وَصِيَّةٌ بِمِثْلِ نَصِيبِ الِابْنِ

کیونکہ اول وصیت ہے مالِ غیر کی؛ اس لیے کہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو اس کو ملتا ہے موت کے بعد، اور ثانی وصیت ہے بیٹے کے حصے کے مثل کی

وَمِثْلُ الشَّيْءِ غَيْرُهُ وَإِنْ كَانَ يَتَقَدَّرُ بِهِ فَيَجُوزُ ،{۲}وَقَالَ زُفَرُ : يَجُوزُ فِي الْأَوَّلِ أَيْضًا

اور شی کا مثل اس کا غیر ہوتا ہے اگرچہ مثل کا اندازہ ہوتا ہے اس شی سے پس جائز ہے، اور فرمایا امام زفرؒ نے جائز ہے اول میں بھی

نَظَرًا إلَى الْحَالِ وَالْكُلُّ مَالُهُ فِيهِ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا . {۳}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِسَهْمٍ

نظر کیا جائے گا فی الحال کا، اور کل مال موصی کا ہے فی الحال، اور ان کا جواب وہی ہے جو ہم کہہ چکے۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی ایک حصے کی

مِنْ مَالِهِ فَلَهُ أَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ إلَّا أَنْ يَنْقُصَ عَنْ السُّدُسِ فَيُتَمُّ لَهُ السُّدُسُ

اپنے مال سے، تو اس کے لیے کمتر حصہ ہوگا سہامِ ورثہ میں سے، مگر یہ کہ کم ہو سدس سے، تو پورا کیا جائے گا اس کے لیے سدس کو،

وَلَا يُزَادُ عَلَيْهِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَهُ مِثْلُ نَصِيبِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ

اور نہیں بڑھایا جائے گا اس پر، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا: اس کے لیے احد الورثہ کے حصے کا مثل ہوگا

وَلَا يُزَادُ عَلَى الثُّلُثِ إلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ ؛ لِأَنَّ السَّهْمَ يُرَادُ بِهِ أَحَدُ سِهَامِ الْوَرَثَةِ عُرْفًا

اور نہیں بڑھایا جائے گا ثلث پر مگر یہ کہ اجازت دے ورثہ؛ کیونکہ سہم سے مراد لیا جاتا ہے ورثہ کے سہام میں سے ایک عرف میں،

لَا سِيَّمَا فِي الْوَصِيَّةِ ، وَالْأَقَلُّ مُتَيَقَّنٌ بِهِ فَيُصْرَفُ إلَيْهِ ، إلَّا إذَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ

خاص کر وصیت میں، اور اقل متیقن ہے، پس اسی کی طرف پھیر دیا جائے گا، مگر یہ کہ بڑھ جائے ثلث پر، تو رد کی جائے گی اسی پر؛ کیونکہ

لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ إجَازَةِ الْوَرَثَةِ . {۴}وَلَهُ أَنَّ السَّهْمَ هُوَ السُّدُسُ هُوَ الْمَرْوِيُّ

اضافہ نہیں کیا جا سکتا اس پر ورثہ کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ سہم سدس ہی ہے یہی مروی ہے

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، وَقَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيمَا يُرْوَى ، وَلِأَنَّهُ يُذْكَرُ

حضرت ابن مسعودؓ سے، اور اس کو مرفوع کیا ہے حضورؐ تک اس میں جو انہوں نے روایت کی ہے، اور اس لیے کہ سہم ذکر کیا جاتا ہے

وَيُرَادُ بِهِ السُّدُسُ ، فَإِنَّ إِيَاسًا قَالَ : السَّهْمُ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ السُّدُسِ ، وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ

اور مراد لیا جاتا ہے اس سے سدس؛ اس لیے کہ حضرت ایاسؒ نے فرمایا سہم لغت میں عبارت ہے سدس سے اور ذکر کیا جاتا ہے اور مراد لیا جاتا ہے

بِهِ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْوَرَثَةِ فَيُعْطَى مَا ذَكَرْنَا ، قَالُوا : هَذَا كَانَ فِي عُرْفِهِمْ ، وَفِي عُرْفِنَا

اس سے ورثہ کے سہام میں سے ایک سہم، پس دیدیا جائے گا وہ جو ہم ذکر کر چکے، مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ان کے عرف میں ہے اور ہمارے عرف میں

السَّهْمُ كَالْجُزْءِ . ﴿۵﴾قَالَ : وَلَوْ أَوْصَى بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ قِيلَ لِلْوَرَثَةِ أَعْطُوهُ مَا شِئْتُمْ ؛ لِأَنَّهُ مَجْهُولٌ

سہم جزء کی طرح ہے۔ فرمایا: اور اگر وصیت کی اپنے مال کے ایک جزء کا تو کہا جائے گا ورثہ سے کہ دیدو اس کو جو تم چاہو؛ کیونکہ یہ مجہول ہے

يَتَنَاوَلُ الْقَلِيلَ وَالْكَثِيرَ، غَيْرَ أَنَّ الْجَهَالَةَ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ وَالْوَرَثَةُ قَائِمُونَ مَقَامَ الْمُوصِي فَإِلَيْهِمُ الْبَيَانُ.

شامل ہے قلیل و کثیر کو، البتہ جہالت مانع نہیں ہے صحتِ وصیت سے، اور ورثہ قائم مقام ہیں موصی کے، پس ان کو سپرد ہوگا بیان۔

تشریح:۔﴿۱﴾اگر ایک شخص نے زید کے لیے اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت کی حالانکہ موصی کا بیٹا موجود ہے تو یہ وصیت باطل ہے اور اگر زید کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کے بقدر کی وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے حتی کہ بیٹے کا حصہ ثلثِ ترکہ کے بقدر ہو یا اس سے کم ہو تو یہ وصیت نافذ ہوگی اور اگر ثلثِ ترکہ سے زائد ہو تو وہ وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے، ان دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں غیر (بیٹے) کے مال کی وصیت ہے؛ کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہوگا جو اس کو باپ کی موت کے بعد حاصل ہو اور غیر کے مال کی وصیت جائز نہیں ہے اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے، اور دوسرے مسئلہ میں بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت ہے تو یہ اس وجہ سے جائز ہے کہ یہ وصیت بیٹے کے حصے کے برابر مال کی وصیت ہے ظاہر ہے کہ یہ بیٹے کے حصہ کا غیر ہے اگرچہ اس کا اندازہ بیٹے کے حصے سے کیا گیا تو یہ جائز ہے۔

﴿۲﴾اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اول مسئلہ میں بھی وصیت جائز ہے، تو امام زفرؒ نے فی الحال کا لحاظ کیا اور فی الحال کل مال موصی کی ملک ہے لہٰذا یہ غیر کی ملک کی وصیت نہیں ہے اس لیے جائز ہے۔ اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا یعنی فی الحال اگرچہ کل مال میت کا ہے لیکن فی المآل جب موصی کی موت کے بعد اس کا مال اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہو جائے تو اس وقت بیٹے کا حصہ خود بیٹے کا مال ہے تو اس کے حصہ کی وصیت موصی لہ کے لیے باطل ہے۔

{۳} اگر کسی نے دوسرے کے لیے اپنے مال میں سے ایک حصے کی وصیت کی تو اس کو موصی کے وارثوں کے حصوں میں سے کمتر دیا جائے گا البتہ اگر وارثوں میں کمتر حصہ چھٹے حصہ سے کم ہو تو موصی لہ کے لیے چھٹے حصے کو پورا کر دیا جائے گا اور اس سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ موصی لہ کے لیے وارثوں میں سے ایک کے حصہ کے برابر ہو گا یعنی وارثوں میں سے جس کا حصہ کم ہو اسی کے برابر دیا جائے گا اور ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا البتہ اگر موصی کے وارثوں نے ثلث سے زیادہ کی اجازت دی تو زیادہ دی جائے گی؛ کیونکہ سہم کے لفظ سے عرف میں وارثوں کے حصوں میں سے ایک حصہ مراد ہوتا ہے خصوصاً وصیت میں جو میراث کی بہن اور نظیر ہے پھر ورثہ کے حصوں میں سے کم حصہ متیقن ہے تو یہ لفظ اسی جانب پھیر دیا جائے گا، البتہ اگر یہ کمتر حصہ ترکہ کے ایک ثلث سے زائد ہو تو اس زائد مقدار کو وارثوں کی طرف پھیر دیا جائے گا؛ کیونکہ وارثوں کی اجازت نہ ہونے کے وقت ثلث سے زیادہ کی وصیت نہیں ہو سکتی ہے۔

{۴} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سہم لغت میں چھٹا حصہ ہے یہی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو حضور ﷺ سے مرفوعاً روایت کی ہے[1] اس لیے اس صورت میں موصی لہ کے لیے چھٹا حصہ پورا کر دیا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کبھی سہم بول کر چھٹا حصہ مراد ہوتا ہے چنانچہ بصرہ کے قاضی ایاس بن معاویہؒ نے فرمایا کہ لغت میں سہم چھٹے حصے سے عبارت ہے اور کبھی سہم بول کر اس سے مراد وارثوں کے سہام میں سے ایک سہم ہوتا ہے پس جو ہم نے ذکر کیا وہی دیا جائے گا یعنی وارثوں کے سہام میں سے جو کم ہو وہی دیا جائے گا۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ اہل کوفہ اور عزبں کا عرف ہے اور ہمارے عرف میں سہم کا لفظ جزء کے لفظ کی طرح ہے لہذا ورثہ سے کہا جائے گا کہ ترکہ میں سے جتنا تم چاہو وہی دیدو۔

{۵} اگر اپنے مال میں سے ایک جزء کی وصیت کی تو وارثوں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تمہارا جی چاہے اس کو دیدو؛ کیونکہ جزء ایک امر مجہول ہے جو قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے لیکن مجہول ہونا صحتِ وصیت کے لیے مانع نہیں ہے اور ورثہ موصی کے قائم مقام ہیں پس انہیں کو بیان کا اختیار ہو گا پس وہ جو کچھ بیان کریں وہی لازم ہو گا۔

([1]) قلت: أخرجه البزار في مسنده، والطبراني في معجمه الوسط عن محمد بن عبيد الله العرزمي عن أبي قيس عن هذيل بن شرحبيل عن ابن مسعود أن رجلا أوصى لرجل بسهم من ماله، فجعل له النبي صلى الله عليه وسلم السدس، انتهى. وقال: حديث لا نعلمه يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من هذا الوجه، وأبو قيس ليس بالقوي وقد روى عنه شعبة، والثوري، والأعمش، وغيرهم، انتهى. ولفظ الطبراني: أن رجلا جعل لرجل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم سهما من ماله، فمات الرجل، ولم يدر ما هو، فرفع ذلك إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجعل له السدس من ماله، انتهى. وقال: لم يروه عن أبي قيس إلا العرزمي، ولا يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم متصلا، إلا بهذا الإسناد،(نصب الراية: 5ص227)

﴿۱﴾قَالَ : وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِي مَجْلِسٍ آخَرَ لَهُ ثُلُثُ مَالِي

فرمایا: اور جس نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے، پھر کہا اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں: اس کے لیے میرا ثلث مال ہے،

وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ فَلَهُ ثُلُثُ الْمَالِ وَيَدْخُلُ السُّدُسُ فِيهِ ، وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ

اور اجازت دی ورثہ نے تو اس کے لیے ثلث مال ہوگا اور داخل ہوگا سدس اس میں، اور جس نے کہا میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے

ثُمَّ قَالَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِي غَيْرِهِ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ فَلَهُ سُدُسٌ وَاحِدٌ ؛ لِأَنَّ السُّدُسَ ذُكِرَ

پھر کہا اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے تو اس کے لیے ایک سدس ہوگا؛ کیونکہ سدس ذکر کیا گیا ہے

مُعَرَّفًا بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْمَالِ ، وَالْمَعْرِفَةُ إِذَا أُعِيدَتْ يُرَادُ بِالثَّانِي عَيْنُ الْأَوَّلِ هُوَ الْمَعْهُودُ فِي اللُّغَةِ

معرفہ مال کی طرف اضافت کے ذریعہ، اور معرفہ جب دوبارہ ذکر کیا جائے گا تو مراد ہوتا ہے ثانی سے عین اول، یہی معہود ہے لغت میں

﴿۲﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ دَرَاهِمِهِ أَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذَلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے دراہم کے ثلث کی یا اپنی بکریوں کے ثلث کی، پس ہلاک ہوگئے اس کے دو ثلث اور باقی رہا ایک ثلث اس کا

وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ جَمِيعُ مَا بَقِيَ ، وَقَالَ زُفَرُ : لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ

اور وہ نکلتا ہو اس کے مابقی مال کے ثلث سے، تو اس کو پورا مابقی ملے گا، اور فرمایا امام زفرؒ نے اس کے لیے ثلث مابقی ہے؛ کیونکہ ہر ایک

مِنْهُمَا مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمْ وَالْمَالُ الْمُشْتَرَكُ يَتْوَى مَا تَوِيَ مِنْهُ عَلَى الشَّرِكَةِ وَيَبْقَى مَا بَقِيَ

دونوں میں سے مشترک ہے ان کے درمیان، اور مال مشترک سے جو ہلاک ہوتا ہے وہ شرکت پر ہلاک ہوتا ہے، اور باقی رہتا ہے جو باقی ہے

عَلَيْهَا وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً ﴿۳﴾وَلَنَا أَنَّ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ يُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِهِمْ فِي الْوَاحِدِ

شرکت پر، اور ہوگیا جیسا کہ اگر ترکہ مختلف اجناس ہو۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنسِ واحد میں ممکن ہے جمع کرنا ان میں سے ایک کا حق ایک میں

وَلِهَذَا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ عَلَى الْقِسْمَةِ وَفِيهِ جَمْعٌ وَالْوَصِيَّةُ مُقَدَّمَةٌ فَجَمَعْنَاهَا فِي الْوَاحِدِ الْبَاقِي

اور اسی لیے جاری ہوتا ہے اس میں جبر تقسیم پر اور تقسیم میں جمع کرانا ہے، اور وصیت مقدم ہے پس ہم نے جمع کر دیا اس کو باقی واحد میں

وَصَارَتِ الدَّرَاهِمُ كَالدِّرْهَمِ ،﴿۴﴾بِخِلَافِ الْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الْجَمْعُ فِيهَا جَبْرًا فَكَذَا تَقْدِيمًا

اور ہوگئے دراہم درہم کی طرح، برخلاف اجناسِ مختلفہ کے؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے جمع کرنا ان میں جبراً، پس اسی طرح تقدیم کے اعتبار سے

﴿۵﴾قَالَ : وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِ ثِيَابِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے کپڑوں کے ثلث کی، پس ہلاک ہوگئے اس کے دو ثلث اور باقی رہا ایک ثلث، اور وہ ﴿۵﴾ اور اس کے باقی مال کے ثلث سے
لَمْ يَسْتَحِقَّ إِلَّا ثُلُثَ مَابَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ، قَالُوا: هٰذَا إِذَا كَانَتِ الثِّيَابُ مِنْ أَجْنَاسٍ مُخْتَلِفَةٍ، وَلَوْ كَانَتْ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ
مستحق نہ ہوگا مگر باقی کپڑوں کے ثلث کا، مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ جب ہے کہ کپڑے مختلف اجناس ہوں، اور اگر ایک جنس ہو،
فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّرَاهِمِ ، وَكَذٰلِكَ الْمَكِيلُ وَالْمَوْزُونُ بِمَنْزِلَتِهَا لِأَنَّهُ يَجْرِي فِيهِ الْجَمْعُ
تو وہ بمنزلہ دراہم کے ہے، اور اسی طرح کیلی اور موزونی چیزیں بھی دراہم کے درجے میں ہیں؛ کیونکہ جاری ہوتا ہے اس میں جمع کرنا
جَبْرًا بِالْقِسْمَةِ ﴿٦﴾ وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِ ثَلَاثَةٍ مِنْ رَقِيقِهِ فَمَاتَ اثْنَانِ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِلَّا ثُلُثُ الْبَاقِي ، وَكَذَا
جبری تقسیم کے ذریعہ۔ اور اگر وصیت کی ثلث کی اپنے تین غلاموں میں سے، پس مرگئے دو تو نہ ہوگا اس کے لیے مگر باقی ثلث، اور یہی حکم
الدُّورُ الْمُخْتَلِفَةُ وَقِيلَ هٰذَا عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَحْدَهُ لِأَنَّهُ لَا يَرَى الْجَبْرَ عَلَى الْقِسْمَةِ فِيهَا .وَقِيلَ
مختلف گھروں کا ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ فقط امام صاحب ؒ کے قول پر ہے؛ کیونکہ وہ جائز نہیں سمجھتے تقسیم پر جبر کو اس میں، اور کہا گیا ہے
هُوَ قَوْلُ الْكُلِّ لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لِلْقَاضِي أَنْ يَجْتَهِدَ وَيَجْمَعَ وَبِدُونِ ذٰلِكَ يَتَعَذَّرُ الْجَمْعُ ، وَالْأَوَّلُ
کہ یہ سب کا قول ہے؛ کیونکہ صاحبین ؒ کے نزدیک قاضی کو اختیار ہے کہ اجتہاد کرے اور جمع کردے، اور بلا اجتہاد جمع متعذر ہے، اور اول
أَشْبَهُ لِلْفِقْهِ الْمَذْكُورِ . ﴿٧﴾ قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهُ مَالٌ عَيْنٌ
زیادہ مشابہ ہے مذہب حنفی کے: مذکورہ وجہ کی بنا پر۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی کسی شخص کے لیے ہزار درہم کی اور اس کے لیے مال عین بھی ہے
وَدَيْنٌ، فَإِنْ خَرَجَ الْأَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَ إِلَى الْمُوصَى لَهُ؛ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ إِيفَاءُ كُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ فَيُصَارُ
اور دین بھی، تو اگر نکل جائے ہزار عین سے تو دیدیا جائے گا موصی لہ کو؛ کیونکہ ممکن ہے ادا کرنا ہر حقدار کو اس کا حق کمی کے بغیر، پس رجوع کیا جائے گا
إِلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ دُفِعَ إِلَيْهِ ثُلُثُ الْعَيْنِ ، وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَخَذَ ثُلُثَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ
اسی کی طرف، اور اگر نہ نکلے تو دیا جائے گا اس کو ثلث عین، اور ہر مقدار جو نکلے دین سے تو لے لے گا اس کا ثلث یہاں تک کہ پورا کرلے
الْأَلْفَ لِأَنَّ الْمُوصَى لَهُ شَرِيكُ الْوَارِثِ، وَفِي تَخْصِيصِهِ بِالْعَيْنِ بَخْسٌ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ؛ لِأَنَّ لِلْعَيْنِ فَضْلًا عَلَى الدَّيْنِ،
ہزار؛ کیونکہ موصی لہ شریک ہے وارث کا، اور اس کی تخصیص میں عین کے ساتھ کمی ہے حق ورثہ کی؛ کیونکہ عین کو فضیلت حاصل ہے دین پر
﴿٨﴾ وَلِأَنَّ الدَّيْنَ لَيْسَ بِمَالٍ فِي مُطْلَقِ الْحَالِ وَإِنَّمَا يَصِيرُ مَالًا عِنْدَ الِاسْتِيفَاءِ فَإِنَّمَا يَعْتَدِلُ النَّظَرُ بِمَاذَكَرْنَاهُ.
اور اس لیے کہ دین مال نہیں فی الحال، اور وہ مال ہو جاتا ہے وصولیابی کے وقت، پس معتدل ہوگی نظر اس صورت میں جو ہم ذکر کر چکے۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے کہا کہ میرا چھٹا حصہ مال زید کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ زید کے لیے میرا ثلث مال ہے اور وارثوں نے بھی اجازت دیدی تو زید کو صرف ثلث مال ملے گا اور چھٹا حصہ اسی میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر نے کہا کہ زید کے لیے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ زید کے لیے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے تو زید کو صرف ایک چھٹا حصہ ملے گا؛ کیونکہ اس نے مال کی طرف نسبت کر کے اس کا چھٹا حصہ معرفہ ذکر کیا اور معرفہ کو جب دوبارہ عبارت میں ذکر کیا جائے تو اس سے اول ہی مراد ہوتا ہے اور یہی لغت میں بھی معروف ہے تو گویا موصی نے کہا کہ زید کے لیے وہ چھٹا حصہ ہے جو میں نے پہلے بیان کیا تھا اس لیے زید کو فقط ایک سدس ملے گا۔

{۲} اگر کسی نے اپنے درہموں کے ثلث یا اپنی بکریوں کے ثلث کی وصیت کی پھر ان درہموں یا بکریوں میں سے دو ثلث تلف ہو گئے اور صرف ایک ثلث باقی رہا اور موصی کے درہموں اور بکریوں کے علاوہ باقی مال کے ثلث میں سے درہموں اور بکریوں کا یہ باقی ثلث نکل آتا ہو یعنی باقی مال کے ثلث سے درہموں اور بکریوں کا یہ ثلث کم ہو یا پورا ثلث ہو تو موصی لہ کو درہموں اور بکریوں میں سے باقی رہنے والا پورا ثلث دے دیا جائے گا۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ درہموں اور بکریوں کے بچے ہوئے ثلث کا ثلث دیا جائے گا؛ کیونکہ جو کچھ ہلاک ہوا ہے اور جو کچھ باقی ہے یہ سب ان وارثوں اور موصی لہ میں مشترک تھا اور مال مشترک میں حکم یہ ہے کہ جو قدر تلف ہو وہ شرکت پر تلف ہوتا ہے اور جو کچھ باقی رہے وہ شرکت پر باقی رہتا ہے پس درہموں اور بکریوں میں سے جو ثلث باقی ہے وہ بھی ان سب میں مشترک ہے اس لیے اس باقی ثلث میں سے دو حصے وارثوں کے لیے ہوں گے اور ایک حصہ موصی لہ کو ملے گا اور یہ مسئلہ ایسا ہے جیسے موصی کے ترکہ میں مختلف اجناس ہوں مثلاً اونٹ، گائے اور بکریوں میں سے ہر ایک کا ریوڑ ہو پس اس نے ان سب ریوڑوں میں سے ایک ثلث کی وصیت کی پھر دو ریوڑ تلف ہو گئے اور ایک ریوڑ باقی رہا تو بالاتفاق اس باقی ریوڑ میں سے دو ثلث ورثہ کو ملیں گے اور ایک ثلث موصی لہ کو ملے گا پس ایسا ہی مذکورہ مسئلہ میں بھی ہونا چاہیے۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس واحد میں چند شرکاء میں سے ایک کے حق کو ایک فرد میں جمع کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جنس واحد میں ایک شریک کی تقسیم کی درخواست پر قاضی باقی شرکاء کو تقسیم پر مجبور کرے گا حالانکہ اس تقسیم میں ہر ایک کے شائع حق کو فرد واحد میں جمع کرنا پایا جاتا ہے، لہٰذا ان میں ہر ایک کا شائع حق جمع ہے اور موصی لہ کا حق مقدم ہوگا؛ کیونکہ وصیت میراث سے مقدم ہوتی ہے تو اس میں موصی لہ کا حق اصالۃً ہے اور ورثہ کا حق تبعاً ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی مال اصل اور تابع پر مشتمل ہو اور اس میں سے کچھ ہلاک ہو جائے تو ہلاکت کو تابع کی جانب پھیر دیا جاتا ہے لہٰذا یہاں ہلاکت کو ان دو ثلث کی طرف پھیر دیا جائے گا جو ورثہ کا حق تھا پس ہم نے موصی لہ کے لیے کی گئی وصیت کو باقی ایک میں جمع کر دیا اس لیے باقی ایک موصی لہ کو دیا جائے گا اور ثلث

دراہم کی وصیت ایسا ہے جیسے موصی نے دراہم کے بجائے درہم کہا ہو مثلاً یوں کہا کہ میں نے فلاں کے لیے ایک درہم کی وصیت کی ہے حالانکہ اس کے پاس تین دراہم تھے ان میں سے دو ہلاک ہو گئے اور ایک باقی رہ گیا اور یہ ایک ثلثِ ترکہ سے برآمد ہوتا ہے تو یہ ایک درہم موصی لہ کو دیا جائے گا یوں نہیں کیا جائے گا کہ اس ایک کا ثلث موصی لہ کو دیا جائے اسی طرح ثلثِ دراہم کی وصیت کی صورت میں دو ثلث ہلاک ہونے کے بعد باقی ایک ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا۔

{۴} اور اگر مذکورہ صورت میں ترکہ میں اجناسِ مختلفہ ہوں تو قاضی اس میں جبراً تقسیم کر کے ایک کا حق ایک فرد میں جمع نہیں کر سکتا ہے اور جب ایک کا حق ایک شی میں جمع نہیں کیا جا سکتا ہے تو وصیت کی میراث پر تقدیم بھی ثابت نہیں ہو سکے گی اور نہ اصل اور تبع والا مسئلہ جاری ہو سکے گا اس لیے اس صورت میں جو باقی رہا اس کے دو ثلث ورثہ کو ملیں گے اور ایک ثلث موصی لہ کو ملے گا۔

{۵} اگر کسی نے اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی پھر ان میں سے دو ثلث کپڑے ضائع ہوئے اور ایک ثلث باقی رہا اور یہ باقی ثلث اس کے باقی ترکہ کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصی لہ ان باقی ایک ثلث کپڑوں میں سے صرف ایک ثلث کا مستحق ہو گا۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ یہ کپڑے اجناسِ مختلفہ ہوں اور اگر ایک ہی جنس کے کپڑے ہوں تو یہ درہموں کے درجے میں ہیں یعنی موصی لہ کے لیے کپڑوں کا باقی ثلث ہو گا بشرطیکہ یہ بقیہ ترکہ کے ثلث سے نکلتا ہو۔ اسی طرح ہر کیلی اور وزنی چیز بھی بمنزلہ درہموں کے ہے؛ کیونکہ ہر کیلی اور وزنی چیز میں جبری تقسیم کے ذریعہ ایک چیز میں ہر ایک کا شائع حق جمع کیا جا سکتا ہے۔

{۶} اور اگر موصی نے اپنے تین غلاموں میں سے ثلث کی وصیت کی پھر ان میں سے دو غلام مر گئے تو موصی لہ کے لیے باقی غلام کا ایک ثلث ہو گا اور اس سے زیادہ نہیں ملے گا، اور یہی حکم مختلف گھروں کی صورت میں بھی ہے یعنی اگر تین گھروں میں سے ثلث کی وصیت کی پھر دو گھر تلف ہو گئے تو موصی لہ کو باقی ایک گھر میں سے فقط ایک ثلث ملے گا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ فقط امام ابو حنیفہ کا قول ہے؛ کیونکہ وہ مختلف مکانات اور مختلف غلاموں میں جبراً تقسیم جائز نہیں سمجھتے ہیں لہٰذا ایک فرد میں ایک کا حق جمع نہیں کیا جا سکتا ہے، اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ سب کا قول ہے؛ کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک قاضی کو اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد سے ایک کا حق ایک فرد میں جمع کر دے اور قاضی کے اجتہاد کے بغیر جمع کرنا متعذر ہے اور ما نحن فیہ میں قاضی کا کوئی فیصلہ اور اجتہاد موجود نہیں ہے لہٰذا یہاں بالاتفاق جمع متحقق نہیں ہے اس لیے اجتہاد کے بغیر ہلاک شدہ اور باقی دونوں قسم کے اموال مشترک رہیں گے، لیکن قول اول (کہ مسئلہ میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے) مذکورہ بالا وجہ کی بناء پر امام صاحبؒ کے مذہب کے زیادہ مشابہ ہے یعنی قاضی

کے اتحاد کے اعتبار سے شرکاء میں سے کسی ایک کا حق مکان واحد یا غلام واحد میں جمع نہیں ہو سکتا اور جب دو مکان یا دو غلام تلف ہو گئے تو اس میں قاضی کا اتحاد ابھی تک نہیں ہوا اور باقی مال مشترک رہا تو امام صاحب" کے قول کے مطابق موصی لہ کو باقی کا صرف ثلث ملے گا۔

﴿۷﴾ اگر ایک شخص نے زید کے لیے ہزار درہم کی وصیت کی حالانکہ اس موصی کے پاس مال عین (نقد) اور دین دونوں موجود ہیں یعنی اس کے پاس نقود بھی ہیں اور اس کا لوگوں پر قرضہ بھی ہے پس اگر یہ ہزار درہم اس کے نقد ترکہ کے ثلث میں سے نکل سکتے ہوں یعنی قرضہ کے علاوہ جو مال موجود ہے اس کے ثلث سے ہزار درہم نکلتے ہوں تو موصی لہ کو نقد ترکہ سے ہزار درہم دے دیے جائیں گے؛ کیونکہ کسی کے بغیر ورثہ اور موصی لہ میں سے ہر ایک حقدار کو حق پہنچا دینا ممکن ہے پس موصی لہ کو اس کا حق پہنچا دیا جائے گا اور اگر نقود کے ثلث سے ہزار درہم نہ نکل سکتے ہوں تو موجود نقود میں سے ثلث دیدیا جائے گا اور اموال قرضہ میں سے جو کچھ برآمد ہو تا جائے گا اس میں سے ثلث لیتا جائے گا یہاں تک کہ ہزار درہم پورے وصول ہو جائیں؛ کیونکہ موصی لہ تو وارثوں کا شریک ہے تو اگر اموال موجودہ میں سے خاص کر موصی لہ کا حق ادا کیا جائے تو یہ وارثوں کے حق میں خسارہ ہے اس لیے کہ مال نقد کو قرضہ پر فضیلت ہوتی ہے اس لیے یہ صورت اختیار نہیں کی جائے گی۔

﴿۸﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرضہ تو مطلقاً ہر حال میں مال نہیں ہے بلکہ اسی وقت مال ہو جاتا ہے کہ جب وصول ہو جائے جبکہ نقد ہر حال میں مال ہے پس ورثہ اور موصی لہ کے حق میں انصاف کی رعایت اسی صورت میں ہے جو ہم نے بیان کی کہ اموال نقد میں سے بالفعل ثلث دے دیا جائے پس ہر ایک کو اس مال سے اپنا اپنا حصہ پہنچ جائے گا پھر مال قرضہ جب وصول ہو تا جائے گا تو اس میں سے ہر ایک کو اپنا حصہ پہنچتا جائے گا حتیٰ کہ موصی لہ کے لیے ہزار درہم پورے ہو جائیں۔

﴿۱﴾ قَالَ: وَمَنْ أَوْصَى لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهِ فَإِذَا عَمْرٌو مَيِّتٌ فَالثُّلُثُ كُلُّهُ لِزَيْدٍ؛ لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ
فرمایا: اور جس نے وصیت کی زید اور عمرو کے لیے اپنے ثلث مال کی اور عمرو مر چکا ہے، تو پورا ثلث زید کے لیے ہوگا؛ کیونکہ مردہ اہل نہیں ہے
لِلْوَصِيَّةِ فَلَا يُزَاحِمُ الْحَيَّ الَّذِي هُوَ مِنْ أَهْلِهَا، كَمَا إِذَا أَوْصَى لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ
وصیت کا پس مزاحم نہیں ہو سکتا اس زندہ کا جو اہل ہے وصیت کا جیسا کہ اگر وصیت کرے زید اور دیوار کے لیے، اور امام ابو یوسف" سے مروی ہے
أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِمَوْتِهِ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيحَةٌ لِعَمْرٍو فَلَمْ يَرْضَ لِلْحَيِّ
کہ اگر نہ جانتا ہو اس کی موت تو اس کے لیے ثلث کا نصف ہے؛ کیونکہ وصیت ان کے نزدیک صحیح ہے عمرو کے لیے، پس راضی نہ ہوگا
إِلَّا نِصْفَ الثُّلُثِ بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بِمَوْتِهِ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْمَيِّتِ لَغْوٌ فَكَانَ رَاضِيًا
زندہ کے لیے مگر نصف ثلث پر، بر خلاف اس کے جب وہ جانتا ہو عمرو کی موت؛ کیونکہ وصیت میت کے لیے لغو ہے، پس وہ راضی ہے

عِنْدَ الْمَوْتِ ؛ [5] وَلَوْ قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ مَالِي وَلَيْسَ لَهُ غَنَمٌ يُعْطَى قِيمَةُ شَاةٍ

موت کے وقت۔ اور اگر کہا کہ اس کے لیے بکری ہے میرے مال سے، اور اس کے پاس بکریاں نہ ہوں تو دیدے گا بکری کی قیمت

لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى الْمَالِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ الْوَصِيَّةُ بِمَالِيَّةِ الشَّاةِ إِذْ مَالِيَّتُهَا

؛ کیونکہ جب اس نے منسوب کیا اس کو مال کی طرف تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد وصیت ہے بکری کی مالیت کی؛ اس لیے کہ اس کی مالیت

تُوجَدُ فِي مُطْلَقِ الْمَالِ ، وَلَوْ أَوْصَى بِشَاةٍ وَلَمْ يُضِفْهُ إِلَى مَالِهِ وَلَا غَنَمَ لَهُ قِيلَ

پائی جاتی ہے مطلق مال میں، اور اگر وصیت کی بکری کی اور منسوب نہیں کیا اس کو اپنے مال کی طرف، اور اس کے پاس بکری نہ ہو تو کہا گیا ہے

لَا يَصِحُّ لِأَنَّ الْمُصَحِّحَ إِضَافَتُهُ إِلَى الْمَالِ وَبِدُونِهَا تُعْتَبَرُ صُورَةُ الشَّاةِ وَمَعْنَاهَا ، وَقِيلَ

کہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ صحیح کرنے والی چیز اس کی اضافت ہے مال کی طرف اور اس کے بغیر معتبر ہوگی بکری کی صورت اور معنی، اور کہا گیا ہے

تَصِحُّ لِأَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ الشَّاةَ وَلَيْسَ فِي مِلْكِهِ شَاةٌ عُلِمَ أَنَّ مُرَادَهُ الْمَالِيَّةُ ، [6] وَلَوْ قَالَ

کہ صحیح ہے؛ کیونکہ جب اس نے ذکر کیا بکری کو اور نہیں ہے اس کی ملک میں بکری تو معلوم ہوا کہ اس کی مراد مالیت ہے۔ اور اگر کہا کہ

شَاةٌ مِنْ غَنَمِي وَلَا غَنَمَ لَهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ

ایک بکری میری بکریوں میں سے، اور بکریاں نہیں ہیں اس کے پاس، تو وصیت باطل ہوگی؛ کیونکہ جب اس نے موصی بہ کو منسوب کیا

إِلَى الْغَنَمِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ عَيْنُ الشَّاةِ حَيْثُ جَعَلَهَا جُزْءًا مِنَ الْغَنَمِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا

بکریوں کی طرف تو ہم نے جان لیا کہ ان کی مراد عین بکری ہے اس لیے کہ اس نے قرار دیا ایک جزء غنم کا، برخلاف اس کے جب

أَضَافَهُ إِلَى الْمَالِ وَعَلَى هَذَا يَخْرُجُ كَثِيرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ .

منسوب کرے اس کو مال کی طرف، اور اسی پر تفریع ہوتے ہیں بہت سارے مسائل۔

تشریح:۔ [1] اگر کسی نے زید اور عمرو کے لیے اپنے مال کے ثلث کی وصیت کی پھر ظاہر ہوا کہ عمرو مر چکا ہے تو پورا ثلث زید کے لیے ہوگا؛ کیونکہ میت اس قابل نہیں کہ اس کے لیے کچھ وصیت ہو تو وہ ایسے زندہ کا مزاحم نہ ہوگا جو ابھی تک وصیت کا اہل ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے لیے وصیت کی تو دیوار کے قابلِ وصیت نہ ہونے کی وجہ سے کل وصیت زید ہی کے لیے ہوتی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم نہ ہو تو اس صورت میں زید کے لیے ثلث کا نصف ہوگا؛ کیونکہ موصی کے نزدیک عمرو کے لیے وصیت صحیح ہے تو وہ زید کے لیے فقط ثلث کے آدھے پر راضی ہوا ہے اس لیے زید کو ثلث

آدھا ہی ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم ہو تو اس صورت میں پورا ثلث زید کے لیے ہو گا؛ کیونکہ میت (عمرو) کے لیے وصیت کرنا لغو ہے تو موصی اس امر پر راضی ہے کہ پورا ثلثِ مال زید کے لیے ہو۔

فتویٰ: قدوری کا قول ہے جو ماتن ؒ نے ذکر کیا ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: المختار عند الاکثر ما ذکره القدوری وهو ظاهر الروایة وعلیه مشت المتون والشروح والفتاوی (هامش الهدایة: 4ص660)

{۲} اور اگر موصی نے یوں کہا کہ "میرا ثلث مال زید اور عمرو کے درمیان ہے" حالانکہ زید مر چکا ہے تو بالاتفاق عمرو کے لیے صرف ثلث کا آدھا یعنی چھٹا حصہ ہو گا؛ کیونکہ لفظِ "درمیان" مقتضی ہے کہ زید اور عمرو میں سے ہر ایک کے لیے ثلث مال کا نصف ہو لہٰذا اس صورت میں زید کے لیے ثلث کا نصف یعنی صرف چھٹا حصہ ہو گا برخلاف پہلی صورت کے یعنی جب کہ زید اور عمرو کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہو تو اس صورت میں جو زندہ ہے وہ پورے ثلث کا مالک ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو ثلث کو آدھا کرنے کا مقتضی ہو یہی وجہ ہے کہ اگر ایک شخص نے یوں کہا کہ "میرا ثلث مال زید کے لیے ہے" اور خاموش ہوا یعنی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا تو زید کے لیے پورا ثلث مال ہو گا، اور اگر ایک شخص نے کہا کہ "میرا ثلث مال درمیان زید اور ..." اور خاموش رہا تو زید پورے ثلث مال کا مستحق نہیں ہو گا؛ کیونکہ یہ لفظ مقتضی ہے کہ زید کے ساتھ دوسرا شخص بھی مستحق ہے جس کو اس نے بیان نہیں کیا اس لیے زید کو ثلث کا نصف ملے گا۔

{۳} اگر کسی شخص نے اپنے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے پاس مال نہیں ہے پھر اس نے کچھ مال کمایا تو موت کے وقت جو کچھ مال ہو موصی لہ اس کے ثلث کا مستحق ہو گا؛ کیونکہ وصیت اپنا خلیفہ بنانے کا عقد ہے جو اپنی موت کے بعد کی طرف مضاف ہے یعنی موصی نے گویا موصی لہ کو کہا کہ میری موت کے بعد تو میرے ثلث مال میں میرا خلیفہ ہے، اور وصیت کا حکم موت کے بعد ثابت ہوتا ہے تو موت کے وقت مال موجود ہونا ضروری ہے موت سے پہلے ضروری نہیں ہے اور موت کے وقت اس کا کمایا ہوا مال موجود ہے اس لیے موصی لہ کے لیے اس کا ثلث ہو گا۔ اسی طرح اگر موصی کے پاس وصیت کے وقت مال ہو پھر وہ سب تلف ہو گیا پھر اس نے مال کمایا تو بھی موصی لہ اس کمائے ہوئے مال کے ثلث کا مستحق ہو گا؛ دلیل وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کر لی کہ موت کے وقت مال کی ضرورت ہے موت سے پہلے ضروری نہیں ہے۔

{۴} اور اگر موصی نے اپنی بکریوں کے ثلث کی وصیت کی پھر موصی کی موت سے پہلے اس کی یہ بکریاں مر گئیں یا اصل ہی سے اس کے پاس کوئی بکری نہ تھی تو یہ وصیت باطل ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ وصیت موت کے بعد ایجاب ہے تو موصی

متعلق تھی دراہم اور دنانیر کی طرح کی موت کے وقت اس مال کا قائم ہونا معتبر ہے، اور چونکہ بکریوں کی وصیت ایک معین مال سے غیر معین مال سے متعلق نہ تھی تو جب موت کے وقت یہ معین مال باقی نہ رہا تو وصیت باطل ہوگی۔ اور اگر موصی کے پاس بکریاں نہ ہوں لیکن وصیت کے بعد اس نے بکریاں حاصل کیں پھر موصی یہ بکریاں چھوڑ کر مرا تو صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت صحیح ہوگی یعنی ان بکریوں کے ساتھ متعلق ہوگی؛ کیونکہ اگر یہ وصیت بلفظ مال ہوتی تو صحیح ہوتی یعنی اگر وصیت ثلث مال کے لفظ سے ہوتی تو وہ وصیت کے بعد حاصل کئے ہوئے مال سے متعلق ہو جاتی جیسا کہ اوپر گذر چکا پس اسی طرح جب وصیت مال کی ایک قسم (بکریوں) کے ساتھ متعلق ہو مثلاً بکریوں کے لفظ سے ہو تو یہ بھی بعد میں حاصل کی ہوئی بکریوں سے متعلق ہوگی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی کی موت سے پہلے بکریوں کا موجود ہونا ایک امر زائد ہے یعنی اس کو وصیت صحیح ہونے سے تعلق نہیں ہے اور معتبر یہ ہے کہ موصی کی موت کے وقت یہ مال موجود ہو اور یہاں یہی ہوا کہ موت کے وقت بکریاں موجود ہیں لہذا یہ وصیت صحیح اور نافذ ہوگی۔

{۵} اور اگر موصی نے کہا کہ "فلاں کے لیے میرے مال سے ایک بکری ہے" حالانکہ اس کے مال میں کوئی بکری نہیں ہے تو موصی لہ کو بکری کی قیمت دی جائے گی؛ کیونکہ جب موصی نے اس کو مال کی جانب مضاف کیا تو ہم نے جان لیا کہ اس کی غرض یہ کہ بکری کے بقدر مالیت کی فلاں شخص کے لیے وصیت ہے؛ کیونکہ بکری کی مالیت مطلق مال میں پائی جاتی ہے۔ اور اگر موصی نے بکری کی وصیت کی مگر اس کو اپنے مال کی جانب منسوب نہیں کیا حالانکہ اس کے پاس کوئی بکری نہیں ہے تو اس میں دو قول ہیں بعض نے کہا کہ وصیت صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ وصیت صحیح کرنے والا امر یہ ہے کہ اس نے مال کی جانب اضافت کی ہو اور مال کی جانب اضافت کے بغیر بکری کی صورت اور معنی کا اعتبار ہوگا یعنی عین بکری سے وصیت متعلق ہوگی اور چونکہ عین بکری موجود نہیں ہے اس لیے جب موصی مر گیا تو یہ وصیت بھی باطل ہوگی۔ اور بعض نے کہا کہ وصیت صحیح ہے؛ کیونکہ جب اس نے بکری کا لفظ کہا حالانکہ اس کے پاس بکری نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی مراد بکری کی مالیت ہے پس موصی لہ کو ایک بکری کی قیمت دیدی جائے گی۔

{۶} اور اگر موصی نے کہا کہ "فلاں کے لیے میری بکریوں میں سے ایک بکری ہے" حالانکہ اس کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو یہ وصیت باطل ہے؛ کیونکہ جب اس نے بکریوں کی طرف بکری کی نسبت کی تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد عین بکری ہے اس لیے کہ اس نے اس بکری کو بکریوں میں سے ایک قرار دیا ہے اور بکری کی قیمت مراد نہیں ہے اور بکری اس کے پاس نہیں ہے اس لیے یہ وصیت باطل ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر اس نے بکری کو مال کی جانب مضاف کیا ہو تو اس صورت میں مالیت مراد ہے لہذا بکری کی قیمت دی جائے گی۔ واضح رہے کہ اسی قاعدہ پر بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے مثلاً موصی نے کہا کہ "فلاں کے لیے میرے مال میں سے ایک قفیز گندم ہے" یا کہا کہ "میرے مال میں سے ایک کپڑا ہے" تو وصیت صحیح ہے اور موصی لہ کو ایک قفیز گندم اور کپڑے کی

دی جائے گی جبکہ موصی لہ کے مال میں گندم یا کپڑے نہ ہوں اس کے برخلاف اگر کہا کہ "فلاں کے لیے میرے گندم میں سے ایک قفیز گندم ہے" یا کہا کہ "میرے کپڑوں میں سے ایک کپڑا ہے" حالانکہ اس کے مال میں گندم یا کپڑے نہیں ہیں تو یہ وصیت باطل

{1}قال: وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فَلَهُنَّ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے ثلث مال کی اپنی امہاتِ اولاد کے لیے، اور وہ تین ہیں، اور فقراء اور مساکین کے لیے، تو امہاتِ اولاد کو

ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ مِنْ خَمْسَةِ أَسْهُمٍ ،قَالَ رضي الله عنه: وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُقْسَمُ عَلَى سَبْعَةِ أَسْهُمٍ

تین حصے پانچ حصوں میں سے ملیں گے، مصنفؒ نے فرمایا یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ تقسیم کیا جائے گا سات حصوں پر

لَهُنَّ ثَلَاثَةٌ وَلِكُلِّ فَرِيقٍ سَهْمَانِ ،{2}وَأَصْلُهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لِأُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ جَائِزَةٌ

امہاتِ اولاد کے لیے تین حصے اور ہر ایک فریق کے لیے دو دو حصے ہوں گے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ وصیت امہاتِ اولاد کے۔لیے جائز ہے

وَالْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِينُ جِنْسَانِ، وَفَسَّرْنَاهُمَا فِي الزَّكَاةِ{3}لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ الْمَذْكُورَ لَفْظُ الْجَمْعِ وَأَدْنَاهُ

اور فقراء اور مساکین دو جنس ہیں، اور ان کی ہم نے تفسیر بیان کی کتاب الزکوۃ میں۔امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مذکور لفظِ جمع ہے اور جمع کا ادنیٰ

فِي الْمِيرَاثِ اثْنَانِ نَجِدُ ذَلِكَ فِي الْقُرْآنِ فَكَانَ مِنْ كُلِّ فَرِيقٍ اثْنَانِ وَأُمَّهَاتُ الْأَوْلَادِ ثَلَاثٌ فَلِهَذَا يُقْسَمُ

میراث میں دو ہیں، اس کو ہم پاتے ہیں قرآن میں، پس ہر فریق میں سے دو ہوں گے ، اور امہاتِ اولاد تین ہیں، لہٰذا تقسیم کیا جائے گا

عَلَى سَبْعَةٍ{4}وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمْعَ الْمُحَلَّى بِالْأَلِفِ وَاللَّامِ يُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ، وَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْأَدْنَى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ لَا سِيَّمَا

سات حصوں پر۔اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمع معرفہ بالف لام سے جنس مراد ہوتی ہے، اور جنس ادنیٰ کو شامل ہوتی ہے احتمالِ کل کے ساتھ خاص کر

عِنْدَ تَعَذُّرِ صَرْفِهِ إِلَى الْكُلِّ فَيُعْتَبَرُ مِنْ كُلِّ فَرِيقٍ وَاحِدٌ فَبَلَغَ الْحِسَابُ خَمْسَةً وَالثَّلَاثَةُ لِلثَّلَاثِ.

اس کو کل کی طرف پھیرنے کے تعذر کے وقت، پس معتبر ہو گا ہر ایک فریق سے ایک، پس پہنچ گیا حساب پانچ تک اور تین حصے تین امہاتِ اولاد کے لیے ہوں گے

{5}قال: وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِهِ لِفُلَانٍ وَلِلْمَسَاكِينِ فَنِصْفُهُ لِفُلَانٍ وَنِصْفُهُ لِلْمَسَاكِينِ عِنْدَهُمَا

فرمایا: اور اگر وصیت کی ثلثِ مال کی فلاں اور مساکین کے لیے، تو اس کا نصف فلاں کے لیے ہو گا اور نصف مساکین کے لیے ہو گا شیخینؒ کے نزدیک

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ثُلُثُهُ لِفُلَانٍ وَثُلُثَاهُ لِلْمَسَاكِينِ ،{6}وَلَوْ أَوْصَى لِلْمَسَاكِينِ لَهُ

اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ثلث فلاں کے لیے ہو گا اور دو ثلث مساکین کے لیے ہوں گے، اور اگر وصیت کی مساکین کے لیے تو اس کو اختیار ہے

صَرْفُهُ إِلَى مِسْكِينٍ وَاحِدٍ عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَهُ لَا يَصْرِفُ إِلَّا إِلَى مِسْكِينَيْنِ بِنَاءً عَلَى
کہ صرف کر دے اس کو ایک مسکین پر "شیخین" کے نزدیک، اور امام محمد کے نزدیک صرف نہیں کرے گا مگر دو مسکینوں پر؛ اس قاعدے کی بنا پر

بَيَّنَّاهُ . {7}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَلِآخَرَ بِمِائَةٍ ثُمَّ قَالَ لِآخَرَ
جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی کسی شخص کے لیے سو درہم کی اور دوسرے کے لیے سو درہم کی پھر ایک تیسرے سے کہا

قَدْ أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا فَلَهُ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ لِلْمُسَاوَاةِ لُغَةً ، وَقَدْ أَمْكَنَ إِثْبَاتُهُ
کہ میں نے تجھے شریک کیا ہے ان دونوں کے ساتھ، تو اس کے لیے ثلث ہوگا ہر ایک سو کا؛ کیونکہ شرکت مساوات کے لیے ہے لغۃً، اور اس کا اثبات ممکن ہے

بَيْنَ الْكُلِّ بِمَا قُلْنَاهُ لِاتِّحَادِ الْمَالِ لِأَنَّهُ يُصِيبُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثُلُثَا مِائَةٍ ،{8}بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى
کل کے درمیان اس سے جو ہم کہہ چکے؛ وحدتِ مال کی وجہ سے؛ کیونکہ پہنچیں گے ہر ایک کو ان میں سے دو ثلث سو کے، برخلاف اس کے اگر وصیت کی

لِرَجُلٍ بِأَرْبَعِمِائَةٍ وَلِآخَرَ بِمِائَتَيْنِ ثُمَّ كَانَ الْإِشْرَاكُ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَحْقِيقُ الْمُسَاوَاةِ بَيْنَ الْكُلِّ
ایک شخص کے لیے پانچ سو کی اور دوسرے کے لیے دو سو کی، پھر شرکت کرنا ہوا؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے برابری کو ثابت کرنا کل کے درمیان

لِتَفَاوُتِ الْمَالَيْنِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى مُسَاوَاتِهِ كُلَّ وَاحِدٍ بِتَنْصِيفِ نَصِيبِهِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ
دونوں مالوں کے تفاوت کی وجہ سے پس ہم نے محمول کیا تیسرے شخص کی مساوات پر ہر ایک کے حصے کو نصف کرنے سے؛ عمل کرتے ہوئے لفظ پر بقدرِ امکان

{9}قَالَ : وَمَنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوهُ ، مَعْنَاهُ قَالَ ذَلِكَ لِوَرَثَتِهِ - فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ إِلَى الثُّلُثِ
فرمایا: اور جس نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر دین ہے پس تم اس کی تصدیق کرو، اس کا معنی ہے کہ یہ اس نے ورثہ سے کہا، تو اس کی تصدیق کی جائے گی ثلث تک

وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ. وَفِي الْقِيَاسِ لَا يُصَدَّقُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْمَجْهُولِ وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا لَكِنَّهُ لَا يُحْكَمُ بِهِ إِلَّا بِالْبَيَانِ
اور یہ استحسان ہے، اور قیاس میں تصدیق نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ اقرار بالمجہول اگرچہ صحیح ہے، مگر اس کا حکم نہیں کیا جائے گا مگر بیان سے

{10}وَقَوْلُهُ فَصَدِّقُوهُ صَدَرَ مُخَالِفًا لِلشَّرْعِ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ فَتَعَذَّرَ
اور اس کا قول "تم اس کی تصدیق کرو" صادر ہوا ہے شریعت کے خلاف؛ کیونکہ مدعی کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر حجت سے، پس متعذر ہوا

إِثْبَاتُهُ إِقْرَارًا مُطْلَقًا فَلَا يُعْتَبَرُ ،{11}وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ مِنْ قَصْدِهِ تَقْدِيمَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ
اس کا اثبات اقرارِ مطلق کے طور پر، پس معتبر نہ ہوگا۔ وجہِ استحسان یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا قصد مقدم کرنا ہے مدعی کو ورثہ پر

وَقَدْ أَمْكَنَ تَنْفِيذُ قَصْدِهِ بِطَرِيقِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ يَعْلَمُ بِأَصْلِ الْحَقِّ عَلَيْهِ دُونَ مِقْدَارِهِ
اور ممکن ہے اس کے قصد کو نافذ کرنا وصیت کے طور پر، اور کبھی حاجت ہوتی ہے اس کو جو جانتا ہے اصلِ حق کو اپنے اوپر، نہ کہ اس کی مقدار

حقًا يلزمه إلى تفريغ ذمته فيجعلها وصية جعل التقدير فيها إلى الموصى له كأنه قال

ادا کرنے کا ارادہ اپنے ذمہ کو فارغ کرنے کی، پس اس کو وصیت قرار دینے سے سپرد کیا جائے گا اس میں بیان موصی لہ کو، گویا اس نے کہا

إذا جاءكم فلانٌ وادعى شيئًا فأعطوه من مالي ما شاء، وهذه معتبرة من الثلث فلهذا يصدق على الثلث دون الزيادة

کہ جب تمہارے پاس فلاں آئے اور دعوی کرے کسی شئی کا، تو دیدو اس کو میرے مال سے جو وہ چاہے، اور یہ معتبر ہے ثلث سے، لہذا تصدیق کی جائے گی ثلث پر نہ کہ زیادتی پر۔

تشریح:۔{۱} اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ "میرا ثلث مال میری امہاتِ اولاد اور فقراء اور مساکین کے لیے ہے" حالانکہ اس کی تین ام ولد ہیں تو شیخینؒ کے نزدیک موصی کے ثلث مال کے پانچ مساوی حصے کر کے ان میں سے تین امہات اولاد کو تین حصے دیئے جائیں گے اور فقراء کو ایک حصہ اور مساکین کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ سے بھی ظاہر الروایت میں اس کے خلاف نہیں آیا ہے۔ اور جامع صغیر کے علاوہ میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ سات حصے کئے جائیں گے جن میں سے تین حصے امہاتِ اولاد کو دیئے جائیں گے اور باقی دو فریق میں سے ہر ایک کے لیے دو حصے ہوں گے یعنی فقراء کو دو حصے اور مساکین کو دو حصے دیئے جائیں گے۔

{۲} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اصل یہ ہے کہ امہات الاولاد کے لیے وصیت جائز ہے یعنی آدمی کو جن باندیوں سے اولاد ہوئی ہو چونکہ ان میں سے کوئی مستحق میراث نہیں ہے لہذا ان کے لیے وصیت جائز ہے، اور فقراء و مساکین دو جنس ہیں اور "کتاب الزکوۃ" کے باب "من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لایجوز" میں ہم نے دونوں کی تفسیر بیان کر دی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کوئی معمولی چیز ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے، پس شیخینؒ کی دلیل یہ ہوئی کہ تین امہات اولاد ہیں اور دو جنس فقراء اور مساکین ہیں تو ہر ایک کے لیے ایک حصہ ہوا یوں تینوں امہات الاولاد کو ملا کر پانچ کو مقسوم علیہ بنایا گیا۔

{۳} امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ فقراء اور مساکین میں سے ہر ایک لفظِ جمع کے ساتھ مذکور ہے تو ہر ایک کو مفرد کے معنی میں نہیں لے سکتے ہیں لہذا ہر ایک کو ادنیٰ جمع قرار دیا جائے گا اور ادنیٰ جمع میراث میں دو ہے جس کو ہم قرآن میں پاتے ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ[1]﴾ (سو اگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے) جس میں

---

[1] النساء: 11.

"اِخْوَة" جمع سے دو مراد ہے، لہذا فقراء اور مساکین میں سے دو مراد ہوں گے اور دونوں مل کر چار (4) ہوا اور امہات الاولاد تین مراد ہیں تو کل سات ہوگئے، لہذا وصیت کے ثلث مال کے سات حصے کیے جائیں گے جن میں سے ہر ایک ام ولد کو ایک حصہ ملے گا اور فقراء اور مساکین کو دو دو حصے دیئے جائیں گے۔

{4} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس جمع پر الف لام داخل ہو جائے اس سے جنس مراد ہوتی ہے، بشرطیکہ کوئی معہود مراد نہ ہو اور یہاں معہود فقراء اور مساکین مراد نہیں ہیں لہذا اس سے جنس فقراء اور جنس مساکین مراد ہے اور جنس کا حکم یہ ہے کہ وہ ادنیٰ کو شامل ہوتی ہے اور اس میں کل کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہاں کل کا احتمال محال ہونے کی وجہ سے باطل ہے؛ کیونکہ تمام فقراء اور مساکین کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا ادنیٰ مراد ہوگا اور ادنیٰ جنس ایک فرد ہے تو فقراء اور مساکین میں سے ہر ایک فریق میں صرف ایک معتبر ہوا؛ کیونکہ یہی ادنیٰ اور یقینی ہے، تو حساب پانچ مقسوم علیہ پر پہنچا جس میں سے ایک حصہ فقراء کا اور ایک حصہ مساکین کا ہوا، اور باقی تین حصے تین امہات الاولاد کے لیے ہوں گے۔

فتویٰ: شیخینؒ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: واعلم انى لم اجد التصريح بالتصحيح والترجيح من احد من كتب الشروح والفتوى فى هذه المسائل المترتبة على اصل واحد الا ان اكثر المتون اقتصروا على قول الشيخين فهذا تصحيح عند عدم التصريح (هامش الهداية: 4ص662)

{5} اگر موصی نے اپنے ثلث مال کی وصیت زید اور مساکین کے لیے کی تو شیخینؒ کے نزدیک زید کو ثلث کا نصف یعنی چھٹا حصہ دیا جائے گا اور ثلث کا بقیہ نصف مساکین کے لیے ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک زید کے لیے ثلث مال کا ایک ثلث ہوگا اور مساکین کے لیے ثلث مال کے دو ثلث ہوں گے؛ کیونکہ زید ایک شخص ہے اور مساکین سے ادنیٰ جمع یعنی دو مراد ہیں تو سب تین ہوئے جن پر تقسیم کی یہی صورت ہے کہ ہر ایک کو ایک حصہ ملے، اور شیخینؒ کے نزدیک "المساکین" کے الف لام سے جنس مراد ہے جس کا ادنیٰ ایک ہے لہذا ثلث کا نصف زید کو اور نصف مساکین کو ملے گا۔

{6} اگر موصی نے اپنے ثلث مال کی وصیت مساکین کے لیے کی تو شیخینؒ کے نزدیک وصیت نافذ کرنے والے کو اختیار ہے کہ یہ ثلث ایک ہی مسکین کو دیدے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو مسکینوں ہی کو دینا ضروری ہے؛ ہر ایک فریق کی دلیل وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے کہ شیخینؒ کے نزدیک ادنیٰ جنس (ایک) مراد ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ادنیٰ جمع (دو) مراد ہے۔

{7} اگر ایک شخص نے زید کے لیے سو درہم کی وصیت کی اور بکر کے لیے بھی سو درہم کی وصیت کی پھر خالد سے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کیا، تو خالد کو ہر سو میں سے ایک ثلث ملے گا؛ کیونکہ لغت میں شرکت مساوات کے لیے ہوتی ہے پس جب خالد کو ان دونوں کے ساتھ شریک کیا تو خالد کو بھی ان دونوں کے مساوی ملنا چاہیئے، اور مساوات ان تینوں میں اسی طرح ممکن ہے جو ہم نے کہہ دیا؛ کیونکہ مال متحد ہے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے سو درہم ہی ہیں تو سب میں مساوات اسی طور پر ہو سکتی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سو درہم میں سے دو ثلث لے اور ایک ثلث خالد کو دے اس لیے خالد کے پاس بھی دو ثلث ہو گئے۔

{8} اس کے برخلاف اگر یہ صورت ہو کہ موصی نے زید کے لیے چار سو درہم کی وصیت کی اور بکر کے لیے دو سو درہم کی وصیت کی پھر خالد سے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو یہاں شرکت کا لغوی معنی نہیں لیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ ان سب میں برابری ثابت کرنا اس لیے ممکن نہیں کہ دونوں مال متفاوت ہیں یعنی زید اور بکر مال میں برابر نہیں ہیں تو خالد ان دونوں کے ساتھ کیونکر برابر ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں لغوی معنی پر مساوات مراد نہیں ہو سکتی ہے تو لامحالہ لفظِ شرکت کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا پس ہم نے خالد کو ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ اس طرح مساوی شریک کیا کہ ہر ایک کو وصیت میں سے جو حصہ ملا ہے اس کو آدھا کر دیا آدھا اسی کو اور آدھا خالد کو دیا؛ یہ اس لیے تاکہ بقدرِ امکان لفظِ شرکت پر عمل ہو۔

{9} اگر کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر قرضہ ہے پس تم لوگ اس کے قول کی تصدیق کرو، مطلب یہ کہ موصی نے اپنے وارثوں سے یہ بات کہی کہ تم میرے مرنے کے بعد فلاں کے قرضہ کا انکار نہ کرو بلکہ اس کے قول کی تصدیق کرو، پھر فلاں نے آکر قرضہ کا دعوی کیا اگرچہ گواہ نہیں ہیں بلکہ صرف اس کا دعوی اور میت کا اقرار ہے تو استحساناً ایک ثلثِ ترکہ تک اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی یعنی استحساناً وارثوں پر لازم ہے کہ ترکہ کے ایک ثلث تک فلاں کے دعوی کی تصدیق کریں۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے؛ کیونکہ مجہول چیز کا اقرار اگرچہ بذاتِ خود صحیح ہوتا ہے لیکن ایسے اقرار کا حکم نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ مقر اس کا بیان کرے یعنی مقر سے دریافت کیا جائے گا کہ تیری کیا مراد ہے پس جب وہ اس مجہول کو بیان کرے تب اس پر عمل درآمد کا حکم ہو گا اور ہمارے اس مسئلہ میں بھی فلاں کے قرضہ کا اقرار صحیح ہے لیکن اس کا حکم نہیں کیا جا سکتا ہے جب تک کہ مقر اس کو بیان نہ کرے اور بیان کی امید یہاں منقطع ہو گئی؛ کیونکہ وہ مر گیا لہٰذا یہ اقرار بھی ساقط ہو گا۔

{10} اور موصی کا یہ قول کہ "تم اس کی تصدیق کرو" یہ شریعت کے خلاف صادر ہوا ہے؛ کیونکہ شرعاً مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی ہے مگر حجت سے، پس بلاحجت اس کی تصدیق کا حکم دینا خلافِ شریعت ہے تو یہ اقرار بیان کے بغیر رہ گیا، تو اس

اقرار کو اقرارِ مطلق قرار دینا متعذر ہو گیا یعنی اس اقرار کو ایسا اقرار نہیں ٹھہرایا جاسکتا جو ہر طرح سے پورا ہو جس سے حکم متعلق ہو سکے ،تو یہ اقرار معتبر نہ ہو گا پس قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ یہ اقرار ساقط الاعتبار ہو لیکن نے ہم نے اس قیاس کو ترک کر دیا اور استحسان کو اختیار کیا۔

{۱۱} وجہِ استحسان یہ ہے کہ ہم یہ بات بے شک جانتے ہیں کہ اس کی مراد یہ تھی کہ وارثوں پر فلاں قرضخواہ کو مقدم کیا جائے حتی کہ ترکہ سے پہلے اس کا قرضہ دیا جائے تب وارثوں کا حق دیا جائے لیکن یہاں یہ مشکل ہے کہ وارثوں کا حق اس کے قول کی وجہ سے دور کرنے کی کوئی وجہ نہیں تو ہم نے غور کیا کہ کس طرح سے اس کا قصد پورا ہو تو اس کی صورت یہ نکل آئی کہ یہ قصد وصیت کی راہ سے پورا کرنا ممکن ہے گویا اس نے وصیت کی کہ فلاں شخص جب آکر جو کچھ مانگے تو تم اس کو دے دو۔ اور اس کا مقتضی بھی موجود ہے وہ یہ کہ آدمی کو اقرار کی ضرورت پڑتی ہے یوں کہ وہ یہ جانتا ہے کہ اصل میں مجھ پر فلاں کا حق ہے لیکن اس کی مقدار نہیں جانتا ہے پس یہ فکر کرتا ہے کہ میرا ذمہ اس سے فارغ ہو جائے تو اس کو ایسی وصیت کی صورت میں کر دیتا ہے جس میں مقدار کا اندازہ موصی لہ کے حوالہ کیا ہو البتہ ثلث سے زیادہ کا اختیار نہ ہو تو گو اس نے یوں کہا کہ "جب تمہارے پاس فلاں شخص آکر کچھ دعوی کرے تو جو کچھ وہ چاہے اس کو میرے مال سے دے دو" اور یہ وصیت صحیح ہے مگر وارثوں پر کل مال دینا لازم نہیں بلکہ یہ وصیت ثلثِ ترکہ سے معتبر ہو گی یعنی ثلث تک اس کی تنفیذ واجب ہے، اسی لیے ثلثِ ترکہ تک فلاں کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور زائد میں تصدیق واجب نہیں ہے۔

{۱} قَالَ :وَإِنْ أَوْصَى بِوَصَايَاغَيْرِذَلِكَ يُعْزَلُ الثُّلُثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَاوَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ؛

فرمایا: اور اگر وصیتیں کیں اس کے علاوہ، تو الگ کر لیا جائے گا ثلث اصحابِ وصایا کے لیے اور دو ثلث ورثہ کے لیے

لِأَنَّ مِيرَاثَهُمْ مَعْلُومٌ .وَكَذَا الْوَصَايَا مَعْلُومَةٌ وَهَذَا مَجْهُولٌ فَلَا يُزَاحِمُ الْمَعْلُومَ فَيُقَدَّمُ

؛کیونکہ ان کی میراث معلوم ہے اور اسی طرح وصیتیں معلوم ہیں، اور یہ مجہول ہے پس مزاحم نہ ہو گا معلوم کا، پس مقدم کیا جائے گا

عَزْلُ الْمَعْلُومِ ،{۲} وَفِي الْإِفْرَازِ فَائِدَةٌ أُخْرَى وَهُوَ أَنَّ أَحَدَ الْفَرِيقَيْنِ قَدْ يَكُونُ أَعْلَمَ بِمِقْدَارِ هَذَا الْحَقِّ

معلوم کو الگ کرنا۔ اور الگ کرنے میں دوسرا فائدہ ہے، اور وہ یہ کہ دو فریقوں میں سے ایک کبھی زیادہ باخبر ہوتا ہے اس حق کی مقدار سے

وَأَبْصَرَ بِهِ ، وَالْآخَرُ أَلَدُّ خِصَامًا ، وَعَسَاهُمْ يَخْتَلِفُونَ فِي الْفَضْلِ إذَا ادَّعَاهُ

اور زیادہ بصیرت والا ہوتا ہے اس بارے میں، اور دوسرا بہت جھگڑالو ہوتا ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اختلاف کریں زیادتی میں جب دعوی کرے اس کا

المصنف ونفذ الإقرار نصح اقرار كل واحد فيما في يده من غير منازعة ﴿٣﴾ وإذا عزل يقال

اسم، اور الگ کرلے کے بعد صحیح ہے ہر ایک کا اقرار اس میں جو اس کے قبضہ میں ہے منازعت کے بغیر۔ اور جب الگ کیا جائے تو کہا جائے گا

لأصحاب الوصايا صدقوه فيما شئتم ويقال للورثة صدقوه فيما شئتم ؛ لأن هذا دين

اصحاب وصایا سے تصدیق کرو اس کی جتنی مقدار میں چاہو، اور کہا جائے گا ورثہ سے تصدیق کرو اس کی جتنی مقدار میں تم چاہو؛ کیونکہ یہ دین ہے

في حق المستحق وصية في حق التنفيذ ، فإذا أقر كل فريق بشيء ظهر أن في التركة دينا شائعا

مستحق کے حق میں وصیت ہے تنفیذ کے حق میں، پس جب اقرار کیا ہر ایک فریق نے کسی شی کا تو ظاہر ہوا کہ ترکہ میں ایسا دین ہے جو پھیلا ہوا ہے

في النصيبين . فيؤخذ أصحاب الثلث بثلث ما أقروا والورثة بثلثي ما أقروا ؛

دونوں حصوں میں، پس ماخوذ ہوں گے ثلث والے اس کے ثلث میں جس کا انہوں نے اقرار کیا ہے اور ورثہ ان دو ثلث میں جن کا انہوں نے اقرار کیا ہے

تنفيذا لإقرار كل فريق في قدر حقه ﴿٤﴾ وعلى كل فريق منهما اليمين على العلم إن ادعى

نافذ کرتے ہوئے ہر ایک فریق کے اقرار کو اس کے حق کے بقدر، اور ہر ایک فریق پر ان دونوں میں سے یمین ہے علم پر اگر دعوی کیا

المقر له زيادة على ذلك لأنه يحلف على ما جرى بينه وبين غيره . ﴿٥﴾ قال

مقر لہ نے اس سے زیادہ کا؛ کیونکہ ہر ایک فریق کو قسم دی جا رہی ہے اس پر جو جاری ہوا ہے اس کے اور اس کے غیر کے درمیان۔ فرمایا:

ومن أوصى لأجنبي ولوارثه فللأجنبي نصف الوصية وتبطل وصية الوارث ؛ لأنه

اور جس نے وصیت کی اجنبی اور اپنے وارث کے لیے تو اجنبی کے لیے نصف وصیت ہو گی اور باطل ہو گی وارث کے لیے وصیت؛ کیونکہ

أوصى بما يملك الإيصاء به وبما لا يملك فصح في الأول وبطل

اس نے وصیت کی اس چیز کی جس کی وصیت کا وہ مالک ہے اور اس چیز کی جس کی وہ مالک نہیں ہے، پس صحیح ہے اول میں اور باطل ہے

في الثاني ،﴿٦﴾ بخلاف ما إذا أوصى لحي وميت لأن الميت ليس بأهل للوصية فلا يصلح مزاحما

ثانی میں۔ برخلاف اس کے جب وصیت کرے زندہ اور میت کے لیے؛ کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے، پس وہ مزاحم نہیں ہو سکتا،

فيكون الكل للحي والوارث من أهلها ولهذا تصح بإجازة الورثة فافترقا،

پس کل وصیت زندہ کے لیے ہو گی، جبکہ وارث وصیت کا اہل ہے اسی وجہ سے صحیح ہے ورثہ کی اجازت سے، پس دونوں مسئلے الگ الگ ہو گئے

وعلى هذا إذا أوصى للقاتل وللأجنبي ،﴿٧﴾ وهذا بخلاف ما إذا أقر بعين أو دين لوارثه وللأجنبي

اور اس پر جب وصیت کرے قاتل اور اجنبی کے لیے۔ اور یہ برخلاف اس کے ہے جب اقرار کرے عین یا دین کا اپنے وارث اور اجنبی کے

حَيْثُ لَا يَصِحُّ فِي حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنْشَاءُ تَصَرُّفٍ وَالشَّرِكَةَ تَثْبُتُ حُكْمًا لَهُ فَتَصِحُّ فِي حَقِّ مَنْ

کہ یہ صحیح نہیں ہے اجنبی کے حق میں بھی؛ کیونکہ وصیت انشاء تصرف ہے، اور شرکت ثابت ہوتی ہے حکم بن کر اس کا، پس صحیح ہے اس کے حق میں

يَسْتَحِقُّهُ مِنْهُمَا ﴿٨﴾ وَأَمَّا الْإِقْرَارُ فَإِخْبَارٌ عَنْ كَائِنٍ، وَقَدْ أَخْبَرَ بِوَصْفِ الشَّرِكَةِ فِي الْمَاضِي

جو اس کا مستحق ہے ان دونوں میں سے، رہا اقرار تو وہ خبر دینا ہے گذرے ہوئے امر کی، حالانکہ اس نے خبر دی وصف شرکت کی ماضی میں

وَلَا وَجْهَ إِلَى إِثْبَاتِهِ بِدُونِ هَذَا الْوَصْفِ لِأَنَّهُ خِلَافُ مَا أَخْبَرَ بِهِ، وَلَا إِلَى إِثْبَاتِ الْوَصْفِ

اور کوئی صورت نہیں اس کے اثبات کی وصف شرکت کے بغیر؛ کیونکہ یہ خلاف ہے اس کے جس کی اس نے خبر دی ہے، اور نہ اثبات وصف کی کوئی صورت

لِأَنَّهُ يَصِيرُ الْوَارِثُ فِيهِ شَرِيكًا ﴿٩﴾ وَلِأَنَّهُ لَوْ قَبَضَ الْأَجْنَبِيُّ شَيْئًا كَانَ لِلْوَارِثِ أَنْ يُشَارِكَهُ

کیونکہ ہو جائے گا وارث اس میں شریک، اور اس لیے کہ اگر قبضہ کر لے اجنبی کسی چیز پر تو وارث کو حق ہے کہ شریک ہو جائے اس کے ساتھ

فَيَبْطُلَ فِي ذَلِكَ الْقَدْرِ ثُمَّ لَا يَزَالُ يَقْبِضُ وَيُشَارِكُهُ الْوَارِثُ حَتَّى

پس باطل ہو جائے گا اقرار اس مقدار میں، پھر برابر اجنبی قبضہ کرتا رہے گا اور وارث اس کے ساتھ شریک ہوتا رہے گا یہاں تک کہ

يَبْطُلَ الْكُلُّ فَلَا يَكُونُ مُفِيدًا وَفِي الْإِنْشَاءِ حِصَّةُ أَحَدِهِمَا مُمْتَازَةٌ عَنْ حِصَّةِ الْآخَرِ بَقَاءً وَبُطْلَانًا

پورا اقرار باطل ہو جائے گا، پس یہ اقرار مفید نہ ہوگا، اور انشاء میں ایک کا حصہ ممتاز ہوگا دوسرے کے حصے سے بقاء اور بطلان کے اعتبار سے

﴿١٠﴾ قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ جَيِّدٌ وَوَسَطٌ وَرَدِيءٌ فَأَوْصَى بِكُلِّ وَاحِدٍ لِرَجُلٍ فَضَاعَ

فرمایا: اور جس کے پاس تین کپڑے ہوں، عمدہ، اوسط اور ردی، پس اس نے وصیت کی ہر ایک کی ایک ایک آدمی کے لیے، پھر ضائع ہو گیا

ثَوْبٌ وَلَا يُدْرَى أَيُّهَا هُوَ وَالْوَرَثَةُ تَجْحَدُ ذَلِكَ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ　وَمَعْنَى جُحُودِهِمْ أَنْ يَقُولَ

ایک کپڑا اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا ہے اور ورثہ انکار کر رہے ہوں اس کا، تو وصیت باطل ہے، اور ان کے انکار کا معنی یہ ہے کہ کہے

الْوَارِثُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِعَيْنِهِ الثَّوْبُ الَّذِي هُوَ حَقُّكَ قَدْ هَلَكَ فَكَانَ الْمُسْتَحِقُّ مَجْهُولًا وَجَهَالَتُهُ تَمْنَعُ صِحَّةَ الْقَضَاءِ

وارث ہر ایک کو ان میں سے معین طریقے پر کہ وہ کپڑا جو تیرا حق تھا ہلاک ہو گیا، تو ہو گا مستحق مجہول، اور اس کی جہالت روکتی ہے صحت قضاء

وَتَحْصِيلَ الْمَقْصُودِ فَبَطَلَ. ﴿١١﴾ قَالَ: إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَ الْوَرَثَةُ الثَّوْبَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ، فَإِنْ سَلَّمُوا

اور تحصیل مقصود کو، پس وصیت باطل ہو جائے گی۔ فرمایا: مگر یہ کہ ورثہ سپرد کر دیں باقی دو کپڑے، پس اگر انہوں نے سپرد کر دیے

{۳}اور جب ہر ایک فریق کا حصہ جدا ہو جائے تو موصی لہم سے کہا جائے گا کہ تم اس ثلث میں جتنی
قدر چاہو تصدیق کرو، اور وارثوں سے کہا جائے گا کہ تم بھی جس مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کرو کیونکہ مستحق کے حق میں
ہے اور قرضہ جس ترکہ میں ہوتا ہے میراث سے مقدم ہوتا ہے صرف اتنی بات ہے کہ قرضخواہ اس کو ثبوت سے
لے سکتا تو مجہول اقرار قرضخواہ کے لحاظ سے قرضہ ہے، اور نافذ کرنے کے حق میں وصیت ہے یعنی یہ اقرار نافذ نہیں ہو
طرح کہ اس کو وصیت کے درجے میں رکھا جائے اور وارثوں سے بھی کہا جائے کہ جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کرو
ہر فریق نے کچھ اقرار کیا تو اب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ میت کا اقرار ٹھیک تھا اور ظاہر ہوا کہ ترکہ میں قرضہ تھا جو دونوں فریق
حصص میں شائع تھا پس ثلث والوں (موصی لہم) سے ان کے اقرار کی مقدار کا ثلث لیا جائے گا اور وارثوں نے جو کچھ اقرار کیا
اس کے دو ثلث لیے جائیں گے یہ اس لیے تاکہ ہر ایک فریق کا اقرار اس کے حق کے بقدر میں نافذ ہو اور ایک فریق کے
اقرار پر دوسرا ماخوذ نہ ہو۔

{۴}اور ہر ایک فریق نے جو اقرار کیا اگر مدعی اس سے زائد کا مدعی ہو تو ہر فریق سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی کہ ہم
نہیں جانتے کہ میت پر اس کا اس قدر قرضہ ہے جو یہ دعوی کرتا ہے" غرض یہ کہ جاننے پر قسم ہو گی اور قطعی قسم نہیں لی جائے گی
واللہ اس کا میت پر کچھ بھی قرضہ نہیں ہے؛ یہ اس لیے کہ ہر ایک فریق سے ایسے امر پر قسم لی جاتی ہے جو مدعی اور غیر کے درمیان
جاری ہوا یعنی مدعی اور میت کے درمیان قرض کا معاملہ واقع ہوا تھا اور غیر کے فعل پر قسم یا غیر اور اس کے درمیان
ہونے والے فعل پر قسم علم پر لی جاتی ہے قطعی قسم نہیں لی جاتی ہے۔

{۵}اگر کسی نے ایک اجنبی شخص اور ایک اپنے وارث کے لیے کسی مقدار کی وصیت کی تو اجنبی کے لیے نصف وصیت ہو گی
اور وارث کی وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ اس شخص نے ایسی چیز کی وصیت کی جس کی وصیت کرنے کا وہ مالک ہے اور ایسی چیز کی
وصیت کی جس کی وصیت کرنے کا وہ مالک نہیں ہے تو اول میں صحیح ہے اور دوم میں باطل ہے پس اجنبی کے لیے نصف وصیت ہو گی۔

{۶}اس کے برخلاف اگر اس نے ایک زندہ اور ایک مردہ شخص کے لیے وصیت کی تو زندہ ہی کے حق میں کل وصیت ہو گی
؛ کیونکہ میت اس کا اہل نہیں کہ اس کے لیے وصیت ہو تو وہ زندہ کے لیے مزاحم نہیں ہو سکتا اس لیے پوری وصیت زندہ کے لیے ہو گی
، اور وارث کو وصیت کی اہلیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ میت کے باقی وارثوں کی اجازت سے یہ وصیت صحیح ہے پس دونوں میں فرق
ظاہر ہو گیا یعنی اجنبی اور وارث کے لیے وصیت اور میت اور وارث کے لیے وصیت میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اسی طرح اگر موصی نے اپنے

قاتل کے لیے اور ایک اجنبی کے لیے وصیت کی تو بھی یہی حکم ہے کہ اجنبی کے لیے نصف وصیت ہو گی اور قاتل کے لیے وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ قاتل بھی وصیت کا اہل ہے مگر جرمِ قتل کی وجہ سے محروم ہے۔

{۷} اس کے برخلاف اگر کسی مال عین کا یا دین (دراہم اور دنانیر) کا اقرار اپنے وارث اور ایک اجنبی شخص کے لیے کیا تو یہ اقرار وارث کی طرح اجنبی شخص کے حق میں بھی صحیح نہ ہو گا؛ کیونکہ وصیت انشاء تصرف اور ابتداءً ایجاب ہے جو پہلے سے نہیں تھا اور وارث اور اجنبی میں شرکت انشاء کے حکم سے ثابت ہوئی ہے پس اجنبی اور وارث میں سے جو وصیت کا مستحق ہو اس کے حق میں وصیت ثابت ہو جائے گی اور وہ اجنبی ہے اور جو اس کا اہل نہ ہو اس کے حق میں نہیں ثابت ہو گی اور وہ وارث ہے۔

{۸} رہا اقرار تو وہ ایسے تصرف کی خبر دینا ہے جو پہلے سے واقع ہو چکا ہے اور حال یہ ہے کہ مقر نے خبر دی کہ ماضی (زمانے) میں دونوں کی شرکت اس مال عین یا دین میں ہو چکی ہے لیکن وارث کے لیے اقرار جائز نہیں ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ وصف شرکت کے بغیر اجنبی کے حق میں اقرار ثابت کیا جائے یعنی اجنبی تنہا اس عین یا دین کا مالک ہو؛ کیونکہ اس طرح کرنا تو مقر کے خبر دینے کے خلاف ہے، اور اس کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وصفِ شرکت ثابت کیا جائے؛ کیونکہ عین مال میں یا دین میں اس کا وارث شریک بن جائے گا حالانکہ یہ نہیں ہو سکتا ہے تو جب وصفِ اشتراک کے ساتھ اور اس کے بغیر دونوں طرح سے اقرار ثابت نہیں ہو سکتا ہے تو دونوں میں سے کسی کے حق میں صحیح نہ ہو گا۔

{۹} دوسری وجہ یہ ہے کہ شرکت کے بعد اجنبی کے حق میں اقرار صحیح نہیں رہ سکتا؛ کیونکہ اگر اجنبی نے اپنا حصہ کچھ وصول کر لیا تو وارث شریک کو اختیار ہو گا کہ اس میں اجنبی کے ساتھ شریک ہو؛ کیونکہ شرکت امر شائع ہے جو ہر جزء میں موجود ہے اور ہر ایک کا حصہ دوسرے کے حصے سے ممتاز نہیں ہے تو اس مقدار میں اتنا باطل ہو جائے گا پھر برابر یہی ہوتا رہے گا کہ اجنبی جو کچھ مال قبض کرے گا اس میں وارث اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا یہاں تک کہ کل باطل ہو جائے گا تو اجنبی کے لیے وصفِ شرکت کے ساتھ اس اقرار کا کچھ فائدہ نہ ہو گا؛ کیونکہ اجنبی کے پاس جو (برابر) اس عین یا دین میں سے ہو گا تو اس کو بھی وارث تقسیم کرے گا لہذا اس میں اجنبی کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اور انشاء وصیت کی صورت میں ایک کا حصہ دوسرے کے حصے سے ممتاز ہوتا ہے ابتداء کے اعتبار سے اجنبی کے حق میں اور بطلان کے اعتبار سے وارث کے حق میں پس اجنبی کے لیے جو کچھ باقی رہا وہ نصف ممتاز ہے اور وارث کے لیے جو باطل ہوا وہ بھی نصف ممتاز ہے۔

{10} اگر ایک شخص کے پاس تین کپڑے ہوں جن میں سے ایک اعلیٰ، دوسرا اوسط اور تیسرا ادنیٰ ہو پس اس نے کپڑوں
ہر کی ہر ایک کپڑے کی ایک ایک آدمی کے لیے وصیت کی مثلاً اول کی زید کے لیے اور دوسرے کی بکر کے لیے اور تیسرے کی خالد کے
لیے وصیت کی پھر ان کپڑوں میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کونسا کپڑا ضائع ہوا اور ورثہ اس سے منکر ہوں تو
پوری وصیت باطل ہے، اور ورثہ کے انکار سے مراد یہ ہے کہ تینوں میں سے ہر ایک موصی لہ سے کہتے ہیں کہ وہ کپڑا جو تیرا حق تھا وہ
تلف ہوا ہے تو یہ وصیت باطل ہے؛ کیونکہ باقی دونوں کپڑوں کا مستحق مجہول ہے اور مستحق کا مجہول ہونا حکم قضاء کی صحت اور موصی
کا مقصود حاصل ہونے سے مانع ہے اس لیے یہ وصیت باطل ہے۔

{11} البتہ اگر ورثہ باقی دونوں کپڑے سپرد کر دیں تو وصیت باطل نہ ہوگی؛ کیونکہ باطل ہونا ورثہ کے انکار کی وجہ سے
تھا، پس جب ورثہ نے باقی کپڑوں کو تینوں موصی لہم کے سپرد کر دیا تو ورثہ کا انکار جو نفاذِ وصیت سے مانع تھا وہ نہیں رہا اس لیے وصیت
باطل نہ ہوگی۔

رہا یہ امر کہ باقی دونوں کپڑے ان تینوں میں کس طرح تقسیم کئے جائیں گے؟ تو فرمایا کہ جس کے لیے اعلیٰ کپڑے کی وصیت
کی تھی تو اس کو موجود دونوں کپڑوں میں سے اعلیٰ کپڑے کے دو ثلث ملیں گے اور اوسط والے کے لیے موجود کپڑوں میں سے اعلیٰ
کپڑے کا بھی ایک ثلث اور ادنیٰ کا بھی ایک ثلث ملے گا، اور ادنیٰ والے کے لیے موجود کپڑوں میں سے ادنیٰ کے دو ثلث ملیں گے
؛ کیونکہ اعلیٰ وصیت والے کے لیے بالیقین ان موجود دو کپڑوں میں سے کچھ حق نہیں ہے؛ کیونکہ دونوں موجود کپڑوں میں سے جو ادنیٰ
ہے وہ یا تو درمیانی درجے کا ہوگا اور یا ادنیٰ ہوگا؛ کیونکہ یہ اعلیٰ نہیں ہو سکتا جب کہ اس سے اعلیٰ ایک کپڑا موجود ہے لہٰذا اس ادنیٰ کپڑے
میں اعلیٰ والے کا کچھ حق نہیں ہے بلکہ اس کا حق اعلیٰ میں منحصر ہے اور جو کپڑا کہ اب اعلیٰ ہے اس میں احتمال ہے کہ شاید یہ اصلی اعلیٰ
ہو یا اصلی اوسط ہو لیکن موجود ہونے کے لحاظ سے وہ اعلیٰ ہے تو اس کو صرف اسی میں سے دو ثلث دیئے جائیں گے۔

{12} رہا وہ جس کے لیے اصل میں سب سے ادنیٰ کپڑے کی وصیت کی تھی وہ صرف موجود دو کپڑوں میں سے ادنیٰ
کو پائے گا اور اس کو ان باقی دو کپڑوں میں سے اعلیٰ درجہ کے کپڑے میں کچھ حق یقیناً نہیں ہے؛ کیونکہ جو اعلیٰ درجے کا کپڑا اب باقی ہے؛
تینوں کپڑوں میں سے اعلیٰ ہوگا یا اوسط ہوگا؛ کیونکہ ادنیٰ تو اب بھی موجود ہے حالانکہ اس کا کوئی حق اعلیٰ یا اوسط میں نہیں تو اس
کو لامحالہ اسی ادنیٰ میں سے دیا جائے گا جو ادنیٰ اب بھی باقی ہے؛ کیونکہ اس ادنیٰ میں احتمال ہے کہ شاید یہی اصلی ادنیٰ ہو تو اس کا استحقاق
صرف اس موجودہ ادنیٰ کپڑے میں محتمل ہے پس اس کو اسی محل محتمل ہی سے دیا جائے گا، پھر جب اعلیٰ کپڑے کے بھی دو ثلث

رہے اور ادنیٰ کے بھی دو ثلث نہ رہے تو اعلیٰ کا بھی ایک ثلث رہ گیا اور ادنیٰ کا بھی ایک ثلث رہ گیا تو لازمی بات ہے کہ درمیانی موصی لہ کا حق بعینہ ان ہی دو ثلث میں متعین ہوگا اس لیے باقی دو ثلث اس کو دیئے جائیں گے۔

{1} قَالَ : وَإِذَا كَانَتِ الدَّارُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَأَوْصَى أَحَدُهُمَا بِبَيْتٍ بِعَيْنِهِ لِرَجُلٍ
فرمایا: اور اگر ایک مکان مشترک ہو دو آدمیوں کے درمیان، وصیت کی دونوں میں سے ایک نے متعین کمرے کی کسی شخص کے لیے،

فَإِنَّهَا تُقْسَمُ، فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ الْمُوصِي فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ
تو مکان کو تقسیم کیا جائے گا، پس اگر واقع ہوا کمرہ موصی کے حصہ میں تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا شیخین کے نزدیک، اور امام محمد کے نزدیک

نِصْفُهُ لِلْمُوصَى لَهُ، وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ فَلِلْمُوصَى لَهُ مِثْلُ ذَرْعِ الْبَيْتِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ
اس کا نصف موصی لہ کے لیے ہوگا، اور اگر واقع ہوا دوسرے کے حصے میں تو موصی لہ کو کمرے کی پیائش کا مثل ملے گا، اور یہ شیخین کے نزدیک ہے

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : مِثْلُ ذَرْعِ نِصْفِ الْبَيْتِ لَهُ أَنَّهُ أَوْصَى بِمِلْكِهِ وَبِمِلْكِ غَيْرِهِ،
اور فرمایا امام محمد نے نصف کمرے کی پیائش کا مثل ملے گا؛ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے وصیت کی اپنی ملک اور غیر کی ملک کی

{2} لِأَنَّ الدَّارَ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا مُشْتَرَكَةٌ فَيَنْفُذُ الْأَوَّلُ وَيُوقَفُ الثَّانِي ، وَهُوَ إِنْ مَلَكَهُ
کیونکہ مکان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مشترک ہے، تو وصیت نافذ ہوگی اول میں اور موقوف ہوگی ثانی میں، اور موصی اگرچہ اس کمرے کا مالک ہوا

بَعْدَ ذَلِكَ بِالْقِسْمَةِ الَّتِي هِيَ مُبَادَلَةٌ لَا تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ السَّالِفَةُ ، كَمَا إِذَا أَوْصَى بِمِلْكِ الْغَيْرِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ،
اس کے بعد اس تقسیم سے جو کہ مبادلہ ہے، مگر نافذ نہ ہوگی اس کی سابقہ وصیت جیسے کوئی وصیت کرے غیر کی ملک کی پھر خرید لے اس کو.

{3} ثُمَّ إِذَا اقْتَسَمُوهَا وَوَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ الْمُوصِي تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِي عَيْنِ الْمُوصَى بِهِ وَهُوَ نِصْفُ الْبَيْتِ
پھر جب انہوں نے مکان کو تقسیم کیا اور واقع ہو کمرہ موصی کے حصہ میں تو نافذ ہوگی وصیت عین موصی بہ میں، اور وہ نصف کمرہ ہے

وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ لَهُ مِثْلُ ذَرْعِ نِصْفِ الْبَيْتِ تَنْفِيذًا لِلْوَصِيَّةِ فِي بَدَلِ الْمُوصَى بِهِ
اور اگر واقع ہوا اس کے شریک کے حصہ میں تو اس کے لیے کمرے کی نصف پیائش کے بقدر ہوگا؛ نافذ کرتے ہوئے وصیت کو موصی بہ کے بدل میں

عِنْدَ فَوَاتِهِ كَالْجَارِيَةِ الْمُوصَى بِهَا إِذَا قُتِلَتْ خَطَأً تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِي بَدَلِهَا ،{4} بِخِلَافِ مَا
موصی بہ فوت ہونے کے وقت جیسے موصی بہا باندی میں جب وہ قتل کر دی جائے خطاءً تو نافذ ہوگی وصیت اس کے بدل میں۔ برخلاف اس کے

إِذَا بِيعَ الْعَبْدُ الْمُوصَى بِهِ حَيْثُ لَا تَتَعَلَّقُ الْوَصِيَّةُ بِثَمَنِهِ ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ تَبْطُلُ بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْبَيْعِ

جب فروخت کیا جائے موصی پر تمام کر متعلق نہ ہوگی وصیت اس کے ثمن کے ساتھ؛ کیونکہ وصیت باطل ہو جاتی ہے جیسے

عَلَى مَا بَيَّنَاهُ وَلَا تَبْطُلُ بِالْقِسْمَةِ . {۵} وَلَهُمَا أَنَّهُ أَوْصَى بِمَا

جیساکہ ہم بیان کر چکے اس کو، اور باطل نہ ہوگی تقسیم سے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے وصیت کی ہے اس چیز کی جو

مِلْكُهُ فِيهِ بِالْقِسْمَةِ ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَقْصِدُ الْإِيصَاءَ بِمِلْكٍ مُنْتَفَعٍ بِهِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ

اس کی ملک تقسیم سے؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ قصد کرتا ہے ایسی ملک کی وصیت کا جس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے ہر طرح سے

يَكُونُ بِالْقِسْمَةِ ، لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْمُشَاعِ قَاصِرٌ وَقَدِ اسْتَقَرَّ مِلْكُهُ فِي جَمِيعِ الْبَيْتِ إِذَا وَقَعَ فِي نَصِيبِهِ

تقسیم سے ہو سکتا ہے؛ کیونکہ نفع اٹھانا مشاع سے قاصر ہے، اور پختہ ہو گئی اس کی ملک پورے کمرے میں جب وہ واقع ہوا اس کے حصے میں

فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيهِ ، وَمَعْنَى الْمُبَادَلَةِ فِي هَذِهِ الْقِسْمَةِ تَابِعٌ ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ الْإِفْرَازُ تَكْمِيلًا لِلْمَنْفَعَةِ وَلِهَذَا

پس نافذ ہوگی وصیت اس میں، اور مبادلہ کا معنی اس تقسیم میں تابع ہے، اور مقصود الگ کرنا ہے؛ تاکہ تکمیل ہو جائے منفعت کی، اسی لیے

يُجْبَرُ عَلَى الْقِسْمَةِ فِيهِ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الْإِفْرَازِ يَصِيرُ كَأَنَّ الْبَيْتَ مِلْكُهُ مِنَ الِابْتِدَاءِ. {۶} وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ

مجبور کیا جائے گا تقسیم پر اس میں، اور افراز کے اعتبار پر ہو جائے گا گویا کمرہ اس کی ملک ہے ابتداء سے۔ اور اگر کمرہ واقع ہو گیا دوسرے کے حصے میں

تَنْفُذُ فِي قَدْرِ ذُرْعَانِ جَمِيعِهِ مِمَّا وَقَعَ فِي نَصِيبِهِ ، إِمَّا لِأَنَّهُ

تو وصیت نافذ ہو جائے گی کمرے کے تمام گزوں کے بقدر اس میں سے جو واقع ہوئی ہے موصی کے حصے میں؛ یا تو اس لیے کہ یہ ہم

عِوَضُهُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ ، {۷} أَوْ لِأَنَّ مُرَادَ الْمُوصِي مِنْ ذِكْرِ الْبَيْتِ التَّقْدِيرُ بِهِ تَحْصِيلًا

کمرے کا عوض ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو، یا اس لیے کہ موصی کی مراد کمرے کے ذکر سے اندازہ لگانا ہے اس سے؛ تاکہ حاصل ہو

لِمَقْصُودِهِ مَا أَمْكَنَ ، إِلَّا أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ الْبَيْتُ إِذَا وَقَعَ فِي نَصِيبِهِ جَمْعًا بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ التَّقْدِيرِ وَالتَّمْلِيكِ

اس کا مقصود بقدر امکان، البتہ متعین ہے کمرہ جب واقع ہو جائے اس کے حصہ میں؛ جمع کرتے ہوئے تقدیر اور تملیک کی دونوں جہتوں کے درمیان

وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ عَمِلْنَا بِالتَّقْدِيرِ ، {۸} أَوْ لِأَنَّهُ أَرَادَ التَّقْدِيرَ عَلَى اعْتِبَارِ أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ

اور اگر کمرہ واقع ہوا دوسرے کے حصے میں تو ہم نے عمل کیا تقدیر پر، یا اس لیے کہ موصی نے ارادہ کیا ہے تقدیر کا دو جہتوں میں سے ایک کے اعتبار پر

وَالتَّمْلِيكَ بِعَيْنِهِ عَلَى اعْتِبَارِ الْوَجْهِ الْآخَرِ ، كَمَا إِذَا عَلَّقَ عِتْقَ الْوَلَدِ وَطَلَاقَ الْمَرْأَةِ بِأَوَّلِ وَلَدٍ تَلِدُهُ

اور بعینہ تملیک کا دوسرے وجہ کے اعتبار پر جیساکہ جب معلق کر دے بچے کے عتق کو اور بیوی کی طلاق اول بچے پر جس کو جنے اس کی باندی

في جزاء الطلاق مطلق الولد وفي العتق ولدحي ﴿9﴾ ثم إذا وقع البيت في نصيب غير الموصي والدار مائة ذراع

اور طلاق کی جزاء میں مطلق بیٹا ہوگا اور عتق میں زندہ بیٹا۔ پھر جب واقع ہو جائے کمرہ غیر موصی کے حصہ میں، اور مکان سو ذراع ہو،

والبيت عشرة أذرع يقسم نصيبه بين الموصى له وبين الورثة على عشرة أسهم : تسعة منها للورثة

اور کمرہ دس ذراع ہو، تو تقسیم کیا جائے اس کا حصہ موصی لہ اور ورثہ کے درمیان دس حصوں پر، تو ان میں سے ورثہ کے لیے ہوں گے

وسهم للموصى له ، وهذا عند محمد فيضرب الموصى له بخمسة أذرع نصف البيت وهم

اور ایک حصہ موصی لہ کے لیے اور یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے، پس لے لے گا موصی لہ پانچ ذراع نصف کمرے کے حساب سے، اور ورثہ کو

بنصف الدار سوى البيت وهو خمسة وأربعون فيجعل كل خمسة سهما فيصير عشرة،

نصف مکان کمرے کے علاوہ ملے گا اور وہ پینتالیس ذراع ہیں، پس قرار دیا جائے گا ہر پانچ ذراع کو ایک حصہ، پس ہو جائیں گے دس حصے،

﴿10﴾ وعندهما يقسم على أحد عشر سهما لأن الموصى له يضرب بالعشرة وهم بخمسة وأربعين فتصير

اور شیخینؒ کے نزدیک تقسیم کیا جائے گا گیارہ حصوں پر؛ کیونکہ موصی لہ لے گا دس ذراع اور ورثہ پینتالیس ذراع پس ہو جائیں گے

السهام أحد عشر للموصى له سهمان ولهم تسعة ﴿11﴾ ولو كان مكان الوصية إقرار قيل هو على الخلاف، وقيل

حصے گیارہ، موصی لہ کو دو حصے اور ورثہ کو نو حصے ملیں گے۔ اور اگر ہو وصیت کی جگہ اقرار، تو کہا گیا ہے کہ وہ بھی اختلاف پر ہے، اور کہا گیا ہے

لا خلاف فيه لمحمد. ﴿12﴾ والفرق له أن الإقرار بملك الغير صحيح ، حتى إن من أقر بملك الغير

کہ اختلاف نہیں ہے اس میں امام محمدؒ کا، اور فرق ان کے نزدیک یہ ہے کہ ملکِ غیر کا اقرار صحیح ہے حتی کہ جس نے اقرار کیا ملکِ غیر کا

لغيره ثم ملكه يؤمر بالتسليم إلى المقر له ، والوصية بملك الغير لا تصح ، حتى لو ملكه

کسی کے غیر کے لیے، پھر مالک ہوا اس کا تو حکم دیا جائے گا سپرد کرنے کا مقر لہ کو، اور وصیت ملکِ غیر کی صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر وہ اس کا مالک ہوا

بوجه من الوجوه ثم مات لا تصح وصيته ولا تنفذ.

کسی طرح سے، پھر مر گیا تو صحیح نہ ہوگی اس کی وصیت اور نہ نافذ ہوگی۔

تشریح: ﴿1﴾ اگر ایک مکان دو آدمیوں میں مساوی مشترک ہو جن میں سے ایک نے اس مکان سے ایک معین کمرے کی وصیت ایک شخص مثلاً زید کے لیے کر دی تو اس وصیت کے نافذ کرنے کے لیے یہ مکان دونوں شریکوں میں تقسیم کیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا کہ اگر معین کمرہ اسی موصی کے حصہ میں پڑا تو شیخینؒ کے نزدیک پورا کمرہ موصی لہ کے لیے ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک موصی لہ

کے لیے نصف کمرہ ہوگا۔اور اگر یہ کمرہ تقسیم میں دوسرے شریک کے حصہ میں پڑا تو شیخین کے نزدیک موصی لہ کے لیے کمرے کی مساحت کے برابر موصی کے حصے میں سے ہوگا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک کمرے کی مساحت کے نصف کے برابر موصی لہ کے لیے ہوگا۔

{۲}امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اپنی ملک اور غیر کی ملک کی وصیت کی؛کیونکہ مذکورہ مکان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ ان دونوں شریکوں میں مساوی طور پر مشترک ہے تو اول وصیت یعنی اپنی ملک کی وصیت نافذ ہوئی اور دوسری وصیت یعنی ملک غیر کی وصیت اس کی اجازت پر موقوف رہی حتی کہ اگر وہ اجازت دے تو اس کی جانب سے بھی وصیت پوری ہو جائے گی،اور موصی اگرچہ وصیت کے بعد تقسیم کے ذریعہ جو در حقیقت مبادلہ ہے اس پورے کمرے کا مالک ہو گیا مگر اس کی سابقہ وصیت اس پورے کمرے میں نافذ نہ ہوگی؛کیونکہ تقسیم سے ملکیت بطورِ مبادلہ حاصل ہوتی ہے تو تقسیم کے ذریعہ مبادلہ سے اب اس کمرے کا مالک ہو گیا وصیت کے وقت مالک نہ تھا اور تقسیم کے بعد اس نے وصیت نہیں کی بلکہ وصیت اس سے پہلے کی ہے تو وہ اپنی حد تک رہے گی اور وہ نصف ہے اور باقی نصف جو وصیت کے بعد اس نے مبادلہ کے ذریعہ پائی اس میں اس کی وصیت نافذ نہ ہوگی جیسے کسی نے دوسرے کی ملک کی وصیت کرلی پھر موصی بہ چیز اس کے مالک سے خریدلی تو بالاتفاق اس کی یہ وصیت اس چیز میں صحیح نہیں ہوتی ہے،اسی طرح یہاں بھی اپنے شریک کا نصف کمرہ جو تقسیم کے ذریعہ سے حاصل کیا اس میں اس کی وصیت نافذ نہ ہوگی۔

{۳}پھر جب موصی کے وارثوں نے مذکورہ مکان کی تقسیم کرائی اور یہ کمرہ موصی کے حصہ میں پڑا تو وصیت عین موصی بہ میں نافذ کی جائے گی اور وہ معین نصف کمرہ ہے،اور اگر یہ کمرہ تقسیم میں شریک کے حصہ میں پڑا تو موصی لہ کو نصف کمرے کے برابر مساحت دی جائے گی تاکہ اس قاعدہ پر عمل ہو کہ جب عین موصی بہ فوت ہو جائے تو اس کے عوض میں وصیت نافذ کی جائے گی یعنی قاعدہ یہ ہے کہ جب وصیت کی چیز موصی کے فعل کے بغیر اس طرح فوت ہو کہ اپنا عوض چھوڑ جائے تو اس عوض میں وصیت نافذ کی جائے گی جیسے کسی کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی تھی اور وہ کسی نے خطاءً قتل کی تو اس کے بدل یعنی قیمت میں وصیت نافذ کی جاتی ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی ہے۔

{۴}اس کے برخلاف اگر موصی بہ غلام کو فروخت کیا تو اس کے ثمن سے وصیت متعلق نہ ہوگی؛کیونکہ موصی بہ کو فروخت کرنے پر اقدام کرنا وصیت کو باطل کرتا ہے اس لیے کہ یہ وصیت سے رجوع کی دلیل ہے جیسا کہ ہم نے وصیت سے رجوع کے ذیل میں بیان کیا،اور تقسیم کرنے سے وصیت باطل نہیں ہوتی ہے؛کیونکہ تقسیم رجوع کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو وصیت کے نفاذ میں مفید ہے تو اس سے وصیت مؤکد ہو جائے گی۔

{۵} شیخین کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اپنی چیز کی وصیت کی جس میں اس کی ملکیت تقسیم کے ذریعہ تم ہو جائے گی؛ کیونکہ ثابت ہے کہ موصی نے اپنی ملکیت وصیت میں اپنے کا قصد کیا ہے جس سے ہر طرح سے نفع حاصل کرنا موصی لہ کو میسر ہو اور ہر طرح سے نفع حاصل کرنا تقسیم ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوگا؛ کیونکہ مشترک غیر مقسوم چیز سے نفع حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے پھر جب تقسیم میں یہ کمرہ اس کے حصہ میں پڑے تو پورے کمرہ میں اس کی ملکیت تم ہو جائے گی لہذا اس پورے کمرے میں اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔ رہا یہ شبہ کہ موصی نے اس کو مبادلہ میں حاصل کیا ہے؛ کیونکہ تقسیم میں مبادلہ کا معنی پایا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مبادلہ کا معنی اس تقسیم میں تابع ہے اور اصل مقصود جدا کرنا ہوتا ہے تاکہ کامل منفعت حاصل ہو یعنی تقسیم کی اصل غرض یہ نہیں کہ باہمی مبادلہ واقع ہو بلکہ مبادلہ تو ضرورۃً ثابت ہوتا ہے اصل غرض ہر ایک کا اپنا حصہ الگ کرنا ہے لہذا مبادلہ تابع ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تقسیم پر مجبور کیا جاتا ہے یعنی ایک شریک کی درخواست پر قاضی اس کی تقسیم پر دوسرے شریک کو مجبور کرے گا اور اگر اس میں مبادلہ کا معنی غالب ہوتا تو مجبور نہ کیا جاتا، لہذا مبادلہ تابع ہے اور اعتبار اصل کو ہوتا ہے نہ کہ تابع کو، اس لیے یہاں مبادلہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور جدائی کے معنی کا اعتبار کرنے پر ایسا ہوا کہ گویا یہ کمرہ ابتداء ہی سے موصی کی ملکیت میں تھی جو اس نے ایک شخص کے لیے وصیت کر دی پس وصیت صحیح ہے اور یہ کمرہ موصی لہ کو دیدیا جائے گا۔

{٦} اور اگر یہ کمرہ دوسرے شریک کے حصہ میں پڑے تو جو کچھ موصی کے حصہ میں آیا ہے اس میں سے اس کمرے کے پورے گزوں میں وصیت نافذ کی جائے گی یعنی اگر کمرہ تقسیم میں دوسرے شریک کے حصہ میں پڑا تو ظاہر ہے کہ کمرے کے بجائے موصی کے حصہ میں زمین کا دوسرا ٹکڑا واقع ہوا ہوگا پس اس موصی کے حصہ میں جس قدر پڑا ہے اس میں سے موصی لہ کو کمرے کے پورے گزوں کے حساب سے شریک کیا جائے گا نصف کے حساب سے نہیں؛ خواہ اس وجہ سے کہ کمرہ کے بجائے زمین کا جو ٹکڑا ملا وہ کمرے کا عوض ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا کہ جب وصیت کی چیز اس طرح موصی کے ہاتھ سے نکل جائے کہ موصی کے اختیاری فعل کے بغیر وہ اپنا عوض چھوڑ دے تو یہ عوض موصی بہ کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی میں سے وصیت نافذ کی جائے گی تو یہاں بھی یہی ہوگا؛ کیونکہ موصی نے جب مشترک مکان میں سے کمرے کی وصیت کی تو وہ جانتا تھا کہ شاید میرے حصے میں یہ کمرہ نہ آئے لہذا اس کے عوض میں وصیت نافذ کی جائے گی۔

{۷} دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کمرے کے ذکر سے موصی کی مراد یہ تھی کہ اسی کی مقدار کے بقدر زمین کا ٹکڑا موصی لہ کو دیا جائے؛ تاکہ جہاں تک ممکن ہے موصی کا مقصود پورا ہو، البتہ اتنی بات ہے کہ جب تقسیم میں کمرہ موصی کے حصہ میں پڑے تو یہی کمرہ متعین ہوگا تاکہ اندازہ کرنا یا مالک بنانا دونوں وجہوں کا جمع کرنا حاصل ہو جائے یعنی اگر کوئی وہم کرے کہ جب تم نے موصی کی

مراد دو باتوں میں دائر کی کہ اس کمرے کا عین یا اس کے بقدر زمین کا ٹکڑا دیا جائے تو چاہیئے کہ جس صورت میں عین کمرہ موصی کے حصہ میں آئے تو اس کو اختیار ہو کہ یہی کمرہ دیدے یا اس کی مقدار زمین کا ٹکڑا دیدے حالانکہ یہ اختیار نہیں ہے بلکہ کمرہ ہی دینے گا؟ تو جواب دیا کہ موصی کا مقصود پورا کرنا چاہیئے کہ عین کمرہ دیدے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے بقدر زمین کا ٹکڑا دے تا کہ یہاں دونوں جہت جمع ہوں۔ اور اگر کمرہ دوسرے کے حصہ میں پڑا تو ہم نے کمرے سے اندازہ کرتے ہوئے کمرے کے بقدر زمین دینے پر عمل کیا؛ کیونکہ عین کمرہ کی تملیک ممکن نہیں ہے اس لیے کہ وہ دوسرے کے حصے میں پڑا۔

{۸} تیسری وجہ یہ ہے کہ موصی نے خود دونوں وجہوں میں سے ایک کے اعتبار پر بقدر کمرہ زمین دینا مراد لیا اور دوسری وجہ کے اعتبار پر تملیک کا قصد کیا یعنی گویا موصی نے یوں وصیت کی کہ موصی لہ کو عین کمرہ دینا اگر تقسیم میں یہ کمرہ میرے حصہ میں پڑے یا اس کے برابر زمین دینا اگر تقسیم میں کمرہ میرے حصہ میں نہ آئے، اور یہ ایسا ہے جیسے کسی نے بچے کی آزادی اور اپنی بیوی کی طلاق کو معلق کیا ہو اس کی باندی کے اول بچہ جننے پر مثلاً کہا کہ جب میری یہ باندی اپنے شوہر سے پہلا بچہ جنے تو وہ بچہ آزاد اور میری اس بیوی کو طلاق ہے، پس طلاق واقع ہونے کے لیے تو مطلق بچہ مراد ہے خواہ مذکورہ باندی زندہ بچہ جنے یا مردہ، بہر دو صورت اس کی بیوی طلاق ہو جائے گی، اور آزاد ہونے کے لیے زندہ بچہ مراد ہے۔

{۹} پھر جب یہ کمرہ موصی کے علاوہ دوسرے کے حصہ میں پڑے اور کل مکان سو گز ہے اور کمرہ دس گز ہے تو موصی کا حصہ امام محمدؒ کے نزدیک موصی لہ اور موصی کے ورثہ کے درمیان دس حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے نو حصے ورثہ کے لیے ہوں گے اور ایک حصہ موصی لہ کے لیے ہوگا، جس میں سے پچاس گز موصی کے حصہ میں آیا اور باقی پچاس گز دوسرے شریک کے حصہ میں گیا اور کمرہ دس گز ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس میں سے آدھا یعنی پانچ گز موصی لہ لے لے گا اور ورثہ کمرے کے اس حصے (پانچ گز) کے علاوہ بقیہ مکان لے لیں گے جس کی مقدار پینتالیس گز ہے پس مکان کے پچاس گزوں میں سے ہر پانچ گز کو ایک حصہ قرار دیا جائے گا اس طرح کل دس حصے ہوں گے۔

{۱۰} شیخینؒ کے نزدیک موصی کے حصہ میں جو پچاس گز آئے ہیں ان کے گیارہ حصے کر لیے جائیں گے ان میں سے نو حصے ورثہ کو اور دو موصی لہ کو دیئے جائیں گے یعنی پچاس گز کو بڑھا کر پچپن کر لیا جائے گا اور پھر پچپن میں سے دس موصی لہ اور پینتالیس ورثہ کے ہوں گے؛ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورا کمرہ دس گز کا ہے لہٰذا وہی دس مذکورہ طریقہ پر موصی لہ کو دیئے جائیں گے۔ بعض شراح حضرات کی رائے یہ ہے کہ شیخینؒ کے مذہب کی یہ تفصیل بلا فائدہ طول ہے آسان طریقہ یہ کہ پچاس

دس گز کو پانچ سہام پر تقسیم کیا جائے جن میں ایک سہم (دس گز) موصی لہ کو دیا جائے اور چار سہام (چالیس گز) ورثہ کو دیئے جائیں، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ کمرہ کا نصف موصی لہ کے لیے ہے تو وہ مجبوراً دس سہام پر تقسیم کے قائل ہیں۔

فتویٰ: شیخینؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشہید: والفتوىٰ علی قول الشیخین رجحه اصحاب المتون والشروح والفتاوی (ھامش الھدایة:4ص665)

﴿۱۱﴾اور اگر وصیت کے بجائے اقرار ہو مثلاً زید اور بکر کے درمیان ایک مکان مشترک ہے اور زید نے اس میں سے ایک معین کمرے کا خالد کے لیے اقرار کیا کہ یہ خالد کی ملک ہے تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں بھی مذکورہ بالا اختلاف ہے یعنی شیخینؒ کے نزدیک مقرلہ کو یہ کمرہ ملے گا اگر یہ کمرہ مقر کے حصہ میں آیا یا اس کے برابر زمین ملے گی اگر یہ کمرہ بکر کے حصے میں آیا، اور امام محمدؒ کے نزدیک فقط نصف پائے گا؛ کیونکہ مشترکہ مکان میں مقر کی ملک صرف نصف ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اقرار کی صورت میں امام محمدؒ کا اختلاف نہیں ہے۔

﴿۱۲﴾اس دوسرے قول کے مطابق امام محمدؒ کے نزدیک اقرار اور وصیت میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ غیر کی ملک کا اقرار کردینا صحیح ہوتا ہے یعنی جو چیز اب غیر کی ملک میں ہے اس کے بارے کسی کے لیے اقرار کردینا صحیح ہوتا ہے حتی کہ جس نے کسی شخص کی ملک کا دوسرے شخص کے لیے اقرار کیا مثلاً خالد نے زید کی ملک کا بکر کے لیے اقرار کیا پھر خالد کسی طرح سے اس چیز کا مالک ہو گیا تو خالد کو حکم دیا جائے گا کہ یہ چیز بکر کے سپرد کردو، اقرار کے برخلاف ملکِ غیر کی وصیت صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر موصی کسی وجہ سے اس چیز کا مالک ہو گیا پھر مرگیا تو بھی وصیت صحیح نہیں ہے اور نہ اس کو نافذ کیا جائے گا۔

﴿۱﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى مِنْ مَالِ رَجُلٍ لِآخَرَ بِأَلْفٍ بِعَيْنِهِ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی دوسرے شخص کے مال سے متعین ہزار کی

فَأَجَازَ صَاحِبُ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي فَإِنْ دَفَعَهُ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ؛

پس اجازت دی صاحبِ مال نے موصی کی موت کے بعد، تو اگر اس نے دیدیا ہو موصی لہ کو تو یہ جائز ہے، اور اس کو اختیار ہے کہ دینے سے انکار کردے

لِأَنَّ هَذَا تَبَرُّعٌ بِمَالِ الْغَيْرِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إجَازَتِهِ ، وَإِذَا أَجَازَ يَكُونُ تَبَرُّعًا مِنْهُ أَيْضًا

کیونکہ یہ تبرع ہے غیر کے مال کے ساتھ، پس موقوف ہو گا اس کی اجازت پر، اور جب وہ اجازت دے تو بھی وہ تبرع ہو گا اس کی طرف سے

فَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنَ التَّسْلِيمِ ،﴿۲﴾بِخِلَافِ مَا إذَا أَوْصَى بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ لِأَنَّ

پس اس کو اختیار ہے کہ انکار کرے سپرد کرنے سے۔ بر خلاف اس کے جب وصیت کرے ثلث سے زائد کی اور اجازت دیں ورثہ کیونکہ

الْوَصِيَّةَ فِي مَخْرَجِهَا صَحِيحَةٌ لِمُصَادَفَتِهَا مِلْكَ نَفْسِهِ وَالِامْتِنَاعُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ ، فَإِذَا أَجَازُوا

وصیت اپنے مخرج میں صحیح ہے؛ بوجہ اس کے ملنے کے اپنی ملک کے ساتھ، اور ممتنع ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے تھا، پس جب ورثہ نے اجازت دی اس کی

سَقَطَ حَقُّهُمْ فَنَفَذَ مِنْ جِهَةِ الْمُوصِي . {۳}قَالَ : وَإِذَا اقْتَسَمَ الِابْنَانِ تَرِكَةَ الْأَبِ أَلْفًا ثُمَّ أَقَرَّ

تو ساقط ہوا ان کا حق، پس وصیت نافذ ہوگی موصی کی جانب سے۔ فرمایا: اور جب تقسیم کردے دو بیٹے باپ کا ترکہ ہزار درہم، پھر اقرار کیا

أَحَدُهُمَا لِرَجُلٍ أَنَّ الْأَبَ أَوْصَى لَهُ بِثُلُثِ مَالِهِ فَإِنَّ الْمُقِرَّ يُعْطِيهِ ثُلُثَ مَا

دونوں میں سے ایک نے کسی شخص کے لیے کہ باپ نے وصیت کی تھی اپنے مال کے ثلث کی، تو مقر دیدے گا مقر لہ کو اس مال کا ثلث

فِي يَدِهِ ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُعْطِيَهُ نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ

جو اس کے قبضہ میں ہے، اور یہ استحسان ہے، اور قیاس یہ ہے کہ دیدے اس کو نصف اس مال کا جو اس کے قبضہ میں ہے، اور یہی امام زفر کا قول ہے

لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالثُّلُثِ لَهُ تَضَمَّنَ إِقْرَارَهُ بِمُسَاوَاتِهِ إِيَّاهُ ، وَالتَّسْوِيَةُ فِي إِعْطَاءِ النِّصْفِ

؛کیونکہ مقر کا اقرار مقر لہ کے لیے ثلث کا متضمن ہے اس کے اقرار کو اس کے ساتھ مساوات کے، اور مساوات نصف دینے میں ہے

لِيَبْقَى لَهُ النِّصْفُ . {۴}وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ أَقَرَّ لَهُ بِثُلُثٍ شَائِعٍ فِي التَّرِكَةِ وَهِيَ فِي أَيْدِيهِمَا

تاکہ باقی رہے اس کے لیے نصف، اور وجہ استحسان یہ ہے کہ اس نے اقرار کیا ایسے ثلث کا جو شائع ہے ترکہ میں اور ترکہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے

فَيَكُونُ مُقِرًّا بِثُلُثِ مَا فِي يَدِهِ ، {۵}بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِدَيْنٍ لِغَيْرِهِ

پس وہ مقر ہوگا اس مال کے ثلث کا جو اس کے قبضہ میں ہے۔ بر خلاف اس کے جب اقرار کرے دونوں میں سے ایک غیر کے لیے دین کا

لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمِيرَاثِ فَيَكُونُ مُقِرًّا بِتَقَدُّمِهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ ، أَمَّا الْمُوصَى لَهُ بِالثُّلُثِ شَرِيكُ

کیونکہ دین مقدم ہے میراث سے، پس وہ مقر ہوگا غیر کے تقدم کا اس لیے غیر کو مقدم کیا جائے گا اس پر۔ رہا موصی لہ بالثلث تو وہ شریک ہے

الْوَارِثِ فَلَا يُسَلَّمُ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُسَلَّمَ لِلْوَرَثَةِ ثُلُثَاهُ ، وَلِأَنَّهُ لَوْ أَخَذَ مِنْهُ

وارث کا، تو سپرد نہیں کی جائے گی اس کو کوئی چیز، مگر یہ کہ سالم رہے ورثہ کے لیے اس کے دو ثلث، اور اس لیے کہ اگر لے لے مقر سے

نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ فَرُبَّمَا يُقِرُّ الِابْنُ الْآخَرُ بِهِ أَيْضًا فَيَأْخُذُ نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ فَيَصِيرُ

اس مال کا نصف جو اس کے قبضہ میں ہے، تو کبھی اقرار کرتا ہے دوسرا بیٹا بھی اس کا، اور وہ لے لے نصف اس مال کا جو اس کے قبضہ میں ہے، پس ہو جائے گا

مِنَ التَّرِكَةِ فَيُزَادُ عَلَى الثُّلُثِ . ﴿٦﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي وَلَدًا

مِنْ ترکہ، اور بڑھ جائے گا ثلث سے۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی کسی شخص کے لیے کسی باندی کی اور اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد

وَكِلَاهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوصَى لَهُ ؛ لِأَنَّ الْأُمَّ دَخَلَتْ فِي الْوَصِيَّةِ أَصَالَةً وَالْوَلَدُ تَبَعًا حِينَ

اور وہ دونوں نکل جاتے ہوں ثلث سے، تو وہ دونوں موصی کے لیے ہوں گے؛ کیونکہ ماں داخل ہے وصیت میں اصالۃً اور بچہ تبعاً، جس وقت

كَانَ مُتَّصِلًا بِالْأُمِّ ، فَإِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَالتَّرِكَةُ قَبْلَهَا مُبْقَاةٌ عَلَى مِلْكِ الْمَيِّتِ حَتَّى يُقْضَى

کہ وہ متصل تھا ماں کے ساتھ، پھر جب باندی نے بچہ جنا تقسیم سے پہلے اور ترکہ تقسیم سے پہلے باقی رہتا ہے میت کی ملک پر حتی کہ ادا کئے جائے ہیں

بِهَا دُيُونُهُ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فَيَكُونَانِ لِلْمُوصَى لَهُ ﴿٧﴾ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ

اس سے میت کے قرضے تو بچہ داخل ہوگا وصیت میں، پس وہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے، اور اگر وہ دونوں نہ نکلتے ہوں ثلث سے

ضَرَبَ بِالثُّلُثِ وَأَخَذَ مَا يَخُصُّهُ مِنْهُمَا جَمِيعًا فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : يَأْخُذُ ذَلِكَ مِنَ الْأُمِّ

تو لے لے گا ثلث، اور لے لے گا وہ جو اس کے حصے میں آئے ان دونوں سے صاحبین ؒ کے قول میں، اور فرمایا امام صاحب ؒ نے لے گا یہ ماں سے

فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَخَذَهُ مِنَ الْوَلَدِ . ﴿٨﴾وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ عَيَّنَ صُورَةً وَقَالَ : رَجُلٌ لَهُ سِتُّمِائَةِ دِرْهَمٍ

پھر اگر کچھ بچ جائے تو وہ لے لے گا بچے سے۔ اور جامع صغیر میں متعین کی ہے ایک صورت، اور فرمایا کہ ایک شخص ہے اس کے پاس چھ سو درہم

وَأَمَةٌ تُسَاوِي ثَلَاثَمِائَةِ دِرْهَمٍ فَأَوْصَى بِالْجَارِيَةِ لِرَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِي

اور ایک باندی ہے جو برابر ہے تین سو درہم کے، پس اس نے وصیت کی باندی کی کسی شخص کے لیے پھر وہ مر گیا، اور اس نے ایسا بچہ جنا

ثَلَاثَمِائَةِ دِرْهَمٍ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَلِلْمُوصَى لَهُ الْأُمُّ وَثُلُثُ الْوَلَدِ عِنْدَهُ .وَعِنْدَهُمَا

جو برابر ہے تین سو درہم کے تقسیم سے پہلے تو موصی لہ کے لیے ماں اور ثلثِ ولد ہوگا امام صاحب ؒ کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک

لَهُ ثُلُثَا كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا . ﴿٩﴾لَهُمَا مَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَلَدَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ تَبَعًا حَالَةَ الِاتِّصَالِ فَلَا يَخْرُجُ

اس کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کے دو ثلث ہوں گے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بچہ داخل ہے وصیت میں تبعاً حالتِ اتصال میں پس نہیں نکلے گا

عَنْهَا بِالِانْفِصَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْعِتْقِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيهِمَا عَلَى السَّوَاءِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيمِ الْأُمِّ .وَلَهُ

اس سے انفصال کی وجہ سے جیسا کہ بیع اور عتق میں ہے، پس نافذ ہوگی وصیت دونوں میں برابر ماں کی تقدیم کے بغیر، اور امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّ الْأُمَّ أَصْلٌ وَالْوَلَدُ تَبَعٌ وَالتَّبَعُ لَا يُزَاحِمُ الْأَصْلَ ، فَلَوْ نَفَّذْنَا الْوَصِيَّةَ فِيهِمَا جَمِيعًا

کہ ماں اصل ہے اور بچہ تابع ہے اس میں، اور تابع مزاحم نہیں ہو سکتا ہے اصل کا، پس اگر ہم وصیت کو نافذ کر دیں ان دونوں میں

تَنْتَقِضُ الْوَصِيَّةُ فِي بَعْضِ الْأَصْلِ وَذَلِكَ لَايَجُوزُ ﴿١٠﴾ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ تَنْفِيذَ الْبَيْعِ فِي التَّبَعِ لَايُؤَدِّي إِلَى نَقْضِهِ فِي الْأَصْلِ

تو ٹوٹ جائے گی وصیت بعض اصل میں اور یہ جائز نہیں ہے، بر خلاف بیع کے؛ کیونکہ بیع کو نافذ کرنا تبع میں مفضی نہ ہوگا اصل میں بیع توڑنے

بَلْ يَبْقَى تَامًّا صَحِيحًا فِيهِ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يُقَابِلُهُ بَعْضُ الثَّمَنِ ضَرُورَةَ مُقَابَلَتِهِ بِالْوَلَدِ إِذَا اتَّصَلَ

بلکہ باقی رہے گی تام اور صحیح اصل میں، البتہ اصل کے مقابلے میں ثمن کا کچھ نہیں آئے گا ولد کے مقابل ہونے کی ضرورت سے جب متصل ہو

بِهِ الْقَبْضُ وَلَكِنَّ الثَّمَنَ تَابِعٌ فِي الْبَيْعِ حَتَّى يَنْعَقِدَ الْبَيْعُ بِدُونِ ذِكْرِهِ وَإِنْ كَانَ فَاسِدًا (هَذَا إِذَا وَلَدَتْ

اس کے ساتھ قبضہ، لیکن ثمن تابع ہے بیع میں حتی کہ منعقد ہو جاتی ہے بیع ذکرِ ثمن کے بغیر اگرچہ فاسد ہو، یہ اس وقت ہے جب وہ بچہ جنے

قَبْلَ الْقِسْمَةِ، فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ) لِأَنَّهُ نَمَاءُ خَالِصِ مِلْكِهِ لِتَقَرُّرِ مِلْكِهِ فِيهِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ

تقسیم سے پہلے، اور اگر وہ جن گئی تقسیم کے بعد تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا؛ کیونکہ یہ اس کی خالص مِلک کی بڑھوتری ہے؛ اس کی ملک کے

پختہ ہونے کی وجہ سے تقسیم کے بعد۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر زید نے بکر کے لیے خالد کے مال میں سے ہزار درہم معین کی وصیت کی مثلاً کہا کہ میں نے ان ہزار کی بکر کے لیے وصیت کی ہے پھر موصی کی موت کے بعد خالد نے اس کی اجازت دی تو اگر خالد نے یہ مال بکر کو دیدیا تو یہ جائز ہے اور خالد کو اختیار ہے کہ چاہے تو دینے سے انکار کر دے؛ کیونکہ زید کا یہ فعل غیر کے مال سے تبرع کرنا ہے تو یہ اس غیر (مالک) کی اجازت پر موقوف ہوگا کہ اگر وہ اجازت دے تو جائز ہے ورنہ باطل ہوگا۔ اور اگر اس غیر نے اجازت دیدی تو اب یہ اس کی طرف سے تبرع ہے تو تبرع کرنے والے کو اختیار ہے کہ سپرد کرنے سے انکار کرے؛ کیونکہ تبرع کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر لازم ہے۔

﴿۲﴾ اس کے بر خلاف اگر یہ صورت ہو کہ ایک شخص نے اپنے ثلث مال سے زائد مقدار کی وصیت کی مثلاً نصف مال کی وصیت کی اور وارثوں نے ثلث سے زائد مقدار کی اجازت دیدی تو یہ جائز ہے اور وارثوں پر یہ زائد مقدار سپرد کرنے کے لیے جبر کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ وصیت اپنی مخرج میں صحیح صادر ہوئی ہے؛ کیونکہ یہ وصیت اس کی ذاتی مِلک سے لاحق ہوئی ہے، اور زائد کا ممتنع ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ وارثوں کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے پھر جب وارثوں نے اجازت دیدی تو ان کا حق ساقط ہو گیا لہٰذا یہ وصیت خود موصی کی جانب سے نافذ ہو گی گویا اس مال کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہی نہیں ہوا تھا اور موصی کی پوری وصیت اپنے مال میں نافذ ہوئی۔

{۳} اگر میت کے دو بیٹوں نے اپنے باپ کا ترکہ ہزار درہم تقسیم کر لیا پھر ان دونوں میں سے ایک نے ایک شخص کے لیے اقرار کیا کہ ہمارے باپ نے اس کے لیے اپنے ثلثِ مال کی وصیت کی تھی تو اقرار کرنے والا اس کو اپنے اس حصے کا ثلث دیدے جو اس کے قبضہ میں آیا یعنی اس نے ترکہ میں جو کچھ پایا ہے اس کا ثلث اس شخص کو دیدے، اور یہ حکم استحسانا ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ موصی لہ کو اپنے حصے کا نصف دیدے، یہی امام زفرؒ کا قول ہے کہ مقر اپنے حصے کا نصف دے گا؛ کیونکہ مقر کا موصی لہ کے لیے ثلث مال کی وصیت کا اقرار کرنا دوسرے اقرار کو متضمن ہے وہ یہ کہ موصی لہ میرے ساتھ مساوی ہے یعنی اس کا گمان یہ ہے کہ موصی لہ کو پورے ترکہ کا ثلث ملے گا بقیہ دو ثلث ہم دونوں بھائیوں میں مشترک ہیں یوں اس ترکہ میں موصی لہ کا حق مقر کے حق کے برابر ہو گا اور موصی لہ مقر کے ساتھ مساوی تب ہو گا کہ موصی لہ کو اپنے حصے کا نصف دیدے۔

{۴} وجہ استحسان یہ ہے کہ اس شخص نے موصی لہ کے لیے ایک ثلث کا اقرار کیا جو ترکہ میں شائع ہے حالانکہ ترکہ ان دونوں بیٹوں کے قبضہ میں ہے تو وہ اپنے مقبوضہ حصے میں سے ایک ثلث کا اقرار کرنے والا ہو گیا؛ کیونکہ کل ترکہ جس کا ثلث اس کے اقرار کے موافق موصی لہ کو دینا چاہیے وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے تو پورے ترکہ کا ثلث آدھا مقر کے حصے میں آیا اور آدھا اس کے بھائی کے حصے میں آیا اور پورے ترکہ کے ثلث کا آدھا چھٹا حصہ ہوتا ہے یوں مقر کے حصے میں موصی لہ کا چھٹا حصہ ہو گا جو مقر کے حصے کا ثلث بنتا ہے اس لیے مقر اپنے حصے کا ثلث دیدے گا۔

{۵} اس کے برخلاف اگر ان دونوں میں سے ایک نے کسی شخص کے لیے قرضہ کا اقرار کیا مثلاً کہا کہ ہمارے باپ پر بکر کا قرضہ تھا تو اس کو پورا قرضہ دینا پڑے گا؛ کیونکہ میراث پر قرضہ مقدم ہوتا ہے تو یہ شخص اپنے سے قرضخواہ کے مقدم ہونے کا مقر ہوا لہذا قرضخواہ کو اس پر مقدم کیا جائے گا پس قرضہ اسی کے ترکہ سے دلایا جائے گا۔

رہا وہ موصی لہ جس کے لیے ثلث کی وصیت کی ہے تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ وارثوں کے لیے دو ثلث سالم رہے؛ کیونکہ وہ تو وارثوں کے ساتھ ثلث کا شریک ہے اور وارثوں سے مقدم نہیں ہے تو جب وارثوں کو دو ثلث ملیں گے تو اس کو ایک ثلث ملے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر موصی لہ اس مقر سے اس کے مقبوضہ حصہ کا نصف لے تو شاید میت کا دوسرا بیٹا بھی ایسا ہی کسی کے لیے اقرار کرے کہ ہمارے باپ نے اس کے لیے ثلث کی وصیت کی تھی تو موصی لہ اس سے بھی اس کے مقبوضہ حصے کا نصف لے لے گا یوں موصی لہ کے لیے نصف ترکہ ہو جائے گا پس یہ ایک ثلث سے زائد وصیت ہو جائے گی حالانکہ موصی لہ کو صرف ثلثِ ترکہ ملنا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ نصف دلوانا موجب فساد ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔

{٦}اگر زید نے بکر کے لیے ایک باندی کی وصیت کی پھر وہ باندی موصی کی موت کے بعد بچہ جن گئی حالانکہ باندی اپنے بچے سمیت میت کے ترکہ کے ثلث سے نکلتی ہے یعنی باندی اور اس کے بچے کی قیمت میت کے ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہیں ہے تو باندی اور اس کا بچہ دونوں بکر کے لیے ہوں گے ؛ کیونکہ باندی تو وصیت میں اصالۃً داخل ہوئی اور اس کا بچہ اس کے تابع ہو کر داخل ہوا جس وقت کہ وہ اپنی ماں سے متصل تھا۔ پس جب باندی اس بچے کو ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے جن گئی حالانکہ تقسیم سے پہلے کل ترکہ میت کی ملکیت پر باقی ہے حتی کہ میت کے قرضے اسی ترکہ سے ادا کئے جاتے ہیں تو یہ بچہ بھی وصیت میں داخل ہو گیا لہذا باندی اور بچہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے۔

{٧}اور اگر باندی اور اس کا بچہ ترکہ کے ثلث سے نہ نکلے تو موصی لہ ثلث لے لے گا اور صاحبین ؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے اس کا جو کچھ حصہ ہو وہ لے لے گا یعنی باندی اور بچہ دونوں میں سے لے گا۔ اور امام صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ یہ مقدار صرف باندی میں سے لے لے گا پھر اگر ثلث میں سے کچھ باقی رہا تو وہ اس کو بچہ میں سے لے لے گا۔

{٨}اور جامع صغیر میں اس کی ایک صورت معین کی ہے کہ زید کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جو تین سو درہم کے برابر ہے پس اس نے باندی کی بکر کے لیے وصیت کر دی پھر مر گیا اور ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا جو تین سو درہم کے برابر ہے، تو امام صاحب ؒ کے نزدیک بکر کے لیے پوری باندی اور بچے کا ایک ثلث ہو گا اور صاحبین ؒ کے نزدیک بکر کے لیے ان دونوں (ماں اور بچے) میں سے ہر ایک کے دو ثلث ہوں گے۔

{٩}صاحبین ؒ کی دلیل وہ ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ متصل ہونے کی حالت میں وصیت کے اندر داخل ہو چکا تو وہ ماں سے پیدا ہونے کے بعد وصیت سے خارج نہ ہو گا جیسے بیع اور عتق میں ماں کی بیع اور عتق بچے کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے لہذا وصیت ماں اور بچہ دونوں میں برابر نافذ ہو گی ماں کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔

امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں باندی اصل ہے اور بچہ اس کا تابع ہے اور قاعدہ یہ کہ تابع اپنی اصل کے ساتھ مزاحم نہیں ہو سکتا حالانکہ اگر ہم یہاں وصیت کو ماں اور بچہ دونوں میں ملا کر نافذ کریں تو اصل کے بعض حصہ میں وصیت ٹوٹ جائے گی اور یہ ٹوٹنا بچے کی وجہ سے ہوا حالانکہ یہ بات جائز نہیں ہے کہ تابع اپنی اصل کا مزاحم ہو کر اس میں وصیت کو توڑ دے۔

{١٠}باقی بیع کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ تابع (بچے) میں بیع نافذ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل (ماں) میں بیع ٹوٹ جائے بلکہ اصل کی بیع بھی پوری صحیح باقی رہتی ہے، صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ اصل کے مقابلے میں ثمن کا ایک جز ان

ضرورت سے نہیں رہتا کہ یہ جزء بچے کے مقابلے میں ہو جاتا ہے بشرطیکہ بچہ پر قبضہ ہو جائے لیکن یہ مضر نہیں؛ کیونکہ ثمن خود بیع میں تابع ہے حتی کہ ثمن بیان کئے بغیر بیع نافذ ہو جاتی ہے اگرچہ یہ بیع فاسد ہو، لہٰذا بعض ثمن کا اصل کے مقابلے میں نہ ہونا اصل میں بیع ہونے کو منفی نہیں ہے۔ اور اگر تقسیم کے بعد باندی بچہ جن گئی تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا؛ کیونکہ وہ اس کی خالص ملک کی پیداوار ہے؛ اس لیے کہ تقسیم کے بعد اس میں موصی لہ کی ملکیت جم چکی ہے۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی:القول الراجح ھو قول ابی حنیفة قال العلامة ابراھیم الحلبی :وان اوصی بامة فولدت بعد موته فھما للموصی له ان خرجا من الثلث والا اخذ الثلث منھا ثم منه وعندھما یاخذ منھما علی السواء(القول الرجح :2ص379)

فَصْلٌ فِي اعْتِبَارِ حَالَةِ الْوَصِيَّةِ

یہ فصل وصیت کی حالت کا اعتبار کرنے کے بیان میں ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت کا نفاذ اور جواز ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ وصیت میں ایجابِ وصیت کا وقت معتبر ہوتا ہے یا موت کے وقت کی حالت معتبر ہوتی ہے اور چونکہ وصیت موصوف اور متبوع ہے اور اس کی حالت تابع اور صفت ہے اور صفت موصوف سے مؤخر ہوتی ہے اس لیے صاحبِ کتاب نے اس ضابطہ کی رعایت کرتے ہوئے صفت یعنی وصیت کی حالت کو موصوف یعنی وصیت کے بعد بیان کیا ہے۔

{1}قَالَ : وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِامْرَأَةٍ بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِشَيْءٍ أَوْ وَهَبَ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا

فرمایا: اور اگر اقرار کیا مریض نے کسی عورت کے۔لیے دَین کا یا وصیت کی اس کے لیے کسی شئی کی یا ہبہ کیا اس کو، پھر اس سے نکاح کیا

ثُمَّ مَاتَ جَازَ الْإِقْرَارُ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ وَالْهِبَةُ ؛ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مُلْزِمٌ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَجْنَبِيَّةٌ عِنْدَ صُدُورِهِ،

پھر مر گیا تو جائز ہوگا اقرار اور باطل ہوگی وصیت اور ہبہ؛ کیونکہ اقرار ملزم ہے بذاتِ خود، اور عورت اجنبیہ ہے اقرار صادر ہونے کے وقت

وَلِهَذَا يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَلَا يَبْطُلُ بِالدَّيْنِ إِذَا كَانَ فِي حَالَةِ الصِّحَّةِ أَوْ فِي حَالَةِ الْمَرَضِ ، إلَّا أَنَّ الثَّانِيَ يُؤَخَّرُ

اور اسی لیے معتبر ہوگا تمام مال سے، اور باطل نہ ہوگا دَین کی وجہ سے جب ہو وہ حالتِ صحت میں یا حالتِ مرض میں، البتہ ثانی مؤخر کیا جائے گا

عَنْهُ ،{2}بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهَا إيجَابٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَهِيَ وَارِثَةٌ عِنْدَ ذَلِكَ ، وَلَا وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ،

اول سے، برخلاف وصیت کے؛ کیونکہ وہ ایجاب ہے موت کے وقت، اور عورت وارث ہے موت کے وقت اور وصیت نہیں ہے وارث کے لیے

وَالْهِبَةُ وَإِنْ كَانَتْ مُنَجَّزَةً صُورَةً فَهِيَ كَالْمُضَافِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا لِأَنَّ حُكْمَهَا يَتَقَرَّرُ عِنْدَ الْمَوْتِ

اور ہبہ اگرچہ منجز ہے صورۃً، مگر وہ ایسا ہے جیسے مضاف مابعد الموت کی طرف حکماً: کیونکہ اس کا حکم پختہ ہو جاتا ہے موت کے وقت،

أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَبْطُلُ بِالدَّيْنِ الْمُسْتَغْرِقِ وَعِنْدَ عَدَمِ الدَّيْنِ تُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ . ﴿٣﴾ قَالَ

کیا نہیں دیکھتے ہو ہبہ باطل ہو جاتا ہے دَین مستغرق کی وجہ سے، اور دَین نہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوتا ہے تہائی مال سے۔ فرمایا:

وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِابْنِهِ بِدَيْنٍ وَابْنُهُ نَصْرَانِيٌّ أَوْ وَهَبَ لَهُ أَوْ أَوْصَى لَهُ فَأَسْلَمَ الِابْنُ

اور اگر اقرار کیا مریض نے اپنے بیٹے کے لیے دَین کا اور اس کا بیٹا نصرانی ہو یا ہبہ کیا اس کو، یا وصیت کی اس کے لیے، پھر بیٹے نے اسلام لایا

قَبْلَ مَوْتِهِ بَطَلَ ذَلِكَ كُلُّهُ . أَمَّا الْهِبَةُ وَالْوَصِيَّةُ فَلِمَا قُلْنَا إِنَّهُ وَارِثٌ عِنْدَ الْمَوْتِ

باپ کی موت سے پہلے باطل ہو جائیں گے یہ سب، بہر حال ہبہ اور وصیت تو اس وجہ سے جو ہم کہہ چکے کہ یہ وارث ہے موت کے وقت

وَهُمَا إِيجَابَانِ عِنْدَهُ أَوْ بَعْدَهُ ، ﴿٤﴾ وَالْإِقْرَارُ وَإِنْ كَانَ مُلْزِمًا بِنَفْسِهِ وَلَكِنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ وَهُوَ الْبُنُوَّةُ قَائِمٌ

اور یہ دونوں ایجاب ہیں موت کے وقت یا موت کے بعد، اور اقرار اگرچہ ملزم ہے بذاتِ خود، لیکن سببِ ارث یعنی بنوت قائم ہے

وَقْتَ الْإِقْرَارِ فَيُعْتَبَرُ فِي إِيرَاثِ تُهْمَةِ الْإِيثَارِ ﴿٥﴾ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ الزَّوْجِيَّةُ وَهِيَ طَارِئَةٌ حَتَّى لَوْ

اقرار کے وقت، پس معتبر ہوگا ایثار کی تہمت پیدا کرنے میں، برخلافِ سابقہ مسئلے کے؛ کیونکہ سببِ ارث زوجیت ہے اور وہ طاری ہے حتی کہ اگر

كَانَتِ الزَّوْجِيَّةُ قَائِمَةً وَقْتَ الْإِقْرَارِ وَهِيَ نَصْرَانِيَّةٌ ثُمَّ أَسْلَمَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ لَا يَصِحُّ الْإِقْرَارُ لِقِيَامِ السَّبَبِ حَالَ صُدُورِهِ

زوجیت قائم ہو اقرار کے وقت اور عورت نصرانیہ ہو پھر وہ اسلام لائی زوج کی موت سے پہلے تو صحیح نہ ہوگا اقرار؛ قیامِ سبب کی وجہ سے صدورِ اقرار کے وقت

﴿٦﴾ وَكَذَا لَوْ كَانَ الِابْنُ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَبًا فَأُعْتِقَ لِمَا ذَكَرْنَا وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ

اور اسی طرح اگر بیٹا غلام ہو یا مکاتب ہو پھر آزاد کر دیا گیا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔ اور ذکر کیا ہے مبسوط کی کتاب الاقرار میں

إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ يَصِحُّ لِأَنَّهُ أَقَرَّ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ أَجْنَبِيٌّ ، ﴿٧﴾ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَصِحُّ

کہ اگر نہ ہو غلام پر دَین، تو اقرار صحیح ہے؛ کیونکہ اس نے اقرار کیا اپنے مولیٰ کے لیے اور وہ اجنبی ہے، اور اگر غلام پر دَین ہو، تو صحیح نہیں

لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ لَهُ وَهُوَ ابْنُهُ ، ﴿٨﴾ وَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِيهَا

؛ کیونکہ یہ اقرار ہے اس کے لیے اور وہ اس کا بیٹا ہے، اور وصیت باطل ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ معتبر وصیت میں

وَقْتُ الْمَوْتِ. وَأَمَّا الْهِبَةُ فَيُرْوَى أَنَّهَا تَصِحُّ لِأَنَّهَا تَمْلِيكٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ رَقِيقٌ، وَفِي عَامَّةِ الرِّوَايَاتِ هِيَ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ

موت کا وقت ہے، رہا ہبہ تو مروی ہے کہ ہبہ صحیح ہے؛ کیونکہ ہبہ تملیک ہے فی الحال اور دور تک ہے، اور عام روایات میں ہبہ مرض الموت میں

بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ فَلَا تَصِحُّ . {۹}قَالَ : وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوجُ وَالْأَشَلُّ وَالْمَسْلُولُ إِذَا تَطَاوَلَ ذَلِكَ وَلَمْ يُخَفْ

وصیت کے درجے میں ہے، پس صحیح نہیں ہے۔ فرمایا: اور اپاہج، مفلوج، شل اور سل کا مریض جب طویل ہو جائیں یہ بیماریاں اور خوف نہ ہو

مِنْهُ الْمَوْتُ فَهِبَتُهُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا تَقَادَمَ الْعَهْدُ صَارَ طَبْعًا مِنْ طِبَاعِهِ وَلِهَذَا

ان سے موت کا تو اس کا ہبہ پورے مال سے ہوگا؛ کیونکہ جب زیادہ دن گذر گئے تو ہو گئی یہ بیماری اس کی طبیعتوں میں سے ایک طبیعت، اسی لیے

لَا يَشْتَغِلُ بِالتَّدَاوِي ، وَلَوْ صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ كَمَرَضٍ حَادِثٍ{۱۰} وَإِنْ وَهَبَ

مشغول نہیں ہوتا ہے دواء کرنے کے ساتھ، اور اگر ہو گیا صاحب فراش اس کے بعد تو وہ مرض جدید کی طرح ہوگا۔ اور اگر ہبہ کیا

عِنْدَ مَا أَصَابَهُ ذَلِكَ وَمَاتَ مِنْ أَيَّامِهِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ ؛ لِأَنَّهُ يُخَافُ مِنْهُ

جس وقت کہ لگی اس کو یہ بیماری، اور مر گیا انہیں ایام میں، تو وہ ثلث سے ہوگا اگر وہ ہو گیا صاحب فراش؛ کیونکہ خوف ہے اس سے

الْمَوْتُ وَلِهَذَا يَتَدَاوَى فَيَكُونُ مَرَضَ الْمَوْتِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

موت کا، اسی لیے وہ دواء کرتا ہے، پس یہ مرض الموت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱}اگر مرض الموت میں مبتلا مریض نے کسی عورت کے لیے اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کیا، یا اس کے لیے کچھ مال کی وصیت کی، یا اس کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس عورت سے نکاح کیا پھر مر گیا تو یہ اقرار جائز رہے گا اور وصیت اور ہبہ باطل ہوگا؛ کیونکہ اقرار بذاتِ خود لازم کرنے والا ہے یعنی آدمی جو اقرار کرے وہ اس پر لازم ہو جاتا ہے اور اقرار کے صادر ہونے کے وقت یہ عورت اجنبیہ ہے یعنی مقر کی بیوی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ یہ اقرار ترکہ کے ثلث سے نافذ نہ ہوگا بلکہ کل مال سے نافذ ہوتا ہے، اور یہ اقرار دوسرے قرضہ کی وجہ سے بھی باطل نہیں ہوتا ہے خواہ دوسرا قرضہ حالتِ صحت کا ہو یا حالتِ مرض کا ہو، البتہ اتنا فرق ہوگا کہ حالتِ مرض کا قرضہ صحت کے قرضہ سے مؤخر کیا جائے گا پس صحت کا قرضہ پہلے ادا کر دیا جائے گا پھر اگر مال باقی رہا تو اس سے مرض کا قرضہ اور اقراری قرضہ ادا کیا جائے گا۔

{۲}اور وصیت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ اپنے صدور کے وقت ایجاب نہیں ہے بلکہ موصی کی موت کے وقت ایجاب ہے اور اس وقت یہ عورت اس مریض کی بیوی ہونے کی وجہ سے وارثہ ہے حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔

رہا ہبہ تو وہ اگرچہ صورۃً فی الحال تمام معلوم ہوتا ہے لیکن حکم کے اعتبار سے وہ واہب کی موت کے بعد کی جانب مضاف ہے؛ کیونکہ ہبہ پورا ہونے کا حکم اسی وقت متقرر ہوگا کہ جب یہ مریض مرجائے یہی وجہ ہے کہ اگر اس مریض پر اتنا قرضہ ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو تو یہ ہبہ باطل ہو جاتا ہے اور قرضہ نہ ہونے کی صورت میں اس ہبہ کا اعتبار صرف ثلثِ ترکہ سے ہوتا ہے؛ کیونکہ مریض کے مال کے ایک ثلث کے علاوہ کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہو گیا لہذا ثلث سے زائد میں جب تک ورثہ کی اجازت نہ ہو تب تک ہبہ تام نہ ہوگا۔

﴿۳﴾ اگر مرض الموت کے مسلمان مریض نے اپنے بیٹے کے لیے جو نصرانی ہے کسی قدر قرضہ کا اقرار کیا، یا اس کو کوئی چیز ہبہ کی اور اس نے اس پر قبضہ کیا، یا اس کے لیے کچھ وصیت کی پھر اس کی موت سے پہلے بیٹا مسلمان ہو گیا تو یہ تینوں چیزیں باطل ہوں گی؛ ہبہ اور وصیت کا باطل ہونا تو مذکورہ بالا دلیل کی وجہ سے ہے کہ یہ لڑکا موصی کی موت کے وقت وارث ہے حالانکہ ہبہ اور وصیت کا ایجاب موت کے وقت یا موت کے بعد ہوتا ہے حالانکہ اس وقت بیٹا مسلمان ہونے کی وجہ سے وارث ہو گیا ہے اس لیے وہ میراث پائے گا اور ہبہ اور وصیت باطل ہے۔

﴿۴﴾ اور اقرار اگرچہ بذاتِ خود مقر پر مقر بہ کو لازم کرتا ہے لیکن وارث ہونے کا سبب بیٹا ہونا ہے اور یہ سبب اقرار کے وقت بھی موجود تھا اگرچہ یہ بیٹا اس وقت کافر ہونے کی وجہ سے میراث کا قابل نہیں تھا تو یہی سبب اس بیٹے کو دیگر ورثہ پر ترجیح دینے کی تہمت پیدا کرنے میں معتبر ہے یعنی بیٹا ہونے کی وجہ سے یہ تہمت پیدا ہو گئی کہ باپ اس کو اقرار کے ذریعہ زیادہ نفع پہنچانا چاہتا ہے اس لیے یہ اقرار باطل ہوگا۔

﴿۵﴾ باقی سابقہ مسئلے کا حکم اس کے برخلاف یعنی جب مریض نے ایک عورت کے لیے اقرار کیا پھر اس کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے وارثہ ہو جانے کے باوجود مقر کا یہ اقرار صحیح ہے اور اس عورت کو ترجیح دینے کی تہمت معتبر نہ ہوگی؛ کیونکہ وہاں وارث ہو جانے کا سبب اس عورت کا منکوحہ ہو جانا ہے حالانکہ منکوحہ ہونا بعد میں طاری ہوا ہے اقرار کے وقت یہ امر موجود نہیں تھا تو اس میں کوئی تہمت نہیں ہے۔ اور اگر اقرار کے وقت زوجیت موجود ہو حالانکہ یہ زوجہ نصرانیہ ہے جو وارثہ نہیں ہو سکتی ہے پھر اس عورت نے مقر کی موت سے پہلے اسلام لایا تو مقر کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ اقرار صادر ہونے کے وقت سببِ ارث موجود تھا کہ یہ عورت اس کی نصرانیہ زوجہ تھی محض اجنبیہ نہیں تھی۔

{۶}اسی طرح اگر یہ لڑکا غلام یا مکاتب ہو پس وہ آزاد کر دیا گیا تو اس کے حق میں بھی مذکورہ اقرار، وصیت اور ہبہ باطل ہیں؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے۔ اور مبسوط کی "کتاب الاقرار" میں مذکور ہے کہ اگر اس غلام پر قرضہ نہ ہو مثلاً یہ محض غلام ہو یا مولیٰ نے اس کو مکاتب بنایا ہو اور اس پر قرضہ نہ ہو تو مقر کا اقرار اس کے حق میں صحیح ہوگا اگرچہ وہ مقر کی موت سے پہلے آزاد ہو جائے؛ کیونکہ یہ اقرار حقیقت میں اس غلام یا مکاتب کے مولیٰ کے لیے ہوا اور مولیٰ محض اجنبی شخص ہے اور اجنبی شخص کے لیے اقرار کرنے میں کوئی تہمت نہیں ہے اس لیے یہ اقرار صحیح ہے۔

{۷}اور اگر اقرار کے وقت اس غلام یا مکاتب پر قرضہ ہو تو اقرار صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ اقرار اسی قرضدار مکاتب کے لیے ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں اس کا مولیٰ اس مال کا مالک نہیں ہوتا ہے جو مال اس کے قبضہ میں ہوتا ہے لہٰذا یہ اقرار خود اسی قرضدار مکاتب کے لیے ہے حالانکہ وہ اس کا بیٹا ہے اس لیے یہ اقرار صحیح نہیں ہے۔

{۸}اور وصیت اس وجہ سے اس غلام کے حق میں باطل ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ وصیت کے بارے میں موت کا وقت معتبر ہے؛ کیونکہ وصیت موت کے وقت ایجاب ہے حالانکہ موت کے وقت وہ آزاد ہے اور آزاد بیٹا موت کے وقت وارث ہوتا ہے اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہے۔ رہا ہبہ تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اس غلام کے حق میں ہبہ صحیح ہے؛ کیونکہ ہبہ تو فی الحال مالک کرنے کا نام ہے اور فی الحال وہ غلام ہے تو کوئی وجہ عدم جواز کی نہیں ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ عام روایات میں ہے کہ مرض الموت میں ہبہ وصیت کے درجے میں ہے اس لیے ہبہ بھی صحیح نہیں ہے۔

{۹}جو شخص اٹھ نہیں سکتا، اور فالج زدہ، اور جس کا ہاتھ شل ہو گیا ہو، اور جو شخص سل (تپ دق، ایک بیماری ہے جس سے پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں اور منہ سے خون آنے لگتا ہے) کا مریض ہو، ان امراض میں مبتلا شخص نے اگر ہبہ کیا تو اس میں دو صورتیں ہیں اگر اس کا زمانہ دراز ہو گیا حتی کہ اس سے مرجانے کا خوف فی الحال نہیں رہا تو اس کا ہبہ پورے مال سے معتبر ہوگا گویا تندرست نے ہبہ کیا تو پورے مال ترکہ سے ہبہ نافذ کیا جائے گا؛ کیونکہ جب زمانہ دراز گذرا تو یہ مرض اس کی طبیعت بن گیا لہٰذا یہ مرض الموت کا مریض نہیں ہے اسی لیے وہ دوا کرنے میں مشغول نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اس ہبہ کے بعد کسی وقت صاحب فراش ہو گیا تو اس کو جدید مرض کی طرح سمجھا جائے گا گویا ہبہ وغیرہ تصرفات کے بعد اب اس کو جدید مرض لاحق ہوا جس سے وہ مرجائے گا لہٰذا اس صورت میں اس کا تصرف فقط ثلث ترکہ میں معتبر ہوگا۔

{۱۰} اور اگر اس نے فالج وغیرہ بیماری لاحق ہونے کے وقت ہبہ کیا اور انہیں ایام میں مر گیا اور ازز مانہ اس پر نہیں گذرا تو ثلثِ ترکہ سے اس کا اعتبار ہو گا بشرطیکہ وہ موت تک صاحبِ فراش ہو؛ کیونکہ مرض ایسا ہے کہ جس سے موت کا خوف ہے اسی وجہ سے وہ دوا کرنے میں مشغول ہوتا ہے تو یہ مرض الموت ہے اس لیے اس کا تصرف ثلثِ ترکہ سے معتبر ہو گا، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْعِتْقِ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ

یہ باب مرض الموت میں آزاد کرنے کے بیان میں ہے۔

مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجے میں ہے؛ کیونکہ معتق ایسے زمانے میں تبرع کر رہا ہے جس میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثہ کا حق متعلق ہو چکا ہے اس لیے اس کو "کتاب الوصایا" میں ذکر کیا گیا ہے مگر صریح وصیت سے اس کو مؤخر کر دیا؛ کیونکہ صریح اصل ہے اور اصل احق بالتقدیم ہے۔

{۱} قَالَ : وَمَنْ أَعْتَقَ فِي مَرَضِهِ عَبْدًا أَوْ بَاعَ وَحَابَى أَوْ وَهَبَ فَذَلِكَ كُلُّهُ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ
فرمایا: جو شخص آزاد کر دے اپنے مرض الموت میں غلام کو یا فروخت کر لے اور محابات کرے یا ہبہ کرے تو یہ سب جائز ہیں، اور معتبر ہیں

مِنَ الثُّلُثِ ، وَيُضْرَبُ بِهِ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا . {۲} وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ فَهُوَ وَصِيَّةٌ مَكَانَ قَوْلِهِ جَائِزٌ
ثلث سے، اور شریک کیا جائے گا اس کو اصحابِ وصایا کے ساتھ، اور بعض نسخوں میں ہے "وہ وصیت ہے" بجائے اس کے قول "جائز ہے"

{۳} وَالْمُرَادُ الِاعْتِبَارُ مِنَ الثُّلُثِ وَالضَّرْبُ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا لَا حَقِيقَةُ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهَا إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ
اور مراد ثلث سے معتبر ہونا ہے، اور شریک ہونا مراد ہے اصحابِ وصایا کے ساتھ نہ کہ اصلی وصیت؛ کیونکہ وصیت ایجاب ہے موت کے بعد

وَهَذَا مُنَجَّزٌ غَيْرُ مُضَافٍ ، وَاعْتِبَارُهُ مِنَ الثُّلُثِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرَثَةِ ، {۴} وَكَذَلِكَ مَا ابْتَدَأَ
اور یہ منجز ہے مضاف نہیں ہے، اور اس کا اعتبار ثلث سے حقِ ورثہ کے تعلق کی وجہ سے ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ تصرف کہ ابتداء کی

الْمَرِيضُ إِيجَابَهُ عَلَى نَفْسِهِ كَالضَّمَانِ وَالْكَفَالَةِ فِي حُكْمِ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهُ يُتَّهَمُ فِيهِ كَمَا
مریض نے اس کے واجب کرنے کی اپنے اوپر جیسے ضمان اور کفالہ، وہ وصیت کے حکم میں ہے؛ کیونکہ مریض متہم ہو گا اس میں جیسا کہ

فِي الْهِبَةِ ، {۵} وَكُلُّ مَا أَوْجَبَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ ، وَإِنْ أَوْجَبَهُ فِي حَالِ صِحَّتِهِ
ہبہ میں ہے، اور ہر وہ تصرف جس کو وہ واجب کر دے موت کے بعد تو وہ ثلث سے ہو گا، اگرچہ وہ واجب کر دے اس کو حالتِ صحت میں

اعْتِبَارًا بِحَالَةِ الْإِضَافَةِ دُونَ حَالَةِ الْعَقْدِ ، وَمَا نَفَّذَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَالْمُعْتَبَرُ فِيهِ حَالَةُ الْعَقْدِ ، فَإِنْ كَانَ صَحِيحًا

اعتبار کرتے ہوئے حالتِ اضافت کا نہ کہ حالتِ عقد کا، اور جس تصرف کو اس نے نافذ کر دیا ہو تو معتبر اس میں حالتِ عقد ہے، تو اگر وہ صحیح ہو

فَهُوَ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ وَإِنْ كَانَ مَرِيضًا فَمِنَ الثُّلُثِ ،{6}وَكُلُّ مَرَضٍ صَحَّ مِنْهُ فَهُوَ كَحَالِ الصِّحَّةِ

تو وہ پورے مال سے معتبر ہو گا اور اگر وہ مریض ہو تو ثلثِ مال سے، اور ہر وہ مرض جس سے وہ تندرست ہو جائے تو وہ حالتِ صحت کی طرح ہے

لِأَنَّ بِالْبُرْءِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا حَقَّ لِي فِي مَالِهِ .

؛کیونکہ تندرستی سے معلوم ہوا کہ کوئی حق نہیں کسی کے لیے اس کے مال میں۔

تشریح:۔{1}اگر ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کیا یا کچھ مال فروخت کیا جس میں محابات کی یعنی قیمت سے کم پر فروخت کیا، یا کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دی تو یہ سب جائز ہیں اور ان کا اعتبار ثلثِ ترکہ سے ہو گا کل مال سے نہ ہو گا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو وصیت والوں کے ساتھ شریک کیا جائے گا یعنی موصی لہ کی طرح ان میں سے ہر ایک کے لیے فقط ثلثِ ترکہ میں استحقاق ثابت ہو گا۔

{2}اور بعض نسخوں میں "جائز" کے بجائے لکھا ہے کہ "یہ سب وصیت ہیں" یعنی غلام کے حق میں آزادی گویا اس کے حق میں رقبہ کی وصیت ہے اور مشتری کے حق میں محابات کے بقدر وصیت ہے اور موہوب لہ کے حق میں عین موہوب بمنزلہ وصیت ہے۔

{3}اور وصیت کہنے سے مراد یہ ہے کہ ایک تو یہ فقط ثلث سے معتبر ہو گا، اور دوم یہ شخص بھی دیگر اصحابِ وصایا کے ساتھ شریک کر دیا جائے گا، اور یہ مراد نہیں کہ عتق اور محابات اور ہبہ حقیقت میں وصیت ہیں؛ کیونکہ وصیت حقیقی تو موت کے بعد ایجاب ہوتی ہے حالانکہ عتق اور بیع اور ہبہ فی الحال کے تصرفات ہیں موت کے بعد کی جانب مضاف نہیں ہیں لہٰذا یہ حقیقی وصیت نہیں ہیں بلکہ وصیت کے حکم میں ہیں، پھر ان کا اعتبار کل مال سے نہ ہو گا بلکہ فقط ثلث سے ہو گا؛ کیونکہ کل مال کے ساتھ تو ورثہ کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

{4}اسی طرح ہر وہ تصرف جس کو مریض اپنے اوپر ابتداءً واجب کر لے جیسے ضمانت اور کفالت، تو وہ بھی وصیت کے حکم میں ہے لہٰذا ثلثِ ترکہ سے اس کا اعتبار ہو گا مثلاً مریض نے زید کی طرف سے بکر کے لیے ہزار درہم کی کفالت یا ضمانت کر لی تو موت

کے بعد کل ترکہ سے یہ دراہم نہیں لیے جائیں گے بلکہ فقط ثلث ترکہ سے لیے جائیں گے؛ کیونکہ یہ مریض اس کو اپنے اوپر لازم کرنے میں متہم ہے جیسے اس حالت میں ہبہ کرنے میں متہم ہوتا ہے لہذا یہ ضمانت اور کفالت ثلث ترکہ سے نافذ ہوگی۔

{۵} بندہ جو امر اپنی موت کے بعد واجب کرے تو اس کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اگرچہ اس شخص نے اپنی تندرستی کی حالت میں واجب کیا ہو؛ کیونکہ حالت عقد معتبر نہیں ہے بلکہ حالتِ اضافت کا اعتبار ہے اور اضافت موت کے بعد کی طرف ہے حالانکہ اس وقت وہ فقط ثلث ترکہ کا مالک ہے تو اصل اعتبار صرف ثلث سے ہوگا۔

اور بندہ جو تصرف نافذ کردے یعنی فی الحال اسے پورا کردے اور موت کے بعد کی طرف مضاف نہ کرے تو اس میں حالتِ عقد معتبر ہے یعنی اس عقد کے وقت اس کی حالت دیکھی جائے گی کہ وہ تندرست ہے یا مریض ہے، پس اگر وہ تندرست ہو تو اس کا یہ تصرف اس کے کل مال سے معتبر ہوگا اگرچہ اس کے بعد مریض ہو کر مرجائے، اور اگر تصرف کی حالت میں مرض الموت میں مبتلا ہو کہ جس سے بعد میں وہ مرگیا تو اس کے تصرف کا اعتبار اس کے ثلث مال سے ہوگا۔

{۶} جس مرض سے بندہ تندرست ہوجائے وہ مرض تصرفات کے حکم میں بمنزلہ صحت کے ہے یعنی اس کے تصرفات کل مال سے معتبر ہوں گے فقط ثلث سے معتبر نہ ہوں گے؛ کیونکہ تندرست ہوجانے سے ظاہر ہوا کہ اس کے مال میں کسی (وارث) کا حق نہیں ہے لہذا وہ اپنے کل مال میں تصرف کرنے سے مجبور نہیں ہے۔

{۱} قَالَ : وَإِنْ حَابَى ثُمَّ أَعْتَقَ وَضَاقَ الثُّلُثُ

فرمایا: اور اگر محابات کی پھر آزاد کیا اور تنگ ہوگیا ثلث

عَنْهُمَا فَالْمُحَابَاةُ أَوْلَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَإِنْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابَى فَهُمَا سَوَاءٌ ، وَقَالَا:

ان دونوں سے تو محابات اولیٰ ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور اگر آزاد کیا پھر محابات کی، تو وہ دونوں برابر ہیں۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں

الْعِتْقُ أَوْلَى فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ ؛ {۲} وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْوَصَايَا إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا مَا جَاوَزَ الثُّلُثَ فَكُلٌّ

کہ عتق اولیٰ ہے دونوں مسئلوں میں، اور اصل اس میں یہ ہے کہ وصیتوں میں جب نہ ہو ایسی وصیت جو زائد ہو ثلث سے تو ہر ایک

مِنْ أَصْحَابِهَا يَضْرِبُ بِجَمِيعِ وَصِيَّتِهِ فِي الثُّلُثِ لَا يُقَدَّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ {۳} إلَّا الْعِتْقَ

اصحاب وصایا میں سے شریک ہوگا اپنی وصیت کے ساتھ ثلث میں، اور مقدم نہیں کیا جائے گا بعض کو بعض پر، سوائے اس عتق کے

الْمُوقَعَ فِي الْمَرَضِ، وَالْعِتْقَ الْمُعَلَّقَ بِمَوْتِ الْمُوصِي كَالتَّدْبِيرِ الصَّحِيحِ وَالْمُحَابَاةَ فِي الْبَيْعِ إذَا وَقَعَتْ فِي الْمَرَضِ

جو واقع کیا گیا ہو مرض الموت میں اور وہ عتق جو معلق ہو موصی کی موت کے ساتھ جیسے تدبیر صحیح اور محابات فی المرض: جب واقع ہو مرض میں
لِأَنَّ الْوَصَايَا قَدْ تَسَاوَتْ، وَالتَّسَاوِي فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ يُوجِبُ التَّسَاوِيَ فِي نَفْسِ الِاسْتِحْقَاقِ ﴿۴﴾وَإِنَّمَا قُدِّمَ الْعِتْقُ الَّذِي
کیونکہ وصایا برابر ہیں، اور مساوات سببِ استحقاق میں واجب کرتی ہے نفسِ استحقاق میں مساوات کو۔ اور مقدم کیا گیا اس عتق کو
ذَكَرْنَاهُ آنِفًا لِأَنَّهُ أَقْوَى فَإِنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوصِي ، وَغَيْرُهُ
جسے ہم ابھی ذکر کر چکے؛ کیونکہ عتق اقوی ہے، اس لیے کہ لاحق نہیں ہو سکتا ہے اس کو فسخ موصی کی طرف سے اور عتق کے علاوہ کو
يَلْحَقُهُ .وَكَذَلِكَ الْمُحَابَاةُ لَا يَلْحَقُهَا الْفَسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوصِي ،﴿۵﴾وَإِذَا تَقَدَّمَ ذَلِكَ فَمَا بَقِيَ
لاحق ہو سکتا ہے، اور اسی طرح محابات کو لاحق نہیں ہو سکتا ہے فسخ موصی کی جانب سے، اور جب ان کو مقدم کر دیا جائے تو جو باقی رہا
مِنَ الثُّلُثِ بَعْدَ ذَلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ مَنْ سِوَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْوَصَايَا ، وَلَا يُقَدَّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ. ﴿۶﴾لَهُمَا
ثلث سے اس کے بعد تو برابر ہیں اس میں ان دو کے علاوہ دیگر اہلِ وصایا، اور مقدم نہیں کیا جائے گا بعض کو بعض پر۔ صاحبین کی دلیل
فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْعِتْقَ أَقْوَى لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ وَالْمُحَابَاةُ يَلْحَقُهَا ،﴿۷﴾وَلَا مُعْتَبَرَ
مختلف فیہ مسئلہ میں یہ ہے کہ عتق اقوی ہے؛ کیونکہ لاحق نہیں ہو سکتا ہے اس کو فسخ، اور محابات کو لاحق ہو سکتا ہے، اور اعتبار نہیں ہے
بِالتَّقْدِيمِ فِي الذِّكْرِ لِأَنَّهُ لَا يُوجِبُ التَّقَدُّمَ فِي الثُّبُوتِ . ﴿۸﴾وَلَهُ أَنَّ الْمُحَابَاةَ أَقْوَى ، لِأَنَّهَا تَثْبُتُ
ذکر میں تقدیم کا؛ کیونکہ یہ واجب نہیں کرتی ہے ثبوت میں تقدم کو۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ محابات اقوی ہے؛ کیونکہ محابات ثابت ہوتی ہے
فِي ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ فَكَانَ تَبَرُّعًا بِمَعْنَاهُ لَا بِصِيغَتِهِ ، وَالْإِعْتَاقُ تَبَرُّعٌ صِيغَةً وَمَعْنًى،
عقدِ معاوضہ کے ضمن میں، پس یہ تبرع ہے اپنے معنی کے اعتبار سے نہ کہ اپنے صیغہ کے اعتبار سے، اور اعتاق تبرع ہے صیغہ اور معنی کے اعتبار سے
فَإِذَا وُجِدَتِ الْمُحَابَاةُ أَوَّلًا دَفَعَ الْأَضْعَفَ ﴿۹﴾وَإِذَا وُجِدَ الْعِتْقُ أَوَّلًا وَثَبَتَ وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ الدَّفْعَ كَانَ مِنْ ضَرُورَتِهِ
پھر جب پہلے محابات پائی گئی تو وہ دفع کرتی ہے کمزور کو، اور جب عتق پایا گیا پہلے اور وہ ثابت ہو گیا اور وہ احتمال نہیں رکھتا ہے دفع کا تو اس کے لیے ضروری ہے
الْمُزَاحَمَةُ ،﴿۱۰﴾وَعَلَى هَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ : إِذَا حَابَى ثُمَّ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابَى قُسِمَ الثُّلُثُ
مزاحمت۔ اور اسی بنا پر فرمایا امام صاحبؒ نے: جب محابات کرلے پھر آزاد کرلے، پھر محابات کرلے، تو تقسیم کیا جائے گا ثلث
بَيْنَ الْمُحَابَاتَيْنِ نِصْفَيْنِ لِتَسَاوِيهِمَا ، ثُمَّ مَا أَصَابَ الْمُحَابَاةَ الْأَخِيرَةَ قُسِمَ
دونوں محاباتوں کے درمیان نصف نصف؛ ان دونوں کے مساوی ہونے کی وجہ سے، پھر جو مال آئے محاباتِ ثانیہ کے حصے میں تو اسے تقسیم کیا جائے گا

بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِتْقِ لِأَنَّ الْعِتْقَ مُقَدَّمٌ عَلَيْهَا فَيَسْتَوِيَانِ ،﴿۱۱﴾وَلَوْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابَى ثُمَّ أَعْتَقَ

محابات اور عتق کے درمیان؛ کیونکہ عتق مقدم ہے اس پر، پس دونوں برابر ہوں گے۔ اور اگر آزاد کر دیا پھر محابات کی، پھر آزاد کر دیا

قُسِمَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْعِتْقِ الْأَوَّلِ وَالْمُحَابَاةِ نِصْفَيْنِ ، وَمَا أَصَابَ الْعِتْقَ قُسِمَ بَيْنَهُ

تو تقسیم کیا جائے گا ثلث عتق اول اور محابات کے درمیان آدھا آدھا کر کے، اور جو مال آئے عتق کے حصے میں تقسیم کیا جائے گا عتق اول

وَبَيْنَ الْعِتْقِ الثَّانِي،وَعِنْدَهُمَا الْعِتْقُ أَوْلَى بِكُلِّ حَالٍ .

اور عتق ثانی کے درمیان اور صاحبینؒ کے نزدیک عتق اولیٰ ہے ہر حال میں۔

تشریح:۔﴿۱﴾اور اگر مریض نے پہلے کسی شخص کے ساتھ بیع میں محابات کی یعنی اپنا غلام اس کے ہاتھ بہت کم قیمت کے بدلے فروخت کیا پھر اپنا ایک غلام آزاد کیا حالانکہ مریض کا ثلث ترکہ ان دونوں کی گنجائش نہیں رکھتا ہے تو ایسی صورت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، چنانچہ امام صاحبؒ کے نزدیک محابات اولیٰ ہے بشرطیکہ محابات اول ہو اور عتق بعد میں ہو اور اگر اس نے اول اپنا غلام آزاد کیا پھر کسی کے ساتھ محابات کی تو اس صورت میں محابات اور عتق دونوں برابر ہیں حتیٰ کہ دونوں کو حصہ رسد کے بقدر شریک کیا جائے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں عتق اولیٰ ہے یعنی خواہ محابات مقدم ہو یا مؤخر ہو بہر دو صورت عتق اولیٰ ہے۔

﴿۲﴾صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب وصیتوں میں ایسی وصیت نہ ہو جو ثلث ترکہ سے متجاوز ہو تو اصحابِ وصیت میں سے ہر ایک اپنی پوری وصیت کے ساتھ اس موصی کے ثلث ترکہ میں حصہ دار ہو گا مثلاً ثلث ترکہ چار ہزار درہم ہے اور موصی نے زید کے لیے ایک ہزار کی اور بکر کے لیے دو ہزار کی اور خالد کے لیے تین ہزار کی اور شعیب کے لیے دو ہزار کی وصیت کی ہے تو جملہ وصیتیں آٹھ ہزار درہم ہیں اور ان میں سے کوئی ایسی وصیت نہیں کہ ثلثِ ترکہ سے زائد ہو تو تمام اصحابِ وصیت کو پوری وصیت کے حساب سے شریک کیا جائے گا بعض اہلِ وصیت کو دیگر بعض پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

﴿۳﴾البتہ تین صورتوں کا حکم اس کے برخلاف ہے، ایک یہ کہ مریض حالتِ مرض میں عتق واقع کر دے، دوم عتق کو موصی کی موت پر معلق ہو جیسے صحیح طریقہ سے اپنے غلام کو مدبر کرنا، سوم حالتِ مرض میں بیع میں محابات کر دے کہ یہ دیگر ہر وصیت سے مقدم ہوں گے مگر ان تین کے علاوہ دیگر وصیتیں اگر ایسی ہوں کہ کوئی ثلثِ ترکہ سے متجاوز نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو پوری وصیت کے حساب سے شریک کیا جائے گا اور کسی کو دوسرے پر مقدم ہونے کا حق نہ ہو گا؛ کیونکہ وصیتیں سب برابر

اور وصیت ہی استحقاق کا سبب ہے اور استحقاق کے سبب میں برابر ہونا موجب ہے کہ نفس استحقاق میں بھی مساوات ہو اس لیے تمام اہل وصیت استحقاق میں مساوی ہوں گے تو ہر ایک اپنی پوری مقدار کے حساب سے حصہ دار ہوگا کسی کو دوسرے پر مقدم ہونے کا حق نہ ہوگا پس مذکورہ بالا مثال میں تمام وصیتوں کا مجموعہ آٹھ ہزار درہم ہوا حالانکہ ثلث ترکہ صرف چار ہزار درہم ہے تو ہر ایک کو اس کی مقدار وصیت میں سے نصف مقدار پہنچے گی اور یہ نہیں ہوگا کہ ان میں سے کسی کو اس کا پورا حق مقدم کر کے دے دیا جائے۔

{۴}البتہ مذکورہ تین صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی دو عتق اور ایک محابات کی صورت اس حکم سے مستثنیٰ ہیں پس ان میں عتق کو مقدم کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ عتق دیگر وصایا کی بنسبت قوی ہے؛ کیونکہ موصی کی جانب سے اس کو فسخ کرنا لاحق نہیں ہو سکتا یعنی موصی اس کو فسخ نہیں کر سکتا ہے جبکہ دیگر وصیتیں فسخ ہو سکتی ہیں چنانچہ اگر کسی نے اپنے چھٹے حصے مال کی وصیت کی تو اس کو اس سے رجوع کرنے کا اختیار ہوگا لہٰذا دیگر اہل وصایا سے عتق کی صورت کو مقدم کیا جائے گا۔

اسی طرح محابات ایسی چیز ہے کہ موصی کی جانب سے اس کو فسخ لاحق نہیں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ جب بیع کسی ثمن پر لازم ہو گئی تو اب بائع اس کو فسخ نہیں کر سکتا اس لیے یہ بھی قوی ہے اس لیے دیگر اہل وصایات سے محابات کی اس صورت کو مقدم کیا جائے گا۔

{۵}اور جب عتق اور محابات کو مقدم کر دیا گیا یعنی میت کے ثلث مال میں سے ان دونوں کو پہلے نافذ کر دیا گیا حال یہ کہ دیگر وصیتیں بھی ہیں تو عتق اور محابات نافذ کرنے کے بعد ثلث ترکہ میں سے جو کچھ باقی رہا اس میں ان دونوں کے علاوہ باقی اصحاب وصیت برابر کے شریک ہوں گے یعنی ہر ایک اپنی وصیت کے حساب سے مساوی مستحق ہوگا بعض دیگر بعض سے مقدم نہ ہوں گے۔

{٦}اور اختلافی مسئلہ (جس میں محابات کو عتق پر مقدم کر دیا ہو) میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عتق محابات کی بنسبت زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ عتق کو فسخ لاحق نہیں ہو سکتا یعنی موصی یا غلام عتق کو فسخ نہیں کر سکتا ہے، جبکہ محابات کو فسخ لاحق ہو سکتا ہے یعنی موصی کی جانب سے اگرچہ محابات کو فسخ کرنا ممکن نہیں مگر مشتری کی جانب سے فسخ کرنا ممکن ہے لہٰذا عتق محابات سے قوی ہے اس لیے عتق کو مقدم کیا جائے گا۔

{۷}باقی ذکر میں مقدم کرنے کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیونکہ زبانی الفاظ میں محابات کا مقدم واقع ہونا ثبوت میں مقدم ہو جانے کو واجب نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ پختہ ہو جانے کا زمانہ موت کے بعد ہے لہٰذا سب یکجا پختہ ہو جاتے ہیں اس لیے زبانی الفاظ کے تقدم کی وجہ سے کسی ایک کے لیے قوت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

{۸} امام ابو حنیفہ" کی دلیل یہ ہے کہ محابات بہ نسبت عتق کے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ محابات ایسی وصیت ہے جو عقدِ معاوضہ (بیع) کے ضمن میں ثابت ہوئی ہے تو لفظی صیغہ کے اعتبار سے یہ محابات تبرع نہیں ہے اس لیے کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے البتہ معنوی اعتبار سے تبرع ہے جبکہ اعتاق صیغہ اور معنی ہر دو اعتبار سے تبرع ہے اس لیے محابات عتق سے زیادہ قوی ہے، پس جس صورت میں محابات پہلے واقع ہو پھر اعتاق واقع ہو تو محابات اپنے سے کمزور یعنی عتق کو دفع کرتا ہے اس لیے ثلث مال سے پہلے محابات کو نافذ کیا جائے گا اور اعتاق اس کا مزاحم نہ ہوگا۔

{۹} اور اگر پہلے اعتاق واقع ہوا اور وہ جم گیا اور وہ دفع اور فسخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتا ہے تو اس کے لیے مزاحمت ضروری ہے؛ کیونکہ عتق پختہ ہو چکا ہے اور محابات اس کو دفع کرنا چاہتی ہے حالانکہ عتق دفع نہیں ہو سکتا تو لازمی طور پر دونوں میں مزاحمت ہوگی پس ہم نے کہا کہ دونوں مساوی ہیں لہذا ثلث میں سے دونوں کو برابر حصہ دار قرار دیا جائے گا ایک کو دوسرے پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

{۱۰} اور اسی اصل کی بناء پر امام ابو حنیفہ" نے فرمایا کہ اگر اس نے پہلے محابات کی پھر غلام کو آزاد کیا پھر محابات کی حتی کہ اعتاق اول محابات کے بعد ہے اور دوم محابات سے پہلے ہے تو اس طرح کیا جائے کہ میت کا ثلث مال اس کے دونوں محاباتوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا؛ کیونکہ دونوں محابات اپنی ذات میں برابر ہیں، پھر دوسری محابات کے حصے میں جو نصف آیا وہ اس محابات اور عتق کے درمیان تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ عتق اس دوسری محابات سے مقدم ہے لہذا عتق اور یہ دوسری محابات دونوں مساوی ہیں اس لیے دوسری محابات کے حصے میں جو نصف آیا وہ اس محابات اور عتق کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

{۱۱} اور اگر پہلے غلام آزاد کیا پھر محابات کی پھر غلام آزاد کیا، تو ثلثِ ترکہ کو اول عتق اور محابات میں نصف نصف تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ اول عتق مقدم ہونے کی وجہ سے محابات کے مساوی ہے، پھر جو نصف اول عتق کے حصے میں آیا اس کو عتق اول اور عتق ثانی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ دونوں عتق باہمی ہم جنس ہیں۔ اور صاحبین" کے نزدیک عتق بہر حال اولیٰ ہے خواہ مقدم واقع ہو یا مؤخر ہو یا درمیان میں واقع ہو۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہ" کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: (وَبِعَكْسِهِ) بِأَنْ حَرَّرَ فَحَابَى (اسْتَوَيَا) وَقَالَا: عِتْقُهُ أَوْلَى فِيهِمَا -وقال العلامة ابن عابدين: (قَوْلُهُ: وَقَالَا عِتْقُهُ أَوْلَى فِيهِمَا) أَيْ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ. وَلَهُ أَنَّ الْمُحَابَاةَ أَقْوَى لِأَنَّهَا فِي ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ، لَكِنْ إنْ وُجِدَ الْعِتْقُ أَوَّلًا وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ الدَّفْعَ يُزَاحِمُ الْمُحَابَاةَ ابْنُ

كمال. وقول الزيلعي والمصنف في المنح. وقالا: هذا سهو في المتابعة [illegible] والشرنبلالي [illegible]
عليه الشلبي (الدر المختار مع الشامية: ٥/٤٨٢)

{۱}قال : وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهَذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ فَهَلَكَ مِنْهَا دِرْهَمٌ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی کہ آزاد کر دیا جائے اس کی طرف سے ان سو درہم کے عوض غلام، پس ہلاک ہوا ان سو میں سے ایک درہم

لَمْ يُعْتَقْ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ ، وَإِنْ كَانَتْ وَصِيَّةً بِحَجَّةٍ يُحَجُّ

تو آزاد نہیں کیا جائے گا اس کی طرف سے باقی دراہم کے عوض امام صاحب کے نزدیک، اور اگر ہو حج کی وصیت، تو حج کیا جائے گا

عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ ، وَإِنْ لَمْ يَهْلِكْ مِنْهَا وَبَقِيَ شَيْءٌ مِنَ الْحَجَّةِ يُرَدُّ عَلَى الْوَرَثَةِ.

اس کی طرف سے باقی سے جہاں سے پہنچ سکے، اور اگر دراہم ہلاک نہ ہوا ان میں سے اور بچے کچھ دراہم حج سے، تو لوٹا دیئے جائیں گے ورثہ پر

{۲}وَقَالَا : يُعْتَقُ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِنَوْعِ قُرْبَةٍ فَيَجِبُ

اور صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام آزاد کیا جائے گا اس کی جانب سے باقی سے؛ کیونکہ یہ وصیت ہے ایک طرح کی قربت کی، پس واجب ہے

تَنْفِيذُهَا مَا أَمْكَنَ اعْتِبَارًا بِالْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ. وَلَهُ أَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِالْعِتْقِ لِعَبْدٍ يُشْتَرَى

اس کی تنفیذ حتی الامکان؛ قیاس کرتے ہوئے وصیت حج پر۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ وصیت ہے ایسے غلام کے حق میں جو خریدا جائے

بِمِائَةٍ وَتَنْفِيذُهَا فِيمَنْ يُشْتَرَى بِأَقَلَّ مِنْهُ تَنْفِيذٌ لِغَيْرِ الْمُوصَى لَهُ ، وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ. {۳}بِخِلَافِ

سو درہم کے عوض، اور اس کی تنفیذ اس میں جو خریدا جائے اس سے کم میں تنفیذ ہے غیر موصی لہ کے لیے، اور یہ جائز نہیں ہے، بخلاف

الْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ وَهِيَ حَقُّ اللهِ تَعَالَى وَالْمُسْتَحِقُّ لَمْ يَتَبَدَّلْ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَوْصَى

وصیت بالحج کے؛ کیونکہ وہ محض قربت ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور مستحق میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اور ہو گیا جیسا کہ وصیت کرے

لِرَجُلٍ بِمِائَةٍ فَهَلَكَ بَعْضُهَا يُدْفَعُ الْبَاقِي إِلَيْهِ .{۴}وَقِيلَ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ بِنَاءٌ عَلَى أَصْلٍ آخَرَ مُخْتَلَفٍ فِيهِ

کسی شخص کے لیے سو درہم کی، پس ہلاک ہو گیا ان کا بعض، تو دیا جائے گا باقی اس کو، اور کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ مبنی ہے دوسری مختلف فیہ اصل پر

وَهُوَ أَنَّ الْعِتْقَ حَقُّ اللهِ تَعَالَى عِنْدَهُمَا حَتَّى تُقْبَلَ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى فَلَمْ يَتَبَدَّلِ الْمُسْتَحِقُّ،

اور وہ یہ کہ عتق حق ہے اللہ تعالیٰ کا صاحبین کے نزدیک حتی کہ شہادت قبول کی جاتی ہے اس پر دعویٰ کے بغیر، پس نہیں بدلا مستحق،

وَعِنْدَهُ حَقُّ الْعَبْدِ حَتَّى لَا تُقْبَلَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى ، فَاخْتَلَفَ الْمُسْتَحِقُّ وَهَذَا أَشْبَهُ

اور امام صاحب کے نزدیک عتق بندہ کا حق ہے حتی کہ قبول نہیں کیا جائے گا بینہ اس پر دعویٰ کے بغیر، پس بدل گیا مستحق، اور یہ صحت کے زیادہ مشابہ ہے

{۵}قَالَ : وَمَنْ تَرَكَ ابْنَيْنِ وَمِائَةَ دِرْهَمٍ وَعَبْدًا قِيمَتُهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَقَدْ كَانَ أَعْتَقَهُ فِي مَرَضِهِ

فرمایا: اور جس نے چھوڑے دو بیٹے، سو درہم اور ایسا غلام جس کی قیمت سو درہم ہو، حالانکہ میت نے اس کو آزاد کیا ہوا اپنے مرض الموت میں

فَأَجَازَ الْوَارِثَانِ ذَلِكَ لَمْ يَسْعَ فِي شَيْءٍ ؛ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَإِنْ كَانَ فِي حُكْمِ الْوَصِيَّةِ

پس اجازت دیدی دونوں وارثوں نے اس کی، تو کمائی نہیں کرے گا کچھ بھی؛ کیونکہ عتق مرض الموت میں اگرچہ وصیت کے حکم میں ہے

وَقَدْ وَقَعَتْ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ إِلَّا أَنَّهَا تَجُوزُ بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ ، لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَقَدْ أَسْقَطُوهُ

اور واقع ہوئی ہے ثلث سے زائد میں، مگر یہ وصیت جائز ہے ورثہ کی اجازت سے؛ کیونکہ امتناع ان کے حق کی وجہ سے ہے اور انہوں نے ساقط کر دیا اپنے حق کو

{۶}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِعِتْقِ عَبْدِهِ ثُمَّ مَاتَ فَجَنَى جِنَايَةً وَدُفِعَ بِهَا

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے غلام کے عتق کی، پھر مر گیا اور غلام نے جنایت کی اور دیدیا اس کے بدلے میں

بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ؛لِأَنَّ الدَّفْعَ قَدْ صَحَّ لِمَاأَنَّ حَقَّ وَلِيِّ الْجِنَايَةِ مُقَدَّمٌ عَلَى حَقِّ الْمُوصِي،فَكَذَلِكَ عَلَى حَقِّ الْمُوصَى لَهُ

تو وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ دینا صحیح ہے؛ اس لیے کہ ولی جنایت کا حق مقدم ہے موصی کے حق پر، پس اسی طرح موصی لہ کے حق پر

لِأَنَّهُ يَتَلَقَّى الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ إِلَّا أَنَّ مِلْكَهُ فِيهِ بَاقٍ ، وَإِنَّمَا يَزُولُ بِالدَّفْعِ فَإِذَا خَرَجَ

؛ کیونکہ وہ حاصل کرتا ہے ملک اسی کی جانب سے، البتہ اس کی ملک اس میں باقی ہے، اور وہ زائل ہوتی ہے دفع سے، پس جب وہ نکل گیا

بِهِ عَنْ مِلْكِهِ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ كَمَا إِذَا بَاعَهُ الْمُوصِي أَوْ وَارِثُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ

اس کی وجہ سے اس کی ملک سے تو باطل ہو گئی وصیت جیسا کہ جب فروخت کر دے اس کو موصی یا اس کا وارث اس کی موت کے بعد،

{۷}فَإِنْ فَدَاهُ الْوَرَثَةُ كَانَ الْفِدَاءُ فِي مَالِهِمْ لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ الْتَزَمُوهُ ، وَجَازَتِ الْوَصِيَّةُ لِأَنَّ

اور اگر فدیہ دیدیا غلام کا ورثہ نے تو یہ فدیہ ان کے مال میں سے ہوگا؛ کیونکہ ورثہ نے خود اس کا التزام کیا ہے، اور جائز ہے وصیت؛ کیونکہ

الْعَبْدَ طَهُرَ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ كَأَنَّهُ لَمْ يَجْنِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ .

غلام پاک ہوا جنایت سے فدیہ دینے سے گویا اس نے جنایت نہیں کی ہے، پس نافذ ہوگی وصیت۔

تشریح:۔{۱}اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے ان سو درہم کا ایک غلام خرید کر آزاد کیا جائے پھر ان سو درہم میں سے ایک درہم تلف ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مابقی ننانوے دراہم کے عوض اس کی طرف سے غلام آزاد نہیں کیا جائے گا، اور اگر اس نے اپنی طرف سے سو درہم سے حج کرانے کی وصیت کی ہو اور کچھ مال تلف ہو گیا تو مابقی دراہم سے جہاں سے حج تک پہنچ

تشریح:۔{۱} اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے ان سو درہم کا ایک غلام خرید کر آزاد کیا جائے پھر ان سو درہم میں سے ایک درہم تلف ہو گیا تو امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک مابقی ننانوے دراہم کے عوض اس کی طرف سے غلام آزاد نہیں کیا جائے گا، اور اگر اس نے اپنی طرف سے سو درہم سے حج کرانے کی وصیت کی ہو اور کچھ مال تلف ہو گیا تو مابقی دراہم سے جہاں سے حج تک پہنچ سکتا ہو وہاں سے بالاتفاق اس کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔ اور اگر ان سو دراہم میں سے کچھ تلف نہ ہوا ہو اور پورے مال سے حج کرانے کے بعد کچھ مال بچ رہا تو وہ بھی بالاتفاق موصی کے وارثوں کو واپس دیا جائے گا۔

{۲} اور صاحبین ؒ نے اعتاق کے مسئلہ میں بھی کہا کہ میت کے مال میں سے مابقی سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا؛ کیونکہ اعتاق کی وصیت بھی ایک طرح کی قربت کی وصیت ہے لہٰذا حج کی وصیت پر قیاس کرتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو اسے نافذ کیا جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہ ؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق کی وصیت ایسے غلام کو آزاد کرنے کی وصیت ہے جو غلام سو درہم کے عوض خریدا جائے تو سو درہم سے کم کے عوض خریدے ہوئے غلام میں اس وصیت کو نافذ کرنا موصی لہ غلام کے علاوہ میں وصیت کو نافذ کرنا ہے حالانکہ یہ بات جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وصیت میں تغیر کرنے سے بندہ گنہگار ہو جاتا ہے۔

{۳} باقی حج کی وصیت کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں مابقی مال سے حج کرایا جائے گا؛ کیونکہ حج محض قربت ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں کسی بندے کا حق نہیں ہے تو نافذ کرنے والے پر حج ہی کرانا واجب ہے اور اس واجب میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی ہے پس یہ ایسا ہے جیسے کسی نے وصیت کی کہ فلاں شخص کو سو درہم دیدیئے جائیں پھر ان درہموں میں سے کچھ تلف ہو گئے تو باقی دراہم اس کو دیدیئے جائیں گے؛ کیونکہ اس صورت میں واجب امر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اس لیے بقیہ دراہم میں وصیت نافذ کی جائے گی اسی طرح حج کا مسئلہ بھی ہے۔

فتویٰ:۔امام صاحب ؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّرالمختار: (وَوَصِيَّتُهُ بِأَنْ يَعْتِقَ عَنْهُ بِهَذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ لَا تَنْفُذُ) الْوَصِيَّةُ (بِمَا بَقِيَ إنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ) لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِ قِيمَةِ الْعَبْدِ (بِخِلَافِ الْحَجِّ) وَقَالَا: هُمَا سَوَاءٌ.(الدّر المختار علی هامش ردّ المحتار:۴۸۲/۵)

{۴} بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے جس میں امام صاحب ؒ اور صاحبین ؒ کا اختلاف ہے، اور وہ اصل یہ ہے کہ صاحبین ؒ کے نزدیک عتق اللہ تعالیٰ کا حق ہے حتیٰ کہ غلام کے دعوی کے بغیر اس پر گواہی قبول جاتی ہے تو چونکہ عتق کی صورت میں موصی لہ اللہ تعالیٰ ہیں غلام نہیں ہے لہٰذا مستحق میں کوئی تبدل نہیں آیا ہے جیسے حج میں ہے لہٰذا بقیہ مال سے غلام

حتی کہ غلام کے دعوی کے بغیر اس پر گواہی قبول کی جائے گی لہذا یہاں مستحق بدل گیا اس لیے بقیہ مال سے غلام خرید کر آزاد نہیں کیا جائے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ لازم ہے حتی کہ غلام کا حق ہے عتق غلام کا حق ہے کے نزدیک، خرید کر وصیت کو نافذ کیا جائے گا، اور امام صاحب کے نزدیک

تخریج اشبہ بالصواب ہے۔

﴿۵﴾ اگر ایک شخص نے فقط دو بیٹے وارث چھوڑے اور سو درہم چھوڑے اور ایک ایسا غلام چھوڑا جس کی قیمت سو درہم ہے حالانکہ اس غلام کو اس نے اپنے مرض الموت میں آزاد کیا تھا جس کے وارثوں نے اجازت دیدی تو یہ غلام اپنی قیمت کے لیے سعایت نہیں کرے گا؛ کیونکہ مرض الموت میں آزاد کرنا اگرچہ وصیت کے حکم میں ہے اور وہ ثلثِ ترکہ سے زائد واقع ہوئی ہے لیکن ثلثِ ترکہ سے زائد یہ وصیت بھی وارثوں کی اجازت سے جائز ہو جاتی ہے؛ کیونکہ ثلثِ ترکہ سے زائد وصیت کا امتناع فقط وارثوں کے حق کی وجہ سے تھا جبکہ انہوں نے اپنا یہ حق ساقط کر دیا تو وصیت جائز ہو گئی اور وہ میت ہی کی طرف سے نافذ ہو گئی۔

﴿۶﴾ اگر کسی نے اپنا غلام آزاد کرنے کی وصیت کی اور پھر مر گیا پھر اس غلام نے کوئی جرم کیا پھر یہ غلام اپنے اس جرم کے عوض مجنی علیہ کو دے دیا گیا تو وصیت باطل ہو گئی؛ کیونکہ اس غلام کو جرم میں دینا صحیح ہوا؛ اس لیے کہ ولی جنایت کا حق موصی کے حق پر مقدم ہے تو ولی جنایت کا حق موصی لہ کے حق پر بھی مقدم ہو گا؛ کیونکہ موصی لہ کو تو ملکیت موصی ہی کی جانب سے حاصل ہوئی ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ موصی کی ملکیت اس غلام میں باقی رہتی ہے اور اس کی ملکیت اس وقت زائل ہوتی ہے کہ یہ غلام ولی جنایت کو دیدیا جائے پس جب یہ غلام ولی جنایت کو دیدیا گیا جس کی وجہ سے موصی کی ملک زائل ہو گئی تو وصیت باطل ہو گئی جیسے اگر اس غلام کو موصی فروخت کر دے یا موصی کا وارث موصی پر دَین واجب ہونے کی وجہ موصی کی موت کے بعد اس کو فروخت کر دے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔

﴿۷﴾ اور اگر ورثہ نے اس مجرم غلام کا فدیہ دیدیا تو یہ فدیہ خود وارثوں کے مال پر ہو گا اور ورثہ اس فدیہ دینے میں تبرع کرنے والے ہوں گے؛ کیونکہ وارثوں ہی نے فدیہ کا التزام کر لیا اور قاعدہ ہے کہ جو کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر دے وہ اسی کے مال میں واجب ہو گی اور التزام کرنے والا اس میں متبرع ہو گا لہذا غلام ترکہ میں سالم رہا اور مذکورہ وصیت جائز ہو جائے گی؛ کیونکہ فدیہ دینے کی وجہ سے مجرم غلام اپنے اس جرم سے پاک ہو گیا گویا اس نے کوئی جرم نہیں کیا ہے لہذا وصیت نافذ کی جائے گی۔

﴿۱﴾ قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے ثلثِ مال کی

آخَرَ ثُمَّ أَقَرَّ الْمُوصَى لَهُ وَالْوَارِثُ أَنَّ الْمَيِّتَ أَعْتَقَ هَذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الْمُوصَى لَهُ أَعْتَقَهُ

دوسرے کے لیے، پھر اقرار کیا موصی لہ اور وارث نے کہ میت نے آزاد کر دیا ہے اس غلام کو، اور کہا موصی لہ نے کہ اس کو آزاد کیا ہے

فِي الصِّحَّةِ وَقَالَ الْوَارِثُ أَعْتَقَهُ فِي الْمَرَضِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْوَارِثِ ، وَلَا شَيْءَ لِلْمُوصَى لَهُ{۲}إلَّا أَنْ

صحت کے دوران اور کہا وارث نے آزاد کیا ہے اس کو مرض میں، تو قول وارث کا معتبر ہوگا اور کچھ نہیں ہوگا موصی لہ کے لیے مگر یہ کہ

يَفْضُلَ مِنَ الثُّلُثِ شَيْءٌ أَوْ تَقُومَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ ؛ لِأَنَّ الْمُوصَى لَهُ يَدَّعِي اسْتِحْقَاقَ

بچ جائے ثلث سے کوئی چیز یا قائم ہو جائے اس کے لیے بیّنہ کہ عتق صحت میں واقع ہوا ہے؛ کیونکہ موصی لہ دعویٰ کر رہا ہے استحقاق کا

ثُلُثِ مَابَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ بَعْدَ الْعِتْقِ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ وَلِهَذَا يَنْفُذُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ ، وَالْوَارِثُ

ترکہ میں سے مابقی ثلث کا عتق کے بعد؛ اس لیے کہ عتق صحت میں وصیت نہیں ہے، اسی لیے نافذ ہوتا ہے پورے مال سے، اور وارث

يُنْكِرُ لِأَنَّ مُدَّعَاهُ الْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ وَهُوَ وَصِيَّةٌ، وَالْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ فَكَانَ مُنْكِرًا،

اس کا منکر ہے؛ کیونکہ اس کا مدعا ہے عتق کا مرض میں، اور وہ وصیت ہے، اور مرض میں عتق مقدم ہے ثلث مال کی وصیت پر، پس وہ منکر ہوگا

وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ الْيَمِينِ ؛{۳}وَلِأَنَّ الْعِتْقَ حَادِثٌ وَالْحَوَادِثُ تُضَافُ إلَى أَقْرَبِ الْأَوْقَاتِ

اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے یمین کے ساتھ، اور اس لیے کہ عتق حادث ہے اور حوادث منسوب ہوتے ہیں اقراب الاوقات کی طرف؛

لِلتَّيَقُّنِ بِهَا فَكَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَارِثِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ مَعَ الْيَمِينِ ،{۴}إلَّا أَنْ يَفْضُلَ شَيْءٌ

ان کے متیقن ہونے کی وجہ سے، پس ظاہر شاہد ہے وارث کے لیے پس قول اسی کا معتبر ہوگا یمین کے ساتھ، مگر یہ کہ بڑھ جائے کوئی چیز

مِنَ الثُّلُثِ عَلَى قِيمَةِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ لَا مُزَاحِمَ لَهُ فِيهِ أَوْ تَقُومَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ لِأَنَّ

ثلث میں سے غلام کی قیمت پر؛ کیونکہ مزاحم نہیں ہے موصی لہ کا اس میں، اور قائم ہو جائے اس کے لیے بیّنہ کہ عتق صحت میں تھا؛ اس لیے

الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً وَهُوَ خَصْمٌ فِي إقَامَتِهَا لِإِثْبَاتِ حَقِّهِ.

کہ بیّنہ سے ثابت دیکھ کر ثابت ہونے کی طرح ہے، اور موصی لہ خصم ہے بیّنہ قائم کرنے کے حوالے سے اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے

{۵}قَالَ : وَمَنْ تَرَكَ عَبْدًا فَقَالَ لِلْوَارِثِ أَعْتَقَنِي أَبُوكَ فِي الصِّحَّةِ وَقَالَ رَجُلٌ

فرمایا: اور جو شخص چھوڑ دے غلام، اور اس غلام نے کہا وارث سے کہ مجھے آزاد کیا تھا تیرے باپ نے صحت میں، اور کہا ایک شخص نے

لِي عَلَى أَبِيكَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ صَدَقْتُمَا فَإِنَّ الْعَبْدَ يَسْعَى فِي قِيمَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

کہ میرا تیرے باپ پر ہزار درہم ہیں، وارث نے کہا تم دونوں نے سچ کہا، تو غلام کمائی کرے گا اپنی قیمت میں امام صاحبؒ کے نزدیک،

وَقَالَا: يَعْتِقُ وَلَا يَسْعَى فِي شَيْءٍ؛ لِأَنَّ الدَّيْنَ وَالْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ ظَهَرَا مَعًا بِتَصْدِيقِ الْوَارِثِ

اور صاحبینؒ نے فرمایا: آزاد ہوگا اور کمائی نہیں کرے گا کچھ بھی؛ کیونکہ دَین اور عتق صحت میں ظاہر ہوئے ہیں ایک ساتھ وارث کی تصدیق سے

فِي كَلَامٍ وَاحِدٍ فَصَارَا كَأَنَّهُمَا كَانَا مَعًا، وَالْعِتْقُ فِي الصِّحَّةِ لَا يُوجِبُ السِّعَايَةَ وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمُعْتِقِ دَيْنٌ.

ایک کلام میں پس ہو گئے گویا وہ دونوں ایک ساتھ ہیں، اور عتق حالتِ صحت میں واجب نہیں کرتا ہے سعایت کو اگرچہ معتق پر دَین ہو۔

{٦}وَلَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ أَقْوَى لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَالْإِقْرَارُ بِالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ

اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ دَین کا اقرار اقوی ہے؛ کیونکہ وہ معتبر ہوتا ہے تمام مال سے، اور عتق کا اقرار مرض میں معتبر ہوتا ہے

مِنَ الثُّلُثِ، وَالْأَقْوَى يَدْفَعُ الْأَدْنَى، فَقَضِيَّتُهُ أَنْ يَبْطُلَ الْعِتْقُ أَصْلًا إِلَّا أَنَّهُ بَعْدَ وُقُوعِهِ لَا يَحْتَمِلُ

ثلث مال سے، اور اقوی دفع کرتا ہے ادنیٰ کو، پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ باطل ہو عتق بالکل، مگر عتق وقوع کے بعد احتمال نہیں رکھتا ہے

الْبُطْلَانَ فَيُدْفَعُ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى بِإِيجَابِ السِّعَايَةِ، {٧}وَلِأَنَّ الدَّيْنَ أَسْبَقُ لِأَنَّهُ لَا مَانِعَ لَهُ مِنَ الْإِسْنَادِ

بطلان کا پس دفع ہوگا من حیث المعنیٰ؛ بایں طور کہ سعایت واجب کی جائے، اور اس لیے کہ دَین مقدم ہے؛ کیونکہ کوئی مانع نہیں ہے

فَيَسْتَنِدُ إِلَى حَالَةِ الصِّحَّةِ، وَلَا يُمْكِنُ إِسْنَادُ الْعِتْقِ إِلَى تِلْكَ الْحَالَةِ لِأَنَّ الدَّيْنَ يَمْنَعُ الْعِتْقَ فِي حَالَةِ الْمَرَضِ

اسناد سے، پس منسوب ہوگا حالتِ صحت کی طرف، اور ممکن نہیں ہے عتق کی اسناد اس حالت کی طرف؛ کیونکہ دَین مانع ہے حالتِ مرض میں

مَجَّانًا فَتَجِبُ السِّعَايَةُ، {٨}وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَتَرَكَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ

مفت عتق کے لیے، پس واجب ہوگی سعایت۔ اور اسی اختلاف پر ہے اگر مر گیا آدمی اور چھوڑ دیئے ہزار درہم، پھر ایک شخص نے کہا

لِي عَلَى الْمَيِّتِ أَلْفُ دِرْهَمٍ دَيْنٌ وَقَالَ الْآخَرُ كَانَ لِي عِنْدَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَدِيعَةً فَعِنْدَهُ الْوَدِيعَةُ

میرا میت پر ہزار درہم قرض ہے، اور دوسرے نے کہا کہ اس کے پاس میرے ہزار درہم ودیعت ہیں، تو امام صاحبؒ کے نزدیک ودیعت

أَقْوَى وَعِنْدَهُمَا سَوَاءٌ.

اقویٰ ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

تشریح:۔{١}اگر ایک شخص نے اپنے ثلث مال کی دوسرے کے لیے وصیت کی پس موصی لہ اور موصی کے وارث نے اقرار کیا کہ میت نے اپنا یہ غلام آزاد کیا تھا لیکن حالت آزادی میں موصی لہ اور وارث میں اختلاف ہوا پس موصی لہ نے کہا کہ میت نے اس کو اپنی

صحت کے زمانے میں آزاد کیا تھا اور یہ مقتضی ہے کہ غلام کل مال سے بلا سعایت آزاد ہو، اور وارث نے کہا کہ میت نے اس کو حالتِ مرض میں آزاد کیا ہے اور یہ مقتضی ہے کہ اعتاق ثلثِ ترکہ سے ہو اور موصی لہ سے مقدم ہو اور دونوں نے گواہ قائم نہیں کئے تو وارث کا قول قبول ہوگا اور موصی لہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

{۲} البتہ دو صورتوں کا حکم اس سے مختلف ہے، ایک یہ کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں غلام کی قیمت نکالنے کے بعد بھی ثلثِ ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تو یہ بچا ہوا زائد موصی لہ کو دیدیا جائے گا تاکہ ثلث پورا ہو جائے، دوم یہ کہ موصی لہ کے لیے گواہ قائم ہوں جو گواہی دیں کہ اعتاق حالتِ صحت میں واقع ہوا تھا جیسے موصی لہ نے دعویٰ کیا ہے تو اس صورت میں وارث کا قول رد ہو کر غلام نکال کر باقی ترکہ سے ثلثِ مال موصی لہ کو دلایا جائے گا، اور ان دو صورتوں کے علاوہ وارث کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ موصی لہ عتق کے بعد ماقبی ترکہ سے ثلثِ وصیت کا مدعی ہے؛ کیونکہ صحت میں جو عتق واقع ہو وہ وصیت نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حالتِ صحت کا عتق پورے مال سے نافذ کیا جاتا ہے اور وارث اس امر سے منکر ہے؛ کیونکہ اس کا مدعیٰ یہ ہے کہ غلام کا عتق حالتِ مرض میں واقع ہوا ہے اور حالتِ مرض میں عتق وصیت ہے اور مرض میں عتق ثلثِ مال کی وصیت سے مقدم ہوتا ہے تو وارث اس موصی لہ کے استحقاق سے منکر ہے اور قاعدہ ہے کہ منکر کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوتا ہے اس لیے وارث کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا۔

{۳} دوسری دلیل یہ ہے کہ عتق جدید پیدا ہوا ہے؛ کیونکہ پہلے اس کا غلام ہونا معلوم ہے اور جو چیزیں حادث ہوں جب ان کی تاریخ مجہول ہو تو وہ سب سے قریب وقت کی طرف منسوب ہوں گی؛ کیونکہ یہ متیقن ہے اور سب سے قریب وقت حالت مرض ہے اس لیے عتق حالتِ مرض کی طرف مضاف ہوگا، تو ظاہر حال وارث ہی کے لیے شاہد ہے اس لیے قسم کے ساتھ وارث ہی کا قول قبول ہوگا۔

{۴} البتہ اگر ثلثِ ترکہ میں سے غلام کی قیمت نکالنے کے بعد کچھ بچ گیا تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا؛ کیونکہ اس میں موصی لہ کا کوئی مزاحم نہیں اس لیے یہ زائد مقدار موصی لہ کے لیے ہوگی۔ یا موصی کے لیے گواہ قائم ہو گئے کہ اعتاق میت سے اس کی صحت میں صادر ہوا تھا تو اس صورت میں ثلثِ ترکہ موصی لہ کے لیے ہوگا؛ کیونکہ جو بات گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے چشم دید ثابت ہو۔ اور موصی لہ اپنا حق ثابت کرنے کے لیے ایسی گواہی قائم کرنے میں خصم ہے تاکہ اس کا حق ثابت ہو، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ میت کے آزاد کرنے پر یہ شخص کون ہے جو گواہ قائم کرتا ہے، حاصل یہ کہ آزاد کرنا بے شک میت کا فعل ہے لیکن یہاں موصی لہ کو اپنے حق کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے اس لیے گواہ قائم کر سکتا ہے۔

﴿۵﴾ اگر کسی نے میراث میں ایک غلام چھوڑا پس اس غلام نے میت کے وارث سے کہا کہ تیرے باپ نے مجھے حالتِ صحت میں آزاد کر دیا تھا، اور ایک شخص نے وارث سے کہا کہ تیرے باپ پر میرا ہزار درہم قرضہ ہے پس وارث نے دونوں کو جواب دیا کہ تم دونوں نے سچ کہا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ غلام اپنی قیمت ادا کرنے میں سعایت کرے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ آزاد ہو جائے گا اور کچھ کمانے کے لیے سعایت نہیں کرے گا؛ کیونکہ وارث کے ایک ہی کلام سے تصدیق کرنے سے قرضہ اور عتق دونوں حالتِ صحت میں ایک ساتھ ظاہر ہوئے تو ایسا ہے گویا حقیقت میں یہ دونوں (قرضہ اور عتق) ایک ساتھ ہی واقع ہوئے ہوں اور جو عتق صحت کی حالت میں واقع ہو وہ غلام پر سعایت کا موجب نہیں ہوتا اگرچہ آزاد کرنے والے پر قرضہ ہو اس لیے یہ غلام سعایت کے بغیر آزاد ہو جائے گا۔

﴿۶﴾ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرضہ کا اقرار بہ نسبت عتق کے زیادہ قوی ہوتا ہے؛ کیونکہ قرضہ کا اقرار کل مال سے معتبر ہوتا ہے اور حالتِ مرض میں عتق کا اقرار فقط ثلث مال سے معتبر ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ قرضہ کے اقرار اور عتق میں سے قرضہ زیادہ قوی ہے اور جب قرضہ کا قوی ہونا ثابت ہو گیا اور قوی ادنیٰ کو دفع کر دیتا ہے لہذا اقرار بالدین عتق کو دفع کرے گا پس یہ قاعدہ مقتضی ہے کہ یہ عتق اصل سے باطل ہو جائے لیکن عتق ایسی چیز ہے جو واقع ہونے کے بعد باطل نہیں ہو سکتا تو معنی کے اعتبار سے اس طرح دفع کرنا چاہئے کہ غلام پر سعایت واجب کی جائے اس لیے غلام قیمت ادا کرنے میں سعایت کرے گا۔

﴿۷﴾ دوسری دلیل یہ ہے کہ قرضہ بنسبت عتق کے مقدم ہے؛ کیونکہ اگر قرضہ کی اسناد حالتِ صحت کی جانب کی جائے تو اس سے یہاں کوئی چیز مانع نہیں ہے لہذا قرض کی اسناد حالتِ صحت کی جانب کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ قرض حالتِ صحت کا ہے، اور عتق مذکور کی اسناد حالتِ صحت کی جانب ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا ظہور تو اب ہوا ہے جبکہ موصی کا انتقال ہو چکا ہے اور قرض حالتِ مرض میں منفذ عتق کو روکتا ہے اس لیے غلام آزاد تو ہو جائے گا مگر اس پر کمائی واجب ہو گی۔

فتویٰ:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لأنّ قوله قول المتون وايضاً أخر صاحب الهداية دليله وذا من علامة الترجيح عنده۔

﴿۸﴾ اور اسی بنا پر اس صورت میں اختلاف ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے ہزار درہم چھوڑے پس زید نے دعویٰ کیا کہ میت پر میرے ہزار درہم قرضہ تھے اور بکر نے دعویٰ کیا کہ میرے ہزار درہم میت کے پاس ودیعت تھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

ودیعت بنسبت قرضہ کے زیادہ قوی ہے اس لیے ان ہزار کو بکر وصول کرے گا، اور صاحبین ؒ کے نزدیک ودیعت اور قرضہ دونوں برابر ہیں لہٰذا پس ان ہزار کو وہ دونوں آپس میں نصف نصف کریں گے۔

فَصْلٌ

یہ فصل کثرتِ وصایا کے وقت مقدم کے بیان میں ہے۔

مصنف ؒ نے "باب العتق فی المرض" کو اس فصل سے اس لیے مقدم کیا ہے کہ وہ قوی ہے؛ کیونکہ عتق واقع ہونے کے بعد فسخ نہیں ہو سکتا ہے۔

{۱} قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِوَصَايَا مِنْ حُقُوقِ اللهِ تَعَالَى قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا قَدَّمَهَا الْمُوصِي أَوْ أَخَّرَهَا

ترجمہ: اور جس نے کئی وصیتیں کیں حقوق اللہ میں سے، تو مقدم کیا جائے گا فرائض کو ان میں سے، خواہ موصی ان کو مقدم کرے یا مؤخر کرے

مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّكَاةِ وَالْكَفَّارَاتِ ؛لِأَنَّ الْفَرِيضَةَ أَهَمُّ مِنَ النَّافِلَةِ ، وَالظَّاهِرُ مِنْهُ الْبُدَاءَةُ بِمَا هُوَ الْأَهَمُّ {۲} فَإِنْ

جیسے حج، زکوٰۃ اور کفارات؛ کیونکہ فرض اہم ہے نفل سے، اور ظاہر اس کی طرف سے بدایت ہے اس کے ساتھ جو اہم ہے۔ پھر اگر

تَسَاوَتْ فِي الْقُوَّةِ بُدِئَ بِمَا قَدَّمَهُ الْمُوصِي إِذَا ضَاقَ عَنْهَا الثُّلُثُ ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ

برابر ہوں قوت میں تو شروع کیا جائے گا اس سے جس کو مقدم کیا ہو موصی نے جب تنگ ہو ان وصایا سے ثلث؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ

يَبْتَدِئُ بِالْأَهَمِّ .وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالزَّكَاةِ وَيُقَدِّمُهَا عَلَى الْحَجِّ {۳} وَهُوَ

موصی ابتداء کرے گا اہم سے، اور ذکر کیا ہے امام طحاوی ؒ نے کہ وارث ابتداء کرے گا زکوٰۃ سے مقدم کرے گا اس کو حج پر اور یہی

إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ أَنَّهُ يُقَدِّمُ الْحَجَّ وَهُوَ قَوْلُ

دو روایتوں میں سے ایک ہے امام ابو یوسف ؒ سے، اور دوسری روایت میں ان سے یہ مروی ہے کہ مقدم کیا جائے گا حج، اور یہی قول ہے

مُحَمَّدٍ .وَجْهُ الْأُولَى أَنَّهُمَا وَإِنِ اسْتَوَيَا فِي الْفَرِيضَةِ فَالزَّكَاةُ تَعَلَّقَ بِهَا حَقُّ الْعِبَادِ فَكَانَ أَوْلَى.

امام محمد ؒ کا۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اگرچہ برابر ہیں فرضیت میں، مگر زکوٰۃ کے ساتھ متعلق ہے بندوں کا حق، پس وہ اولیٰ ہوگی

وَجْهُ الْأُخْرَى أَنَّ الْحَجَّ يُقَامُ بِالْمَالِ وَالنَّفْسِ وَالزَّكَاةُ بِالْمَالِ قَصْرًا عَلَيْهِ فَكَانَ الْحَجُّ أَقْوَى ،{۴} ثُمَّ تُقَدَّمُ

اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حج قائم ہوتا ہے مال اور نفس سے، اور زکوۃ صرف مال پر مقصور ہے پس ہو گا حج اقوی، پھر مقدم کیا جائے گا

الزَّكَاةُ وَالْحَجُّ عَلَى الْكَفَّارَاتِ لِمَزِيَّتِهِمَا عَلَيْهَا فِي الْقُوَّةِ، إِذْ قَدْ جَاءَ فِيهِمَا مِنَ الْوَعِيدِ مَا لَمْ يَأْتِ فِي الْكَفَّارَاتِ

زکوۃ اور حج کو کفارات پر؛ قوت میں ان کی زیادتی کی وجہ سے کفارات پر؛ کیونکہ ان میں وہ وعیدیں آئی ہیں جو نہیں آئی ہیں کفارات میں

{5} وَالْكَفَّارَةُ فِي الْقَتْلِ وَالظِّهَارِ وَالْيَمِينِ مُقَدَّمَةٌ عَلَى صَدَقَةِ الْفِطْرِ؛ لِأَنَّهُ عُرِفَ وُجُوبُهَا بِالْقُرْآنِ دُونَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَصَدَقَةُ الْفِطْرِ مُقَدَّمَةٌ

اور قتل، ظہار اور یمین کا کفارہ مقدم ہے صدقۃ الفطر پر؛ کیونکہ ان کا وجوب معلوم ہوا ہے قرآن سے نہ کہ صدقۃ الفطر، اور صدقۃ الفطر مقدم ہے

عَلَى الْأُضْحِيَّةِ لِلِاتِّفَاقِ عَلَى وُجُوبِهَا وَالِاخْتِلَافِ فِي الْأُضْحِيَّةِ، وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ يُقَدَّمُ بَعْضُ الْوَاجِبَاتِ

اضحیہ پر؛ اس کے وجوب پر اتفاق اور اضحیہ کے وجوب میں اختلاف کی وجہ سے، اور اسی قیاس پر مقدم کیا جائے گا بعض واجبات کو

عَلَى الْبَعْضِ . {6} قَالَ : وَمَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوصِي ؛ لِمَا بَيَّنَّا وَصَارَ

دیگر بعض پر۔ فرمایا: اور جو واجب نہیں ان میں مقدم کیا جائے گا وہ جس کو مقدم کیا ہو موصی نے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور ہو گیا

كَمَا إِذَا صَرَّحَ بِذَلِكَ . {7} قَالُوا : إِنَّ الثُّلُثَ يُقَسَّمُ عَلَى جَمِيعِ الْوَصَايَا مَا كَانَ لِلَّهِ تَعَالَى وَمَا كَانَ لِلْعَبْدِ

جیسے اس نے تصریح کی ہو اس کی۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ثلث تقسیم کیا جائے گا ان تمام وصایا پر جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں، اور جو بندہ کے لیے ہوں

فَمَا أَصَابَ الْقُرَبَ صُرِفَ إِلَيْهَا عَلَى التَّرْتِيبِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ {8} وَيُقَسَّمُ عَلَى عَدَدِ الْقُرَبِ

تو وہ جو قربت کے حصے میں آئے اسے صرف کیا جائے گا قربت میں اس ترتیب پر جس کو ہم ذکر کر چکے، اور تقسیم کیا جائے قربات کے عدد پر

وَلَا يُجْعَلُ الْجَمِيعُ كَوَصِيَّةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الْمَقْصُودُ بِجَمِيعِهَا رِضَا اللَّهِ تَعَالَى فَكُلُّ وَاحِدَةٍ فِي نَفْسِهَا مَقْصُودٌ

اور سب کو نہیں قرار دیا جائے گا ایک وصیت کی طرح؛ کیونکہ اگرچہ مقصود سب سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، مگر ہر ایک بذاتِ خود مقصود ہے

فَتَنْفَرِدُ كَمَا تَنْفَرِدُ وَصَايَا الْآدَمِيِّينَ . {9} قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ أَحَجُّوا عَنْهُ

پس منفرد ہو گی جیسے منفرد ہوتی ہیں چند آدمیوں کی وصیتیں۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی حجۃ الاسلام کی، تو ورثہ حج کرائیں اس کی طرف سے

رَجُلًا مِنْ بَلَدِهِ يَحُجُّ رَاكِبًا ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ لِلَّهِ تَعَالَى الْحَجُّ مِنْ بَلَدِهِ وَلِهَذَا يُعْتَبَرُ فِيهِ مِنَ الْمَالِ مَا

ایک شخص کو اس کے شہر سے، حج کرے سوار ہو کر؛ کیونکہ واجب اللہ تعالیٰ کے لیے حج ہے اس کے شہر سے، اس لیے معتبر ہے اس میں اتنا مال

يَكْفِيهِ مِنْ بَلَدِهِ وَالْوَصِيَّةُ لِأَدَاءِ مَا هُوَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ وَإِنَّمَا قَالَ رَاكِبًا لِأَنَّهُ

جو کافی ہو اس کو موصی کے شہر سے، اور وصیت اس چیز کی ادائیگی کے لیے ہے جو اس پر واجب ہے، اور ماتن ؒ نے کہا "سوار ہو کر" یہ اس لیے

لَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا فَانْصَرَفَ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي وَجَبَ عَلَيْهِ . {۱۰}قَالَ : فَإِنْ لَمْ تَبْلُغِ

کہ لازم نہیں ہے اس پر کہ حج کرے پیدل، پس پھرے گا اس کی طرف اسی طریقے پر جو واجب ہوا ہے موصی پر۔ فرمایا: اور اگر نہ پہنچے

الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ أَحَجُّوا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يُحَجُّ عَنْهُ ، لِأَنَّهُ أَمَرَ

وصیت نفقہ کو تو ورثہ حج کرائیں وہاں سے جہاں سے پہنچ سکے، اور قیاس یہ ہے کہ حج نہ کیا جائے اس کی طرف سے؛ کیونکہ موصی نے امر کیا ہے

بِالْحَجَّةِ عَلَى صِفَةٍ عَدِمْنَاهَا فِيهِ ، غَيْرَ أَنَّا جَوَّزْنَاهُ لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ الْمُوصِيَ

ایسی صفت پر حج کرنے کا جس کو ہم نہیں پاتے ہیں اس کے مال میں، مگر ہم نے اس کو جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ موصی نے

قَصَدَ تَنْفِيذَ الْوَصِيَّةِ فَيَجِبُ تَنْفِيذُهَا مَا أَمْكَنَ وَالْمُمْكِنُ فِيهِ مَا ذَكَرْنَاهُ ، وَهُوَ أَوْلَى

قصد کیا ہے وصیت نافذ کرنے کا، پس واجب ہوگی اس کی تنفیذ حتی الامکان، اور ممکن اس میں وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے، اور یہ بہتر ہے

مِنْ إِبْطَالِهَا رَأْسًا{۱۱}وَقَدْ فَرَّقْنَا بَيْنَ هَذَا وَبَيْنَ الْوَصِيَّةِ بِالْعِتْقِ مِنْ قَبْلُ . {۱۲}قَالَ : وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهِ

وصیت کو بالکل باطل کرنے سے، اور ہم فرق بیان کر چکے اس میں اور عتق کی وصیت میں سابق میں۔ فرمایا: اور جو شخص نکل گیا اپنے شہر سے

حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ وَأَوْصَى أَنْ يُحَجَّ عَنْهُ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ ، عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

حج کے ارادہ سے، پس مر گیا راستے میں اور وصیت کی کہ حج کیا جائے اس کی طرف سے، تو حج کیا جائے گا اس کے شہر سے امام صاحبؒ کے نزدیک

وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ .يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ اسْتِحْسَانًا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ

اور یہی قول ہے امام زفرؒ کا، اور صاحبینؒ نے فرمایا حج کیا جائے گا اس کی طرف سے وہاں سے جہاں وہ پہنچ چکا ہے استحساناً، اور اسی اختلاف پر ہے

إِذَا مَاتَ الْحَاجُّ عَنْ غَيْرِهِ فِي الطَّرِيقِ {۱۳}لَهُمَا أَنَّ السَّفَرَ بِنِيَّةِ الْحَجِّ وَقَعَ قُرْبَةً وَسَقَطَ

جب مر جائے غیر کی طرف سے حج کرنے والا راستے میں۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ سفر بنیتِ حج قربت واقع ہوگا اور ساقط ہو چکا

فَرْضُ قَطْعِ الْمَسَافَةِ بِقَدْرِهِ وَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ فَيَبْتَدِئُ مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ كَأَنَّهُ مِنْ أَهْلِهِ،

قطع مسافت کا فریضہ اسی کے بقدر، اور ثابت ہو چکا اس کا اجر اللہ کے یہاں، پس شروع کرے گا اسی مکان سے گویا موصی یہاں کا باشندہ ہے

بِخِلَافِ سَفَرِ التِّجَارَةِ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً فَيُحَجُّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ . {۱۴}وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ

برخلاف سفرِ تجارت ہے؛ کیونکہ وہ قربت واقع نہیں ہوا ہے پس حج کرایا جائے گا موصی کے شہر سے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت

تَنْصَرِفُ إِلَى الْحَجِّ مِنْ بَلَدِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ أَدَاءً لِلْوَاجِبِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي وَجَبَ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

بھرے گی موصی کے شہر سے حج کرانے کی طرف جیسے ہم بیان کر چکے اس کو: ادا کرتے ہوئے واجب کو اس طرح جس طرح کہ وہ واجب ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔ {۱} اگر کسی شخص نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو مقدم کیا جائے گا خواہ موصی نے ان کو مقدم ذکر کیا ہو یا مؤخر ذکر کیا ہو جیسے حج، زکوۃ اور کفارات ہیں؛ کیونکہ نفل سے فرائض زیادہ اہم ہیں اور موصی کی جانب سے ظاہر یہ ہے کہ وہ اہم سے شروع کرتا یعنی اگر وہ خود یہ کام کرتا یا اس سے دریافت کر لیا جاتا کہ ان وصیتوں پر کس طرح عملدرآمد کریں تو وہ فرائض کو مقدم کرتا؛ کیونکہ فرائض اہم ہیں۔

{۲} پھر اگر قوت میں سب برابر ہوں مثلاً سب فرائض ہوں یا سب واجبات یا تطوعات ہوں تو جس کو موصی نے پہلے ذکر کیا ہو اسی کو مقدم کیا جائے گا جب کہ کل سے ثلث مال تنگ ہو یعنی ترکہ کے ثلث سے سب ادا نہ ہو سکتی ہوں؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اہم کو مقدم کرے گا اور ظاہر صریح منصوص کی طرح ہے جب تک کہ اس کے خلاف ظاہر نہ ہو، اس لیے ظاہر پر عمل کیا جائے گا۔ اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ پہلے زکوۃ سے شروع کرے اور حج پر زکوۃ کو مقدم کرے مثلاً موصی نے وصیت کی کہ مجھ پر تین سال کی زکوۃ پانچ سو روپے ہے وہ ادا کی جائے اور ثلثِ ترکہ سے میری طرف سے حج بھی کرایا جائے تو اس صورت میں زکوۃ مقدم کی جائے گی بشرطیکہ دونوں ترکہ کے ثلث سے ادا نہیں ہو سکتے ہوں۔

{۳} اور امام طحاویؒ کے موافق امام ابو یوسفؒ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے، اور دوسری روایت میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حج کو زکوۃ پر مقدم کرے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی اول روایت کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ اور حج اگرچہ فرضیت میں برابر ہیں مگر زکوۃ کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہے تو زکوۃ ہی کو مقدم کرنا اولیٰ ہے؛ کیونکہ بندہ محتاج اور رب تعالیٰ غنی ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حج کا ادا کرنا مال اور بدن دونوں سے ہوتا ہے اور زکوۃ کا ادا کرنا فقط مال پر مقصور ہے تو جو عمل دونوں سے قائم ہوتا ہے وہ زیادہ قوی ہوتا ہے اس سے جو فقط ایک سے قائم ہوتا ہے لہٰذا حج زیادہ قوی ہے اس لیے حج کو زکوۃ سے مقدم کیا جائے گا۔

{۴} پھر زکوۃ اور حج دونوں کو کفارات پر مقدم کیا جائے گا؛ کیونکہ ان دونوں کو قوت میں کفارات پر زیادتی حاصل ہے؛ اس لیے کہ حج اور زکوۃ ترک کرنے کے بارے میں ایسی سخت وعیدیں آئی ہیں جو کفارات کے بارے میں نہیں آئی ہیں چنانچہ زکوۃ کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا

كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ[1]﴾ (جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب چکھو اس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے) اور حج کے بارے میں فرمایا ہے ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ[2]﴾ (اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے)۔

﴿۵﴾ اور اگر کفارہ قتل یا ظہار یا قسم کی وصیت کی ہو اور صدقۂ فطر بھی ہو تو صدقۂ فطر پر یہ کفارات مقدم ہیں؛ کیونکہ ان کفارات کا واجب ہونا قرآن سے معلوم ہوا ہے اور صدقۂ فطر کا وجوب قرآن سے نہیں ہے بلکہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوا ہے اس لیے صدقۂ فطر سے کفارات مقدم کیے جائیں گے۔

اور اگر صدقۂ فطر اور قربانی کی وصیت ہو تو قربانی پر صدقۂ فطر مقدم ہے؛ کیونکہ صدقۂ فطر واجب ہونے پر مجتہدین کا اتفاق ہے اور قربانی کے وجوب میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک قربانی سنت ہے۔ اور اسی قیاس پر واجبات میں سے بعض کو بعض پر مقدم کیا جائے گا چنانچہ صدقۃ الفطر کو نذر پر مقدم کیا جائے گا؛ کیونکہ صدقۃ الفطر اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہے اور نذر کو بندے نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے۔

﴿۶﴾ اور جو امور واجب نہیں ہیں یعنی اگر ایسے امور کی وصیت کی جو واجب نہیں ہیں بلکہ نوافل ہیں اور ثلثِ ترکہ میں سب کی گنجائش نہ ہو تو ان میں سے وہ امر مقدم کیا جائے گا جس کو خود موصی نے مقدم کیا ہو؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ ظاہر یہ ہے کہ موصی ایسے امر سے شروع کرے گا جو اس کے نزدیک اہم ہو پس یہ ایسا ہے جیسے خود موصی نے اس امر کو مقدم کرنے کی تصریح کر دی ہو۔

﴿۷﴾ مشائخ نے طریقہ بیان فرمایا ہے کہ میت کے ثلث مال کو اس کی تمام وصیتوں پر خواہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں یا بندوں کے لیے ہوں تقسیم کیا جائے گا یعنی جب فرائض اور واجبات کی وصیتوں کے ساتھ میں کسی آدمی کا حق بھی ہو تو موصی لہ کو قربات کے ساتھ شمار کر کے سب پر تقسیم کیا جائے گا پھر جو کچھ کہ قربات کے حصہ میں پڑے وہ اسی ترتیب سے صرف کیا جائے گا جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اگر ثلثِ ترکہ سے تمام وصیتیں نہ نکلتی ہوں تو پہلے زکوۃ پھر حج پھر کفارات کو ترتیب سے ادا کیا جائے۔

(1) التوبۃ: 34-35.
(2) آل عمران: 97.

﴿۸﴾اور قربات کی تعداد پر تقسیم کیا جائے گا ہر وصیت کے لیے حصہ مقرر کیا جائے گا سب کو ایک وصیت نہیں قرار دیا جائے گا مثلاً اگر موصی نے کہا کہ میرا ثلث مال حج، زکوۃ، کفارات اور زید کے لیے ہے تو ثلثِ ترکہ کے چار حصے کیے جائیں گے تینوں جہاتِ قربت کو ایک اور زید کو دوم شمار نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اگر ان سب سے رضاء الٰہی مقصود ہے تو ہر قربت بذاتِ خود مقصود ہے پس وہ علیحدہ شمار ہوگی جیسے آدمیوں کے لیے کی گئی وصیتیں علیحدہ علیحدہ شمار ہوتی ہیں مثلاً فقراء، مساکین اور ابن سبیل کے لیے کی گئی وصیتیں علیحدہ علیحدہ شمار ہوں گی اسی طرح مذکورہ قربات بھی ہیں۔

﴿۹﴾اگر ایک شخص نے حج اسلام کی وصیت کی یعنی کہا کہ میری طرف سے حج اسلام کرایا جائے تو نافذ کرنے والوں پر واجب ہے کہ ایک فرد کو موصی کے شہر سے حج کرادیں جو سوار ہو کر حج کرے گا بشرطیکہ میت کا ثلث مال اس کے لیے کافی ہو یا ورثہ اپنی طرف سے دیدیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے خود اسی کے شہر سے اس پر حج واجب ہے تو اسی کے شہر ہی سے سوار ہو کر حج کو جائے گا یہی وجہ ہے کہ حج کی وصیت نافذ کرنے میں ثلث مال میں سے اس قدر ہونا معتبر ہے جو اس کے شہر سے حج کرنے کو کافی ہو؛ کیونکہ وصیت اسی حج کے ادا کرنے کے لیے ہے جو اس پر واجب ہے پس اسی کے شہر سے حج کرایا جائے گا تاکہ جو اس پر واجب تھا اس کی ادائیگی بطورِ وصیت ہو۔ اور یہ اس لیے کہا کہ وہ سوار ہو کر حج کرے گا کہ خود موصی پر پیدل حج کرنا واجب نہیں تھا، تو اس کی طرف سے حج کرنے والے کی جانب بھی اسی طرح پھرے گا جیسے خود موصی پر واجب ہوا تھا۔

﴿۱۰﴾اگر وصیت کو پورا کرنے کے لیے خرچہ کافی نہ ہو یعنی موصی کا ثلث مال اس قدر نہیں کہ اس کے شہر سے حج کرنے کے لیے کافی ہو تو وصیت نافذ کرنے والے اس کی طرف سے جہاں سے پورا ہو سکے حج کرادیں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ میت کی طرف سے حج نہ کرایا جائے؛ کیونکہ اس نے حج کی وصیت ایسی صفت (موصی کے شہر سے کرنے کی صفت) کے ساتھ کی جو اس مال میں ہم اس صفت کو نہیں پاتے ہیں اس لیے اس کی طرف سے حج نہ کرایا جائے۔ لیکن ہم نے اس قیاس کو چھوڑ کر مذکورہ وصیت کو جائز رکھا؛ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ موصی نے مذکور وصیت کے نافذ کرنے کا قصد کیا ہے اور خاص اس صفت کا قصد اس طرح نہیں کیا ہے کہ اگر اس صفت میں کچھ قصور ہو تو وصیت کو روک دیا جائے لہٰذا جہاں تک ممکن ہے اس کی وصیت نافذ کرنا واجب ہے اور ممکن یہی صورت ہے جو ہم نے بیان کی یعنی جہاں سے پورا ہو سکے وہاں سے کسی آدمی سے حج کرادیا جائے اور اس طرح کرنا بالکل وصیت کو باطل کرنے سے اولیٰ ہے۔

{۱۱} اور ہم نے اس وصیتِ حج میں اور اس سے پہلے وصیتِ عتق میں فرق رکھا ہے یعنی وہ مسئلہ جس میں سو درہم کا غلام خرید کر آزاد کرنے کی وصیت کی تھی پھر ایک درہم تلف ہو گیا تو ننانوے درہم میں خریدا ہوا غلام وہ نہیں ہے جس کی وصیت کی تھی اس لیے یہ وصیت پوری نہ ہو گی۔

{۱۲} جو شخص اپنے وطن سے حج کرنے کے قصد سے نکلا پس راستے میں مر گیا اور وصیت کر گیا کہ میری طرف سے حج کرایا جائے تو اس میں اختلاف ہے پس امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک اس کے وطن سے حج کرایا جائے گا، اور یہی امام زفر ؒ کا قول ہے اور یہی قیاس ہے۔ اور صاحبین ؒ نے فرمایا کہ استحساناً وہاں سے حج کرایا جائے گا جہاں تک وہ پہنچ چکا ہے، یہ مسئلہ تو خود حاجی کا راستے میں مر جانے کا ہے۔ اور اگر دوسرے کی طرف سے حج کو جانے والا شخص راستے میں مر گیا ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب ؒ اور امام زفر ؒ کے نزدیک اس کے وطن سے اور صاحبین ؒ کے نزدیک جہاں تک یہ شخص پہنچ چکا ہے وہاں سے دوسرا شخص بھیجا جائے۔

{۱۳} صاحبین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ سفر جو حج کی نیت سے ہو چکا یہ قربت اور طاعت واقع ہو گیا اور اسی کے بقدر حج کی مسافت طے کرنے کا فرض ساقط ہو گیا اور سفر کے بقدر اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل سے واقع ہو گیا پس پورا کرنے کے لیے اسی جگہ سے شروع کرے گا گویا یہ شخص اسی جگہ کے رہنے والوں میں سے ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ تجارت کی نیت سے سفر کر چکا ہو تو چونکہ اس کا یہ سفر قربت واقع نہیں ہوا ہے اس لیے اس صورت میں اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

{۱۴} امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ اتمام عمل سے پہلے جب وہ مر گیا تو اس کا خروج حج کے لیے نہ ہوا اور غیر حج کے لیے سفر کی صورت میں اگر راستے میں مرے گا تو اس کی وصیت اس کے شہر سے حج کرانے کی طرف پھرے گی جیسا کہ ہم سابق میں ذکر کر چکے تاکہ حجۃ الاسلام جس طور پر اس پر فرض ہوا ہے اسی طرح سے ادا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

فتوی: امام ابو حنیفہ ؒ کا قول راجح ہے لما فی الدر المنتقیٰ: (قلت)الذی قدمه فی کتابه کعامة الکتب انه من حیث یبلغ فتنبه لذالک، وقدم ایضاً ان قولهما استحسان، وقوله قیاس وأن الماتن ثمة أكد ردّ مذهبهما بقوله: لا من حيث مات، وقد قدمه المصنف هنا، وثمة وجزم به فی التنویر وعامة المتون فکان القیاس هنا هو المعتمد فافهمه وتنبه له أیضاً(الدر المنتقیٰ تحت مجمع الانهر: 4ص442)

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ

یہ باب اقارب اور غیر اقارب کے لیے وصیت کرنے کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ عام موصی لہ کے احکام سے فارغ ہو گئے تو خاص موصی لہ کے احکام کو شروع فرمایا اور عام خاص سے مقدم ہوتا ہے اس لیے اس باب کو مؤخر کر دیا۔

﴿۱﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِجِيرَانِهِ فَهُمُ الْمُلَاصِقُونَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : هُمُ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کے لیے تو وہ ساتھ ملے ہوئے لوگ ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ

الْمُلَاصِقُونَ وَغَيْرُهُمْ مِمَّنْ يَسْكُنُ مَحَلَّةَ الْمُوصِي وَيَجْمَعُهُمْ مَسْجِدُ الْمَحَلَّةِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَقَوْلُهُ

ملے ہوئے اور غیر ملے ہوئے ہیں جو رہتے ہوں موصی کے محلہ میں اور جمع کرتی ہو ان کو محلہ کی مسجد، اور یہ استحسان ہے، اور امام صاحب کا قول

قِيَاسٌ لِأَنَّ الْجَارَ مِنَ الْمُجَاوَرَةِ وَهِيَ الْمُلَاصَقَةُ حَقِيقَةً وَلِهَذَا يَسْتَحِقُّ الشُّفْعَةَ بِهَذَا الْجِوَارِ

قیاس ہے؛ کیونکہ جار مجاورت سے ہے اور مجاورت حقیقت میں ملاصقت ہے، اسی لیے وہ مستحق ہوتا ہے شفعہ کا اس جوار کی وجہ سے،

وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ صَرْفُهُ إِلَى الْجَمِيعِ يُصْرَفُ إِلَى أَخَصِّ الْخُصُوصِ وَهُوَ الْمُلَاصِقُ . ﴿۲﴾وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ

اور اس لیے کہ جب متعذر ہوا صرف کرنا سب کی طرف تو صرف کیا جائے گا سب سے زیادہ خاص کی طرف اور وہ ملاصق ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے

هَؤُلَاءِ كُلَّهُمْ يُسَمَّوْنَ جِيرَانًا عُرْفًا ، وَقَدْ تَأَيَّدَ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " { لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ }"

کہ ان سب کو جیران کہتے ہیں عرف میں، اور تائید ہوتی ہے اس کی حضورؐ کے قول سے: "نماز نہیں ہوتی ہے مسجد کے پڑوسی کی مگر مسجد میں"

وَفَسَّرَهُ بِكُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ ، ﴿۳﴾وَلِأَنَّ الْمَقْصِدَ بِرُّ الْجِيرَانِ وَاسْتِحْبَابُهُ يَنْتَظِمُ

اور اس کی تفسیر کی ہے ہر اس شخص سے جو اذان سنے، اور اس لیے کہ مقصد بھلائی کرنا ہے پڑوسیوں کے ساتھ، اور بھلائی کا استحباب شامل ہے

الْمُلَاصِقَ وَغَيْرَهُ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الِاخْتِلَاطِ وَذَلِكَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَسْجِدِ ، ﴿۴﴾وَمَا قَالَهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ

ملاصق اور غیر ملاصق دونوں کو، البتہ ضروری ہے اختلاط اور اختلاط اتحادِ مسجد کے وقت ہوتا ہے۔ اور جو فرمایا ہے امام شافعیؒ نے کہ

الْجِوَارُ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا بَعِيدٌ ، وَمَا يُرْوَى فِيهِ ضَعِيفٌ . {۵}قَالُوا : وَيَسْتَوِي فِيهِ السَّاكِنُ وَالْمَالِكُ

جوار چالیس گھروں تک ہے، یہ بعید ہے، اور اس میں جو مروی ہے وہ ضعیف ہے، اور مشائخ نے کہا ہے کہ برابر ہیں اس میں رہائشی اور مالک

وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ لِأَنَّ اسْمَ الْجَارِ يَتَنَاوَلُهُمْ وَيَدْخُلُ فِيهِ الْعَبْدُ السَّاكِنُ عِنْدَهُ

مرد اور عورت، مسلمان اور ذمی؛ کیونکہ جار کا نام سب کو شامل ہے، اور داخل ہے اس میں یہاں رہنے والا غلام امام صاحب ؒ کے نزدیک

لِإِطْلَاقِهِ ، وَلَا يَدْخُلُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُ وَصِيَّةٌ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ

اطلاق کی وجہ سے۔ اور داخل نہیں ہوگا صاحبین ؒ کے نزدیک؛ کیونکہ غلام کے لیے وصیت اس کے مولیٰ کے لیے وصیت ہے اور اس کا مولیٰ

غَيْرُ سَاكِنٍ . {٦}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِأَصْهَارِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ امْرَأَتِهِ؛

یہاں کا رہنے والا نہیں ہے۔ فرمایا: اور جس نے وصیت اپنے سسرال والوں کے لیے تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لیے ہوگی

لِمَا رُوِيَ { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ أَعْتَقَ كُلَّ مَنْ مَلَكَ مِنْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا إِكْرَامًا لَهَا }

کیونکہ مروی ہے کہ حضور ؐ نے جب نکاح کیا حضرت صفیہ ؓ سے آزاد کر دیا جو مملوک ہو اصفیہ ؓ کا ذی رحم محرم حضرت صفیہ کے اکرام کے لیے

وَكَانُوا يُسَمُّونَ أَصْهَارَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ. وَهَذَا التَّفْسِيرُ اخْتِيَارُ مُحَمَّدٍ وَأَبِي عُبَيْدَةَ ، {۷}وَكَذَا يَدْخُلُ فِيهِ

اور یہ لوگ موسوم تھے حضور ؐ کے اصہار کے نام سے اور یہ تفسیر اختیار کردہ ہے امام محمد ؒ اور ابو عبیدہ ؒ کی۔ اور اسی طرح داخل ہوگا اس میں

كُلُّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ زَوْجَةِ أَبِيهِ وَزَوْجَةِ ابْنِهِ وَزَوْجَةِ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لِأَنَّ الْكُلَّ أَصْهَارٌ.

ہر ذی رحم محرم موصی کے باپ کی بیوی کا اور موصی کے بیٹے کی بیوی کا اور اس کے ہر ذی رحم محرم کی بیوی کا؛ کیونکہ یہ سب اصہار ہیں۔

{۸}وَلَوْ مَاتَ الْمُوصِي وَالْمَرْأَةُ فِي نِكَاحِهِ أَوْ فِي عِدَّتِهِ مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ فَالصِّهْرُ يَسْتَحِقُّ الْوَصِيَّةَ وَإِنْ كَانَتْ

اور اگر مر گیا موصی اور عورت اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی سے اس کی عدت میں ہو تو سسرال والا مستحق ہوگا وصیت کا، اور اگر وہ

فِي عِدَّةٍ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ لَا يَسْتَحِقُّهَا لِأَنَّ بَقَاءَ الصِّهْرِيَّةِ بِبَقَاءِ النِّكَاحِ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَ الْمَوْتِ.

طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وہ مستحق نہ ہوگا وصیت کا؛ کیونکہ صہریت کی بقاء نکاح کی بقاء سے ہے اور نکاح شرط ہے موت کے وقت۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی مثلاً یوں کہا کہ میرا ثلث مال میرے پڑوسیوں کو دیدیا جائے تو امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک پڑوسی وہ لوگ ہیں جن کے گھر اس کے گھر سے ملے ہوں خواہ ان کے گھروں کے دروازے متصل اور قریب ہوں یا الگ اور بعید ہوں۔ اور صاحبین ؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ موصی کے محلہ میں رہتے ہیں اور محلہ کی مسجد ان کو جامع ہو یعنی ایک ہی مسجد

والے ہوں تو یہ سب پڑوسی ہیں خواہ ان کے گھر ملے ہوئے ہوں یا نہ ہوں، اور صاحبین کا قول استحسانا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا قول قیاساً ہے؛ کیونکہ عربی میں پڑوسی کو جار کہتے ہیں جو مجاورت سے مشتق ہے اور مجاورت در حقیقت بمعنی ملاصقت ہے پس پڑوس وہی ہے جس کا گھر اس کے گھر کے ساتھ ملا ہوا ہو یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے جوار سے جار شفعہ کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب سب کی جانب صرف کرنا متعذر ہوا تو ہم نے اخص الخصوص کی جانب راجع کیا اور اخص الخصوص وہی ہے جس کا گھر اس کے گھر کے ساتھ متصل ہو۔

{۲} وجہِ استحسان یہ ہے کہ ایک محلہ والے عرف میں سب پڑوسی کہلاتے ہیں اور عرف قوی دلیل ہے جس کی تائید حضور ﷺ کے قول مبارک سے بھی ہوتی ہے کہ "لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ"[1] (مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی ہے مگر مسجد میں) اور مسجد کے پڑوسی کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو اذان کی آواز سنے وہ مسجد کا جار ہے تو معلوم ہوا کہ جن کو محلہ کی مسجد جمع کرتی ہو وہ سب جار میں شامل ہیں اگرچہ وہ ملے ہوئے نہ ہوں۔

{۳} دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی کا مقصود یہ ہے کہ پڑوسیوں کو نفع پہنچائے اور پڑوسیوں کو نفع پہنچانا مستحب ہے اور یہ استحباب فقط ملاصق کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ملاصق اور غیر ملاصق سب کو شامل ہے البتہ اتنی بات ہے کہ پڑوسیوں کا باہم اختلاط ہونا ضروری ہے اور ان میں یہ اختلاط مسجد ایک ہونے سے ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ باہم مل کر نماز پڑھتے ہیں لہٰذا جن کو محلہ کی مسجد جامع ہو وہ آپس میں پڑوسی ہیں۔

{۴} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موصی کے گھر سے چاروں جانب دس دس گھر تک پڑوس ہیں، تو مصنفؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ نے جو فرمایا کہ جوار چالیس گھروں تک ہے یہ قول بعید ہے اور اس بارے میں جو حدیث نقل کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ چاروں طرف دس دس گھر پڑوس ہیں[2]، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

---

(1) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ كِلَاهُمَا فِي الصَّلَاةِ عَنْ يحيى بن إسحاق بْنِ دَاوُد الْيَمَامِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ، إلَّا فِي الْمَسْجِدِ"، (نصب الرایۃ: 5ص243)

(2) أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي مُعْجَمِهِ عَنْ يُوسُفَ بْنِ السَّفَرِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إنِّي نَزَلْت مَحَلَّةَ بَنِي فُلَانٍ، وَإِنَّ أَشَدَّهُمْ لِي أَذًى أَقْرَبُهُمْ لِي جِوَارًا، فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعَلِيًّا أَنْ يَأْتُوا بَابَ الْمَسْجِدِ، فَيَقُومُوا عَلَيْهِ، فَيَصِيحُوا: "أَلَا إنَّ أَرْبَعِينَ دَارًا جِوَارٌ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ خَافَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ"، قِيلَ لِلزُّهْرِيِّ: أَرْبَعِينَ دَارًا؟ قَالَ: أَرْبَعِينَ هَكَذَا، وَأَرْبَعِينَ هَكَذَا، انْتَهَى. وَيُوسُفُ بْنُ السَّفَرِ أَبُو الْفَيْضِ فِيهِ مَقَالٌ. وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِي مُسْنَدِهِ عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ أَبِي الْجَنُوبِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حَقُّ الْجِوَارِ إلَى أَرْبَعِينَ دَارًا وَهَكَذَا وَهَكَذَا، وَهَكَذَا وَهَكَذَا، يَمِينًا وَشِمَالًا، وَقُدَّامَ وَخَلْفَ"، انْتَهَى. وَعَنْ أَبِي يَعْلَى رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي كِتَابِ الضُّعَفَاءِ، وَأَعَلَّهُ بِعَبْدِ السَّلَامِ بْنِ أَبِي

{۵}متأخرین مشائخ فرماتے ہیں کہ پڑوسی ہونے میں اس محلہ میں رہنے والے سب برابر ہیں خواہ وہ یہاں رہتا ہو، مکان کرایہ پر ہو یا مکان کا مالک ہو، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو، خواہ مسلمان ہو یا ذمی کافر ہو سب پڑوسی ہیں کیونکہ پڑوسی کا لفظ ان سب کو شامل ہے، اور جو غلام اس محلہ میں رہتا ہو وہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت میں داخل ہو گا کیونکہ لفظ جار کا اطلاق آزاد اور مملوک سب پر ہوتا ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام اس وصیت میں داخل نہ ہو گا؛ کیونکہ اس غلام کے لیے جو کچھ وصیت ہو وہ اس کے مولیٰ کے لیے وصیت ہے؛ کیونکہ غلام کے لیے کوئی ملکیت نہیں بلکہ اس کو جو مال دیا جائے وہ اس کے مولیٰ کی ملک ہے حالانکہ اس کا مولیٰ یہاں نہیں رہتا ہے اس لیے غلام اس وصیت میں شامل نہ ہو گا۔

فتویٰ۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما في رد المحتار: (قَوْلُهُ: وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ) وَالصَّحِيحُ قَوْلُ الْإِمَامِ كَمَا أَفَادَهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى وَصَرَّحَ بِهِ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ وَهُوَ الْقِيَاسُ كَمَا فِي الْهِدَايَةِ فَهُوَ مِمَّا رُجِّحَ فِيهِ الْقِيَاسُ عَلَى الِاسْتِحْسَانِ. [تَنْبِيهٌ] يَسْتَوِي فِي الْجَارِ سَاكِنٌ وَمَالِكٌ وَذَكَرٌ وَأُنْثَى وَمُسْلِمٌ وَذِمِّيٌّ وَصَغِيرٌ وَكَبِيرٌ، وَيَدْخُلُ فِيهِ الْعَبْدُ عِنْدَهُ. (رد المحتار: 5ص483)

{۶}اگر کسی نے اپنے اصہار کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت ہر ایسے شخص کے لیے ہو گی جو اس کی بیوی کا ذی رحم محرم ہو یعنی جس مرد کے ساتھ اس کی بیوی کا نکاح کبھی نہ ہو سکے؛ کیونکہ مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اکرام کے لیے اس کے ہر ذی رحم محرم کو جو مملوک ہوا تھا آزاد کر دیا اور یہ لوگ حضور ﷺ کے اصہار کہلاتے تھے[1]، تو معلوم ہوا کہ بیوی کے ہر ذی رحم محرم کو صہر کہتے ہیں۔ اور صہر کی اس تفسیر کو امام محمدؒ اور ابو عبیدہؒ نے اختیار کیا ہے اس لیے مذکورہ وصیت میں یہ لوگ شامل ہوں گے۔

الحرب، وَقَالَ: إِنَّهُ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، انْتَهَى. وَحَدِيثُ عَائِشَةَ: أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي صُفْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَوْصَانِي جِبْرَائِيلُ عليه السلام بِالْجَارِ إلَى أَرْبَعِينَ دَارًا، عَشَرَةٌ مِنْ هَاهُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَاهُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَاهُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَاهُنَا"، انْتَهَى. وَقَالَ: فِي إسْنَادِهِ ضَعْفٌ. (نصب الراية: 5ص244)

[1]قُلْت: هَكَذَا فِي الْكِتَابِ: صَفِيَّةُ، وَهُوَ وَهْمٌ، وَصَوَابُهُ جُوَيْرِيَةُ، أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد فِي سُنَنِهِ فِي الْعِتَاقِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: وَقَعَتْ جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ الْمُصْطَلِقِ فِي سَهْمِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، أَوْ ابْنِ عَمٍّ لَهُ، [لَفْظُ الْوَاقِدِيِّ بِالْوَاوِ، وَكَانَ لَفْظُهُ، قَالَتْ: فَتَخَلَّصَنِي ثَابِتٌ مِنْ ابْنِ عَمِّهِ بِنَخَلَاتٍ بِالْمَدِينَةِ، ثُمَّ كَاتَبَنِي ثَابِتٌ عَلَى مَالٍ لَا طَاقَةَ لِي بِهِ، فَأَعْلَى الْحَدِيثُ رَجَعَ إلَى رِوَايَةِ ابْنِ إسْحَاقَ] فَكَاتَبَتْ عَلَى نَفْسِهَا، وَكَانَتْ امْرَأَةً مَلَّاحَةً، تَأْخُذُهَا الْعَيْنُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَجَاءَتْ تَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كِتَابَتِهَا، فَلَمَّا قَامَتْ عَلَى الْبَابِ رَأَيْتُهَا، فَكَرِهْتُ مَكَانَهَا، وَعَرَفْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَرَى مِنْهَا مِثْلَ الَّذِي رَأَيْتُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، وَقَدْ كَانَ مِنْ أَمْرِي مَا لَا يَخْفَى عَلَيْك، وَإِنِّي وَقَعْت فِي سَهْمِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، وَإِنِّي كَاتَبْت عَلَى نَفْسِي، فَجِئْت أَسْأَلُك فِي كِتَابَتِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَهَلْ لَك إلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ"؟ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا هُوَ؟ قَالَ: "أُؤَدِّي عَنْك كِتَابَك، وَأَتَزَوَّجُك"؟ قَالَتْ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ:

تھیں، جب خیبر فتح کیا گیا تو یہ گرفتار ہو کر آئیں
ف:۔ یہاں مصنفؒ نے حضرت صفیہؓ کا ذکر کیا ہے جو یہود خیبر کے شرفاء میں سے
اور حضور ﷺ نے ان کو اپنے لیے منتخب فرمالیا اور پھر آزاد کر کے اسی آزادی پر ان سے نکاح فرمالیا، اور یہود خیبر کو اکثر
بطور کاشتکاروں کے بٹائی پر جب تک چاہا چھوڑ دیا پس صفیہؓ کے اقارب کو بصلتِ مذکورہ آزاد نہیں کیا گیا لہذا صفیہؓ کا ذکر یہاں
سہوا ہوا ہے۔

اور حقیقت میں یہ واقعہ حضرت جویریہ بنت الحارث کا ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ جویریہؓ کا باپ بنو مصطلق کا سردار تھا، بنو
مصطلق سے جہاد کیا گیا اور ان کو قید کیا گیا تو جویریہؓ بھی قید ہو کر آئیں اور یہ ثابت بن قیسؓ یا اس کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئی
اور انہوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ کر لیا اور وہ بہت خوبصورت تھیں، خلاصہ یہ کہ جویریہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض
کیا کہ یا رسول اللہ میں جویریہؓ بنت الحارث ہوں اور جو کچھ میرا واقعہ ہوا وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے اور میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں
پڑی ہوں، پس میں نے اپنی جان کو مکاتبہ کر لیا ہے پس میں آپ کے دربار میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ سے ادائے کتابت
کے بارے میں سوال کروں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اس سے بہتر چاہتی ہے؟ اس نے کہا کہ وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں
تیرا بدلِ کتابت ادا کردوں اور تجھ سے نکاح کرلوں اس نے اس کو منظور کر لیا، اور آپ نے بدلِ کتابت ادا کر دیا اور اس سے نکاح
کر لیا، جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے جویریہؓ سے نکاح کر لیا ہے تو جس کے قبضہ میں بنو مصطلق سے کوئی قیدی مملوک
تھا اس نے اس کو رہا کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ لوگ تو اب حضور ﷺ کے اصہار ہیں۔

﴿7﴾ اسی طرح اصہار کے تحت میں موصی کے باپ کی بیوی اور اس کے بیٹے کی بیوی اور اس کے ہر ذو رحم محرم کی بیوی
کے ذو رحم محرم بھی داخل ہیں؛ کیونکہ یہ سب اصہار ہیں اس لیے مذکورہ وصیت میں یہ سب شامل ہیں۔

﴿8﴾ اور اگر موصی ایسی حالت میں مرا کہ یہ عورت اس کے نکاح میں ہے یا طلاق رجعی دینے سے اس کی عدت میں ہے
تو صہر اس وصیت کا مستحق ہوگا، اور اگر موصی کی موت کے وقت یہ عورت طلاق بائن دینے سے اس کی عدت میں ہو تو اس صورت میں
اس کا صہر اس وصیت کا مستحق نہ ہوگا؛ کیونکہ صہر ہونے کی بقاء نکاح کی بقاء پر موقوف ہے اور صہریت کی بقاء موت کے وقت شرط

"لقد قتلت"، قالت: فتسامع الناس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تزوج جويرية، فأرسلوا ما بأيديهم من السبي فأعتقوهم، وقالوا: أصهار رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالت: فما رأينا امرأة كانت أعظم بركة على قومها منها، أعتق في سببها مائة أهل بيت من بني المصطلق (نصب الراية: 5 ص 245)

ہے اور طلاق رجعی کی صورت میں نکاح باقی ہے اس لیے صہریت باقی ہے جبکہ طلاق بائن کی صورت میں باقی نہیں ہے اس لیے صہریت باقی نہیں ہے۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِأَخْتَانِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِزَوْجِ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ وَكَذَا مَحَارِمُ الْأَزْوَاجِ؛

فرمایا: اور جس نے وصیت کی اپنے اختان کے لیے تو یہ وصیت ہر ذی رحم محرم عورت کے شوہر کے لیے ہوگی، اور اسی طرح ازواج کے محارم ہیں

لِأَنَّ الْكُلَّ يُسَمَّى خَتَنًا .قِيلَ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ .وَفِي عُرْفِنَا لَا يَتَنَاوَلُ الْأَزْوَاجَ الْمَحَارِمِ ، وَيَسْتَوِي

؛کیونکہ ان سب کو ختن کہا جاتا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ ان کے عرف میں ہے اور ہمارے عرف شامل نہ ہوگا مگر محارم کے ازواج کو، اور برابر ہے

فِيهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْأَقْرَبُ وَالْأَبْعَدُ .لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْكُلَّ . {۲}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ فَهِيَ

اس میں آزاد اور غلام، اقرب اور ابعد؛ کیونکہ لفظ شامل ہے سب کو۔ فرمایا: اور جو شخص وصیت کرے اپنے اقارب کے لیے تو یہ وصیت

لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ مِنْ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُونُ ذَلِكَ لِلِاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا

اقرب فالاقرب کے لیے ہے موصی کے ذی رحم محرم میں سے، اور داخل نہ ہوں گے اس میں والدین اور اولاد، اور یہ ہوگی دو یا دو سے زائد کے لیے

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ،{۳}وَقَالَ صَاحِبَاهُ : الْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ إِلَى أَقْصَى أَبٍ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ

اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ وصیت ہر اس شخص کے لیے ہے جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف

وَهُوَ أَوَّلُ أَبٍ أَسْلَمَ أَوْ أَوَّلُ أَبٍ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَإِنْ لَمْ يُسْلِمْ عَلَى حَسَبِ مَا اخْتَلَفَ فِيهِ الْمَشَايِخُ.

اور یہ وہ اول باپ ہے جس نے اسلام لایا ہے، یا اول باپ ہے جس نے اسلام پایا ہے اگرچہ اسلام نہ لایا ہو اس میں اختلافِ مشائخ کے مطابق

وَفَائِدَةُ الِاخْتِلَافِ تَظْهَرُ فِي أَوْلَادِ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَلَمْ يُسْلِمْ . {۴}لَهُمَا أَنَّ الْقَرِيبَ مُشْتَقٌّ

اور اختلاف کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے ابو طالب کی اولاد میں؛ کیونکہ ابو طالب نے اسلام پایا مگر اسلام نہیں لایا۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قریب مشتق ہے

مِنَ الْقَرَابَةِ فَيَكُونُ اسْمًا لِمَنْ قَامَتْ بِهِ فَيَنْتَظِمُ بِحَقِيقَتِهِ مَوَاضِعَ الْخِلَافِ . {۵}وَلَهُ أَنَّ

قرابت سے، پس یہ نام ہوگا جس کے ساتھ قرابت قائم ہو، پس یہ شامل ہوگا اپنی حقیقت کے اعتبار سے مواضع اختلاف کو۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

الْوَصِيَّةَ أُخْتُ الْمِيرَاثِ ، وَفِي الْمِيرَاثِ يُعْتَبَرُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ ، وَالْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْمَذْكُورِ فِيهِ اثْنَانِ

کہ وصیت میراث کی بہن ہے، اور میراث میں اعتبار کیا جاتا ہے اقرب فالاقرب کا، اور مراد اس جمع سے جو مذکور ہو میراث میں دو ہیں،

فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ ، وَالْمَقْصَدُ مِنْ هَذِهِ الْوَصِيَّةِ تَلَافِي مَا فَرَطَ فِي إِقَامَةِ وَاجِبِ الصِّلَةِ وَهُوَ يَخْتَصُّ

پس اسی طرح وصیت میں ہے۔ اور مقصد اس وصیت سے تلافی ہے اس کوتاہی کی جو موصی سے صادر ہے واجب صلہ کی ادائیگی میں، اور وہ مختص ہے

بِذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِنْهُ ،﴿٦﴾وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ قَرَابَةُ الْوِلَادِ فَإِنَّهُمْ لَا يُسَمَّوْنَ أَقْرِبَاءَ

موصی کے ذی رحم محرم کے ساتھ، اور داخل نہ ہوگی اس میں ولاد کی قرابت؛ کیونکہ ان کو موسوم نہیں کیا جاتا ہے اقرباء کے ساتھ،

وَمَنْ سَمَّى وَالِدَهُ قَرِيبًا كَانَ مِنْهُ عُقُوقًا ، وَهَذَا لِأَنَّ الْقَرِيبَ فِي عُرْفِ اللِّسَانِ مَنْ يَتَقَرَّبُ إِلَى غَيْرِهِ

اور جو کہے اپنے والد کو قریب وہ والد کا نافرمان ہوگا، اور یہ اس لیے کہ قریب عرفِ عام میں وہ ہے جو قرب حاصل کرے غیر کے ساتھ

بِوَسِيلَةِ غَيْرِهِ، وَتَقَرُّبُ الْوَالِدِ وَالْوَلَدِ بِنَفْسِهِ لَا بِغَيْرِهِ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِظَاهِرِ اللَّفْظِ

اپنے غیر کے وسیلے سے ، اور قرابتِ والد اور ولد کی بذاتِ خود ہے نہ کہ اس کے غیر کے وسیلے سے، اور اعتبار نہیں ہے ظاہر لفظ کا

بَعْدَ انْعِقَادِ الْإِجْمَاعِ عَلَى تَرْكِهِ ، فَعِنْدَهُ يُقَيَّدُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ ، وَعِنْدَهُمَا

اجماع منعقد ہونے کے بعد اس کے ترک پر، پس امام صاحبؒ کے نزدیک مقید کیا جائے گا اس کے ساتھ جو ہم ذکر کر چکے، اور صاحبینؒ کے نزدیک

بِأَقْصَى الْأَبِ فِي الْإِسْلَامِ ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِالْأَبِ الْأَدْنَى .

آخری باپ کے ساتھ اسلام میں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک قریبی باپ کے ساتھ۔

تشریح:۔﴿١﴾اگر کسی نے اپنے اختان کے لیے وصیت کی تو جو عورتیں موصی کی ذو رحم محرم ہوں یہ وصیت ان کے شوہروں کے لیے ہوگی۔ اختان جمع ہے ختن کی ہر وہ شخص جس کو رشتہ دامادی حاصل ہو پس عربوں کے محاورہ کے موافق موصی کی بیٹی، بہن اور پھوپھی وغیرہ جس قدر عورتیں ذو رحم محرم ہیں سب کے شوہروں کو شامل ہے۔

اسی طرح اگر عورت نے اختان کے لیے وصیت کی تو یہ شوہر کے ذو رحم محرم کے لیے ہوگی؛ کیونکہ ان سب کو ختن کہتے ہیں۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ اطلاق عربوں اور اہل کوفہ کے عرف کے مطابق ہے اور ہمارے عرف میں محارم عورتوں کے شوہروں کے علاوہ دوسروں کو شامل نہیں ہے یعنی شوہروں کے ذو رحم محرم کو شامل نہیں ہے۔ اور ہمارے یہاں کے عرف میں صرف بیٹی کے شوہر کو داماد کہتے ہیں پس ہمارے عرف میں یہ وصیت بہن اور پھوپھی کے شوہروں کو شامل نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ اس میں آزاد اور غلام، نزدیک اور دور سب برابر ہیں؛ کیونکہ لفظ ان سب کو شامل ہے؛ اور لفظ کے مقتضی پر بقدر امکان عمل کرنا واجب ہے۔

فتویٰ:۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا مدار عرف پر ہے اور ہمارا عرف ان کے عرف سے مختلف ہے چنانچہ فرماتے ہیں: لَكِنْ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ. وَفِي عُرْفِنَا الصِّهْرُ أَبُو الْمَرْأَةِ وَأُمُّهَا وَالْخَتَنُ زَوْجُ الْمَحْرَمِ فَقَطْ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ. زَادَ الْقُهُسْتَانِيُّ

تشریح الہدایہ

عُرْفِنَا فِي دِيَارِنَا أَنْ يَخْتَصَّ الصِّهْرُ بِأَبِي الزَّوْجَةِ، وَالْخَتَنُ بِزَوْجِ الْبِنْتِ لِأَنَّهُ الْمَشْهُورُ(الدرّ المختار علی ھامش ردّ المحتار:5ص484)

{۲}اگرکسی نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت اس کے تمام ذی رحم محرم میں سے اقرب پھر اقرب کے لیے ہوگی،اوراس میں اس کے ماں باپ اوراس کی اولاد داخل نہ ہوں گی؛کیونکہ عرف میں ان کو اقارب نہیں کہتے ہیں لہٰذا یہ وصیت ان کو شامل نہ ہوگی۔اوراقارب لفظ جمع ہے لہٰذا یہ وصیت دو یا زیادہ کے لیے ہوگی یعنی کم ازکم دو ہوں اورزیادہ جس قدر ہوں سب کو شامل ہوگی،اوریہ جو مذکور ہوا امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

{۳}صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اقارب کے لفظ سے یہ وصیت اس کے تمام ان قریبوں کے لیے ہوگی جو اسلام میں اس کے انتہائی جداعلیٰ کی جانب منسوب ہوں،اور جداعلیٰ اس کا وہ اول باپ ہے جس نے اسلام لایاہو،یا اس کا وہ اول باپ ہے جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوا ہو پس یہاں اس عبارت کے یہی دو معانی ہوسکتے ہیں جیسا کہ مشائخ نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے،اوراس اختلاف کا فائدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باپ ابوطالب کی اولاد میں ظاہر ہوگا؛کیونکہ ابوطالب نے اسلام کا زمانہ پایا تھا مگر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

{۴}صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قریب کا لفظ قرابت سے مشتق ہے تو جس کے ساتھ قرابت قائم ہو اس کا نام قریب ہوگا پس اپنی حقیقت کے ساتھ یہ اسم مواضع خلاف کو شامل ہے یعنی خواہ قرابت محرمہ ہو یا غیر محرمہ ہو اور نزدیک ہو یا دور ہو سب کو شامل ہے یعنی کہ اسلام میں انتہائی جداعلیٰ تک کو شامل ہوگا۔

{۵}امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث کی صورت میں سب سے قریب پھر سب سے قریب کا اعتبار ہوتا ہے تو وصیت میں بھی قریبوں میں سے سب سے قریب کا اعتبار ہوگا پھر جو اس کے بعد سب سے قریب ہوں اسی ترتیب سے معتبر ہوں گے جیسا کہ عصبات اور ذوی الارحام میں اسی طرح ہوتا ہے۔اور میراث میں کمتر جمع دو عدد ہیں تو وصیت میں بھی اقارب جمع سے دو عدد مراد ہوں گے۔اوراس وصیت سے مقصود اس قصور کی تلافی ہے جو قصور واجب صلہ رحمی کے اداکرنے میں واقع ہوا ہو اور صلہ رحمی ان قرابت والوں کے ساتھ مختص ہے جن کو موصی کے ساتھ قرابتِ محرمہ حاصل ہو لہٰذا یہ وصیت ان کے لیے ہوگی جن کو موصی کے ساتھ قرابتِ محرمہ حاصل ہو۔

فتویٰ:۔امام صاحبؒ کا قول راجح ہے لما فی الشامية: وَقَوْلُ الْإِمَامِ هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ وَالدُّرِّ الْمُنْتَقَى. (ردّ المحتار:۴۸۵/۵)

{٦} اور اقارب کے لفظ میں وہ قرابت داخل نہ ہوگی جو ولادت کی راہ سے ہو یعنی موصی جن سے پیدا ہوا ہے یعنی اس کے والدین یا جو موصی سے پیدا ہوا ہو یعنی اس کی اولاد، لہٰذا یہ لوگ اس وصیت میں داخل نہ ہوں گے؛ کیونکہ یہ لوگ اقرباء نہیں کہلاتے ہیں، پس اگر کسی نے اپنے باپ کو قریب کہا تو یہ اس کی طرف سے نافرمانی شمار ہوگی؛ کیونکہ عرف میں قریب وہ ہے جو غیر کے واسطے سے کسی کا قریب ہو اور بندہ کے ساتھ اس کے والد اور ولد کی قرابت بنفسہ ہے غیر کے واسطے سے نہیں ہے پس ظاہر لفظ اگرچہ ان کو شامل ہے مگر اس کے برخلاف اجماع منعقد ہونے کے بعد اس ظاہر لفظ کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا یہ دو عرف میں اقارب میں شامل نہیں ہیں پس امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مذکورہ بالا امور (اصول و فروع کے علاوہ دیگر محرمین) کے ساتھ مقید ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک اسلام میں انتہائی جد اعلیٰ کے ساتھ مقید ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک سب سے قریب باپ کے ساتھ مقید ہے۔

{١} قَالَ : وَإِذَا أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ وَلَهُ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ ، عِنْدَهُ

فرمایا: اور اگر وصیت کی اس کے اقارب کے لیے اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو وصیت اس کے دو چچاؤں کے لیے ہوگی امام صاحبؒ کے نزدیک

اعْتِبَاراً لِلْأَقْرَبِ كَمَا فِي الْإِرْثِ ، وَعِنْدَهُمَا بَيْنَهُمْ أَرْبَاعًا إِذْ هُمَا لَا يَعْتَبِرَانِ

اعتبار کرتے ہوئے اقرب کا جیسا کہ میراث میں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک وصیت تقسیم ہوگی چار حصوں پر؛ کیونکہ صاحبینؒ اعتبار نہیں کرتے ہیں

الْأَقْرَبَ {٢} وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَخَالَيْنِ فَلِلْعَمِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَالنِّصْفُ لِلْخَالَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ

اقرب کا، اور اگر چھوڑے ایک چچا اور دو ماموں، تو چچا کو نصف وصیت ملے گی اور دوسرا نصف ماموں کے لیے ہوگا؛ کیونکہ ضروری ہے

مِنْ اعْتِبَارِ مَعْنَى الْجَمْعِ وَهُوَ الِاثْنَانِ فِي الْوَصِيَّةِ كَمَا فِي الْمِيرَاثِ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى لِذِي قَرَابَتِهِ

اعتبار کرنا جمع کے معنیٰ کا اور جمع دو ہیں وصیت میں جیسا کہ میراث میں ہے، برخلاف اس کے جب وصیت کرے اس کے قرابت دار کے لیے

حَيْثُ يَكُونُ لِلْعَمِّ كُلُّ الْوَصِيَّةِ ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْفَرْدِ فَيَحْرُزُ الْوَاحِدُ كُلَّهَا إِذْ هُوَ الْأَقْرَبُ ، {٣} وَلَوْ كَانَ لَهُ

کہ ہوگی چچا کے لیے پوری وصیت؛ کیونکہ لفظ واحد کے لیے ہے پس لے لے گا ایک ساری وصیت؛ اس لیے کہ وہ اقرب ہے؛ اور اگر ہو اس کے لیے

عَمٌّ وَاحِدٌ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّاهُ ، {٤} وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَعَمَّةً وَخَالًا وَخَالَةً فَالْوَصِيَّةُ لِلْعَمِّ

ایک چچا، تو اس کو نصف ملے گا ثلث کا؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اگر چھوڑا چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ تو وصیت چچا

وَالْعَمَّةِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ لِاسْتِوَاءِ قَرَابَتِهِمَا وَهِيَ أَقْوَى ، {٥} وَالْعَمَّةُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ وَارِثَةً

اور پھوپھی کے درمیان ہوگی برابر؛ ان دونوں کی قرابت مساوی ہونے کی وجہ سے، اور یہ قرابت اقوی ہے، اور پھوپھی اگرچہ وارث نہیں ہے

مُسْتَحِقَّةٌ لِلْوَصِيَّةِ كَمَا لَوْ كَانَ الْقَرِيبُ رَقِيقًا أَوْ كَافِرًا ، وَكَذَا إذَا أَوْصَى لِذَوِي قَرَابَتِهِ أَوْ لِأَقْرِبَائِهِ
مستحق وصیت ہے جیسا کہ اگر قریب غلام ہو یا کافر ہو، اور اسی طرح حکم ہے اگر وصیت کی اپنے قرابت داروں کے لیے یا اپنے اقرباء کے لیے
لِأَنْسِبَائِهِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا ، لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ لَفْظُ جَمْعٍ ،﴿٦﴾وَلَوِ الْعَدَمَ الْمَحْرَمُ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ
اپنے نسب والوں کے لیے ان تمام صورتوں میں جو ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ یہ ہر لفظ جمع ہے، اور اگر معدوم ہو محرم تو باطل ہو جائے گی وصیت
لِأَنَّهَا مُقَيَّدَةٌ بِهَذَا الْوَصْفِ . ﴿٧﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِأَهْلِ فُلَانٍ فَهِيَ عَلَى زَوْجَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ،
کیونکہ یہ وصیت مقید ہے اس وصف کے ساتھ۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی اہل فلاں کے لیے تو یہ اس کی زوجہ کے لیے ہوگی امام صاحبؒ کے نزدیک
وَقَالَا : يَتَنَاوَلُ كُلَّ مَنْ يَعُولُهُمْ وَتَضُمُّهُمْ نَفَقَتُهُ اعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ
اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ شامل ہوگی ان کو جو اس کی پرورش میں ہیں اور جن کو شامل ہے اس کا نفقہ؛ اعتبار کرتے ہوئے عرف کا اور یہ مؤید ہے
بِالنَّصِّ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى { وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ }﴿٨﴾وَلَهُ أَنَّ اسْمَ الْأَهْلِ حَقِيقَةٌ
نص سے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "تم اپنے سب اہل کو میرے پاس لے آؤ" اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسم اہل حقیقت ہے
فِي الزَّوْجَةِ يَشْهَدُ بِذَلِكَ قَوْله تَعَالَى { وَسَارَ بِأَهْلِهِ } وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ تَأَهَّلَ بِبَلْدَةِ كَذَا،
زوجہ میں جس کا شاہد ہے باری تعالیٰ کا قول "اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے" اور اسی سے عربوں کا قول ہے "اس نے اہلیہ بنائی فلاں شہر میں"
وَالْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إلَى الْحَقِيقَةِ . ﴿٩﴾قَالَ : وَلَوْ أَوْصَى لِآلِ فُلَانٍ فَهُوَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ لِأَنَّ الْآلَ
اور مطلق پھرتا ہے حقیقت کی طرف۔ اور اگر کسی نے وصیت کی فلاں کے آل کے لیے تو یہ اس کی اہل بیت کے لیے ہوگی؛ کیونکہ آل
الْقَبِيلَةُ الَّتِي يُنْسَبُ إلَيْهَا ، وَلَوْ أَوْصَى لِأَهْلِ بَيْتِ فُلَانٍ يَدْخُلُ فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ
وہ قبیلہ ہے جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور اگر وصیت کی فلاں کے اہل بیت کے لیے تو داخل ہوگا اس میں فلاں کا باپ اور اس کا دادا
لِأَنَّ الْأَبَ أَصْلُ الْبَيْتِ ، وَلَوْ أَوْصَى لِأَهْلِ نَسَبِهِ أَوْ لِجِنْسِهِ فَالنَّسَبُ عِبَارَةٌ عَمَّنْ يُنْسَبُ إلَيْهِ،
کیونکہ اب اصل ہے بیت کی۔ اور اگر وصیت کی اپنے اہل نسب یا اپنی جنس کے لیے تو نسب عبارت ہے ان سے جن کی طرف موصی منسوب کیا جاتا ہے
وَالنَّسَبُ يَكُونُ مِنْ جِهَةِ الْآبَاءِ ،﴿١٠﴾وَجِنْسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيهِ دُونَ أُمِّهِ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ يَتَجَنَّسُ
اور نسب آباء کی طرف سے ہوتا ہے، اور اس کی جنس اس کے باپ کے اہل بیت ہیں نہ کہ اس کی ماں کے؛ کیونکہ انسان ہم جنس شمار ہوتا ہے
بِأَبِيهِ ، بِخِلَافِ قَرَابَتِهِ حَيْثُ تَكُونُ مِنْ جَانِبِ الْأُمِّ وَالْأَبِ ،﴿١١﴾وَلَوْ أَوْصَى لِأَيْتَامِ بَنِي فُلَانٍ أَوْ لِعُمْيَانِهِمْ

باپ کا، برخلاف اس کی قرابت کے کہ وہ ماں اور باپ دونوں کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور اگر وصیت کی بنوفلاں کے یتیموں کے لیے یا ان کے اندھوں کے لیے

أَوْ لِزَمْنَاهُمْ أَوْ لِأَرَامِلِهِمْ إِنْ كَانُوا قَوْمًا يُحْصَوْنَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فُقَرَاؤُهُمْ

یا ان کے اپاہجوں کے لیے یا ان کی بیواؤں کے لیے، تو اگر وہ اتنی قوم ہوں جو شمار کی جا سکتی ہوں تو داخل ہوں گے وصیت میں ان کے فقراء

وَأَغْنِيَاؤُهُمْ ذُكُورُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيقُ التَّمْلِيكِ فِي حَقِّهِمْ وَالْوَصِيَّةُ تَمْلِيكٌ {١٢} وَإِنْ كَانُوا لَا يُحْصَوْنَ

اغنیاء، مرد اور ان کی عورتیں؛ کیونکہ ممکن ہے تملیک کو ثابت کرنا ان کے حق میں، اور وصیت تملیک ہے، اور اگر وہ بے شمار ہوں،

فَالْوَصِيَّةُ فِي الْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْوَصِيَّةِ الْقُرْبَةُ وَهِيَ فِي سَدِّ الْخَلَّةِ وَرَدِّ الْجَوْعَةِ. وَهَذِهِ الْأَسَامِي

تو وصیت فقط ان کے فقراء کے لیے ہوگی؛ کیونکہ مقصود وصیت سے قربت ہے اور وہ حاجت دور کرنے اور بھوک مٹانے میں ہے، اور یہ نام

تُشْعِرُ بِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ فَجَازَ حَمْلُهُ عَلَى الْفُقَرَاءِ، {١٣} بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى لِشُبَّانِ بَنِي فُلَانٍ

خبر دے رہے ہیں ثبوت حاجت کی، پس جائز ہے اسے حمل کرنا فقراء پر۔ برخلاف اس کے جب وہ وصیت کرے بنوفلاں کے جوانوں کے لیے

وَهُمْ لَا يُحْصَوْنَ أَوْ لِأَيَامَى بَنِي فُلَانٍ وَهُمْ لَا يُحْصَوْنَ حَيْثُ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي اللَّفْظِ مَا يُنْبِئُ

اور وہ بے شمار ہوں یا بنوفلاں کی ایامی کے لیے اور وہ بے شمار ہوں کہ یہ وصیت باطل ہوگی؛ کیونکہ نہیں ہے لفظ میں ایسی چیز جو خبر دے

عَنِ الْحَاجَةِ فَلَا يُمْكِنُ صَرْفُهُ إِلَى الْفُقَرَاءِ، وَلَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ تَمْلِيكًا فِي حَقِّ الْكُلِّ لِلْجَهَالَةِ الْمُتَفَاحِشَةِ

حاجت کی، پس ممکن نہیں ہے اس کو صرف کرنا فقراء کی طرف، اور ممکن نہیں ہے اس کی تصحیح مالک بنانے سے کل کے حق میں؛ بہت زیادہ جہالت کی وجہ

وَتَعَذُّرِ الصَّرْفِ إِلَيْهِمْ، وَفِي الْوَصِيَّةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ يَجِبُ الصَّرْفُ إِلَى اثْنَيْنِ مِنْهُمْ

اور کل کی طرف صرف کرنے کے متعذر ہونے کی وجہ سے، اور فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کرنے میں واجب ہے صرف کرنا ان میں سے دو کی طرف

اعْتِبَارًا لِمَعْنَى الْجَمْعِ، وَأَقَلُّهُ اثْنَانِ فِي الْوَصَايَا عَلَى مَا مَرَّ. {١٤} وَلَوْ أَوْصَى لِبَنِي فُلَانٍ يَدْخُلُ

اعتبار کرتے ہوئے جمع کے معنی کا، اور جمع کا اقل دو ہیں وصیتوں میں جیسا کہ گذر چکا۔ اور اگر وصیت کی بنوفلاں کے لیے تو داخل ہوں گی

فِيهِمُ الْإِنَاثُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ أَوَّلِ قَوْلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا لِأَنَّ جَمْعَ الذُّكُورِ يَتَنَاوَلُ الْإِنَاثَ، ثُمَّ رَجَعَ

اس میں عورتیں امام صاحبؒ کے اول قول کے مطابق اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے؛ کیونکہ جمع مذکر شامل ہوتی ہے عورتوں کو، پھر آپ نے رجوع فرمایا

وَقَالَ: يَتَنَاوَلُ الذُّكُورَ خَاصَّةً لِأَنَّ حَقِيقَةَ الِاسْمِ لِلذُّكُورِ وَانْتِظَامُهُ لِلْإِنَاثِ تَجَوُّزٌ وَالْكَلَامُ

اور کہا کہ یہ شامل ہے خاص کر مردوں کو؛ کیونکہ اس اسم کی حقیقت مردوں کے لیے ہے اور عورتوں کو اس کا شمول مجاز ہے، اور کلام

لِحَقِيقَتِهِ {١٥} بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بَنُو فُلَانٍ اسْمَ قَبِيلَةٍ أَوْ فَخِذٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الذُّكُورَ وَالْإِنَاثَ لِأَنَّهُ لَيْسَ

ری ہدایت کے لیے ہوتا ہے، برخلاف اس کے جب وہ فلاں نام کسی قبیلہ یا فخذ کا کہ یہ شامل ہو گا مردوں اور عورتوں کو؛ کیونکہ مراد

بِهَا أَعْيَانُهُمْ إِذْ هُوَ مَجْهُوْدُ الْانْتِسَابِ كَبَنِي آدَمَ وَلِهَذَا يَدْخُلُ فِيهِ مَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَالْمُوَالَاةِ وَحُلَفَاؤُهُمْ.

لیے جاتے ہیں اس سے، ان کے اعیان اس لیے کہ یہ فقط انتساب ہے جیسے بنو آدم، اسی لیے داخل ہیں اس میں مولی العتاقہ، مولی الموالات

اور ان کے حلفاء۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنے اقارب کے لیے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے قریبوں میں سے فقط دو چچا اور دو ماموں موجود ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اقرب فالا قرب کا اعتبار کرتے ہوئے یہ وصیت فقط اس کے دونوں چچاؤں میں نصف نصف ہوگی جیسا کہ میراث میں اسی طرح ہوتا ہے کہ چچا اور ماموں موجود ہونے کی صورت میں میراث فقط چچا کو ملتی ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک چار حصے کرکے ان چاروں میں تقسیم کیے جائیں گے؛ کیونکہ صاحبین اقرب کا اعتبار نہیں کرتے ہیں۔

{۲} اور اگر اس نے اقارب میں فقط ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے تو چچا کے لیے نصف وصیت ہوگی کل نہ ہوگی اگرچہ وہ اقرب ہے اور باقی نصف اس کے دونوں ماموں کے درمیان برابر ہوگی؛ کیونکہ لفظِ اقارب میں جمع کے معنیٰ کا اعتبار ضروری ہے اور جمع یہاں وصیت میں بھی میراث کی طرح دو عدد ہے حالانکہ چچا صرف ایک ہے تو اس کو نصف دیکر باقی اس کے بعد جو اقرب ہوں ان کو دی جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر اس نے قرابت والے کے لیے وصیت کی حالانکہ اس کے ایک چچا اور دو ماموں موجود ہیں تو ایسی صورت میں کل وصیت اس کے چچا کے لیے ہوگی؛ کیونکہ یہ لفظ مفرد کے لیے ہے اس لیے ایک ہی کل وصیت لے جائے گا۔

{۳} اور اگر اس نے اقارب کے لیے وصیت کی اور اس کا ایک ہی چچا ہو تو اس کو ثلث میں سے نصف ملے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ لفظِ جمع کے معنیٰ کا اعتبار ضروری ہے جو وصیت میں کم از کم دو ہیں تو ایک کو نصف ملے گا اور باقی نصف موصی کے ورثہ کو ملے گا۔

{۴} اور اگر اس نے ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑی اور ان کے ساتھ ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑی اور وصیت اقارب کے لفظ سے کی ہو تو کل وصیت اس کے چچا اور پھوپھی کے درمیان مساوی نصف نصف ہوگی؛ کیونکہ چچا اور پھوپھی دونوں کی قرابت برابر ہے اور ان کی قرابت بنسبت ماموں اور خالہ کی قرابت کے زیادہ قوی ہے اس لیے اس صورت میں ماموں اور خالہ محروم ہوں گے۔

{۵} اور پھوپھی اگرچہ وارث نہیں ہوتی ہے یعنی وراثت میں عصبہ نہیں ہوتی ہے تاہم وصیت کی مستحق ہوگی جیسے اگر قریب کسی غیر کا غلام ہو یا کافر ہو تو وہ وصیت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ وہ وارث نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوا کہ وصیت کی صورت میں

وارث ہونے کے اعتبار سے ترجیح نہیں ہے بلکہ قوتِ قرابت کے اعتبار سے ترجیح ہے اور پھوپھی بنسبت ماموں کے قرابت میں قوی ہے اور چچا کے ساتھ مساوی ہے اس لیے وصیت کی مستحق ہوگی۔

اور اسی اقارب کی طرح اگر اس نے اپنے قرابت والوں کے لیے یا اپنے اقرباء کے لیے یا اپنے نسب والوں کے لیے وصیت کی تو مذکورہ تمام مسائل میں جو اقارب کا حکم ہے وہی حکم ان کا بھی ہوگا؛ کیونکہ یہ سب بھی ہر ایک لفظ جمع ہے لہٰذا ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو اقارب کا ہے۔

{٦} اور اگر موصی نے اقرباء کے لیے وصیت کی حالانکہ اس کا کوئی محرم نہیں ہے تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ وصیت اس وصف کے ساتھ مقید ہے یعنی اس کی غرض اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی ہے اور جو بطورِ صلہ ثابت ہو وہ ذو رحم محرم کے ساتھ مختص ہوتا ہے پس جب محرمیت معدوم ہے تو وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ مقید بالوصف اس وصف کے بغیر ثابت نہیں ہوتا ہے۔

{٧} اگر کسی نے اہلِ فلاں کے لیے وصیت کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ لفظ اس کی بیوی پر واقع ہوگا لہٰذا یہ وصیت اس کی بیوی کے لیے ہوگی۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کے اہل میں عرف کے اعتبار سے ہر وہ شخص داخل ہے جو اس کے عیال میں ہو یعنی جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہو اور اس قول کی تائید نصِ قرآن سے ہوئی ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ[1]﴾ یعنی یوسف علیہ السّلام نے تعارف کے بعد اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم اپنے سب اہل سمیت میرے پاس آؤ چنانچہ یہ لوگ اپنی بیویوں، اولاد اور خادموں وغیرہ کے ساتھ مصر کی طرف منتقل ہوگئے، لہٰذا یہ تصریح ہے کہ اہل کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے۔

{٨} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہل کا لفظ در حقیقت زوجہ کے معنی میں ہے پس اس پر عمل ممکن ہونے کی صورت میں زوجہ کے غیر کی طرف متجاوز نہ ہوگا جس کا شاہد باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ[2]﴾ (پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کرلی، اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے)، اور اسی معنی میں عرب کا قول ہے کہ "تَأَهَّلَ بِبَلْدَةِ كَذَا" (اس نے فلاں شہر میں تأہل کیا) یعنی فلاں شہر میں زوجہ نکاح میں لے لی، اور جو لفظ مطلق ذکر ہو وہ حقیقی معنی کی طرف پھر جاتا ہے اور یہاں وصیت میں بھی اس نے مطلق اہلِ فلاں کہا تو اہل سے اس کا حقیقی معنی یعنی زوجہ مراد ہوگی۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ: قُلْت وَجَوَابُهُ فِي الْمُطَوَّلَاتِ) وَهُوَ أَنَّ الِاسْمَ - حَقِيقَةً - لِلزَّوْجَةِ يَشْهَدُ بِذَلِكَ النَّصُّ وَالْعُرْفُ. قَالَ تَعَالَى - {وَسَارَ بِأَهْلِهِ} [القصص: 29]- وَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا - وَمِنْهُ

([1]) یوسف:93۔
([2]) القصص:29۔

قَوْلُهُ: أَهْلُ بَلْدَةِ كَذَا، وَالْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْحَقِيقَةِ الْمُسْتَعْمَلَةِ وَزَيْلَعِيٌّ يُشِيرُ إِلَى أَنَّ مَا اسْتَدَلَّا بِهِ غَيْرُ مُطْلَقٍ غَرِيبَةُ الِاسْتِثْنَاءِ وَمَيْلُ الشَّارِحِ إِلَى تَرْجِيحِ قَوْلِ الْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ هُوَ الْقِيَاسَ وَلِذَا قَالَ فِي الدُّرِّ الْمُنْتَقَى، وَلَكِنَّ الْمُتُونَ عَلَى قَوْلِهِ وَقَدَّمَهُ الْمُصَنِّفُ فَلْيُحْفَظْ أَيْضًا اهـ (ردّ المحتار: ۵ص 424)

{۹} اگر کسی نے آل فلاں کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت اس کی اہل بیت کے لیے ہوگی؛ کیونکہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی طرف یہ شخص منسوب کیا جاتا ہے لہذا یہ وصیت فلاں کی اہل بیت کے لیے ہوگی۔

اور اگر زید نے خالد کے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو وصیت میں خالد کا باپ اور اس کا دادا داخل ہوگا؛ کیونکہ باپ گھرانے کے لیے اصل ہوتا ہے پس باپ اور باپ کا باپ وصیت میں داخل ہے۔ اور اگر کسی نے فلاں کے اہل نسب کے لیے یا اس کی جنس کے لیے وصیت کی تو نسب ایسے شخص سے عبارت ہے جس کے نسب کی طرف وہ منسوب ہو، اور نسب باپ اور دادا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

{۱۰} اسی طرح فلاں کی جنس وہ لوگ ہیں جو اس کے باپ کے خاندان سے ہیں نہ کہ اس کی ماں کے خاندان والے؛ کیونکہ آدمی اپنے باپ کے ساتھ ہم جنس ہوتا ہے۔ برخلاف فلاں کی قرابت کے کہ یہ اس کے باپ کے خاندان کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ کیونکہ قرابت ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوتی ہے چنانچہ ماں کی طرف سے نانا، نانی اور خالہ، ماموں وغیرہ سب اس کے قرابت والے ہیں۔

{۱۱} اگر کسی نے بنو فلاں کے یتیموں کے لیے وصیت کی، یا بنو فلاں کے اندھوں یا اپاہجوں یا رانڈوں (وہ عورت جس کا شوہر مر چکا ہو) کے لیے وصیت کی تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ لوگ معدود اور شمار میں آتے ہوں تو وصیت میں ان کے فقراء اور اغنیاء، ان کے مرد اور عورتیں سب داخل ہوں گے؛ کیونکہ معدود ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں ممکن ہے کہ ان کو حقیقۃً مالک کیا جائے اور وصیت کا یہی معنی ہے کہ موصی لہ کو مالک کیا جائے۔

{۱۲} اور اگر یہ لوگ اس قدر کثیر ہوں کہ شمار نہ ہو سکتے ہوں تو اس صورت میں یہ وصیت ان میں سے فقراء کے لیے ہوگی؛ کیونکہ وصیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قربت ہوتی ہے اور قربت کسی محتاج کی حاجت دفع کرنے اور اس کی بھوک دور کرنے میں ہے اور یہ نام (یتیم، اندھا، اپاہج اور رانڈ عورت) بھی محتاجی متحقق ہونے کی خبر دیتے ہیں تو فقراء پر محمول کرنا جائز ہے۔

{۱۳}اس کے برخلاف اگر بنو فلاں کے نوجوانوں کے لیے وصیت کی اور وہ بے شمار ہوں، یا بنو فلاں کی بے شوہر عورتوں کے لیے وصیت کی اور وہ بے شمار ہوں، تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی، اور ان نوجوانوں میں سے فقراء کو بھی نہیں ملے گی؛ کیونکہ اس لفظ میں ایسی بات نہیں جو محتاجی کی خبر دے تو فقیروں کی جانب اس کو پھیرنا ممکن نہ ہوگا اور نہ تمام نوجوانوں کے حق میں بطور تملیک کے اس وصیت کو صحیح کرنا ممکن ہے؛ کیونکہ نوجوانوں میں جہالت شدید ہے اس لیے ان کی طرف پھیرنا متعذر ہے۔

اور جس صورت میں وصیت فقیروں اور مسکینوں کے لیے واقع ہو تو جمع کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ہر قسم کے دو آدمیوں کی طرف وصیت پھیرنا واجب ہے اور وصایا میں کمتر جمع دو عدد ہے جیسا کہ اسی باب میں گذر چکا کہ میراث میں کمتر جمع دو ہے تو وصیت میں بھی کمتر جمع دو ہے۔

{۱۴}اور اگر بنو فلاں کے لیے وصیت کی تو اس میں امام ابو حنیفہؒ کے اول قول کے مطابق عورتیں داخل ہوں گی، اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے؛ کیونکہ مذکر کی جمع عورتوں کو شامل ہوتی ہے۔ پھر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا اور کہا کہ یہ وصیت فقط بیٹوں یعنی مذکروں کے لیے ہوگی؛ کیونکہ اس لفظ کا حقیقی معنی فقط مذکر ہیں اور عورتوں کو شامل ہونا بطورِ مجاز ہے حالانکہ کلام اپنے حقیقی معنی کے لیے ہوتا ہے لہٰذا اس سے فقط مذکر ہی مراد ہوں گے۔

{۱۵}اس کے برخلاف اگر بنو فلاں کسی قبیلہ یا قبیلے کی کسی شاخ کا نام ہو تو اس صورت میں یہ لفظ اس قبیلہ یا شاخ کے مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہوگا؛ کیونکہ اس لفظ سے ابناء کے اعیان مراد نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ تو فقط نسبت کے لیے ہے جیسے بنو آدم سے مشخص ابناء مراد نہیں ہوتے ہیں بلکہ بنات بھی مراد ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس نسبت میں اس قبیلے کے مولی العتاقہ اور مولی الموالات اور حلیف لوگ بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

ف:۔ مولی العتاقہ مثلاً بنو عباس یا بنو امیہ ایک غیر محصور جماعت ہے تو انہوں نے جس غلام کو آزاد کیا تو وہ بھی بنو العباس یا بنو امیہ ہی سے کہلائے گا یعنی اسی قبیلہ کی طرف منسوب رہے گا۔ اور مولی الموالات سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو، اور اسی شخص سے یا کسی اور مسلمان شخص سے کہے کہ میں تم سے موالات کرتا ہوں، اس طرح کہ اگر میری موت ہو تو میری میراث تمہیں حاصل ہوگی، اور اگر مجھ سے کوئی جنایت ہوگئی، تو دیت کی ادائیگی میں تم اور تمہارے عاقلہ رشتہ دار شریک ہوں گے، اس صورت اگر اس شخص کا انتقال ہو جائے تو ذوی الفروض، عصبہ اور ذوی الارحام کا حق مقدم ہوگا، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں وہ شخص متروکہ کا حقدار ہوگا جس سے اس نے ولاء موالات کیا تھا۔ حلفاء وہ لوگ ہیں جو باہمی مدد کرنے پر قسم کھائیں۔

﴿۱﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى فِيهِ سَوَاءٌ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی فلاں کے ولد کے لیے تو وصیت ان میں مشترک ہوگی، مرد اور عورت اس میں برابر ہوں گے

لِأَنَّ اسْمَ الْوَلَدِ يَنْتَظِمُ الْكُلَّ انْتِظَامًا وَاحِدًا . وَمَنْ أَوْصَى لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ

کیونکہ اسم ولد انتظامِ واحد کے ساتھ شامل ہے سب کو، اور جس نے وصیت کی فلاں کے ورثہ کے لیے تو وصیت ان کے درمیان

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا نَصَّ عَلَى لَفْظِ الْوَرَثَةِ آذَنَ ذَلِكَ بِأَنَّ قَصْدَهُ التَّفْضِيلَ

للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق ہوگی؛ کیونکہ جب اس نے تصریح کی لفظ ورثہ کی تو اس نے خبر دی اس کی کہ اس کا قصد تفضیل ہے

كَمَا فِي الْمِيرَاثِ . ﴿۲﴾وَمَنْ أَوْصَى لِمَوَالِيهِ وَلَهُ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ

جیسے میراث میں ہوتی ہے۔ اور جس نے وصیت کی اپنے موالی کے لیے اور اس کے بعض موالی ایسے ہیں جن کو اس نے آزاد کیا ہے

وَمَوَالٍ أَعْتَقُوهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ . ﴿۳﴾وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي بَعْضِ كُتُبِهِ : إنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُمْ جَمِيعًا،

اور بعض موالی وہ ہیں جنہوں نے اس کو آزاد کیا ہے تو یہ وصیت باطل ہے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں کہ وصیت ان سب کے لیے ہے

وَذَكَرَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ أَنَّهُ يُوقَفُ حَتَّى يَصَالِحُوا .لَهُ أَنَّ الِاسْمَ يَتَنَاوَلُهُمْ

اور ذکر کیا ہے ایک اور موقع پر کہ روکا جائے گا یہاں تک کہ موالی آپس میں مصالحت کرلیں؛ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ ان سب کو شامل ہے

لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمْ يُسَمَّى مَوْلًى فَصَارَ كَالْإِخْوَةِ . ﴿۴﴾وَلَنَا أَنَّ الْجِهَةَ مُخْتَلِفَةٌ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا يُسَمَّى مَوْلَى النِّعْمَةِ

کیونکہ ہر ایک کو ان میں سے مولی کہتے ہیں پس ہو گیا اخوۃ کی طرح۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت مختلف ہے؛ کیونکہ ایک کو مولی النعمۃ کہا جاتا ہے

وَالْآخَرُ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ فَصَارَ مُشْتَرَكًا فَلَا يَنْتَظِمُهُمَا لَفْظٌ وَاحِدٌ فِي مَوْضِعِ الْإِثْبَاتِ ، بِخِلَافِ مَا

اور دوسرے کو منعم علیہ کہا جاتا ہے پس یہ لفظ مشترک ہو گیا اس لیے شامل نہ ہوگا ان دونوں کو ایک لفظ موضع اثبات میں، برخلاف اس کے

إذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ مَوَالِيَ فُلَانٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ لِأَنَّهُ مَقَامُ النَّفْيِ وَلَا تَنَافِي

جب قسم لے کہ بات نہیں کرے گا فلاں کے موالی سے کہ یہ شامل ہوگا اعلیٰ اور اسفل دونوں کو؛ کیونکہ یہ مقام نفی ہے، اور کوئی منافات نہیں ہے

فِيهِ.﴿۵﴾وَيَدْخُلُ فِي هَذِهِ الْوَصِيَّةِ مَنْ أَعْتَقَهُ فِي الصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ ، وَلَا يَدْخُلُ مُدَبَّرُوهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ

اس میں۔ اور داخل ہوں گے اس وصیت میں وہ جن کو وہ آزاد کر دے صحت اور مرض میں، اور داخل نہ ہوں گے اس کے مدبر اور اس کی امہات اولاد

لِأَنَّ عِتْقَ هَؤُلَاءِ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْوَصِيَّةُ تُضَافُ إلَى حَالَةِ الْمَوْتِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ الِاسْمِ قَبْلَهُ.

کیونکہ ان کا عتق ثابت ہوتا ہے موت کے بعد، اور وصیت منسوب ہوتی ہے حالت موت کی طرف، پس ضروری ہے تحقق اسم موت کے وقت

﴿٦﴾ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُمْ يَدْخُلُونَ لِأَنَّ سَبَبَ الِاسْتِحْقَاقِ لَازِمٌ. ﴿٧﴾ وَيَدْخُلُ فِيهِ عَبْدٌ قَالَ لَهُ مَوْلَاهُ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ لوگ داخل ہوں گے؛ کیونکہ سبب استحقاق لازم ہے۔ اور داخل ہوگا اس میں وہ غلام جس کو اس کے مولیٰ نے کہا ہو

إِنْ لَمْ أَضْرِبْكَ فَأَنْتَ حُرٌّ لِأَنَّ الْعِتْقَ يَثْبُتُ قُبَيْلَ الْمَوْتِ عِنْدَ تَحَقُّقِ عَجْزِهِ. ﴿٨﴾ وَلَوْ كَانَ لَهُ

اگر میں نے تجھے نہیں مارا تو تم آزاد ہو؛ کیونکہ عتق ثابت ہوتا ہے موت سے کچھ پہلے اس کا عجز ثابت ہونے کے وقت۔ اور اگر ہوں اس کے لیے

مَوَالٍ وَأَوْلَادُ مَوَالٍ وَمَوَالِي مُوَالَاةٍ يَدْخُلُ فِيهَا مُعْتَقُوهُ وَأَوْلَادُهُمْ دُونَ مَوَالِي الْمُوَالَاةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

موالی اور موالی کی اولاد، اور موالی موالات تو داخل ہوں گے اس میں اس کے آزاد کردہ اور ان کی اولاد نہ کہ موالی الموالات، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے

أَنَّهُمْ يَدْخُلُونَ أَيْضًا وَالْكُلُّ شُرَكَاءُ لِأَنَّ الِاسْمَ يَتَنَاوَلُهُمْ عَلَى السَّوَاءِ. ﴿٩﴾ وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ:

کہ موالی الموالات بھی داخل ہوں گے، اور کل شریک ہوں گے؛ کیونکہ یہ لفظ ان کو شامل ہے یکساں طور پر، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ

الْجِهَةُ مُخْتَلِفَةٌ، فِي الْمُعْتَقِ الْإِنْعَامُ، وَفِي الْمَوَالِي عَقْدُ الِالْتِزَامِ وَالْإِعْتَاقُ لَازِمٌ فَكَانَ الِاسْمُ لَهُ أَحَقَّ

جہت مختلف ہے معتق میں انعام کی جہت ہے اور موالی میں عقدِ التزام کی، اور اعتاق لازم ہے پس یہ لفظ اس کے لیے زیادہ مناسب ہے،

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مَوَالِي الْمَوَالِي لِأَنَّهُمْ مَوَالِي غَيْرِهِ حَقِيقَةً، ﴿١٠﴾ بِخِلَافِ مَوَالِيهِ وَأَوْلَادِهِمْ

اور داخل نہ ہوں گے ان میں موالی کے موالی؛ کیونکہ یہ موصی کے غیر کے موالی ہیں حقیقۃً، برخلاف موصی کے موالی اور ان کی اولاد کے

لِأَنَّهُمْ يُنْسَبُونَ إِلَيْهِ بِإِعْتَاقٍ وُجِدَ مِنْهُ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ

کیونکہ یہ لوگ منسوب ہیں موصی کی طرف ایسے اعتاق کی وجہ سے جو پایا گیا ہے اس کی طرف، اور برخلاف اس کے جب نہ ہوں اس کے لیے

مَوَالٍ وَلَا أَوْلَادُ الْمَوَالِي لِأَنَّ اللَّفْظَ لَهُمْ مَجَازٌ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ اعْتِبَارِ الْحَقِيقَةِ. ﴿١١﴾ وَلَوْ كَانَ

موالی اور نہ اولادِ موالی؛ کیونکہ لفظ ان کے لیے مجاز ہے پس پھیر اجائے گا اس کی طرف اعتبارِ حقیقت متعذر ہونے کے وقت۔ اور اگر ہو

لَهُ مُعْتَقٌ وَاحِدٌ وَمَوَالِي الْمَوَالِي فَالنِّصْفُ لِمُعْتَقِهِ وَالْبَاقِي لِلْوَرَثَةِ لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ

اس کے لیے ایک معتق، اور موالی الموالات، تو نصف اس کے معتق کے لیے ہوگا اور باقی ورثہ کے لیے؛ بوجہ متعذر ہونے جمع کرنے کے

بَيْنَ الْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ ابْنُهُ أَوْ أَبُوهُ لِأَنَّهُمْ

حقیقت اور مجاز کے درمیان، اور داخل نہ ہوں گے اس میں وہ موالی جن کو آزاد کیا ہے موصی کے بیٹے یا اس کے باپ نے؛ کیونکہ وہ

لیسُوا بِمَوَالِیهِ لَا حَقِیقَةً وَلَا مَجَازًا ،{۱۲}وَإِنَّمَا یُحْرِزُ مِیرَاثَهُمْ بِالْعُصُوبَةِ ، بِخِلَافِ مُعْتَقِ الْبَعْضِ لِأَنَّهُ یُنْسَبُ إِلَیْهِ بِالْوَلَاءِ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ان کے موالی نہیں ہیں نہ حقیقۃً اور نہ مجازاً، اور موصی ان کی میراث لیتا ہے عصوبت کی وجہ سے، برخلاف معتق البعض کے کیونکہ وہ منسوب ہوتا ہے اس کی طرف ولاء کے ذریعہ، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تشریح:۔{۱}اگر کسی نے فلاں کی اولاد کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت فلاں کی اولاد پر تقسیم ہوگی جس میں فلاں کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں برابر ہوں گے؛ کیونکہ ولد کا لفظ ان سب کو ایک ہی شمول (بطورِ حقیقت) سے شامل ہے تو جیسے لڑکا اور مرد مستحق ہوگا اسی طرح لڑکی اور عورت بھی مستحقہ ہوگی۔

اگر کسی نے فلاں کے ورثہ کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت ان کے درمیان تقسیم ہوگی اور مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے گا؛ کیونکہ جب موصی نے لفظ ورثہ کی تصریح کی تو اس نے بتلادیا کہ موصی کا مقصود ویسی ہی تفضیل ہے جیسے میراث میں ہوتی ہے یعنی جس طرح میراث میں مذکر کو عورت سے دوگنا حصہ ملتا ہے اسی طرح یہاں بھی مذکر کو دوگنا ملے گا۔

ف:۔ جن کو بندہ آزاد کردے ان کو بھی موالی کہتے ہیں اور جو لوگ اس کو آزاد کردے ان کو بھی موالی کہتے ہیں یعنی آزاد کردہ اور آزاد کنندہ دونوں کو موالی کہتے ہیں۔

{۲}اگر کسی نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے چند وہ موالی ہیں جن کو اس نے آزاد کیا ہے اور موصی کے چند موالی وہ ہیں جنہوں نے اس کو آزاد کیا ہے تو یہ وصیت باطل ہے؛ کیونکہ اس کی تعمیل نہیں ہوسکتی ہے اس لیے کہ یہ معلوم نہیں کہ موالی سے یہاں اس کے آزاد کنندہ مراد ہیں یا اس کے آزاد کردہ مراد ہیں۔

{۳}امام شافعیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ یہ وصیت ان دونوں فریق کے لیے ہوگی، اور ایک دوسرے مقام پر امام شافعیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ وصیت روک دی جائے گی یہاں تک کہ وہ دونوں فریق باہم صلح کرلیں یعنی اس طرح صلح کرلیں کہ یہ مال ہم دونوں فریقوں کو دیدیا جائے اور یہ ہم دونوں میں مشترک ہوگا جب دونوں فریق اس طرح صلح کرلیں تو یہ وصیت جائز ہوجائے گی؛ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ موالی ان دونوں فریقوں کو شامل ہے؛ کیونکہ ان میں ہر ایک کو مولیٰ کہتے ہیں تو یہ ایسا ہے جیسے بھائیوں کا لفظ ہے مثلاً زید کے بھائیوں کے لیے وصیت کی حالانکہ زید کے مختلف بھائی ہیں یعنی حقیقی اور اخیافی اور علاتی بھائی ہیں تو چونکہ بھائی کا لفظ ان سب پر صادق ہے لہٰذا یہ وصیت زید کے سب بھائیوں کے لیے ہوگی۔

{۴} ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت مختلف ہے؛ کیونکہ ایک فریق (آزاد کرنے والوں) کو موالی نعمت کہتے ہیں اور دوسرے فریق (آزاد کئے ہوئے) کو منعم علیہ کہتے ہیں تو یہ لفظ ان دونوں میں مشترک ہو گیا اور اثبات کے موقع میں ایک مشترک لفظ اپنے دونوں افراد کو شامل نہیں ہوتا ہے لہذا یہ وصیت باطل ہو گی۔

اس کے برخلاف اگر قسم کھائی کہ فلاں کے موالی سے کلام نہیں کروں گا تو یہ اعلیٰ (فلاں کے آزاد کرنے والے) اور اسفل (فلاں کے آزاد کئے ہوئے) سب کو شامل ہو گا؛ کیونکہ یہ نفی کا مقام ہے اور نفی کے مقام میں مشترک میں عموم ہوتا ہے اور نفی کی صورت میں دونوں قسموں کو مراد لینے میں کچھ منافات نہیں ہے؛ کیونکہ نفی کرنا مختلف بلکہ متضاد چیزوں کا ایک کلمہ سے ممکن ہے حتیٰ کہ جہاں میں جس قدر چیزیں ہیں اور باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں سب سے الوہیت کی نفی کلمہ توحید سے کر دی گئی ہے۔

{۵} اور موالی کے لیے وصیت میں اس کے سب آزاد کئے ہوئے داخل ہوں گے خواہ اس کو صحت میں آزاد کیا ہو یا مرض میں آزاد کیا ہو؛ کیونکہ موصی کی موت کے بعد جو نفاذ وصیت کا وقت ہے اس وقت ان میں سے ہر ایک آزاد ہے۔

اور اس وصیت میں اس کے مدبر مملوک اور اس کی ام ولد باندیاں داخل نہ ہوں گی؛ کیونکہ ان لوگوں کا آزاد ہونا موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے حالانکہ وصیت تو موت کی حالت کی جانب مضاف ہوتی ہے تو موت سے پہلے یہ نام (مولی نام) متحقق ہو جانا ضروری ہے یعنی وصیت کا مستحق وہی ہو گا جو موصی کی موت کے وقت آزاد کیا ہوا مولی ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ موت سے پہلے اس کی آزادی پوری ہو چکی ہو جبکہ ام ولد اور مدبر کی آزادی موصی کی موت کے بعد پوری ہوتی ہے اس لیے یہ لوگ موالی کے لیے کی گئی وصیت میں داخل نہ ہوں گے۔

{۶} امام ابو یوسف سے نوادر میں مروی ہے کہ وصیت میں اس کی ام ولد و مدبر لوگ بھی شامل ہوں گے؛ کیونکہ ان کی آزادی کے استحقاق کا سبب (تدبیر اور استیلاد) بھی لازم اور ثابت ہے اور قاعدہ ہے کہ جس کا سبب لازم ہو وہ مسبب (آزادی) بھی لازم ہو گا تو ام ولد گویا ابھی سے آزاد ہو گئی لیکن شریعت نے موصی کی زندگی تک اس کو فائدہ اٹھانے کا حق دیا ہے اسی طرح جس غلام کو یا باندی کو مدبر کر دیا اس سے وہ اب رجوع نہیں کر سکتا تو زندگی بھر شریعت نے اس سے خدمت لینے کا حق دیا ہے ورنہ وہ ابھی سے آزادی کا مستحق ہے یہی وجہ ہے کہ مولیٰ ام ولد یا مدبر کو فروخت نہیں کر سکتا ہے پس جب ان کے لیے ابھی سے آزادی لازم ہے تو وہ موالی کی وصیت میں داخل ہوں گے۔

فتویٰ: ظاہر الروایۃ راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشہید: والراجح ھو عدم الدخول وھو الاصح وتعبیر الھدایۃ ھنا یشعر بھذا حیث قال عن ابی یوسف ولم یقل عنده، صرح به فی العنایة وغیرھا من شروح الھدایة (ھامش الھدایة: 4ص679)

﴿7﴾اور وہ غلام اس وصیت میں داخل ہو جائے گا جس کو موصی نے کہا ہو کہ "اگر میں نے تجھے نہ مارا تو تو آزاد ہے" پھر اس کو نہیں مارا یہاں تک کہ موصی مر گیا تو یہ غلام مذکورہ وصیت میں داخل ہو گا؛ کیونکہ موصی کی موت سے کچھ دیر پہلے جب اس کو مارنے سے موصی کی عاجزی ثابت ہو گئی تو اس غلام کی آزادی بھی ثابت ہو گئی اور یہ عاجزی موصی کی موت سے کچھ پہلے ثابت ہو جاتی ہے تو یہ غلام اسی وقت آزاد ہو گا لہٰذا موصی کی موت کے وقت وہ آزاد ہے اس لیے موالی کی وصیت میں یہ داخل ہو گا۔

﴿8﴾اور اگر زید کے موالی ہوں اور موالی کی اولاد ہوں، اور زید کے مولی الموالات بھی ہوں تو مولی الموالات وصیت کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ آزاد کئے ہوئے موالی اور ان کی اولاد اس وصیت میں داخل ہوں گے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مولی الموالات بھی اس وصیت میں داخل ہوں گے اور سب قسم کے موالی اس میں مساوی شریک ہوں گے؛ کیونکہ موالی کا لفظ ان سب کو یکساں شامل ہے لہٰذا اس وصیت میں سب داخل ہوں گے۔

﴿9﴾لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں فریق پر موالی کے اطلاق کی جہت مختلف ہے یعنی آزاد کردہ پر انعام کرنے کے اعتبار سے مولی کا اطلاق ہوتا ہے بمعنی انعام کیا ہوا، اور مولی الموالات کو عقدِ موالات کا التزام کرنے کی جہت سے مولی کہتے ہیں یعنی موالات کیا ہوا تو مولی کا اطلاق ان دونوں پر مشترک طور پر ہوتا ہے اور سابق میں گذر چکا کہ ایک لفظ اثبات کے موقع پر دونوں کو شامل نہیں ہوتا ہے، لیکن یہاں آزاد کئے ہوئے کی ترجیح ممکن ہے؛ کیونکہ اعتاق لازم ہے اور موالات لازم نہیں ہے تو مولی کا لفظ آزاد کئے ہوئے کے لیے احق اور ارجح ہو گا اس لیے وصیت کا استحقاق فقط آزاد کئے ہوئے کے لیے ہو گا۔ اور آزاد کئے ہوئے موالی میں خود ان کے موالی داخل نہ ہوں گے؛ کیونکہ یہ لوگ در حقیقت موصی کے علاوہ دوسرے (موالی) کے آزاد کئے ہوئے ہیں تو موصی کی وصیت صرف اس کے آزاد کئے ہوئے مملوکوں کے لیے ہو گی۔

فتویٰ: امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشہید: رجح فی الکافی وغیرہ قول محمد وعلیه اعتمد فی الفتاوی الھندیة، ولا یخفی ان بناء ھذه المسائل انما ھو علی العرف لا الدلیل المأثور (ھامش الھدایة: 4ص679)

{۱۰} برخلاف موصی کے موالی اور ان کی اولاد کے کہ یہ سب موصی کی طرف ایسے اعتاق کی وجہ سے منسوب ہیں جو موصی کے فعل سے پایا گیا اگرچہ موالی کی اولاد کو اس نے اپنے لفظ سے آزاد نہیں کیا ہے لیکن انکا آزاد پیدا ہونا اسی وجہ سے ہے کہ ان کے ماں باپ کو موصی ہی نے آزاد کیا ہے تو موصی ہی کے اعتاق سے ان کا عتق حاصل ہوا ہے اس لیے مذکورہ وصیت میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔

اس کے برخلاف اگر موصی کے حقیقی موالی یا ان کی اولاد موجود نہ ہوں تو یہ وصیت اس کے موالی کے موالی کے لیے ہوگی یعنی جن کو اس کے موالی نے آزاد کیا ہو وہ مستحق ہوں گے؛ کیونکہ لفظ موالی موصی کے موالی کے آزاد کئے ہوئے لوگوں کے لیے مجاز ہے یعنی وہ بھی مجازاً موصی کے موالی کہلاتے ہیں تو جس صورت میں لفظِ موالی کا حقیقی معنی معتبر نہ ہو تو اس کے مجازی معنی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

{۱۱} اور اگر موصی کا حقیقی آزاد کیا ہوا صرف ایک موجود ہو اور اس آزاد کردہ کے آزاد کئے ہوئے لوگ بھی موجود ہوں جن کو مجازاً موصی کے موالی کہتے ہیں تو اس صورت میں نصف وصیت اس کے حقیقی مولی کو دی جائے گی اور باقی موصی کے وارثوں کے لیے ہوگی، آزاد کردہ کے موالی کو کچھ نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ ہم حقیقی مولی کے ساتھ مولی کے موالی کو جمع نہیں کر سکتے؛ کیونکہ حقیقی معنی اور مجازی معنی کو جمع کرنا ممنوع ہے۔

اور موالی کی وصیت میں ایسے موالی داخل نہیں ہو سکتے ہیں جن کو موصی کے بیٹے یا موصی کے باپ نے آزاد کیا ہو؛ کیونکہ یہ لوگ نہ حقیقۃً اور نہ مجازاً موصی کے موالی ہیں اس لیے کہ ان کو موصی نے مباشرۃً آزاد کیا ہے اور نہ ان کی آزادی کا سبب بنا ہے اس لیے یہ لوگ لفظِ موالی کے تحت میں داخل نہیں ہوں گے۔

{۱۲} سوال یہ ہے کہ بندہ اپنے باپ یا اپنے بیٹے کے موالی کا وارث ہوتا ہے ظاہر ہے کہ یہ ولاء ہی کی وجہ سے ہے لہٰذا ہونا چاہیئے کہ موالی کی وصیت میں یہ لوگ داخل ہوں؟ جواب یہ ہے کہ ان کی میراث پانا عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ ولاء اس کی طرف منتقل ہو گئی ہے اس لیے موالی کی وصیت میں یہ لوگ داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کیا تو اس نے اگر اپنے موالی کے لیے وصیت کی تو یہ معتق البعض اس وصیت میں داخل ہوگا؛ کیونکہ یہ حقیقۃً اس کا آزاد کردہ مولیٰ ہے لہٰذا موالی کے لیے کی گئی وصیت میں داخل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنَى وَالْخِدْمَةِ وَالثَّمَرَةِ

یہ باب سکنی، خدمت اور پھل کی وصیت کے بیان میں ہے۔

مصنف اعیان کی وصیت کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے ان وصایا کے احکام بیان فرماتے ہیں جن کا تعلق منافع کے ساتھ ہے چونکہ منافع اعیان سے مؤخر ہوتے ہیں اس لیے منافع سے متعلق وصایا کے احکام کو مؤخر کر دیا۔

{1}قَالَ : وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ سِنِينَ مَعْلُومَةً وَتَجُوزُ بِذَلِكَ

فرمایا: اور جائز ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت کی، اور اپنے مکان کی رہائش کی معلوم سالوں کے لیے، اور جائز ہے ان چیزوں کی وصیت

أَبَدًا ، لِأَنَّ الْمَنَافِعَ يَصِحُّ تَمْلِيكُهَا فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ بِبَدَلٍ وَغَيْرِ بَدَلٍ ، فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ لِحَاجَتِهِ

ہمیشہ کے لیے؛ کیونکہ منافع کی تملیک صحیح ہے حالتِ حیاۃ میں بعوض بدل اور بغیر بدل کے، پس اسی طرح موت کے بعد ہے؛ اس کی حاجت کی وجہ سے

كَمَا فِي الْأَعْيَانِ ،{2}وَيَكُونُ مَحْبُوسًا عَلَى مِلْكِهِ فِي حَقِّ الْمَنْفَعَةِ حَتَّى يَتَمَلَّكَهَا الْمُوصَى لَهُ عَلَى مِلْكِهِ

جیسے اعیان میں ہے، اور وہ محبوس ہو گا موصی کی ملکیت پر منفعت کے حق میں یہاں تک کہ مالک ہو جائے موصی لہ منفعت کا موصی کی ملک پر

كَمَا يَسْتَوْفِي الْمَوْقُوفُ عَلَيْهِ مَنَافِعَ الْوَقْفِ عَلَى حُكْمِ مِلْكِ الْوَاقِفِ ،{3}وَتَجُوزُ مُؤَقَّتًا وَمُؤَبَّدًا كَمَا

جیسا کہ حاصل کرتا ہے موقوف علیہ وقف کے منافع واقف کی ملکیت کے حکم پر۔ اور جائز ہے موقت اور مؤبد دونوں طرح جیسا کہ

فِي الْعَارِيَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيكٌ عَلَى أَصْلِنَا ، بِخِلَافِ الْمِيرَاثِ لِأَنَّهُ خِلَافَةٌ فِيمَا يَتَمَلَّكُهُ

عاریت میں ہے؛ کیونکہ یہ تملیک ہے ہماری اصل کے مطابق، برخلاف میراث کے؛ کیونکہ وہ خلافت ہے اس میں جس کا مالک ہو جاتا ہے

الْمُورِثُ وَذَلِكَ فِي عَيْنٍ تَبْقَى وَالْمَنْفَعَةُ عَرَضٌ لَا يَبْقَى ،{4}وَكَذَا الْوَصِيَّةُ بِغَلَّةِ الْعَبْدِ وَالدَّارِ

مورث، اور یہ ایسی عین میں ہوتی ہے جو باقی رہتی ہو جبکہ منفعت عرض ہے باقی نہیں رہتی ہے، اور اسی طرح مکان اور غلام کی آمدنی کی وصیت ہے

لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَهَا وَالْمَعْنَى يَشْمَلُهُمَا . {5}قَالَ : فَإِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ

کیونکہ یہ بدل منفعت ہے، پس اس نے منفعت کا حکم لے لیا، اور معنی ان دونوں کو شامل ہے۔ فرمایا: پھر اگر نکلا غلام کا رقبہ ثلث سے

يُسَلَّمُ إِلَيْهِ لِيَخْدُمَهُ ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْمُوصَى لَهُ فِي الثُّلُثِ لَا يُزَاحِمُهُ الْوَرَثَةُ{6} وَإِنْ

تو سپرد کیا جائے گا موصی لہ کو تا کہ وہ اس کی خدمت کرے؛ کیونکہ موصی لہ کا حق ثلث میں ہے جس کے مزاحم نہیں ہیں ورثہ، اور اگر

كَانَ لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوصَى لَهُ يَوْمًا ، لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الثُّلُثِ
اس کا کوئی مال نہ ہو اس کے علاوہ تو وہ خدمت کرے گا ورثہ کی دو دن اور موصی لہ کی ایک دن؛ کیونکہ موصی لہ کا حق ثلث میں ہے
وَحَقَّهُمْ فِي الثُّلُثَيْنِ كَمَا فِي الْوَصِيَّةِ فِي الْعَيْنِ وَلَا تُمْكِنُ قِسْمَةُ الْعَبْدِ أَجْزَاءً لِأَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ
اور ورثہ کا حق دو ثلث میں ہے جیسا کہ عین کی وصیت میں، اور ممکن نہیں ہے اجزاء کر کے غلام کی تقسیم کرنا؛ کیونکہ غلام متجزی نہیں ہے
فَصِرْنَا إِلَى الْمُهَايَأَةِ إِيفَاءً لِلْحَقَّيْنِ ،﴿7﴾بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِسُكْنَى الدَّارِ إِذَا كَانَتْ لَا تَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ
پس ہم نے رجوع کیا مہایات کی طرف؛ دونوں حقوں کو پورا کرنے کے لیے، برخلاف دار کی رہائش کی وصیت کے جب وہ نہ نکلتی ہو ثلث سے
حَيْثُ تُقَسَّمُ عَيْنُ الدَّارِ ثَلَاثًا لِلِانْتِفَاعِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْقِسْمَةُ بِالْأَجْزَاءِ وَهُوَ أَعْدَلُ لِلتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا
کہ تقسیم کیا جائے گا عین دار تین حصے کر کے انتفاع کے لیے؛ کیونکہ ممکن ہے تقسیم اجزاء سے اور یہی اعدل ہے دونوں میں برابری کی وجہ سے
زَمَانًا وَذَاتًا ، وَفِي الْمُهَايَأَةِ تَقْدِيمُ أَحَدِهِمَا زَمَانًا .وَلَوِ اقْتَسَمُوا الدَّارَ مُهَايَأَةً
زمانہ اور ذات کے اعتبار سے، اور مہایات میں تقدیم ہے دونوں میں سے ایک کی۔ اور اگر انہوں نے تقسیم کیا دار کو مہایات کے طور پر
مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ تَجُوزُ أَيْضًا لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ ,إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ وَهُوَ الْأَعْدَلُ أَوْلَى﴿8﴾وَلَيْسَ لِلْوَرَثَةِ أَنْ يَبِيعُوا مَا فِي أَيْدِيهِمْ
زمانہ کے اعتبار سے تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ حق ان کا ہے، البتہ اول اعدل اور اولیٰ ہے، اور ورثہ کو حق نہیں کہ فروخت کر دیں وہ جو ان کے ہاتھ میں ہے
مِنْ ثُلُثَيِ الدَّارِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ لَهُمْ ذَلِكَ لِأَنَّهُ خَالِصُ مِلْكِهِمْ .وَجْهُ الظَّاهِرِ
مکان کے دو ثلث، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ان کو حق ہے اس کا؛ کیونکہ یہ ان کی خالص ملک ہے، ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے
أَنَّ حَقَّ الْمُوصَى لَهُ ثَابِتٌ فِي سُكْنَى جَمِيعِ الدَّارِ بِأَنْ ظَهَرَ لِلْمَيِّتِ مَالٌ آخَرُ وَتَخْرُجُ الدَّارُ مِنَ الثُّلُثِ،
کہ موصی لہ کا حق ثابت ہے پورے گھر کی رہائش میں بایں طور کہ ظاہر ہو جائے میت کے لیے دوسرا مال، اور نکلتا ہو دار اس کے ثلث سے
﴿9﴾وَكَذَا لَهُ حَقُّ الْمُزَاحَمَةِ فِيمَا فِي أَيْدِيهِمْ إِذَا خَرِبَ مَا فِي يَدِهِ .وَالْبَيْعُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ ذَلِكَ فَمُنِعُوا عَنْهُ.
اور اسی طرح اس کے لیے حق مزاحمت ہے اس میں جو ورثہ کے قبضہ میں ہے جب خراب ہو جائے وہ جو اس کے قبضہ میں ہے اور بیع متضمن ہے اس حق کے ابطال کو پس روکا جائے گا ورثہ کو اس سے۔

تشریح:۔﴿1﴾اپنے غلام کی خدمت یا اپنے گھر کی سکونت کی کسی شخص کے لیے، معلوم سالوں تک کی وصیت کرنا جائز ہے اور ہمیشہ کے لیے بھی اس کی وصیت جائز ہے؛ کیونکہ منافع ایسی چیز ہیں کہ غیر کو ان کا مالک کرنا موصی کی زندگی میں بعوض اور بغیر عوض دونوں

طرح درست ہے جیسے اجرت کے عوض کرایہ پر دینا، یا مفت عاریۃً دینا منافع کی تملیک ہے پس اسی طرح موصی کی طرف سے اپنی موت کے بعد مالک کرنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہاں منافع کی وصیت کی بھی موصی کو ضرورت ہے تاکہ موصی کو ثواب حاصل ہو جیسے اموال اعیان میں جائز ہے یعنی قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ منافع کی تملیک جائز نہ ہو؛ کیونکہ وہ موجود چیز نہیں ہے لیکن شریعت نے لوگوں کی حاجت کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا پس وصیت بھی جائز ہے۔

﴿۲﴾ اور یہ مکان یا غلام اپنی منفعت کے حق میں خود موصی کی ملکیت پر رو کا ہوا رہے گا اگرچہ رقبہ کے حق میں وہ وارثوں کا ہو جائے گا حتی کہ موصی لہ کو منافع کی ملکیت خود موصی کی ملکیت سے حاصل ہو گی اور موصی ہی کو اس کا ثواب حاصل ہو گا اور یہ ایسا ہے جیسے وقف کے منافع وہ شخص جس پر وقف ہوا ہے وقف کنندہ ہی کی مِلک کے حکم پر حاصل کرتا ہے پس وصیت میں جو کچھ ہم نے کہا اس کی پوری نظیر وقف ہے۔

﴿۳﴾ اور یہ وصیت خواہ کسی محدود وقت کے لیے ہو یا دائمی ہو بہر دو صورت عاریت کی طرح جائز ہے اور عاریت ہمارے اصول کے مطابق منافع کی تملیک ہے اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک منافع کی اباحت ہے۔ اور میراث کا حکم وصیت کے برخلاف ہے کہ عین کے بغیر فقط منافع کی میراث جائز نہیں ہے؛ کیونکہ میراث ہر ایسی چیز میں مورث کی نیابت اور قائم مقامی ہے جس کا مورث مالک ہو اور یہ نیابت ایسے مالِ عین میں ممکن اور متصور ہے جو باقی رہتا ہو حالانکہ منفعت عین نہیں ہے بلکہ عرض ہے جو باقی نہیں رہتی ہے اس لیے منافع میں میراث جاری نہ ہو گی۔

﴿۴﴾ اسی طرح مکان کے کرایہ اور غلام کی اجرت کی وصیت بھی جائز ہے مثلاً موصی نے کہا کہ میرے اس غلام یا مکان کی اجرت اور کرایہ زید کو دیا جایا کرے تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ اجرت اور کرایہ ان دونوں کے منافع کا عوض ہے تو اس اجرت کو ان کے منافع کا حکم مل گیا کہ جیسے منافع کی تملیک بطور وصیت جائز ہے ویسے ہی عوضِ منافع کی تملیک بھی جائز ہے، اور یہ معنی ان دونوں کو شامل ہے یعنی موصی کی جو حاجت مجوِّز ہے وہ منفعت اور حاصلات دونوں کو شامل ہے۔

﴿۵﴾ پھر دیکھا جائے کہ موصی کے ثلثِ ترکہ سے اس غلام کا رقبہ بر آمد ہوتا ہے یا نہیں، پس اگر موصی نے بہت سارا مال چھوڑ دیا جس کا ثلث یہ غلام ہے تو یہ غلام موصی لہ کو سپرد کیا جائے گا تاکہ وہ اس کی خدمت کیا کرے؛ کیونکہ موصی لہ کا حق صرف ثلثِ ترکہ میں ہے اس سے زائد میں نہیں ہے لہذا ثلث تک اس کے وارث اس کے مزاحم نہ ہوں گے۔

{٦} اور اگر غلام کا رقبہ ثلث ترکہ سے برآمد نہیں ہوتا یوں کہ میت کا اس غلام کے علاوہ اور مال نہ ہو تو اس غلام میں سے دو ثلث وارثوں کا حق ہے اور صرف ایک ثلث میں میت کی وصیت جائز ہے لہٰذا یہ غلام دو دن وارثوں کی خدمت کیا کرے اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے؛ کیونکہ موصی لہ کا حق صرف ایک ثلث میں ہے اور وارثوں کا حق دو ثلث میں ہے جیسے عین کی وصیت میں ہوتا ہے اور اجزاء کے اعتبار سے غلام کو تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے ہیں تو مجبور ہو کر ہم نے باری مقرر کرنے کو اختیار کیا تاکہ دونوں فریق کے حق ادا ہوں لہٰذا یہ غلام دو دن موصی کے وارثوں کی خدمت کرے اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے۔

{٧} اس کے برخلاف اگر موصی نے مکان کی سکونت کی وصیت ہو تو اگر وہ ترکہ کے ثلث سے برآمد نہ ہو بایں طور کہ موصی کا اس مکان کے علاوہ اور مال نہ ہو تو عین مکان کو تین حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ ورثہ اور موصی لہ اس سے انتفاع حاصل کریں؛ کیونکہ مکان کے اجزاء کر کے تقسیم کرنا ممکن ہے اور یہ تقسیم باری مقرر کرنے کی بنسبت برابری کے زیادہ قریب ہے؛ کیونکہ اس میں ذات اور زمانہ دونوں طرح سے مساوات ہو جاتی ہے یعنی ایک ہی چیز کی ذات سے موصی لہ اور ورثہ دونوں نفع اٹھاتے ہیں اور دونوں کے لیے اپنے اپنے حق میں سے ایک ہی وقت میں نفع اٹھانا ممکن ہے اور کوئی ایک دوسرے سے مقدم نہیں ہے اس لیے اس میں مساوات زیادہ ہے، جبکہ باری مقرر کرنے میں دونوں فریق میں سے ایک کی تقدیم ضروری ہے اس لیے اس میں کامل مساوات نہیں پائی جاتی ہے۔ اور اگر موصی لہ اور وارثوں نے زمانہ کے حساب سے مکان میں باری باری کی تقسیم کر لی تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ نفع حاصل کرنے کا حق انہیں میں منحصر ہے لہٰذا ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنے حق کو ساقط کر کے دوسرے کو پہلے نفع اٹھانے کا موقع دے لیکن اول صورت (من حیث الاجزاء تقسیم) بہتر ہے؛ کیونکہ اس میں انصاف زیادہ ہے۔

{٨} ظاہر الروایۃ میں وارثوں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ دو تہائی مکان جو ان کے قبضہ میں ہے اس کو فروخت کریں۔ اور امام ابو یوسفؒ سے نوادر کی روایت ہے کہ وارثوں کو یہ اختیار حاصل ہے؛ کیونکہ اس قدر مکان ان کی خالص ملک ہے لہٰذا اس میں ان کی بیع نافذ ہو گی۔ اور ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ موصی لہ کا حق اس کل مکان کی سکونت میں ثابت ہے بایں طور کہ اگر میت کا اس مکان کے علاوہ دوسرا مال ظاہر ہو اور یہ کل مکان اس کے ثلث ترکہ سے برآمد ہو جائے تو اس کے ساتھ موصی لہ کا حق متعلق ہو جانے کی وجہ سے ورثہ کو فروخت کا اختیار نہ ہو گا۔

{۹} دوسری وجہ یہ ہے موصی لہ کو وارثوں کے مقبوض حصہ میں مزاحمت کا حق اس وقت حاصل ہو جائے گا جب موصی لہ
کا مقبوض حصہ خراب اور منہدم ہو جائے یعنی جو حصہ موصی لہ کے قبضہ میں ہے وہ اگر خراب ہو جائے تو اس کو حق ہو گا کہ ورثہ سے وہ
حصہ طلب کرے جو ورثہ کے قبضہ میں ہے؛ کیونکہ اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری ورثہ پر ہے موصی لہ کو تو فقط سکونت کا حق حاصل ہے
بہر حال موصی لہ کو مزاحمت کا حق حاصل ہے، اور وارثوں کا اس کو فروخت کرنا اس کے اس حق کو مٹانے کو متضمن ہے لہٰذا وارثوں
کو بیع سے روک دیا جائے گا۔

{۱} قَالَ : فَإِنْ كَانَ مَاتَ الْمُوصَى لَهُ عَادَ إِلَى الْوَرَثَةِ ؛ لِأَنَّ الْمُوصِيَ أَوْجَبَ
فرمایا: پس اگر مر گیا موصی لہ تو لوٹ آئے گا ورثہ کی طرف؛ کیونکہ موصی نے ثابت کیا ہے
الْحَقَّ لِلْمُوصَى لَهُ لِيَسْتَوْفِيَ الْمَنَافِعَ عَلَى حُكْمِ مِلْكِهِ ، فَلَوِ انْتَقَلَ إِلَى وَارِثِ الْمُوصَى لَهُ اسْتَحَقَّهَا
حق موصی لہ کے لیے تاکہ وصول کر سکے منافع اس کی ملک کے حکم پر، پس اگر منتقل ہو جائے موصی لہ کے وارث کی طرف تو وہ مستحق ہو جائے گا منافع کا
ابْتِدَاءً مِنْ مِلْكِ الْمُوصِي مِنْ غَيْرِ مَرْضَاتِهِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ {۲} وَلَوْ مَاتَ الْمُوصَى لَهُ فِي حَيَاةِ الْمُوصِي بَطَلَتْ ؛
ابتداءً اس موصی کی طرف سے اس کی مرضی کے بغیر، اور یہ جائز نہیں ہے، اور اگر مر گیا موصی لہ موصی کی زندگی میں تو وصیت باطل ہو جائے گی
لِأَنَّ إِيجَابَهَا تَعَلَّقَ بِالْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ . وَلَوْ أَوْصَى بِغَلَّةِ عَبْدِهِ أَوْ دَارِهِ
کیونکہ وصیت کا ایجاب متعلق ہے موصی کی موت پر جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس سے پہلے۔ اور اگر وصیت کی اپنے غلام یا اپنے دار کی آمدنی کی
فَاسْتَخْدَمَهُ بِنَفْسِهِ أَوْ سَكَنَهَا بِنَفْسِهِ قِيلَ يَجُوزُ ذَلِكَ لِأَنَّ قِيمَةَ الْمَنَافِعِ كَعَيْنِهَا
پھر اس سے خدمت لے لی بذات خود یا اس میں رہائش اختیار کی بذات خود، تو کہا گیا ہے کہ جائز ہے یہ؛ کیونکہ منافع کی قیمت عین منافع کی طرح ہے
فِي تَحْصِيلِ الْمَقْصُودِ {۳} وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْغَلَّةَ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ وَقَدْ وَجَبَتِ الْوَصِيَّةُ بِهَا ، وَهَذَا اسْتِيفَاءُ
تحصیل مقصود میں، اور اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ آمدنی دراہم ہیں یا دنانیر ہیں، اور واجب ہوئی ہے ان کی وصیت، اور یہ وصولیابی ہے
الْمَنَافِعِ وَهُمَا مُتَغَايِرَانِ وَمُتَفَاوِتَانِ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ ، فَإِنَّهُ لَوْ ظَهَرَ دَيْنٌ يُمْكِنُهُمْ أَدَاؤُهُ
منافع کی، حالانکہ یہ دونوں متغائر اور متفاوت ہیں ورثہ کے حق میں، چنانچہ اگر ظاہر ہوا دین تو ممکن ہے ورثہ کے لیے اس کی ادائیگی
مِنَ الْغَلَّةِ بِالِاسْتِرْدَادِ مِنْهُ بَعْدَ اسْتِغْلَالِهَا وَلَا يُمْكِنُهُمْ مِنَ الْمَنَافِعِ بَعْدَ اسْتِيفَائِهَا بِعَيْنِهَا ،
آمدنی سے اس سے واپس لے کر آمدنی حاصل کرنے کے بعد، اور ان کے لیے ممکن نہیں ہے منافع سے عین منافع حاصل کرنے کے بعد

{۴}وَلَيْسَ لِلْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنَى أَنْ يُؤَاجِرَ الْعَبْدَ أَوِ الدَّارَ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ بِالْوَصِيَّةِ
اور موصی لہ بالخدمت والسکنیٰ کو یہ حق نہیں کہ کرایہ پر دے غلام اور مکان، اور فرمایا امام شافعیؒ نے اس کو یہ حق ہے؛ کیونکہ وصیت کی وجہ سے
مَلَكَ الْمَنْفَعَةَ فَيَمْلِكُ تَمْلِيكَهَا مِنْ غَيْرِهِ بِبَدَلٍ أَوْ غَيْرِ بَدَلٍ لِأَنَّهَا كَالْأَعْيَانِ عِنْدَهُ،
وہ مالک ہوا منفعت کا تو وہ مالک ہوگا غیر کی ملک میں دینے کا بعوض اور بغیر عوض کے؛ کیونکہ منافع اعیان کی طرح ہیں ان کے نزدیک،
بِخِلَافِ الْعَارِيَّةِ لِأَنَّهَا إبَاحَةٌ عَلَى أَصْلِهِ وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ {۵}وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَمْلِيكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ
برخلاف عاریت کے؛ کیونکہ عاریت اباحت ہے ان کی اصل پر، تملیک نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تملیک ہے بغیر بدل کے
مُضَافٌ إلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يَمْلِكُ تَمْلِيكَهُ بِبَدَلٍ اعْتِبَارًا بِالْإِعَارَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيكٌ
جو مضاف ہے مابعد الموت کی طرف، پس وہ مالک نہ ہوگا اس کی تملیک کا بعوض بدل؛ قیاس کرتے ہوئے اعارہ پر؛ کیونکہ وہ تملیک ہے
بِغَيْرِ بَدَلٍ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ عَلَى أَصْلِنَا ، وَلَا يَمْلِكُ الْمُسْتَعِيرُ الْإِجَارَةَ لِأَنَّهَا تَمْلِيكٌ بِبَدَلٍ ، كَذَا هَذَا
بغیر بدل کے حالت حیاۃ میں ہماری اصل کے مطابق، اور مالک نہیں مستعیر اجارہ پر دینے کا؛ کیونکہ اجارہ تملیک ہے بدل کے عوض، اسی طرح یہ ہے
وَتَحْقِيقُهُ أَنَّ التَّمْلِيكَ بِبَدَلٍ لَازِمٌ وَبِغَيْرِ بَدَلٍ غَيْرُ لَازِمٍ ، وَلَا يَمْلِكُ الْأَقْوَى بِالْأَضْعَفِ
اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ تملیک بعوض بدل لازم ہے اور بغیر بدل کے لازم نہیں ہے، اور مملوک نہیں ہو سکتا ہے اقوی اضعف کے ذریعہ
وَالْأَكْثَرَ بِالْأَقَلِّ ،{۶}وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ غَيْرُ لَازِمٍ إلَّا أَنَّ الرُّجُوعَ لِلْمُتَبَرِّعِ لَا لِغَيْرِهِ وَالْمُتَبَرِّعُ
اور اکثر اقل کے ذریعے، اور وصیت ایسا تبرع ہے جو لازم نہیں، البتہ رجوع کا حق متبرع کو ہوتا ہے نہ کہ اس کے غیر کو، اور متبرع کے لیے
بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يُمْكِنُهُ الرُّجُوعُ فَلِهَذَا انْقَطَعَ ، أَمَّا هُوَ فِي وَضْعِهِ فَغَيْرُ لَازِمٍ ،{۷}وَلِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ
ممکن نہیں ہے موت کے بعد رجوع، اس لیے رجوع منقطع ہوا، رہا وصیت کرنا تو اپنی وضع میں غیر لازم ہے۔ اور اس لیے کہ منفعت مال نہیں ہے
عَلَى أَصْلِنَا وَفِي تَمْلِيكِهَا بِالْمَالِ إحْدَاثُ صِفَةِ الْمَالِيَّةِ فِيهَا تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ فِي عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ،
ہماری اصل پر، اور بعوض مال ان کی تملیک میں ان میں صفت مال پیدا کرنا ہے؛ مساوات کو ثابت کرنے کے لیے عقد معاوضہ میں،
فَإِنَّمَا تَثْبُتُ هَذِهِ الْوِلَايَةُ لِمَنْ يَمْلِكُهَا تَبَعًا لِمِلْكِ الرَّقَبَةِ ، أَوْ لِمَنْ يَمْلِكُهَا بِعَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ
پس ثابت ہوگی یہ ولایت اس شخص کے لیے جو مالک ہوا ہو اس کا ملک رقبہ کی تبعیت سے، یا اس کے لیے جو مالک ہوا ہو اس کا عقد معاوضہ سے
حَتَّى يَكُونَ مُمَلِّكًا لَهَا بِالصِّفَةِ الَّتِي تَمَلَّكَهَا ،{۸}أَمَّا إذَا تَمَلَّكَهَا مَقْصُودَةً

یہاں تک کہ وہ مالک کرنے والا ہو اس کا اس صفت کے ساتھ جس کے ساتھ وہ اس کا مالک ہوا ہے، اور اگر وہ منفعت کا مالک ہوا مقصودی طور پر
بِغَيْرِ عِوَضٍ ثُمَّ مَلَّكَهَا بِعِوَضٍ كَانَ مُمَلِّكًا أَكْثَرَ مِمَّا تَمَلَّكَهُ مَعْنًى وَهَذَا لَا يَجُوزُ ،﴿۹﴾وَلَيْسَ لِلْمُوصَى لَهُ
بلا عوض، پھر مالک کر دیا اس کا بعوض تو وہ معنیً مالک کرنے والا ہو گا اس سے زیادہ جس کا وہ مالک ہوا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور موصی لہ کو اختیار نہیں ہے
أَنْ يُخْرِجَ الْعَبْدَ مِنَ الْكُوفَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُوصَى لَهُ وَأَهْلُهُ فِي غَيْرِ الْكُوفَةِ فَيُخْرِجُهُ إِلَى أَهْلِهِ
کہ نکالے غلام کو کوفہ سے مگر یہ کہ موصی لہ اور اس کا اہل خانہ کوفہ کے علاوہ میں رہائش پذیر ہوں، تو وہ نکال سکتا ہے غلام کو اپنے اہل کی طرف
لِلْخِدْمَةِ هُنَالِكَ إِذَا كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ ،لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنَّمَا تَنْفُذُ عَلَى مَا يُعْرَفُ مِنْ مَقْصُودِ الْمُوصِي ، فَإِذَا كَانُوا
وہاں خدمت کے لیے بشرطیکہ وہ نکلتا ہو ثلث سے؛ کیونکہ وصیت نافذ ہوتی ہے اسی طریقے پر جو معلوم ہو موصی کے مقصد سے، پھر اگر وہ ہوں
فِي مِصْرِهِ فَمَقْصُودُهُ أَنْ يُمَكِّنَهُ مِنْ خِدْمَتِهِ فِيهِ بِدُونِ أَنْ يَلْزَمَهُ مَشَقَّةُ السَّفَرِ،
موصی کے شہر میں تو موصی کا مقصد ہے کہ اس کو قدرت دے اس سے خدمت لینے کی اسی شہر میں بغیر اس کے کہ لازم کر دے غلام پر
وَإِذَا كَانُوا فِي غَيْرِهِ فَمَقْصُودُهُ أَنْ يَحْمِلَ الْعَبْدَ إِلَى أَهْلِهِ لِيَخْدُمَهُمْ.
سفر کی مشقت، اور اگر وہ موصی کے شہر کے علاوہ میں ہوں تو موصی کا مقصد یہ ہے کہ لے جائے غلام کو اپنے اہل کے پاس تاکہ ان کی خدمت کرے

تشریح:۔﴿۱﴾ پھر اگر موصی کی موت کے بعد موصی لہ مر گیا تو مذکورہ مکان موصی کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گا اور موصی لہ کے وارثوں کو اس سے نفع حاصل کرنے کا حق نہ ہو گا؛ کیونکہ موصی نے تو موصی لہ کو حق سکونت دیا تھا تاکہ وہ موصی کے حکم ملکیت پر اس کے منافع حاصل کرے اور موصی لہ کے وارثوں کو حق سکونت نہیں دیا تھا تو اگر حق انتفاع موصی لہ کے ورثہ کی جانب منتقل ہو کہ موصی کی ملکیت کے حکم پر اس مکان سے موصی لہ کے ورثہ منتفع ہوں تو وہ از سر نو اس کو موصی کی طرف سے اس کی رضامندی کے بغیر مستحق ہوں گے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے کہ مالک کی رضامندی کے بغیر کسی کو استحقاق حاصل ہو۔

﴿۲﴾ اور اگر موصی کی زندگی میں موصی لہ مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ وصیت کا لازم ہونا تو موصی کی موت پر معلق تھا جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں تو جب موصی لہ پہلے مر گیا تو موصی کا یہ ایجاب صحیح نہ ہوا جیسا کہ مشتری کی موت کے بعد بائع کا اس کے لیے ایجاب صحیح نہیں ہے۔

اور اگر کسی نے اپنے غلام کی کمائی یا اپنے مکان کے کرایہ کی زید کے لیے وصیت کی تھی پھر زید نے خود اس غلام سے اپنی خدمت لی یا اس مکان میں خود سکونت اختیار کی لہٰذا اس کی اجرت اور کرایہ حاصل نہیں ہوا، تو بعض مشائخ (ابو بکر الاسکاف) نے

کہاکہ یہ صورت جائز ہے؛کیونکہ مقصود حاصل کرنے میں منافع کی قیمت بھی عین منافع کی طرح ہے اور مقصود غلام یامکان سے نفع حاصل کرنا ہے۔

{۳} مگر اصح قول یہ ہے کہ موصی لہ کے لیے منافع استعمال کرنا جائز نہیں ہے؛کیونکہ مکان یاغلام کی حاصلات دراہم اور دنانیر ہیں اور انہیں کی وصیت واجب ہوئی تھی اور موصی لہ نے جوکچھ حاصل کیا یہ منافع کا حصول ہے جن میں اور دراہم ودنانیر میں مغائرت ہے اور وارثوں کے حق میں بھی متفاوت ہیں پس عین وصیت پوری نہ ہوئی اور وارثوں کے حق میں متفاوت ہونااس سے سمجھناچاہیئے کہ شریعت میں میت کے ترکہ سے اول اس کا قرضہ اداکرناواجب ہے پھر اداءِ قرض کے بعد جوکچھ بچے اس میں وصیت اور میراث جاری ہوتی ہے تو اگر مذکورہ صورت میں میت پر قرضہ ظاہر ہوا مثلاًوارثوں اور موصی لہ کے تصرف کے ایک دوسال بعد کسی نے میت پر قرضہ کا دعوی کیااور گواہوں سے اس قرضہ کو ثابت کیاحتی وارثوں پر لازم آیاکہ پورے ترکہ سے یہ قرضہ اداکریں توان کو موصی لہ کے فعل (خود خدمت لینے اور سکونت اختیار کرنے) سے نقصان لازم ہوگا؛کیونکہ وہ موصی لہ سے غلام اور مکان کی اجرت اور کرایہ واپس لے کراس سے قرضخواہ کا یہ قرضہ اداکرسکتے تھے جبکہ موصی لہ نے جو یہ منافع حاصل کرلیے توان منافع کوواپس لیناچونکہ ممکن نہیں ہے اس لیے اس سے قرضخواہ کا قرضہ اداکرنامحال ہے اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے۔

فتوی:۔یہی قول راجح ہے جس کواصح کہاگیاہےلما فی الدرّ المختار: (وَلَا لِلْمُوصَى لَهُ بِالْغَلَّةِ اسْتِخْدَامُهُ) أَيْ الْعَبْدِ (أَوْ سُكْنَاهَا) أَيْ الدَّارِ (فِي الْأَصَحِّ) وقال العلامة ابن عابدين: (قَوْلُهُ فِي الْأَصَحِّ) كَذَا فِي الْمُلْتَقَى وَالْهِدَايَةِ وَغَيْرِهِمَا مُعَلِّلًا بِأَنَّ الْغَلَّةَ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ وَقَدْ وَجَبَتْ الْوَصِيَّةُ بِهَا وَهَذَا اسْتِيفَاءُ الْمَنَافِعِ وَهُمَا مُتَغَايِرَانِ وَيَتَفَاوَتَانِ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ دَيْنٌ يُمْكِنُهُمْ أَدَاؤُهُ مِنْ الْغَلَّةِ بِالِاسْتِرْدَادِ مِنْهُ بَعْدَ اسْتِغْلَالِهَا وَلَا يُمْكِنُهُمْ مِنْ الْمَنَافِعِ بَعْدَ اسْتِيفَائِهَا بِعَيْنِهَا اهـ (الدرّ المختار مع ردّ المحتار:5ص490)

{۴} اور اگر موصی نے موصی لہ کے لیے خدمت اور سکونت کی وصیت کی ہوتوموصی لہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس غلام یامکان کوکرایہ پردے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موصی لہ کو یہ اختیار حاصل ہے؛کیونکہ وہ وصیت کی وجہ سے اس غلام یامکان کی منفعت کامالک ہوگیاپس مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس کو دوسرے کی ملکیت میں دیدے؛کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ منافع اعیان کی طرح ہیں،البتہ عاریت کاحکم اس کے برخلاف ہے؛کیونکہ امام شافعیؒ کی اصل کے مطابق عاریت منافع کی تملیک نہیں بلکہ منافع کی اباحت ہے یعنی مستعیر کے لیے مباح کردیاکہ مستعار کی منفعت سے نفع اٹھائے اور مالک نہیں کیاتوجب مستعیر مالک ہی نہیں ہواتووہ دوسرے کی ملک میں بھی نہیں دے سکتا۔

{۵}ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت بغیر عوض مالک کرنا ہے جو موت کے بعد زمانہ کی جانب مضاف ہے تو موصی لہ اس بعوض تملیک نہیں کر سکتا؛ کیونکہ جو بلا عوض مالک ہو جائے وہ غیر کو بعوض مالک نہیں کر سکتا ہے عاریت پر قیاس کرتے ہوئے یعنی ہمارے اصول کے مطابق عاریت دینا زندگی میں بلا عوض تملیک ہے اور مستعیر کو اختیار نہیں کہ وہ مستعار چیز کو اجارہ پر دے؛ کیونکہ اجارہ تو بعوض تملیک ہے پس اسی طرح وصیت کا بھی یہی حکم ہے، اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ جو تملیک بالعوض ہو وہ لازم ہوتی ہے جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ، اور جو تملیک بلا عوض ہو وہ لازم نہیں ہوتی جیسے عاریت اور ہبہ وغیرہ، اور اصول یہ ہے کہ اضعف کے ذریعہ سے اقوی کا اختیار نہیں ہوتا اور اقل کے ذریعہ سے اکثر کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے تو یہاں بھی وصیت تبرع اور غیر لازم ہے لہذا غیر لازمی وصیت کے ذریعہ سے لازمی اجارہ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

{۶}لیکن اتنی بات ہے کہ رجوع کرنا صرف متبرع کے اختیار میں ہوتا ہے غیر کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے اور یہاں متبرع کی طرف سے موت کے بعد رجوع کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے رجوع منقطع ہوگیا پس اگر موصی زندہ ہوتا تو رجوع ہو سکتا مگر جب وہ مر گیا تو رجوع نہیں رہا اس لیے وصیت اپنے حال پر باقی رہ گئی لیکن وصیت چونکہ اپنی اصل وضع میں لازمی نہیں ہے جس سے ثابت ہوا کہ وصیت غیر لازم تملیک بلا بدل ہے لہذا موصی لہ اجارہ لازمہ بالعوض کی تملیک نہیں کر سکتا ہے۔

{۷}ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ ہماری اصل پر منفعت مال نہیں ہے پس جب منافع مال نہیں ہیں تو ان کو مال کے عوض مالک کرنا بھی جائز نہیں ہے حالانکہ ان منافع کو اجرت کے عوض میں مستاجر کو مالک کرنے میں ان منافع کے لیے مالیت کی صفت پیدا کرنا لازم آتا ہے تاکہ عقدِ معاوضہ میں مساوات ثابت ہو یعنی اجرت مال ہے جس کا مقابلہ منافع سے کیا تو منافع میں بھی صفتِ مالیت پیدا ہوگی تاکہ دونوں میں مساوات ثابت ہو، وجہ یہ ہے کہ یہ ولایت (منافع میں مالی صفت پیدا کرنے کی ولایت) فقط دو شخصوں کو ہوتی ہے ایک تو اس شخص کو جو ملکیتِ رقبہ کے تابع کر کے منافع کا مالک ہوا ہو جیسے مشتری اور وارث وغیرہ، دوم اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے معاوضہ کے عقد سے منافع کی ملکیت پائی ہو جیسے مستاجر وغیرہ، پس انہیں دو قسم کے مالکوں میں سے ہر ایک کو یہ ولایت ہوتی ہے کہ منافع کو مالی صفت دیدے تاکہ یہ شخص منافع کو اسی صفت کے ساتھ غیر کی ملکیت میں دینے والا ہو جس صفت پر اس نے ملکیت حاصل کی ہے؛ کیونکہ خود اس نے عینِ رقبہ کے ضمن میں یا مال کے عوض منافع کی ملکیت پائی ہے تو خود بھی مال کے عوض دوسرے کی ملکیت میں دے سکتا ہے۔

{۸}رہا یہ کہ اگر اس نے منافع کو مقصود بنا کر بلا عوض حاصل کیا ہو، پھر وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی ملک میں مال کے عوض دیدے یعنی منافع کو اجارہ پر دے تو معنی یہ ہوا کہ اس نے جس ذریعہ سے ملکیت حاصل کی اس سے زائد کی تملیک کر دے حالانکہ یہ امر جائز نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اصول یہ ہے کہ اضعف کے ذریعہ سے اقوی کا اختیار نہیں ہوتا اور اقل کے ذریعہ سے اکثر کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے۔

{۹}اگر کوئی شخص نے وصیت کی کہ اس کا غلام زید کی خدمت کرے گا تو زید کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس غلام کو کوفہ شہر سے باہر لے جائے مگر اس صورت میں کہ موصی لہ اور اس کے اہل وعیال کوفہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں اور موصی کو اپنی زندگی میں وصیت کے وقت یہ بات معلوم ہو تو موصی لہ اس غلام کو لے جاسکتا تا کہ غلام وہاں اس کی خدمت کرے بشرطیکہ یہ غلام موصی کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو؛ کیونکہ موصی کا جو مقصود سمجھ میں آتا ہو اسی پر وصیت نافذ کی جاتی ہے پس جب موصی لہ کے اہل وعیال اسی شہر میں رہتے ہوں تو موصی کا مقصود یہ ہے کہ اسی شہر میں موصی لہ کو اس غلام سے خدمت لینے کا قابو دے بدون اس کے کہ غلام کے ذمہ سفر کی مشقت لازم کرے اور جب موصی لہ کے اہل وعیال دوسرے شہر میں ہوں تو موصی کا مقصود یہ کہ موصی لہ اس غلام کو اپنے اہل وعیال کے پاس لے جائے تا کہ وہ ان لوگوں کی خدمت کرے۔

{۱}وَلَوْ أَوْصَى بِغَلَّةِ عَبْدِهِ أَوْ بِغَلَّةِ دَارِهِ يَجُوزُ أَيْضًا لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَ الْمَنْفَعَةِ
اور اگر وصیت کی اپنے غلام کی آمدنی یا اپنے مکان کی آمدنی کی تو بھی جائز ہے؛ کیونکہ آمدنی بدل منفعت ہے پس اس نے لے لیا منفعت کا حکم

فِي جَوَازِ الْوَصِيَّةِ بِهِ ، كَيْفَ وَأَنَّهُ عَيْنٌ حَقِيقَةً لِأَنَّهُ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ فَكَانَ بِالْجَوَازِ أَوْلَى ، وَلَوْ
اس کی وصیت کے جواز میں، کیوں نہ لے جبکہ یہ عین ہے در حقیقت؛ کیونکہ دراہم ہیں یا دنانیر ہیں، پس زیادہ لائق ہے کہ جائز ہو، اور اگر

لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ كَانَ لَهُ ثُلُثُ غَلَّةِ تِلْكَ السَّنَةِ لِأَنَّهُ عَيْنُ مَالٍ يَحْتَمِلُ
نہ ہو اس کے لیے مال اس کے علاوہ تو ہو گا اس کے لیے ایک ثلث آمدنی کا اس سال کی؛ کیونکہ آمدنی مال عین ہے احتمال رکھتی ہے

الْقِسْمَةَ بِالْأَجْزَاءِ ،{۲}فَلَوْ أَرَادَ الْمُوصَى لَهُ قِسْمَةَ الدَّارِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ لِيَكُونَ هُوَ الَّذِي يَسْتَغِلُّ ثُلُثَهَا
تقسیم بالاجزاء کا۔ پس اگر ارادہ کیا موصی لہ نے مکان کو تقسیم کرنے کا اس کے اور ورثہ کے درمیان؛ تا کہ وہ ہی کرایہ پر دے اس کا ثلث

لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ إِلَّا فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ فَإِنَّهُ يَقُولُ : الْمُوصَى لَهُ شَرِيكُ الْوَارِثِ وَلِلشَّرِيكِ ذَلِكَ،
تو اس کو یہ اختیار نہ ہو گا، مگر ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ سے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ موصی لہ شریک ہے وارث کا، اور شریک کو یہ حق ہے

وکذالک لِلْمُوصَى لَهُ ، إِلَّا أَنَّا نَقُولُ : الْمُطَالَبَةُ بِالْقِسْمَةِ تُبْتَنَى عَلَى ثُبُوتِ الْحَقِّ لِلْمُوصَى لَهُ فِيمَا يُلَاقِيهِ

اسی طرح موصی لہ کو بھی ہوگا، مگر ہم کہتے ہیں کہ تقسیم کے ذریعہ مطالبہ مبنی ہے ثبوتِ حق پر موصی لہ کے لیے اس چیز میں جس سے ملاقی ہو

الْقِسْمَةُ إِذْ هُوَ الْمُطَالَبُ ، وَلَا حَقَّ لَهُ فِي عَيْنِ الدَّارِ ، وَإِنَّمَا حَقُّهُ فِي الْغَلَّةِ فَلَا يَمْلِكُ الْمُطَالَبَةَ بِقِسْمَةِ الدَّارِ

تقسیم؛ کیونکہ وہی مطالب ہے، اور کوئی حق نہیں اس کے لیے عینِ دار میں بلکہ اس کا حق آمدنی میں ہے، پس وہ مالک نہ ہوگا مطالبے کا تقسیم دار کے

{۳} وَلَوْ أَوْصَى لَهُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَلِآخَرَ بِرَقَبَتِهِ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ فَالرَّقَبَةُ

اور اگر موصی نے وصیت کی کسی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی اور دوسرے کے لیے اس کے رقبہ کی، اور وہ نکلتا ہو ثلث سے تو رقبہ

لِصَاحِبِ الرَّقَبَةِ وَالْخِدْمَةُ عَلَيْهَا لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ ، لِأَنَّهُ أَوْجَبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

صاحبِ رقبہ کے لیے ہوگا اور رقبہ پر خدمت صاحبِ خدمت کے لیے ہوگی؛ کیونکہ اس نے ایجاب کیا ہے ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے

شَيْئًا مَعْلُومًا عَطْفًا مِنْهُ لِأَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرِ فَتُعْتَبَرُ هَذِهِ الْحَالَةُ بِحَالَةِ الِانْفِرَادِ . {۴} ثُمَّ لَمَّا

معلوم چیز کا؛ عطف کرتے ہوئے اپنی طرف سے ایک کو دوسرے پر، پس قیاس کیا جائے گا اس حالت کو انفراد کی حالت پر۔ پھر جب

صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ ، فَلَوْ لَمْ يُوصِ فِي الرَّقَبَةِ بِشَيْءٍ لَصَارَتِ الرَّقَبَةُ مِيرَاثًا لِلْوَرَثَةِ مَعَ

صحیح ہوگئی وصیت صاحبِ خدمت کے لیے، تو اگر وہ کوئی وصیت نہ کرتا رقبہ کے بارے میں تو رقبہ میراث ہوجاتا ورثہ کے لیے اس کے ساتھ

كَوْنِ الْخِدْمَةِ لِلْمُوصَى لَهُ ، فَكَذَا إِذَا أَوْصَى بِالرَّقَبَةِ لِإِنْسَانٍ آخَرَ ، إِذِ الْوَصِيَّةُ أُخْتُ الْمِيرَاثِ

کہ خدمت موصی لہ کے لیے ہوتی، پس اسی طرح جب اس نے وصیت کی دوسرے انسان کے لیے؛ کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے

مِنْ حَيْثُ إِنَّ الْمِلْكَ يَثْبُتُ فِيهِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ . {۵} وَلَهَا نَظَائِرُ ، وَهُوَ مَا إِذَا أَوْصَى بِأَمَةٍ

اس حیثیت سے کہ ملک ثابت ہوتی ہے ان دونوں میں موت کے بعد، اور اس مسئلہ کے لیے نظائر ہیں، اور وہ یہ کہ وصیت کرلی باندی کی

لِرَجُلٍ وَبِمَا فِي بَطْنِهَا لِآخَرَ وَهِيَ تَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ ، أَوْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِخَاتَمٍ

ایک شخص کے لیے اور جو اس کے پیٹ میں ہے اس کی دوسرے کے لیے، اور باندی نکلتی ہو ثلث سے، یا وصیت کی ایک شخص کے لیے

وَلِآخَرَ بِفَصِّهِ ، أَوْ قَالَ هَذِهِ الْقَوْصَرَةُ لِفُلَانٍ وَمَا فِيهَا مِنَ التَّمْرِ لِفُلَانٍ

انگوٹھی کی اور دوسرے کے لیے اس کے نگینے کی، یا کہا کہ یہ ٹوکری فلاں کے لیے ہے اور اس میں جو کھجوریں ہیں وہ فلاں کے لیے ہیں،

كَانَ كَمَا أَوْصَى ، {۶} وَلَا شَيْءَ لِصَاحِبِ الظَّرْفِ فِي الْمَظْرُوفِ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ كُلِّهَا ، أَمَّا إِذَا فَصَلَ

تو اسی طرح ہوگا جیسے اس نے وصیت کی ہے اور کچھ نہ ہوگا صاحب ظرف کے لیے مظروف میں ان تمام مسائل میں۔ اور اگر اس نے الگ کر دیا

أَحَدَ الْإِيجَابَيْنِ عَنِ الْآخَرِ فِيهَا فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ . ﴿٧﴾وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ الْأَمَةُ

ایک ایجاب کو دوسرے سے ان مسائل میں تو بھی یہی جواب ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ کے قول پر باندی اسی کی ہوگی

لِلْمُوصَى لَهُ بِهَا وَالْوَلَدُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ ، وَكَذَلِكَ فِي أَخَوَاتِهَا.

جس کے لیے اس کی وصیت کی گئی ہے باندی کی، اور ولد ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہے، اور اسی طرح اس کی اخوات میں بھی ہے

لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ بِإِيجَابِهِ فِي الْكَلَامِ الثَّانِي تَبَيَّنَ أَنَّ مُرَادَهُ مِنَ الْكَلَامِ الْأَوَّلِ إِيجَابُ الْأَمَةِ

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے کلام سے ایجاب ثانی میں ظاہر ہوا کہ ان کی مراد کلام اول سے باندی کا ایجاب ہے

لِلْمُوصَى لَهُ بِهَا دُونَ الْوَلَدِ ، وَهَذَا الْبَيَانُ مِنْهُ صَحِيحٌ وَإِنْ كَانَ مَفْصُولًا لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ

اس کے لیے جس کے لیے اس کی وصیت کی گئی ہے نہ کہ بچے کا ایجاب، اور یہ بیان موصی کی طرف سے صحیح ہے اگرچہ مفصول ہے؛ کیونکہ وصیت

لَاتُلْزِمُ شَيْئًافِي حَالِ حَيَاةِالْمُوصِي فَكَانَ الْبَيَانُ الْمَفْصُولُ فِيهِ وَالْمَوْصُولُ سَوَاءً كَمَافِي وَصِيَّةِالرَّقَبَةِ وَالْخِدْمَةِ

لازم نہیں کرتی ہے کسی شئ کو موصی کی حیاۃ میں، پس مفصول کلام اس میں اور موصول برابر ہیں جیسے رقبہ کی وصیت اور خدمت میں۔

﴿٨﴾وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ اسْمَ الْخَاتَمِ يَتَنَاوَلُ الْحَلْقَةَ وَالْفَصَّ .وَكَذَلِكَ اسْمُ الْجَارِيَةِ يَتَنَاوَلُهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا.

اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسم خاتم شامل ہے حلقہ اور نگینہ دونوں کو، اور اسی طرح اسم جاریہ شامل ہے باندی اور اس کو جو اس کے پیٹ میں ہے

وَاسْمُ الْقَوْصَرَةِكَذَلِكَ،وَمِنْ أَصْلِنَاأَنَّ الْعَامَّ الَّذِي مُوجَبُهُ ثُبُوتُ الْحُكْمِ عَلَى سَبِيلِ الْإِحَاطَةِبِمَنْزِلَةِالْخَاصِّ فَقَدِاجْتَمَعَ

اور اسم قوصرہ اسی طرح، اور ہماری اصل یہ ہے کہ وہ عام جس کا موجب ثبوتِ حکم ہے بر سبیل احاطہ خاص کے درجہ میں ہے، پس جمع ہو گئیں

فِي الْفَصِّ وَصِيَّتَانِ وَكُلٌّ مِنْهُمَا وَصِيَّةٌ بِإِيجَابٍ عَلَى حِدَةٍ فَيُجْعَلُ الْفَصُّ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ،

نگینہ میں دو وصیتیں اور ہر ایک ان دونوں میں سے وصیت ہے علیحدہ ایجاب سے، پس قرار دیا جائے گا نگینہ دونوں کے درمیان نصف نصف

وَلَايَكُونُ إِيجَابُ الْوَصِيَّةِفِيهِ لِلثَّانِي رُجُوعًاعَنِ الْأَوَّلِ،كَمَاإِذَاأَوْصَى لِلثَّانِي بِالْخَاتَمِ﴿٩﴾بِخِلَافِ الْخِدْمَةِمَعَ الرَّقَبَةِ

اور نہیں ہے ایجاب وصیت ثانی کے لیے رجوع اول سے جیسا کہ وصیت کرلے ثانی کے لیے انگوٹھی کی، برخلاف خدمت مع رقبہ کی وصیت کے

لِأَنَّ اسْمَ الرَّقَبَةِ لَا يَتَنَاوَلُ الْخِدْمَةَ وَإِنَّمَا يَسْتَخْدِمُهُ الْمُوصَى لَهُ بِحُكْمِ أَنَّ الْمَنْفَعَةَ حَصَلَتْ عَلَى مِلْكِهِ ، فَإِذَا

؛ کیونکہ اسم رقبہ شامل نہیں خدمت کو، بلکہ خدمت لے گا موصی لہ اس وجہ سے کہ منفعت حاصل ہو گئی ہے اس کی ملک پر، پھر جب

أَوْجَبَ الْخِدْمَةَ لِغَيْرِهِ لَا يَبْقَى لِلْمُوصَى لَهُ فِيهِ حَقٌّ .﴿١٠﴾ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْكَلَامُ مَوْصُولًا لِأَنَّ ذَلِكَ

ایجاب کیا خدمت کا غیر کے لیے تو باقی نہیں رہے گا موصی لہ کے لیے اس میں حق۔ برخلاف اس کے جب ہو کلام موصول؛ کیونکہ یہ

دَلِيلُ التَّخْصِيصِ وَالِاسْتِثْنَاءِ ، فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ أَوْجَبَ لِصَاحِبِ الْخَاتَمِ الْحَلْقَةَ خَاصَّةً دُونَ الْفَصِّ.

تخصیص اور استثناء کی دلیل ہے ، پس ظاہر ہوا کہ موصی نے ایجاب کیا ہے صاحب انگوٹھی کے لیے حلقہ کا خاص کر نہ کہ نگینہ کا۔

تشریح:۔﴿١﴾ اگر کسی نے اپنے غلام کی کمائی یا اپنے مکان کے کرایہ کی کسی کے لیے وصیت کی تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہ مال غلام اور مکان کی منفعت کا عوض ہے تو جوازِ وصیت میں اس کو بھی منفعت کا حکم ملا، اور کیونکر جائز نہ ہو حالانکہ یہ عوض در حقیقت مالِ عین ہے؛ کیونکہ یہ عوض دراہم یا دنانیر ہیں تو ان کی وصیت بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی ، اور اگر موصی کا اس غلام اور مکان کے علاوہ مال نہ ہو تو موصی لہ کو اس سال کی پیداوار کا ثلث ملے گا یعنی جو کچھ غلام نے کمایا اور جو کچھ مکان کا کرایہ آیا جب کہ سال کے لیے اجارہ پر دیا ہو تو اس کا ثلث موصی لہ کو ملے گا؛ کیونکہ یہ مال ایسا مال عین ہے جو اجزاء کے اعتبار سے تقسیم کے قابل ہے، اور اس طرح کے تمام اموال میں یہی حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ حاصل ہوتا جائے اس کا ثلث دیتا جائے۔

﴿٢﴾ اگر اس موصی لہ نے جس کے لیے مکان کے کرایہ کی وصیت کی گئی ہے یہ ارادہ کیا کہ یہ مکان اس کے اور موصی کے وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے جبکہ ترکہ میں فقط یہی مکان ہو، تاکہ موصی لہ خود ہی ثلثِ مکان کو کرایہ پر چلائے اور اس کے منافع حاصل کرے تو موصی لہ کو ایسے مطالبہ کا اختیار نہیں ہے یعنی اس کا یہ مطالبہ باطل ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ موصی لہ کا یہ مطالبہ سنا جائے گا وہ فرماتے ہیں کہ موصی لہ یہاں وارثوں کا شریک ہے اور ہر شریک کو اس طرح تقسیم کے مطالبہ کا حق ہوتا ہے تو موصی لہ کو بھی یہ حق ہوگا۔ لیکن ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تقسیم کا مطالبہ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ جس چیز کی تقسیم کی جائے گی اس میں موصی لہ کے لیے حق ثابت ہے؛ کیونکہ مطلوب یہی حق ہوتا ہے حالانکہ موصی لہ کے لیے نفسِ مکان میں کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس کا حق تو صرف اس مکان کے کرایہ میں ہے لہٰذا اس کو مکان کے رقبہ کو تقسیم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

﴿٣﴾ اگر زید نے ایک کلام میں اپنے غلام کی خدمت کی وصیت بکر کے لیے کی اور اسی غلام کے رقبہ کی وصیت خالد کے لیے کی اور حال یہ ہوا کہ یہ غلام زید کے ثلثِ ترکہ سے نکل آتا ہو حتی کہ اس میں وارثوں کا حق نہیں رہا تو اس غلام کا رقبہ تو خالد کے لیے ہوگا جس کے لیے رقبہ کی وصیت کی تھی اور اس کی گردن پر حقِ خدمت اس موصی لہ کے لیے ہوگا جس کے لیے خدمت کی وصیت کی تھی یعنی بکر کے لیے اس کی خدمت ہوگی اس لیے کہ موصی نے بکر و خالد دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک

معلوم چیز واجب کی؛ کیونکہ اس نے ایک کو دوسرے پر عطف کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایک کے لیے معطوف علیہ ہے اور دوسرے کے لیے معطوف ہے پس اس حالت کو حالتِ انفراد پر قیاس کریں گے یعنی اگر تنہا غلام کے رقبہ کی وصیت خالد کے لیے ہوتی تو وہ اسی کا مستحق ہوتا اور تنہا خدمت کی وصیت بکر کے لیے ہوتی تو وہ اسی کا مستحق ہوتا پس دونوں کو بطریق عطف بیان کرنے میں بھی یوں ہی ہوگا۔

{۴} پھر جب یہ وصیت صاحبِ خدمت (بکر) کے لیے صحیح ٹھہری تو اگر وہ غلام کے رقبہ کے بارے میں کچھ وصیت نہ کرتا تو غلام کا رقبہ اس کے وارثوں کے لیے میراث ہوتا باوجود کہ اس کی خدمت موصی لہ (بکر) کے لیے واجب ہوتی پس اسی طرح جب اس نے دوسرے آدمی (خالد) کے لیے رقبہ کی وصیت کی تو غلام کا رقبہ اسی موصی لہ (خالد) کی مِلک ہو جائے گا یعنی رقبہ جیسے وصیت نہ ہونے کی صورت میں میراث ہو جاتا ویسے وصیت ہونے کی صورت میں خالد کی مِلک ہوگا؛ کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اس اعتبار سے ہے کہ وصیت اور میراث دونوں میں موصی کی موت کے بعد وارث اور موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوتی ہے پس یہ درست ہے کہ خدمت ایک کے لیے ثابت ہو اور مِلک رقبہ دوسرے کے لیے ثابت ہو جیسے ہم نے میراث میں بیان کر دیا۔

{۵} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے چند نظائر ہیں، ایک یہ کہ موصی نے اپنی باندی کی وصیت زید کے لیے کی اور جو باندی کے پیٹ میں ہے اس کی وصیت بکر کے لیے کی باندی مع پیٹ کے ظرف ہے اور بچہ اس میں مظروف ہے تو زید کے لیے ظرف کی وصیت کی اور بکر کے لیے مظروف کی وصیت کی اور حال یہ کہ یہ باندی موصی کے ثلثِ ترکہ سے برآمد ہوتی ہے حتی کہ وارثوں کا کچھ تعلق نہیں رہا، یا دوسرا مسئلہ یہ کہ زید کے لیے اپنی انگوٹھی کی وصیت کی اور بکر کے لیے اس کے نگینہ کی وصیت کی ، یا تیسرا مسئلہ کہ زید کے لیے ٹوکرے کی وصیت کی اور بکر کے لیے جو اس ٹوکرے میں کھجور ہیں ان کی وصیت کی تو ان سب مسائل میں موصی کی وصیت اسی طرح جاری ہوگی جیسے اس نے کہا ہے۔

{٦} اور ان سب مسائل میں جس کے لیے ظرف (باندی، انگوٹھی ، ٹوکرہ) کی وصیت کی ہے اس کے لیے مظروف (ولد، نگینہ، کھجور) میں فروخت وغیرہ تصرف کا کوئی اختیار نہ ہو۔ اور اگر ان مسائل میں دونوں ایجاب میں سے ایک کو دوسرے سے الگ کیا ہو تو بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ ہر موصی لہ کے لیے جو چیز بیان کی ہے وہی ہوگی۔

{7}اور امام محمدؒ کے قول پر جس موصی لہ کے لیے باندی کی وصیت کی اس کو باندی ملے گی اور بچہ دونوں موصی لہما کے درمیان نصف نصف مشترک ہوگا اور یہی حکم اس کے نظائر میں ہے کہ انگوٹھی اس کے موصی لہ کے لیے ہے اور نگینہ دونوں کے درمیان مشترک ہے اور ٹوکرا اپنے موصی لہ کے لیے ہے اور کھجور دونوں میں مشترک ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلام دوم میں ایجاب سے ظاہر ہو گیا کہ کلام اول میں اس کی مراد زید کے لیے بچے کے علاوہ فقط باندی کا ایجاب تھا یعنی زید کے لیے باندی کی وصیت کرنے سے غرض یہ تھی کہ بچے کے بغیر فقط باندی زید کے لیے وصیت ہے اور موصی کی طرف سے یہ بیان صحیح ہے اگرچہ اس نے اول کلام سے جدا کر کے بیان کیا ہے؛ کیونکہ موصی کی زندگی میں وصیت کچھ لازم نہیں کرتی تو اس میں بیان خواہ الگ ہو یا ملا ہوا ہو دونوں برابر ہیں جیسا کہ غلام کے رقبہ اور اس کی خدمت کے بارے میں بالاتفاق حکم ہے یعنی اس میں وصل اور فصل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

{8}امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ انگوٹھی کا نام اس کے حلقہ اور نگینہ دونوں کو شامل ہے، اسی طرح باندی کا لفظ اس کی ذات مع اس کے پیٹ کے بچے کو شامل ہے، اور ٹوکرہ خود ٹوکرے اور کھجور کو شامل ہے تو ان میں سے کوئی لفظ مجمل نہیں ہے بلکہ عام ہے اور ہمارے اصول میں سے یہ ہے کہ وہ عام جس کا موجب بطورِ احاطہ حکم کا ثبوت ہو خاص کے درجہ میں ہوتا ہے تو باندی وغیرہ کا لفظ عام بطور احاطہ ظرف اور مظروف دونوں کو شامل ہے پس اول شخص کے لیے انگوٹھی کی وصیت میں حلقہ اور نگینہ دونوں کی وصیت ہوئی پھر اس نے نگینہ کی وصیت دوسرے کے لیے بھی کی، یوں نگینہ کے حق میں دو وصیتیں جمع ہوئیں اور دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ ایجاب سے وصیت ہے یعنی ہر ایک وصیت سے علیحدہ نگینہ کا ایجاب کیا گیا ہے تو یہ دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ نگینہ کے حق میں اول موصی لہ کی وصیت سے رجوع ہو، اور دوم یہ کہ اول موصی لہ کے لیے نگینہ کی وصیت باقی رہے اور دوسرے کے لیے بھی ہو، اور ان دونوں میں سے دوم ادنیٰ ہے تو یہی متعین ہوگا لہٰذا نگینہ اول اور ثانی دونوں کے درمیان نصف نصف مشترک ہو جائے گا اور نگینہ میں دوم موصی لہ کے لیے وصیت کرنا اول سے رجوع نہیں ہوگا، جیسے اگر موصی دوسرے شخص کے لیے انگوٹھی کی وصیت کرتا تو بھی یہی حکم تھا کہ اس سے اول کی وصیت سے رجوع نہیں ہوتا بلکہ اول و ثانی دونوں انگوٹھی میں شریک ہو جاتے۔

{9}باقی خدمت مع رقبہ کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے یعنی جس کو امام ابو یوسفؒ کے استدلال میں پیش کیا گیا کہ جب زید کے لیے غلام کی وصیت کی پھر بکر کے لیے اس غلام کی خدمت کی وصیت کی تو ہر ایک کے لیے اپنی اپنی وصیت ہے تو اس میں مذکورہ بالا مسئلہ کی طرح شرکت کا حکم نہیں ہے؟ تو جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف ہے؛ کیونکہ رقبہ کا لفظ اس کی خدمت کو شامل نہیں ہے تو جس شخص کے لیے رقبہ کی وصیت کی تھی وہ رقبہ کے ساتھ خدمت کا مستحق ہی نہیں ہوا تھا، بلکہ موصی لہ کی خدمت لینے کا استحقاق صرف

اس حکم سے حاصل ہوا تھا کہ یہ منفعت اس کی ملکیت پر حاصل ہوئی ہے پس اگر موصی نے خدمت کی وصیت کی اور سے کے لیے کر دی تو اول موصی لہ کے لیے خدمت میں کچھ حق نہیں رہے گا۔

{۱۰}اس کے برخلاف اگر وصیت اول اور دوم موصی لہ کے لیے ایک ہی کلام موصول سے ہو تو ہر ایک کے لیے اپنا اپنا وصیت دوسرے کی شرکت کے بغیر ہوگی؛ کیونکہ کلام متصل سے اس طرح وصیت کرنا تخصیص اور استثناء کی دلیل ہے یعنی پورے کلام کے معنی سے یہ نکلا کہ اس نے اول موصی لہ کے لیے فقط باندی کی وصیت کی ہے اور بچہ کو مستثنیٰ کر لیا ہے جس کی وصیت اسی کلام میں دوم موصی لہ کے لیے کی یا انگوٹھی اگرچہ نگینہ کے ساتھ ہے لیکن ایک ہی کلام میں دوسرے کے لیے نگینہ کی وصیت کرنا دلیل ہے کہ اس نے اول کے لیے انگوٹھی سے نگینہ خاص اور مستثنیٰ کر لیا ہے تو ظاہر ہوا کہ اس نے انگوٹھی والے کے لیے نگینہ کے بغیر فقط حلقہ کی وصیت کی ہے۔

فتوی:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبدالحكيم الشهيد:الراجح انما هو قول الامام محمد صرح بترجيح قوله في شروح الهداية وايضاً يظهر الى ترجيح قوله ميل صاحب الهداية بالتاخير كما هو دأبه في كثير من المواضع(هامش الهداية:4ص683).

{۱}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى لِآخَرَ بِثَمَرَةِ بُسْتَانِهِ ثُمَّ مَاتَ وَفِيهِ ثَمَرَةٌ فَلَهُ هَذِهِ الثَّمَرَةُ وَحْدَهَا

فرمایا:اور جس نے وصیت کی دوسرے کے لیے اپنے باغ کے پھل کی، پھر وہ مر گیا اور باغ میں پھل ہیں، تو موصی لہ کے لیے فقط یہ پھل ہیں

وَإِنْ قَالَ لَهُ ثَمَرَةُ بُسْتَانِي أَبَدًا فَلَهُ هَذِهِ الثَّمَرَةُ وَثَمَرَتُهُ فِيمَا يُسْتَقْبَلُ

اور اگر موصی نے کہا اس کے لیے پھل ہیں میرے باغ کے ہمیشہ کے لیے تو اس کے لیے یہی پھل ہوں گے اور اس باغ کے مستقبل کے پھل ہوں گے

مَا عَاشَ ،{۲}وَإِنْ أَوْصَى لَهُ بِغَلَّةِ بُسْتَانِهِ فَلَهُ الْغَلَّةُ الْقَائِمَةُ وَغَلَّتُهُ فِيمَا

جب تک کہ وہ زندہ رہے،اور اگر وصیت کی موصی لہ کے لیے اپنے باغ کی آمدنی کی،تو اس کے لیے موجودہ آمدنی ہوگی اور باغ کی وہ آمدنی

يُسْتَقْبَلُ ؛ وَالْفَرْقُ أَنَّ الثَّمَرَةَ اسْمٌ لِلْمَوْجُودِ عُرْفًا فَلَا يَتَنَاوَلُ الْمَعْدُومَ إِلَّا بِدَلَالَةٍ زَائِدَةٍ ، مِثْلُ

جو مستقبل میں ہوگی،اور فرق یہ ہے کہ پھل نام ہے موجود کا عرف میں، پس شامل نہ ہوگا معدوم کو مگر دلالت زائدہ کے ذریعہ جیسے

التَّنْصِيصِ عَلَى الْأَبَدِ لِأَنَّهُ لَا يَتَأَبَّدُ إلَّا بِتَنَاوُلِ الْمَعْدُومِ{۳}وَالْمَعْدُومُ مَذْكُورٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا{۴}أَمَّا الْغَلَّةُ فَتَنْتَظِمُ

ابد کی تصریح؛ کیونکہ وہ ابدی نہ ہوگا مگر معدوم کو شامل ہونے سے،اور معدوم قابل ذکر ہوتا ہے اگرچہ وہ شئی نہ ہو، رہی آمدنی تو وہ شامل ہوتی ہے

الموجود وما يكون بعرض الوجود مرة بعد أخرى عرفاً، يقال فلان يأكل من غلة بستانه ومن غلة أرضه وداره،

موجود کو اور اس کو بھی جو معرض وجود میں آئے یکے بعد دیگرے عرفاً، کہا جاتا ہے فلاں کھاتا ہے اپنے باغ کی آمدنی اور اپنی زمین اور اپنے گھر کی آمدنی سے

فإذا أطلقت يتناولهما عرفاً غير موقوف على دلالة أخرى. أما الثمرة إذا أطلقت لا يراد

پس جب مطلق بولا جائے تو وہ ان دونوں کو شامل ہوگا عرفاً، موقوف نہ ہوگا دوسری دلالت پر، رہا ثمرہ تو جب مطلق بولا جائے تو مراد نہیں ہوتا ہے

بها إلا الموجود فلهذا يفتقر الانصراف إلى دليل زائد. {۵} قال: ومن أوصى لرجل بصوف غنمه

اس سے مگر موجود، لہٰذا انصراف محتاج ہوگا دلیل زائد کی طرف۔ فرمایا: اور جس نے وصیت کی کسی شخص کے لیے اپنی بکریوں کی اون کی

أبداً أو بأولادها أو بلبنها ثم مات فله ما في بطونها من الولد وما

ہمیشہ کے لیے، یا بکریوں کی اولاد کی، یا بکریوں کے دودھ کی، پھر مر گیا تو اس کے لیے وہ بچے ہیں جو بکریوں کے پیٹوں میں ہیں، اور وہ

في ضروعها من اللبن وما على ظهورها من الصوف يوم يموت الموصي سواء قال أبداً أو لم يقل؛ لأنه

دودھ جو ان پستانوں میں ہے اور وہ اون ہے جو ان کی پشتوں پر ہے جس دن مرے گا موصی، خواہ اس نے ابداً کہا ہو یا نہ کہا ہو؛ کیونکہ

إيجاب عند الموت فيعتبر قيام هذه الأشياء يومئذ، {۶} وهذا بخلاف ما تقدم. والفرق أن القياس يأبى

یہ ایجاب ہے موت کے وقت پس معتبر ہوگا ان اشیاء کا قیام اسی دن۔ اور یہ برخلاف ہے سابقہ مسئلے کے، اور فرق یہ کہ قیاس انکار کر رہا ہے

تمليك المعدوم لأنه لا يقبل الملك، إلا أن في الثمرة والغلة المعدومة جاء الشرع بورود العقد عليها

تملیکِ معدوم کا؛ کیونکہ معدوم قبول نہیں کرتا ہے ملک کو، البتہ معدوم پھل اور آمدنی میں شریعت آئی ہے ان پر ورودِ عقد کے بارے میں

كالمعاملة والإجارة، فاقتضى ذلك جوازه في الوصية بالطريق الأولى لأن بابها أوسع {۷} أما الولد المعدوم

جیسے مساقات اور اجارہ، پس یہ تقاضا کر رہا ہے اس کے جواز کا وصیت میں بطریقہ اولیٰ؛ کیونکہ وصیت کا باب زیادہ وسیع ہے، رہا ولدِ معدوم

وأخواته فلا يجوز إيراد العقد عليها أصلاً، ولا تستحق بعقد ما، فكذلك لا يدخل

اور اس کی دو اخوات، تو جائز نہیں ہے عقد وارد کرنا ان پر بالکل، اور نہ ان کا استحقاق ہوتا ہے کسی عقد سے، پس اسی طرح داخل نہ ہوں گے

تحت الوصية، بخلاف الموجود منها لأنه يجوز استحقاقها بعقد البيع تبعاً وبعقد الخلع مقصوداً،

وصیت کے تحت، برخلاف ان میں سے موجود کے؛ کیونکہ جائز ہے ان کا استحقاق عقدِ بیع کے ذریعہ تبعاً، اور عقدِ خلع کے ساتھ مقصوداً،

فكذا بالوصية، والله أعلم بالصواب.

پس اسی طرح وصیت کے ساتھ، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تشریح:۔{۱}اگر زید نے بکر کے لیے اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت کی پھر زید مر گیا اور اس وقت اس کے باغ میں پھل ہیں تو بکر کے لیے فقط یہی پھل ہوں گے بشرطیکہ یہ پھل ثلثِ ترکہ سے برآمد ہوں اور اس سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اور اگر موصی نے کہا ہو کہ بکر کے لیے ہمیشہ میرے باغ کے پھل ہیں تو اس صورت میں بکر کو یہ پھل بھی ملیں گے اور آئندہ جب تک بکر زندہ رہے تب تک سب پھل ملتے رہیں گے اور جب بکر مر جائے تو وصیت ختم ہو جائے گی۔

{۲}اور اگر زید نے بکر کے لیے اپنے باغ کی پیداوار کی وصیت کی تو یہ پیداوار جو زید کی موت کے وقت موجود ہے اور آئندہ جو کچھ پیداوار حاصل ہوگی سب بکر کو ملے گی جب تک کہ بکر زندہ رہے، پس معلوم ہوا کہ پھل کی وصیت میں اور پیداوار کی وصیت میں فرق ہے، اور فرق یہ ہے کہ پھل عرف میں موجود کا نام ہے پس یہ لفظ ایسے پھلوں کو شامل نہ ہوگا جو فی الحال معدوم ہوں البتہ اگر ایسا لفظ پایا جائے جو موجود پھلوں سے زائد پر دلالت کرے جیسے موصی نے ہمیشہ کے لفظ سے تصریح کر دی تو پھر یہ وصیت معدوم کو بھی شامل ہوگی؛ کیونکہ اس وصیت کے لیے ہیشگی نہیں ہو سکتی مگر اسی طرح کہ جو پھل ابھی معدوم ہیں ان کو بھی شامل کی جائے۔

{۳}اور معدوم اگرچہ کوئی چیز نہیں ہے لیکن وہ مذکور ہوتا ہے یعنی اگر کوئی اعتراض کرے کہ متکلمین کہتے ہیں کہ شئی وہ ہے جو موجود اور ثابت ہو تو معدوم پھل کوئی چیز نہ ہوئے؛ کیونکہ وہ موجود نہیں ہیں تو چاہیئے کہ ان کی وصیت باطل ہو؟ جواب یہ کہ ہاں معدوم کوئی چیز نہیں ہے لیکن معدوم کو ذکر کیا جاتا ہے یعنی معدوم کو بیان میں ذکر کرنا ممکن ہے تو وصیت میں ان معدوم پھلوں کا ذکر ہے لہٰذا جب کبھی موجود ہوں تو اس وقت وصیت نافذ ہوگی۔

{۴}رہی پیداوار تو وہ موجود کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ جو بار بار موجود ہونے کے قابل ہو سب کو عرف میں شامل ہوتی ہے چنانچہ عرف میں بولا کرتے ہیں کہ فلاں شخص اپنے باغ کی پیداوار سے کھاتا ہے یا اپنی زمین اور مکان کی حاصلات سے کھاتا ہے یعنی فلاں شخص کی بسر اوقات اپنے باغ یا زمین یا مکان کی حاصلات سے ہے پس جب غلہ کا لفظ مطلق ذکر ہو تو وہ عرف میں موجود کو اور آئندہ پیدا ہونے والے دونوں کو شامل ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے امر کی دلالت پر موقوف نہیں ہوتا ہے یعنی اس کے ساتھ کسی اور ایسے لفظ کی ضرورت نہیں جو آئندہ کی پیداوار کے شمول پر دلالت کرے بلکہ غلہ کا لفظ ہی آئندہ موجود ہونے والے پر دلالت کرتا ہے۔

اور ثمرہ کا لفظ جب مطلق ذکر ہو یعنی اس کے ساتھ ہیشگی وغیرہ کی کوئی قید نہ لگائی گئی ہو تو اس سے موجود پھلوں کے علاوہ زائد مراد نہیں ہوتے ہیں، اسی لیے موجود سے زائد ہیشگی کا معنی مراد لینے کے لیے دلیل زائد کی ضرورت ہوتی ہے۔

{۵}اگر زید نے بکر کے لیے ہمیشہ کے لیے اپنی بکریوں کے بالوں کی، یا ان کے بچوں کی، یا ان کے دودھ کی وصیت کی پھر زید مر گیا تو اس کی موت کے دن ان بکریوں کے پیٹ میں جو بچے ہوں، یا جو کچھ دودھ ان کے تھنوں میں ہو، یا جو بال ان کی پشت پر ہوں وہ بکر کو ملیں گے خواہ زید نے ہمیشہ کا لفظ کہا ہو یا نہ کہا ہو؛ کیونکہ یہ وصیت موت کے وقت ایجاب ہے تو موت کے دن ان چیزوں کا وجود معتبر ہے اور آئندہ جو بچے وغیرہ ہوں وہ بالفعل معدوم ہیں تو وصیت میں ان کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیونکہ وصیت صرف اس سے متعلق ہوتی ہے جو ایجاب کے وقت ہو۔

{٦}اور یہ سابق میں مذکور ثمرہ اور غلہ کے برخلاف ہے، دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ معدوم چیز کی تملیک سے قیاس منکر ہے یعنی قیاس مقتضی نہیں کہ معدوم چیز کی تملیک کی جائے؛ کیونکہ جس چیز کو دوسرے کی ملک میں دیتا ہے وہ معدوم ہے اور معدوم اس قابل نہیں کہ مملوک ہو، البتہ معدوم پھل اور پیداوار پر عقد کا وارد ہونا شریعت میں آیا ہے جیسے درختوں کی بٹائی کا معاملہ ہے یا عقد اجارہ ہے کہ ان میں معدوم پر عقد واقع کرنے کے بارے میں شریعت وارد ہے تو یہ مقتضی ہے کہ ان کی وصیت بدرجہ اولیٰ جائز ہو؛ کیونکہ وصیت کا باب زیادہ وسیع ہے؛ کیونکہ جب ان معدوم پھل اور پیداوار کے عوض دوسرے کا مال لینے کا عقد اجارہ جائز ہوا تو وصیت جو مفت تملیک ہے بدرجہ اولیٰ جائز ہے لہٰذا ہم نے پھلوں اور پیداوار کی وصیت میں معدوم اور موجود سب کی وصیت کو جائز کہا۔

{۷}رہا معدوم بچہ اور اس کے دونوں ساتھی یعنی بکریوں کی اُون اور دودھ کی وصیت تو ان پر عقد وارد کرنا بالکل جائز نہیں ہے اور کسی عقد کے ذریعہ سے ان کا استحقاق نہیں ہوتا ہے تو وصیت کے تحت بھی یہ معدومات داخل نہیں ہوں گے۔ باقی ان کے موجود کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی جو بچہ یا دودھ اور صوف موجود ہو وہ وصیت میں داخل ہو جائے گا؛ کیونکہ پیٹ میں جو بچہ یا تھن میں جو دودھ یا بکری کی پیٹھ پر جو صوف ہے عقد بیع کے ذریعہ تابع کرکے ان کا استحقاق جائز ہے اور عقدِ خلع کے ذریعہ سے مقصوداً جائز ہے تو اسی طرح وصیت کے ذریعہ بھی واجب ہو جائے گا۔

بَابُ وَصِيَّةِ الذِّمِّيِّ

یہ باب ذمی کی وصیت کے بیان میں ہے۔

مصنف" مسلمان کی وصیت کے بیان سے فارغ ہوگئے تو ذمی کی وصیت کے احکام کو شروع فرمایا چونکہ کفار معاملات میں مسلمانوں کے تابع ہیں اس لیے ذمی کی وصیت کے باب کو مؤخر کر دیا ہے۔

﴿١﴾قَالَ :وَإِذَاصَنَعَ يَهُودِيٌّ أَوْنَصْرَانِيٌّ بِيعَةً أَوْكَنِيسَةًفِي صِحَّتِهِ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَمِيرَاثٌ ؛ لِأَنَّ هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْوَقْفِ

فرمایا: اور اگر بنایا یہودی یا نصرانی نے بیعہ یا کنیسہ اپنی صحت کے زمانے میں پھر مر گیا تو وہ میراث ہے؛ کیونکہ یہ بمنزلہ وقف کے ہے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَالْوَقْفُ عِنْدَهُ يُورَثُ وَلَا يَلْزَمُ فَكَذَا هَذَا .وَأَمَّا عِنْدَهُمَا

امام صاحب" کے نزدیک، اور وقف امام صاحب" کے نزدیک میراث ہوتا ہے اور لازم نہیں ہوتا اسی طرح یہ بھی ہے، رہا صاحبین" کے نزدیک

فَلِأَنَّ هَذِهِ مَعْصِيَةٌ فَلَا تَصِحُّ عِنْدَهُمَا . ﴿٢﴾قَالَ : وَلَوْ أَوْصَى بِذَلِكَ لِقَوْمٍ مُسَمَّيْنَ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ

تو چونکہ یہ معصیت ہے اس لیے صحیح نہیں ہے ان کے نزدیک۔ فرمایا: اور اگر وصیت کی اس کی کسی معین قوم کے لیے تو وہ ثلث سے معتبر ہوگی

مَعْنَاهُ إِذَا أَوْصَى أَنْ تُبْنَى دَارُهُ بِيعَةً أَوْ كَنِيسَةً فَهُوَ جَائِزٌ مِنَ الثُّلُثِ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِيهَا مَعْنَى الِاسْتِخْلَافِ

اس کا معنی ہے کہ اس طرح وصیت کرے کہ بنایا جائے اس کا مکان بیعہ یا کنیسہ، تو یہ جائز ہے ثلث سے؛ کیونکہ وصیت میں استخلاف

وَمَعْنَى التَّمْلِيكِ ، وَلَهُ وِلَايَةُ ذَلِكَ فَأَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ عَلَى اعْتِبَارِ الْمَعْنَيَيْنِ. ﴿٣﴾قَالَ : وَإِنْ أَوْصَى

اور تملیک کا معنی ہے اور اس کو اس کی ولایت حاصل ہے، پس ممکن ہے اس کی تصحیح دونوں معانی کے اعتبار پر۔ فرمایا: اور اگر وصیت کی

بِدَارِهِ كَنِيسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمَّيْنَ جَازَتِ الْوَصِيَّةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ؛

اپنے مکان کو کنیسہ بنانے کی غیر معین قوم کے لیے تو جائز ہے وصیت امام صاحب" کے نزدیک، اور فرمایا صاحبین" نے یہ وصیت باطل ہے

لِأَنَّ هَذِهِ مَعْصِيَةٌحَقِيقَةًوَإِنْ كَانَ فِي مُعْتَقَدِهِمْ قُرْبَةً،وَالْوَصِيَّةُبِالْمَعْصِيَةِبَاطِلَةٌلِمَا فِي تَنْفِيذِهَا مِنْ تَقْرِيرِ الْمَعْصِيَةِ

کیونکہ یہ معصیت ہے حقیقۃً، اگرچہ ان کے عقیدے میں قربت ہے، اور معصیت کی وصیت باطل ہے؛ کیونکہ اس کی تنفیذ میں تقریر معصیت ہے

﴿٤﴾وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ هَذِهِ قُرْبَةٌ فِي مُعْتَقَدِهِمْ وَنَحْنُ أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِينُونَ

اور امام صاحب" کی دلیل یہ ہے کہ یہ قربت ہے ان کے اعتقاد میں، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ چھوڑ دیں ان کو اور جو عقیدہ وہ رکھیں،

تجوز بناء على اعتقادهم ، ألا يرى أنه لو أوصى بما هو قربة حقيقة معصية في معتقدهم
جائز ہے بنا کرتے ہوئے ان کے اعتقاد پر، کیا نہیں دیکھتا کہ اگر وصیت کرے ایسی چیز کی جو قربت ہو حقیقۃً، اور معصیت ہو ان کے اعتقاد میں

لا تجوز الوصية اعتبارا لاعتقادهم فكذا عكسه . ﴿5﴾ثم الفرق لأبي حنيفة بين بناء البيعة
تو جائز نہیں ہے یہ وصیت اعتبار کرتے ہوئے ان کے اعتقاد کا، پس اسی طرح اس کا عکس ہے۔ پھر فرق امام صاحبؒ کے نزدیک بیعہ

والكنيسة وبين الوصية به أن البناء نفسه ليس بسبب لزوال ملك الباني ، وإنما يزول ملكه بأن
و کنیسہ بنانے اور ان کی وصیت کرنے میں یہ ہے کہ نفس بنا ملک بانی کے زوال کا سبب نہیں ہے، بلکہ زائل ہوگی اس کی ملک اس طرح

يصير محرزا خالصا لله تعالى كما في مساجد المسلمين ، والكنيسة لم تصر محرزة لله تعالى حقيقة
کہ ہو جائے وہ محفوظ خالص اللہ کے لیے جیسا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں ہے، اور کنیسہ محرز نہیں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقۃً،

فتبقى ملكا للباني فتورث عنه . ﴿6﴾ولأنهم يبنون فيها الحجرات ويسكنونها
تو باقی رہے گا بانی کی ملکیت پر، تو میراث ہوگا اس کی طرف سے، اور اس لیے کہ وہ بناتے ہیں اس میں کمرے اور ان میں رہتے ہیں

فلم يتحرز لتعلق حق العباد به ، وفي هذه الصورة يورث المسجد أيضا لعدم تحرزه ، بخلاف الوصية
تو یہ محرز نہ ہوگا حق عباد کے تعلق کی وجہ سے، اور اس صورت میں میراث ہوتی ہے مسجد بھی محرز نہ ہونے کی وجہ سے، برخلاف وصیت کے

لأنه وضع لإزالة الملك إلا أنه امتنع ثبوت مقتضاه في غير ما هو قربة عندهم فبقي
کیونکہ وہ موضوع ہے ازالۂ ملک کے لیے، البتہ ممتنع ہے اس کے مقتضا کا ثبوت اس کے غیر میں جو ان کے نزدیک قربت نہ ہو پس باقی رہی

فيما هو قربة على مقتضاه فيزول ملكه فلا يورث . ﴿7﴾ثم الحاصل أن وصايا الذمي على أربعة أقسام:
جو قربت ہے اپنے مقتضا پر، اور زائل ہو جائے گی بانی کی ملکیت، پس میراث نہ ہوگی۔ پھر حاصل یہ ہے کہ ذمی کی وصیتیں چار اقسام پر ہیں

منها أن تكون قربة في معتقدهم ولا تكون قربة في حقنا وهو ما ذكرناه ، وما إذا أوصى
ان میں سے یہ کہ وہ قربت ہو ان کے اعتقاد میں، اور قربت نہ ہو ہمارے حق میں، اور یہ وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے، اور یہ کہ جب وصیت کر لے

الذمي بأن تذبح خنازيره وتطعم المشركين ، وهذه على الخلاف إذا كان لقوم غير مسمين كما
ذمی کہ ذبح کیا جائے اس کے خنزیروں کو اور کھلایا جائے مشرکین کو، اور یہ مختلف فیہ ہے جب ہو ایسی قوم کے لیے جو معین نہ ہو جیسا کہ

ذكرناه والوجه ما بيناه . ﴿8﴾ومنها إذا أوصى بما يكون قربة في حقنا

ہم ذکر کر چکے اور وجہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے۔ اور ان میں سے یہ کہ جب وصیت کرے ایسی چیز کی جو قربت ہو ہمارے حق میں

وَلَا يَكُونُ قُرْبَةً فِي مُعْتَقَدِهِمْ ، كَمَا إذَا أَوْصَى بِالْحَجِّ أَوْبِأَنْ يُبْنَى مَسْجِدٌ لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ بِأَنْ يُسْرَجَ

اور قربت نہ ہو ان کے اعتقاد میں جیسے اگر وصیت کی حج کی، یا وصیت کی کہ بنائی جائے مسجد مسلمانوں کے لیے، یا وصیت کی کہ چراغ جلائے جائیں

فِي مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِينَ، فَهَذِهِ الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ بِالْإِجْمَاعِ اعْتِبَارًا لِاعْتِقَادِهِمْ، إلَّا إذَا كَانَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ لِوُقُوعِهِ تَمْلِيكًا

مسلمانوں کی مسجدوں میں، اور یہ وصیت باطل ہے بالاتفاق؛ اعتبار کرتے ہوئے ان کے اعتقاد کا، مگر یہ کہ معین قوم کے لیے ہو؛ تملیک واقع ہونے کی وجہ سے

لِأَنَّهُمْ مَعْلُومُونَ وَالْجِهَةُ مَشُورَةٌ . {٩}وَمِنْهَا إذَا أَوْصَى بِمَا يَكُونُ قُرْبَةً فِي حَقِّنَا وَفِي حَقِّهِمْ

کیونکہ موصی لہم معلوم ہیں اور جہت مشورہ ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ وصیت کرے ایسی چیز کی جو قربت ہے ہمارے حق میں اور ان کے حق میں

كَمَا إذَا أَوْصَى بِأَنْ يُسْرَجَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ أَوْ يُغْزَى التُّرْكُ وَهُوَ مِنَ الرُّومِ ، وَهَذَا

جیسے وصیت کرے کہ چراغ جلایا جائے بیت المقدس میں، یا وصیت کی کہ جنگ کی جائے ترکوں کے ساتھ حالانکہ وہ خود رومی ہے، اور یہ

جَائِزٌ سَوَاءٌ كَانَتْ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ أَوْبِغَيْرِ أَعْيَانِهِمْ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيقَةً وَفِي مُعْتَقَدِهِمْ أَيْضًا . {١٠}وَمِنْهَا

جائز ہے خواہ قوم متعین ہو یا غیر متعین ہو؛ کیونکہ یہ اس چیز کی وصیت ہے جو قربت ہے حقیقۃً اور ان کے اعتقاد میں بھی۔ اور ان میں سے یہ

إذَا أَوْصَى بِمَا لَا يَكُونُ قُرْبَةً لَا فِي حَقِّنَا وَلَا فِي حَقِّهِمْ ، كَمَا إذَا أَوْصَى لِلْمُغَنِّيَاتِ وَالنَّائِحَاتِ،

کہ وصیت کرے ایسی چیز کی جو قربت نہ ہو نہ ہمارے حق میں اور نہ ان کے حق میں جیسے وصیت کرے گانے والی عورت اور نوحہ کرنے والی عورتوں کے لیے

فَإِنَّ هَذَا غَيْرُ جَائِزٍ لِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ فِي حَقِّنَا وَفِي حَقِّهِمْ ، إلَّا أَنْ يَكُونَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ فَيَصِحُّ تَمْلِيكًا وَاسْتِخْلَافًا

تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ گناہ ہے ہمارے حق میں بھی اور ان کے حق میں بھی، مگر یہ کہ معین قوم کے لیے ہو تو صحیح ہے تملیک اور استخلاف کے اعتبار سے

{١١}وَصَاحِبُ الْهَوَى إنْ كَانَ لَا يَكْفُرُ فَهُوَ فِي حَقِّ الْوَصِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ لِأَنَّا أُمِرْنَا

اور بدعتی اگر وہ ایسا ہو کہ کفر تک نہ پہنچا ہو تو وہ وصیت کے حق میں مسلمانوں کی طرح ہے؛ کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے

بِبِنَاءِ الْأَحْكَامِ عَلَى الظَّاهِرِ، وَإِنْ كَانَ يَكْفُرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ فَيَكُونُ عَلَى الْخِلَافِ الْمَعْرُوفِ فِي تَصَرُّفَاتِهِ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ

احکام مبنی کرنے کا ظاہر پر، اور اگر اس کی تکفیر کی جاتی ہو، تو اس اختلاف پر ہوگی جو مشہور ہے اس کے تصرفات کے بارے میں امام صاحبؒ

وَصَاحِبَيْهِ {١٢}وَفِي الْمُرْتَدَّةِ الْأَصَحُّ أَنَّهُ تَصِحُّ وَصَايَاهَا لِأَنَّهَا تَبْقَى عَلَى الرِّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ أَوْ يُسْلِمُ

اور صاحبینؒ کے نزدیک، اور مرتدہ کے بارے میں اصح یہ ہے کہ صحیح ہیں اس کی وصیتیں؛ کیونکہ وہ باقی رہ سکتی ہے ردّت پر، برخلاف مرتد کے

کیونکہ وہ قتل کیا جائے گا یا اسلام لائے گا۔

{1} اگر یہودی نے بیعہ (یہود کی عبادت گاہ) بنایا یا نصرانی نے کنیسہ (نصاریٰ کی عبادت گاہ) بنایا حالانکہ وہ تندرست ہے مرض میں مبتلا نہیں ہے پھر مر گیا تو یہ باتفاق ائمہ ثلاثہ اس کے وارثوں کے لیے میراث ہے؛ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ذمی کا یہ بمنزلہ وقف ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اوقاف لازم نہیں ہوتے ہیں بلکہ میراث ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ مسلمان اگر اپنی زمین وقف کرے پھر مر جائے تو یہ وقف میراث ہو جائے گا تو اسی طرح یہودی اور نصرانی کا وقف بھی لازمی نہ ہوگا بلکہ میراث ہوگا۔ رہا صاحبینؒ کے نزدیک اس کا میراث ہو جانا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے نزدیک وقف اگرچہ لازم ہوتا ہے لیکن یہ فعل معصیت ہے تو صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس کو نافذ کرنے میں معصیت کو پختہ کرنا ہوتا ہے۔

{2} اور اگر یہودی یا نصرانی نے ایک متعین قوم کے لیے بیعہ یا کنیسہ کی وصیت کی تو یہ وصیت اس کے ثلثِ ترکہ سے جائز ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موصی نے وصیت کی کہ میرا یہ مکان فلاں اور فلاں معین لوگوں کے لیے بیعہ یا کنیسہ بنایا جائے تو یہ وصیت ثلثِ مال سے جائز ہے؛ کیونکہ وصیت میں دو ہی معنی ہوتے ہیں، ایک یہ کہ موصی لہ کو اپنا خلیفہ بنایا، اور دوم یہ کہ اس کو مالک بنایا۔ اور موصی کو بھی ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک کا اختیار حاصل ہے تو اس کے اس قول کو دونوں معنی کے لحاظ سے صحیح کرنا ممکن ہے یعنی استخلاف کو دیکھتے ہوئے ثلثِ ترکہ سے قرار دیا اور تملیک کو دیکھتے ہوئے جائز قرار دیا پس یہ تصرف صحیح ہے۔

{3} اور اگر اس نے وصیت کی کہ میرا مکان ایک غیر معین قوم کے لیے کنیسہ بنا دیا جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک وصیت باطل ہے؛ کیونکہ یہ وصیت درحقیقت معصیت اور گناہ ہے اگرچہ ان کے اعتقاد میں یہ قربت ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہوتی ہے؛ کیونکہ ایسی وصیت کے نافذ کرنے میں معصیت کو مستحکم کرنا لازم آتا ہے اس لیے یہ وصیت باطل ہے۔

{4} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کام ان کے اعتقاد میں طاعت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم ذمیوں کو ان کے اعتقاد پر چھوڑیں، اور یہ ترکِ اعراض ہے ترکِ تقریر نہیں ہے، تو ان کے اعتقاد کے مطابق یہ وصیت جائز ہے، اور ان کے دینی افعال میں مداخلت نہ کرنا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے ایسے امر کی وصیت کی جو درحقیقت قربت ہے لیکن ان کے اعتقاد میں وہ معصیت ہے تو ان کے اعتقاد کا لحاظ کر کے یہ وصیت جائز نہیں رکھی جائے گی ورنہ حقیقت میں تو یہ جائز ہے تو اس کے برعکس میں بھی یہی ہوگا کہ جو درحقیقت معصیت ہو لیکن ان کے اعتقاد میں قربت ہے وہ نافذ کی جائے گی۔

{۵}اوراس سے ظاہر ہوا کہ بیعہ اور کنیسہ بنانے کی وصیت امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے موصی بہ چیز میراث نہ ہوگی حالانکہ اگر وہ خود کنیسہ یا بیعہ بناتا پھر مرجاتا تو وہ میراث ہو جاتا، توامام صاحبؒ نے بیعہ اور کنیسہ بنانے اوران کی وصیت کرنے میں فرق کیا ہے؛وجۂ فرق یہ ہے کہ عمارت خود ایسی چیز نہیں جو بنانے والے کی ملکیت زائل ہو جانے کا سبب ہو بلکہ اس کی ملکیت اس وقت زائل ہوتی ہے کہ ایسا سبب پایا جائے جس سے یہ عمارت محفوظ ہو کر خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے جیسے مسلمانوں کی مساجد میں ہوتا ہے یعنی بندوں کا تعلق اس سے بالکلیہ ختم ہو جائے جبکہ بیعہ اور کنیسہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محرز نہیں ہوا ہے بلکہ فقط ان کے اعتقاد میں محرز ہوا ہے لہٰذا اس میں بنانے والے کی ملکیت باقی رہی اس لیے وہ اس کے وارثوں کے لیے میراث ہوگا۔

{٦}دوسری دلیل یہ ہے کہ یہود اور نصاری اپنی بیعہ اور کنیسہ میں حجرے بناتے ہیں اوران میں رہتے ہیں تو اس سے بندوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے یہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوا تو ایسی صورت میں تو اللہ تعالیٰ کے لیے محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد بھی میراث ہو جاتی ہے مثلاً کوئی اپنے مکان کو مسجد بنائے نیچے تہہ خانہ بنائے اور چھت پر گھر بنائے تو ایسی مسجد در حقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محفوظ نہیں بلکہ یہ میراث ہو جائے گی۔باقی بیعہ اور کنیسہ کے لیے وصیت کرنے کا حکم اس کے بر خلاف ہے؛کیونکہ وصیت تو ازالۂ ملک کے لیے موضوع ہے تو ملکیت نہیں رہتی ہے اس لیے وصیت میراث نہ ہوگی،البتہ اتنی بات ہے کہ جس صورت میں وصیت ان کے اعتقاد میں قربت نہ ہو تو وصیت کا مقتضاء (یعنی ازالۂ ملک) کا حکم ثابت نہ ہوگا پس جس صورت میں ان کے نزدیک قربت ہو اس میں وصیت کا مقتضاء (ازالۂ ملک) ثابت ہو جائے گا پس اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس لیے وہ میراث نہیں ہو سکتی ہے۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے. لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید:لم اجد التصریح بالترجیح فی کتب الفتاوی والشروح الا ان ظاهر صنیعهم ترجیح قول الامام وهو المذهب (هامش الهداية:4ص685)

{۷}پھر حاصل کلام یہ کہ ذمیوں کی وصیتیں چار قسم پر ہوتی ہیں،ایک یہ کہ وصیت ایسی ہو جو ذمیوں کے اعتقاد میں قربت ہو اور ہمارے نزدیک وہ قربت نہیں ہو اوراس کی ایک تو مثال یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی بیعہ اور کنیسہ بنانے کی وصیت کرنا،دوسری یہ کہ نصرانی نے وصیت کی کہ اس کے خنزیر کو ذبح کرکے مشرکوں کو کھلایا جائے،اس طرح کی وصیت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے جب کہ وہ لوگ غیر معین ہوں جن کے لیے وصیت کی گئی ہے یعنی ایسی وصیت امام صاحبؒ کے نزدیک جائز اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور ہر ایک فریق کی دلیل بھی ہم نے ذکر کی کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا اعتقاد معتبر ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ وصیت معصیت ہے اس لیے جائز نہیں۔

{۸}دوسری قسم یہ کہ ایسی وصیت جو ہمارے حق میں قربت ہو اور ذمیوں کے اعتقاد میں قربت نہ ہو مثلاً ذمی نے وصیت کی
برے مال سے حج کرایا جائے، یا مسلمانوں کے لیے مسجد بنوائی جائے، یا مسلمانوں کی مسجدوں میں چراغ روشن کیا جائے، تو ایسی
بت بالاجماع باطل ہے؛ ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے یعنی کہ ان کے اعتقاد میں یہ قربت نہیں ہے اس لیے باطل ہے بلکہ
ینؒ کے نزدیک اس وجہ سے باطل ہے کہ یہ قربتیں ذمی کے حق میں حقیقۃً ضائع ہیں؛ کیونکہ اس کو ان قربتوں پر کچھ ثواب نہیں
ہو، البتہ اگر ایسی وصیت کسی معین قوم کے حق میں ہو تو نافذ کی جائے گی؛ کیونکہ یہ وصیت تملیک واقع ہو جاتی ہے اس لیے کہ موصی
زل معلوم ہیں، اور طریقہ کو مشورہ قرار دیا جائے گا مثلاً اس نے کہا کہ زید کو حج کرایا جائے تو اس کا یہ معنی لیا جائے گا کہ اس قدر مال
ید کو دیا جائے اور موصی کہتا ہے کہ میں اس کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس مال سے حج کرلے پس یہ وصیت اس معین شخص کے لیے
لیک مال ہے اور جہتِ حج کو بطور مشورہ سمجھا جائے گا؛ کیونکہ موصی خود حج کا معتقد نہیں ہے اور اس کا یہ فعل ناموری
کے لیے قرار دیا جائے گا۔

{۹}تیسری قسم یہ کہ اس نے ایسی چیز کی وصیت کی جو ہمارے حق میں بھی اور اس کے حق میں بھی قربت ہو مثلاً یہودی
نصرانی نے وصیت کی کہ بیت المقدس میں چراغ روشن کیا جائے یا روم کے یہودی نے وصیت کی کہ اس مال سے تاتاریوں (یہ لوگ
زمانے میں حربی کافر تھے) پر جہاد کیا جائے تو یہ وصیت جائز ہے خواہ اس نے کسی قوم معین کے لیے وصیت کی ہو یا غیر معین کے لیے
بت ہو؛ کیونکہ یہ ایسی چیز کی وصیت ہے جو در حقیقت قربت ہے اور ان کے اعتقاد میں بھی قربت ہے اس لیے یہ جائز ہے۔

{۱۰}چوتھی قسم ایسی چیز کی وصیت ہے جو مطلقاً قربت نہ ہو یعنی نہ ہمارے حق میں قربت ہو اور نہ ذمیوں کے اعتقاد میں
بت ہو مثلاً ذمی نے گانے والیوں یا نوحہ کرنے والیوں کے لیے مال کی وصیت کی تو ایسی وصیت جائز نہیں ہے یعنی نافذ نہیں کی جائے گی
ونکہ ایسی وصیت ہمارے حق میں بھی اور ذمیوں کے حق میں بھی معصیت ہے، البتہ اگر اس نے یہ وصیت کسی معین قوم کے لیے کی
تو تملیک اور قائم مقام بنانے کے اعتبار سے صحیح ہے مثلاً اس نے کہا کہ اس قدر مال فلاں گانے والی کو دیا جائے تو یہ مال اس خاص
ت کو دیا جائے گا مگر اس کے گانے یا رونے پر نہیں بلکہ یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا اس نے اپنے مال سے اس قدر مال اس عورت
مالک بنا دیا ہے یا اس نے اپنے اس مال میں اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے بہر حال یہ وصیت تملیک یا استخلاف کے طور پر صحیح ہوسکتی ہے اس
لیے نافذ کیا جائے گا۔

﴿۱۱﴾اور ایسا بدعتی جس کے اعتقاد میں گمراہی ہو مگر اس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو تو وہ وصیت کے حق میں مسلمانوں کے درجے میں ہے ؛ کیونکہ ہم کو حکم دیا گیا کہ احکام کو ظاہر حال پر مبنی کریں یعنی ظاہر حال سے جو بات معلوم ہو اسی پر حکم لگائیں اور ظاہر حال کے اعتبار سے ایسا بدعتی مسلمان ہے اس لیے اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ ایسا بدعتی ہو جس کی بدعت کفر تک پہنچی ہو یعنی اس کے کافر ہونے کا حکم شرعاً ہو چکا ہو تو وہ مرتد کے درجے میں ہے تو اس کے تصرفات نافذ ہونے کے بارے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف معروف ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک مرد مرتد کے تصرفات جائز ہیں اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس نے جو تصرف کیا وہ ابھی موقوف ہے پس اگر اسلام لایا تو نافذ ہوگا اور اگر مرتد ہونے پر قتل ہوا یا مر گیا تو اس کا تصرف باطل ہوگا۔

﴿۱۲﴾ پھر یہ اختلاف مرد مرتد کے بارے میں ہے، رہی عورت مرتدہ تو اصح یہ ہے کہ مرتدہ عورت کی وصیتیں صحیح ہیں ؛ کیونکہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جاتی بلکہ اسے ردّت پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور قید کی جاتی ہے۔ باقی مرتد کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہ یا تو قتل کیا جائے گا اور یا اسلام لائے گا۔

﴿۱﴾قَالَ : وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَأَوْصَى لِمُسْلِمٍ .

فرمایا: اور اگر داخل ہوا حربی دارالاسلام میں امان کے ساتھ، اور اس نے وصیت کی کسی مسلمان

أَوْ ذِمِّيٍّ بِمَالِهِ كُلِّهِ جَازَ ؛ لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْوَصِيَّةِ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلِهَذَا تَنْفُذُ

یا ذمی کے لیے اپنے کل مال کی تو جائز ہے؛ بوجہ ممتنع ہونے وصیت کے ثلث سے زائد کی ورثہ کے حق کی وجہ سے، اسی لیے نافذ ہوتی ہے

بِإِجَازَتِهِمْ ، وَلَيْسَ لِوَرَثَتِهِ حَقٌّ مَرْعِيٌّ لِكَوْنِهِمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ

ان کی اجازت سے، اور نہیں ہے مستامن کے ورثہ کے لیے ایسا حق جس کی رعایت کی جائے؛ ان کے دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے؛

إِذْ هُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّنَا ، وَلِأَنَّ حُرْمَةَ مَالِهِ بِاعْتِبَارِ الْأَمَانِ ، وَالْأَمَانُ كَانَ لِحَقِّهِ

اس لیے کہ وہ اموات ہیں ہمارے حق میں، اور اس لیے کہ اس کے مال کی حرمت امان کے اعتبار سے ہے، اور امان اس کے حق کی وجہ سے تھا

لَا لِحَقِّ وَرَثَتِهِ ، وَلَوْ كَانَ أَوْصَى بِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ أُخِذَتِ الْوَصِيَّةُ وَيُرَدُّ

نہ کہ اس کے ورثہ کے حق کی وجہ سے، اور اگر وہ وصیت کر چکا ہو پورے مال سے کم کی، تو لے لیا جائے گا بقدر وصیت اور واپس کیا جائے گا

الْبَاقِي عَلَى وَرَثَتِهِ وَذَلِكَ مِنْ حَقِّ الْمُسْتَأْمِنِ أَيْضًا﴿۲﴾وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ دَبَّرَ عَبْدَهُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ

اس کے ورثہ پر، اور یہ بھی مستامن کے حق کی وجہ سے ہے، اور اگر اس نے آزاد کیا اپنا غلام موت کے وقت یا مدبر کیا اپنا غلام دارالاسلام میں

تو نافذ صَحِيحٌ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّا ، ﴿۳﴾وَكَذٰلِكَ لَوْ أَوْصَى لَهُ

یہ صحیح ہے اس کی طرف سے ثلث کے اعتبار کے بغیر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اسی طرح اگر کوئی وصیت کی اس کے لیے

مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ بِوَصِيَّةٍ جَازَ لِأَنَّهُ مَا دَامَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ فِي الْمُعَامَلَاتِ بِمَنْزِلَةِ الذِّمِّيِّ ، وَلِهٰذَا تَصِحُّ

مسلمان یا ذمی نے تو جائز ہے؛ کیونکہ وہ جب تک کہ دارالاسلام میں ہو وہ معاملات میں ذمی کے درجے میں ہے، اسی لیے صحیح ہیں

عُقُودُ التَّمْلِيكَاتِ مِنْهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ، وَيَصِحُّ تَبَرُّعُهُ فِي حَيَاتِهِ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ.

تملیکات کے عقود مستامن کی طرف سے اس کی زندگی میں اور صحیح ہے اس کا تبرع اس کی زندگی میں، پس اسی طرح صحیح ہے اس کی موت کے بعد

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ مُسْتَأْمِنٌ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ إِذْ هُوَ عَلَى قَصْدِ الرُّجُوعِ

اور شیخینؒ سے مروی ہے کہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اہل حرب میں سے امان لے کر آیا ہے؛ اس لیے کہ وہ رجوع کے ارادے پر ہے

وَيُمَكَّنُ مِنْهُ ، وَلَا يُمَكَّنُ مِنْ زِيَادَةِ الْمُقَامِ عَلَى السَّنَةِ إِلَّا بِالْجِزْيَةِ . ﴿۵﴾وَلَوْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ

اور اسے رجوع کی قدرت دی جائے گی، اور قدرت نہیں دی جاتی ہے زیادہ ٹھہرنے کی سال سے مگر جزیہ کے ساتھ۔ اور اگر وصیت کی ذمی نے

بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ لِبَعْضِ وَرَثَتِهِ لَا يَجُوزُ اعْتِبَارًا بِالْمُسْلِمِينَ لِأَنَّهُمْ الْتَزَمُوا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ

ثلث سے زیادہ یا اپنے بعض ورثہ کے لیے تو یہ جائز نہیں؛ قیاس کرتے ہوئے مسلمانوں پر؛ کیونکہ ذمیوں نے التزام کیا ہے احکام اسلام کا

فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُعَامَلَاتِ . ﴿۶﴾وَلَوْ أَوْصَى لِخِلَافِ مِلَّتِهِ جَازَ اعْتِبَارًا بِالْإِرْثِ

ان امور میں جو متعلق ہیں معاملات کے ساتھ، اور اگر اس نے وصیت کی اپنی ملت کے خلاف کے لیے تو جائز ہے؛ قیاس کرتے ہوئے میراث پر

إِذِ الْكُفْرُ كُلُّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ ،وَلَوْ أَوْصَى لِحَرْبِيٍّ .فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْإِرْثَ مُمْتَنِعٌ لِتَبَايُنِ الدَّارَيْنِ

اس لیے کہ کفار سب ملتِ واحدہ ہیں، اور اگر وصیت کی حربی کے لیے دارالاسلام میں تو جائز نہیں؛ کیونکہ ارث ممتنع ہے تباینِ دارین کی وجہ سے

وَالْوَصِيَّةُ أُخْتُهُ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

اور وصیت میراث کی بہن ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔﴿۱﴾ اگر کوئی حربی کافر ہمارے دارالاسلام میں امان لے کر آیا اور یہاں اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے اپنے کل مال کی وصیت کر دی تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ ثلثِ ترکہ سے زائد مال کی وصیت ورثہ کے حق کی وجہ سے ممتنع ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ورثہ

اجازت دیدیں تو ثلث سے زائد کی وصیت نافذ ہو جاتی ہے اور اس حربی کے ورثہ کے لیے کوئی ایسا حق نہیں ہے جس کی رعایت ہم پر لازم ہو؛ کیونکہ وہ لوگ دارالحرب میں ہیں؛ اور اس لیے کہ ہمارے حق میں وہ مردے ہیں، اور اس لیے کہ حربی کے مال کا احترام امان کے اعتبار سے ہے اور امان صرف حربی کے حق میں ہے اور اس کے وارثوں کے حق میں نہیں ہے۔

اگر اس حربی نے اس مال میں سے تھوڑے مال کی وصیت کی ہو تو بقدر وصیت لے لیا جائے گا اور باقی اس کے وارثوں کو واپس دیا جائے گا اور یہ واپسی بھی اسی حربی مستامن کے حق کی وجہ سے ہے اس کے وارثوں کی رعایت کی وجہ سے نہیں ہے۔

{۲} اگر حربی مستامن نے دارالاسلام میں اپنی موت کے وقت اپنا غلام آزاد کیا یا اس نے یہاں مرض الموت میں اپنا غلام مدبر کیا تو اس کی طرف سے ثلثِ ترکہ کے اعتبار کے بغیر یہ تصرف صحیح ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ ثلث سے زائد کی وصیت کا ممتنع ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے جبکہ حربی مستامن کے ورثہ کا کوئی ایسا حق نہیں ہے جس کی رعایت ہم پر لازم ہو۔

{۳} اسی طرح اگر حربی مستامن کے لیے کسی مسلمان یا ذمی نے کچھ وصیت کی تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ جب تک وہ دارالاسلام میں ہے تو معاملات میں ذمی کے درجے میں ہے یہی وجہ ہے کہ حربی کے ساتھ تملیکات کے عقود اس کی زندگی میں مسلمان کی طرف سے جائز ہوتے ہیں اور مسلمان کی زندگی میں اس کے ساتھ تبرع جائز ہے پس اسی طرح مسلمان کی موت کے بعد بھی جائز ہے۔

{۴} شیخینؒ سے ایک روایت مروی ہے کہ حربی کے لیے مسلمان یا ذمی کی وصیت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ شخص درحقیقت ہم سے لڑنے والوں میں سے ہے جو امان لے کر آیا ہے اس لیے کہ وہ واپس جانے کے قصد پر ہے اور اس کو واپس جانے کی قدرت حاصل ہے اور وہ ایک سال سے زیادہ جزیہ کے بغیر یہاں نہیں چھوڑا جاتا ہے لہذا اس کے لیے مسلمان یا ذمی کی وصیت جائز نہیں ہے۔

{۵} اور اگر ذمی نے اپنے ثلثِ مال سے زائد کی وصیت کی یا اپنے بعض وارثوں کے لیے وصیت کی تو مسلمانوں پر قیاس کر کے یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ذمیوں نے ان امور میں جو معاملات کی جانب راجع ہیں اسلامی احکام کا التزام کر لیا ہے اور اس وصیت کا مرجع بھی باہمی معاملات ہیں تو ہم اس کے وارثوں کے حقوق کی رعایت کریں گے تاکہ وہ بے چارے مفلس اور پریشان نہ ہوں۔

{۶} اور اگر ذمی نے اپنی ملت سے مخالف کے لیے وصیت کی مثلاً نصرانی نے یہودی کے لیے وصیت کی تو میراث پر قیاس کرتے ہوئے یہ وصیت جائز ہے؛ کیونکہ کفر سب ایک ہی ملت ہے۔ اور اگر ذمی نے جو دارالاسلام میں ہے کسی حربی کے لیے جو دارالحرب میں ہے وصیت کی تو یہ وصیت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ دونوں ملکوں کے تباین کی وجہ سے میراث ممتنع ہے تو وصیت بھی جو میراث کی بہن ہے ممتنع ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْوَصِيِّ وَمَا يَمْلِكُهُ

یہ باب وصی اور اس چیز کے بیان میں ہے جس کا وہ مالک ہوتا ہے۔

وصی وہ شخص ہے جس کو آدمی نے اپنی موت کے بعد خاص احکام میں اپنا قائم مقام بنایا ہو اور وہ اس کی وصیتیں نافذ کرے اور اس کے قرضے وصول کرے گا اور اس کی نابالغ اولاد کی پرورش کرے گا جیسے زندگی میں کوئی شخص جس کو اپنا قائم مقام بنائے وہ اس کا وکیل ہوتا ہے۔

مصنف "موصی لہ کے احکام سے فارغ ہوگئے تو موصی الیہ (وصی) کے احکام کو شروع فرمایا، اور چونکہ موصی لہ کے احکام کثیر ہیں جن کی طرف حاجت زیادہ ہے اس لیے ان کو وصی کے احکام سے مقدم ذکر فرمایا۔

{1} قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى إلَى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيُّ فِي وَجْهِ الْمُوصِي وَرَدَّهَا فِي غَيْرِ وَجْهِهِ

فرمایا: اور جس نے وصی بنایا کسی شخص کو، اور اس نے قبول کر لیا موصی کے سامنے اور رد کر دیا اس کو موصی کی غیر موجودگی میں،

فَلَيْسَ بِرَدٍّ ؛ لِأَنَّ الْمَيِّتَ مَضَى مُعْتَمِدًا عَلَيْهِ ، فَلَوْ صَحَّ رَدُّهُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ فِي حَيَاتِهِ

تو رد نہیں ہے؛ کیونکہ میت چلا اپنی راہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر، پس اگر صحیح ہو جائے اس کا رد کرنا موصی کی غیر موجودگی میں اس کی زندگی میں

أَوْ بَعْدَ مَمَاتِهِ صَارَ مَغْرُورًا مِنْ جِهَتِهِ فَرُدَّ رَدُّهُ ، {2} بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ

یا اس کی موت کے بعد تو وہ دھوکہ کھایا ہوا ہوگا اس کی جانب سے، تو رد کیا جائے گا اس کے رد کو، برخلاف غیر معین غلام خریدنے کے وکیل کے

أَوْ بِبَيْعِ مَالِهِ ، حَيْثُ يَصِحُّ رَدُّهُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ هُنَاكَ لِأَنَّهُ

یا موکل کا مال فروخت کرنے کے وکیل کے کہ صحیح ہے اس کا رد کرنا اس کی غیر موجودگی میں؛ کیونکہ کوئی ضرر نہیں ہے یہاں؛ اس لیے کہ وہ

حَيٌّ قَادِرٌ عَلَى التَّصَرُّفِ بِنَفْسِهِ {3} فَإِنْ رَدَّهَا فِي وَجْهِهِ فَهُوَ رَدٌّ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ

زندہ قادر ہے تصرف کرنے پر بذات خود۔ اور اگر وصی نے وصایت کو رد کر دیا موصی کی موجودگی میں، تو وہ رد ہے؛ کیونکہ نہیں ہے

لِلْمُوصِي وِلَايَةُ إلْزَامِهِ التَّصَرُّفَ ، وَلَا غُرُورَ فِيهِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُنِيبَ غَيْرَهُ

موصی کے لیے ولایت وصی پر تصرف لازم کرنے کی، اور نہ دھوکہ ہے اس میں؛ کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے کہ نائب بنائے اس کا غیر،

{4} وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ وَلَمْ يَرُدَّ حَتَّى مَاتَ الْمُوصِي فَهُوَ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ ؛ لِأَنَّ

اور اگر نہ قبول کی اور نہ ردّ کی یہاں تک کہ مر گیا موصی، تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو قبول کرلے اور اگر چاہے تو قبول نہ کرے، کیونکہ

الْمُوصِيَ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْإِلْزَامِ فَبَقِيَ مُخَيَّرًا ، ﴿٥﴾فَلَوْ أَنَّهُ بَاعَ شَيْئًا مِنْ تَرِكَتِهِ

موصی کے لیے نہیں ہے ولایتِ الزام، لہٰذا وہ باقی رہا با اختیار، پس اگر اس نے فروخت کردی کوئی چیز موصی کے ترکہ سے،

فَقَدْ لَزِمَتْهُ ، لِأَنَّ ذَلِكَ دَلَالَةُ الِالْتِزَامِ وَالْقَبُولُ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَيَنْفُذُ الْبَيْعُ لِصُدُورِهِ مِنَ الْوَصِيِّ

تو اس پر وصایت لازم ہوگئی؛ کیونکہ یہ التزام اور قبول کی دلیل ہے اور وہ معتبر ہے موت کے بعد، اور نافذ ہوگی بیع؛ وصی سے صادر ہونے کی وجہ سے

وَسَوَاءٌ عَلِمَ بِالْوِصَايَةِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ ، ﴿٦﴾بِخِلَافِ الْوَكِيلِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِالتَّوْكِيلِ فَبَاعَ حَيْثُ لَا يَنْفُذُ

اور برابر ہے کہ اس کو وصایت کا علم ہو یا نہ ہو، برخلاف وکیل کے جب وہ نہ جانتا ہو توکیل کو پس اس نے فروخت کردی تو یہ بیع نافذ نہ ہوگی

لِأَنَّ الْوِصَايَةَ خِلَافَةٌ لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِحَالِ انْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْمَيِّتِ فَتَنْتَقِلُ الْوِلَايَةُ

کیونکہ وصایت خلافت ہے؛ اس لیے کہ مختص ہے میت کی ولایت منقطع ہونے کی حالت کے ساتھ، پس منتقل ہوجائے گی ولایت

إِلَيْهِ ، وَإِذَا كَانَتْ خِلَافَةً لَا تَتَوَقَّفُ عَلَى الْعِلْمِ كَالْوِرَاثَةِ .أَمَّا التَّوْكِيلُ إِنَابَةٌ لِثُبُوتِهِ

اس کی طرف، اور جب خلافت ہے تو موقوف نہ ہوگی علم پر جیسے وراثت، رہی توکیل تو وہ نائب بنانا ہے؛ بوجہ اس کے ثابت ہونے کے

فِي حَالِ قِيَامِ وِلَايَةِ الْمُنِيبِ فَلَا يَصِحُّ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهِ كَإِثْبَاتِ الْمِلْكِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّا

منیب کی ولایت کے قیام کی حالت میں، پس صحیح نہیں ہے اس کے علم کے بغیر جیسے اثباتِ ملک بیع اور شراء کے ذریعہ، اور ہم بیان کرچکے ہیں

طَرِيقَ الْعِلْمِ وَشَرْطَ الْإِخْبَارِ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْكُتُبِ . ﴿٧﴾ وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ حَتَّى مَاتَ الْمُوصِي فَقَالَ لَا أَقْبَلُ

طریقہ علم اور شرطِ اخبار گذشتہ کتابوں میں۔ اور اگر اس نے قبول نہیں کی یہاں تک کہ مر گیا موصی، پھر کہا میں قبول نہیں کرتا ہوں،

ثُمَّ قَالَ أَقْبَلُ فَلَهُ ذَلِكَ إِنْ لَمْ يَكُنِ الْقَاضِي أَخْرَجَهُ مِنَ الْوَصِيَّةِ حِينَ قَالَ لَا أَقْبَلُ

پھر کہا میں قبول کرتا ہوں تو اس کو اس کا اختیار ہے اگر اس کو قاضی نے نہ نکالا ہو وصیت سے جس وقت کہ اس نے کہا کہ میں قبول نہیں کرتا ہوں

لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ قَوْلِهِ لَا أَقْبَلُ لَا يَبْطُلُ الْإِيصَاءُ ، لِأَنَّ فِي إِبْطَالِهِ ضَرَرًا بِالْمَيِّتِ

؛ کیونکہ فقط اس کے کہنے سے کہ میں قبول نہیں کرتا ہے باطل نہیں ہوتی ہے وصایت؛ اس لیے کہ اس کے ابطال میں ضرر ہے میت کا،

وَضَرَرُ الْوَصِيِّ فِي الْإِبْقَاءِ مَجْبُورٌ بِالثَّوَابِ ، وَدَفْعُ الْأَوَّلِ وَهُوَ أَعْلَى أَوْلَى ،﴿٨﴾إِلَّا أَنَّ الْقَاضِيَ إِذَا أَخْرَجَهُ

اور باقی رکھنے میں وصی کے ضرر کی تلافی کی گئی ہے ثواب کے ذریعہ، اور اول کو دفع کرنا جبکہ وہ اعلیٰ ہے اولیٰ ہے، البتہ قاضی جب خارج کردے اس کو

عَنِ الْوِصَايَةِ يَصِحُّ ذَلِكَ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ ، إِذْ لِلْقَاضِي وِلَايَةُ دَفْعِ الضَّرَرِ ، وَرُبَّمَا يَعْجِزُ عَنْ ذَلِكَ فَيَتَضَرَّرُ
وصایت سے تو یہ صحیح ہے؛ کیونکہ یہ مجتہد فیہ ہے؛ اس لیے کہ قاضی کو دفع ضرر کی ولایت حاصل ہے، اور کبھی وہ عاجز ہوتا ہے پس ضرر اٹھائے گا
بِبَقَاءِ الْوِصَايَةِ فَيَدْفَعُ الْقَاضِي الضَّرَرَ عَنْهُ وَيَنْصِبُ حَافِظًا لِمَالِ الْمَيِّتِ مُتَصَرِّفًا
بقاءِ وصایت سے، اس لیے دفع کرے گا قاضی ضرر کو اس سے، اور مقرر کرے گا کوئی ایسا نگران میت کے مال کے لیے جو تصرف کرنے والا ہو
فِيهِ فَيَنْدَفِعُ الضَّرَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَلِهَذَا يَنْفُذُ إِخْرَاجُهُ ،فَلَوْ قَالَ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْقَاضِي إِيَّاهُ أَقْبَلُ
اس میں، پس دفع ہو گا ضرر جانبین سے، اسی لیے نافذ ہو گا اس کا اخراج، اور اگر قاضی کے اس کو خارج کرنے کے بعد اس نے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں
لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ قَبِلَ بَعْدَ بُطْلَانِ الْوِصَايَةِ بِإِبْطَالِ الْقَاضِي
تو التفات نہیں کیا جائے گا اس کی طرف؛ کیونکہ اس نے قبول کی ابطال قاضی سے بطلان وصایت کے بعد۔

تشریح:۔{۱} اگر کسی نے دوسرے کو وصی بنایا مثلاً زید نے بکر کو اپنی موت کے بعد اپنا وصی مقرر کیا پس موصی کے سامنے اس نے وصایت کو قبول کیا پھر موصی کی غیر موجودگی میں اس کو رڈ کیا تو وصایت رڈ نہ ہوگی؛ کیونکہ میت تو اس پر اعتماد کرکے اپنی راہ پہ چلا گیا پس اگر موصی کی غیر موجودگی میں وصی کا یہ رڈ کرنا صحیح ہو خواہ موصی زندہ ہو یا مرچکا ہو تو موصی وصی کی جانب سے دھوکہ ہو جائے گا حالانکہ کسی کو دھوکہ دینا اس کو ضرر پہنچانا ہے اس لیے جائز نہیں ہے اس لیے وصی کا وصایت کو رڈ کرنا مردود ہو گا۔

{۲} باقی ایسے وکیل کا حکم اس کے برخلاف ہے جس کو کسی نے غیر معین غلام کے خریدنے کا یا اپنا مال فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہو کہ اس کا وکالت کو رڈ کرنا مؤکل کی غیر موجودگی میں صحیح ہے؛ کیونکہ یہاں مؤکل کا کوئی ضرر نہیں اس لیے کہ وہ زندہ موجود ہے بذات خود تصرف پر قادر ہے، اور یہ بعض مشائخ کا قول ہے اور اکثر مشائخ کے نزدیک وکیل بھی معزول نہ ہو گا جب تک کہ مؤکل کو علم نہ ہو۔

{۳} اگر وصی نے موصی کی موجودگی میں وصایت رڈ کردی تو یہ رڈ ہے؛ کیونکہ موصی کو اس پر تصرف لازم کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے اور اس میں موصی کے لیے دھوکا بھی نہیں ہے؛ کیونکہ موصی کے لیے اس کے علاوہ دوسرا نائب مقرر کرنا ممکن ہے۔

{۴} اگر موصی نے ایک شخص کو وصی مقرر کیا مگر وصی نے ابھی تک وصایت قبول نہ کی ہو اور نہ اس کو رڈ کیا ہو کہ موصی مرگیا تو وصی کو اختیار ہے چاہے وصایت قبول کرے اور چاہے قبول نہ کرے؛ کیونکہ موصی کو اس پر وصایت لازم کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے لہٰذا وصی کو اختیار ہو گا چاہے وصایت قبول کرے اور چاہے قبول نہ کرے۔

{۵} پھر اگر وصی نے موصی کے ترکہ کی کوئی چیز فروخت کی تو اب وصایت اس پر لازم ہو گئی؛ کیونکہ بیع کرنا دلیل ہے کہ اس نے وصایت کا التزام کر لیا اور اسے قبول کر لیا ہے اور یہ موت کے بعد معتبر ہے اگر چہ حالتِ حیات میں یہ ولایت معتبر نہ ہو، اور بیع نافذ ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ وصی کی طرف سے صادر ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ اس وصی کو اپنی وصایت کی خبر ہو یا نہ ہو دونوں یکساں ہیں پس اگر کسی کو وصی بنایا اور اس کو معلوم نہ ہو یہاں تک کہ اس نے موصی کی موت کے بعد اسکے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کی تو یہ بیع نافذ ہو گئی اور اس پر وصایت لازم ہو جائے گی۔

{٦} اس کے برخلاف اگر وکیل کو اس کے وکیل کئے جانے کا علم نہ ہو پھر اس نے موکل کی کوئی چیز فروخت کی تو مؤکل کی اجازت کے بغیر یہ بیع نافذ نہ ہو گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وصایت تو موصی کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہونا ہے؛ کیونکہ وصایت ایسی حالت (حالتِ موت) کے ساتھ مختص ہے جس میں میت کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے تو یہ ولایت اسی وصی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور جب وصایت قائم مقام ہونا ہے تو وہ وصی کے علم پر موقوف نہ ہو گی جیسے وراثت علم پر موقوف نہیں یعنی خواہ وارث کو علم ہو یا نہ ہو بہر دو صورت وہ وارث ہو گا اسی طرح وصایت بھی ہے۔ رہی وکالت تو وہ انابت ہے یعنی اپنا نائب مقرر کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ توکیل مؤکل کی ولایت قائم ہونے کی حالت میں بھی ثابت ہوتی ہے لہٰذا توکیل وکیل کی آگاہی کے بغیر صحیح نہیں ہے جیسے خرید یا فروخت کے ذریعہ ملک ثابت کرنا علم کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ رہا یہ امر کہ وصی یا وکیل کو خبر دینا کس طرح معتبر ہے، تو مصنفؒ نے فرمایا ہم نے باخبر ہونے کا طریقہ اور خبر پہنچنے کے شرائط کو کتبِ سابقہ (کتاب ادب القضاء) میں بیان کیا ہے کہ علم بالوکالۃ ثابت ہوتا ہے ایک شخص کی خبر دینے سے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو، عادل ہو یا فاسق ہو، مرد ہو یا عورت ہو، بچہ ہو یا بالغ ہو۔

{۷} اور اگر وصی نے وصایت قبول نہیں کی یہاں تک کہ موصی مر گیا پھر وصی نے کہا کہ میں نہیں قبول کرتا ہوں پھر کہا کہ اچھا قبول کرتا ہوں تو وصی کو یہ اختیار ہے یعنی وصایت کو رد کرنے کے بعد اسے قبول کرنا صحیح ہو گا بشرطیکہ قاضی نے اس کو وصایت سے خارج نہ کیا ہو جس وقت کہ اس نے کہا تھا کہ میں قبول نہیں کرتا ہوں؛ اس لیے کہ فقط اس کہنے سے کہ "میں قبول نہیں کرتا ہوں" میت کا وصیت کرنا باطل نہ ہو گا؛ کیونکہ باطل ہونے میں میت کا ضرر ہے اور باقی رہنے میں بے شک وصی کا ضرر ہوتا ہے مگر باقی رکھنے میں وصی کے ضرر کا ثواب کے ذریعہ جبیرہ ہو جاتا ہے لہٰذا میت کا ضرر اعلیٰ ہے پس اسے دور کرنا اولیٰ ہے۔

{۸} البتہ اگر قاضی نے وصایت سے انکار کرنے پر اس کو وصایت سے خارج کر دیا تو قاضی کا یہ اخراج صحیح ہے؛ کیونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے جس میں اجتہاد کو دخل ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ میں حکم قاضی نافذ ہو جاتا ہے؛ کیونکہ قاضی کو لوگوں سے ضرر دور کرنے کی

ولایت حاصل ہے پس کبھی وصی وصایت کو پورا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اس لیے وصایت کی بقاء سے اس کو ضرر پہنچتا ہے پس وہ انکار کرتا ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کے ضرر پر نظر کر کے اس کو وصایت سے خارج کر دے، اور قاضی دوسرا وصی میت کے مال کی حفاظت کرنے والا اور اس میں تصرف کرنے والا مقرر کر دے اس طرح جانبین (وصی اور میت) سے ضرر دور ہو جائے گا پس اسی وجہ سے قاضی کا اس کو خارج کرنا نافذ ہو جائے گا، پھر جس وقت کہ قاضی نے اس کو وصایت سے خارج کر دیا اس نے کہا کہ "میں وصایت قبول کرتا ہوں" تو اس کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ قاضی کے باطل کرنے سے وصایت باطل ہو جاتی ہے پس وہ بطلان کے بعد اس کو قبول کرتا ہے حالانکہ بطلان کے بعد قبول کرنا باطل ہے۔

{۱} قَالَ: وَمَنْ أَوْصَى إِلَى عَبْدٍ أَوْ كَافِرٍ أَوْ فَاسِقٍ أَخْرَجَهُمُ الْقَاضِي عَنِ الْوِصَايَةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ، وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ

فرمایا: اور جس نے وصی بنایا غلام یا کافر یا فاسق تو نکال دے گا ان کو قاضی وصایت سے اور مقرر کرے گا ان کے علاوہ کو، اور یہ لفظ مشیر ہے

إِلَى صِحَّةِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ يَكُونُ بَعْدَهَا. وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ. قِيلَ مَعْنَاهُ فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ

کہ وصیت صحیح ہے؛ کیونکہ اخراج صحت کے بعد ہوتا ہے، اور ذکر کیا امام محمدؒ نے مبسوط میں کہ وصیت باطل ہے، کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ان تمام صورتوں میں

أَنَّ الْوَصِيَّةَ سَتَبْطُلُ، {۲} وَقِيلَ مَعْنَاهُ فِي الْعَبْدِ بَاطِلٌ حَقِيقَةً لِعَدَمِ وِلَايَتِهِ وَاسْتِبْدَادِهِ،

وصیت عنقریب باطل ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے غلام کے بارے میں اس کا معنی ہے کہ باطل ہے حقیقۃً؛ اس کی عدم ولایت اور عدم استقلال کی وجہ سے

وَفِي غَيْرِهِ مَعْنَاهُ سَتَبْطُلُ، وَقِيلَ فِي الْكَافِرِ بَاطِلٌ أَيْضًا لِعَدَمِ وِلَايَتِهِ

اور غلام کے علاوہ میں اس کا معنی ہے کہ عنقریب باطل ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے کہ کافر میں بھی باطل ہے؛ اس کی ولایت نہ ہونے کی وجہ سے

عَلَى الْمُسْلِمِ {۳} وَوَجْهُ الصِّحَّةِ ثُمَّ الْإِخْرَاجِ أَنَّ أَصْلَ النَّظَرِ ثَابِتٌ لِقُدْرَةِ الْعَبْدِ حَقِيقَةً، وَوِلَايَةُ الْفَاسِقِ عَلَى أَصْلِنَا

مسلمان پر۔ اور صحت پھر اخراج کی وجہ یہ ہے کہ اصل رعایت ثابت ہے؛ غلام کے قادر ہونے کی وجہ سے حقیقۃً، اور ولایت فاسق ہماری اصل پر

وَوِلَايَةُ الْكَافِرِ فِي الْجُمْلَةِ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ النَّظَرُ لِتَوَقُّفِ وِلَايَةِ الْعَبْدِ عَلَى إِجَازَةِ الْمَوْلَى وَتَمَكُّنِهِ

اور ولایت کافر فی الجملہ، البتہ نظر تام نہیں ہے؛ ولایت عبد موقوف ہونے کی وجہ سے اجازتِ مولیٰ پر، اور مولیٰ کے قادر ہونے کی وجہ سے

مِنَ الْحَجْرِ بَعْدَهَا وَالْمُعَادَاةِ الدِّينِيَّةِ الْبَاعِثَةِ لِلْكَافِرِ عَلَى تَرْكِ النَّظَرِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ وَاتِّهَامِ الْفَاسِقِ بِالْخِيَانَةِ

حجر پر ولایت کے بعد، اور دینی دشمنی باعث ہے کافر کے لیے ترکِ نظر پر مسلمان کے حق میں، اور فاسق خیانت کے ساتھ متہم ہونے کی وجہ سے

فَيُخْرِجُهُ الْقَاضِي مِنَ الْوِصَايَةِ وَيُقِيمُ غَيْرَهُ مُقَامَهُ إِتْمَامًا لِلنَّظَرِ. وَشَرَطَ فِي الْأَصْلِ

پس نکال دے گا اس کو قاضی وصایت سے، اور اس کا غیر اس کا قائم مقام کر دے گا؛ اتمام نظر کے لیے، اور شرط لگائی گئی ہے مبسوط میں

أَنْ يَكُونَ الْفَاسِقُ مَخُوفًا عَلَيْهِ فِي الْمَالِ ، وَهَذَا يَصْلُحُ عُذْرًا فِي إِخْرَاجِهِ وَتَبْدِيلِهِ بِغَيْرِهِ.

کہ فاسق ایسا ہو کہ اس پر خوف ہو مال کے بارے میں، اور یہ صلاحیت رکھتا ہے عذر بننے کی اس کو خارج کرنے اور غیر سے تبدیل کرنے کا۔

﴿۴﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى إِلَى عَبْدِ نَفْسِهِ وَفِي الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِيَّةُ ؛ لِأَنَّ لِلْكَبِيرِ أَنْ يَمْنَعَهُ

فرمایا: اور جس نے وصی بنایا اپنے غلام کو اور ورثہ میں بالغ موجود ہیں تو صحیح نہ ہوگی وصیت؛ کیونکہ بالغ کو یہ حق ہے کہ روک دے اس کو

أَوْ يَبِيعَ نَصِيبَهُ فَيَمْنَعَهُ الْمُشْتَرِي فَيَعْجِزُ عَنِ الْوَفَاءِ بِحَقِّ الْوِصَايَةِ فَلَا يُفِيدُ فَائِدَتَهُ

یا فروخت کردے اپنا حصہ، اور روک دے اس کو مشتری، پس وہ عاجز ہو جائے گا حق وصایت پورا کرنے سے، لہٰذا وصایت اپنا فائدہ نہ دے گی

﴿۵﴾وَإِنْ كَانُوا صِغَارًا كُلُّهُمْ فَالْوَصِيَّةُ إِلَيْهِ جَائِزَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْقِيَاسُ،

اور اگر ورثہ سب نابالغ ہوں تو وصیت اس کو جائز ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور جائز نہیں ہے صاحبینؒ کے نزدیک، اور یہی قیاس ہے،

وَقِيلَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ مُضْطَرِبٌ ، يُرْوَى مَرَّةً مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَتَارَةً مَعَ أَبِي يُوسُفَ .وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّ

اور کہا گیا ہے کہ امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے اس میں، مروی ہے کبھی امام صاحبؒ کے ساتھ اور کبھی امام ابو یوسفؒ کے ساتھ؛ وجہ قیاس یہ ہے

الْوِلَايَةَ مُنْعَدِمَةٌ﴿۶﴾لِمَا أَنَّ الرِّقَّ يُنَافِيهَا ،وَلِأَنَّ فِيهِ إِثْبَاتَ الْوِلَايَةِ لِلْمَمْلُوكِ عَلَى الْمَالِكِ ، وَهَذَا

کہ ولایت معدوم ہے؛ اس لیے کہ رقیت اس کے منافی ہے، اور اس لیے کہ اس میں اثبات ولایت ہے مملوک کے لیے مالک پر، اور یہ

قَلْبُ الْمَشْرُوعِ ، وَلِأَنَّ الْوِلَايَةَ الصَّادِرَةَ مِنَ الْأَبِ لَا تَتَجَزَّأُ ، وَفِي اعْتِبَارِ هَذِهِ تَجَزُّؤُهَا

قلب مشروع ہے، اور اس لیے کہ جو ولایت صادر ہو باپ کی طرف سے وہ متجزی نہیں ہوتی، اور اس کے اعتبار کرنے میں ولایت کی تجزی لازم آتی ہے

لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَ رَقَبَتِهِ وَهَذَا نَقْضُ الْمَوْضُوعِ . ﴿۷﴾وَلَهُ أَنَّهُ مُخَاطَبٌ

؛کیونکہ وہ مالک نہیں ہے اپنے رقبہ کو فروخت کرنے کا، اور یہ نقض موضوع ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام مخاطب ہے

مُسْتَبِدٌّ بِالتَّصَرُّفِ فَيَكُونُ أَهْلًا لِلْوِصَايَةِ ، وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ وِلَايَةٌ ، فَإِنَّ الصِّغَارَ وَإِنْ كَانُوا مُلَّاكًا لَيْسَ لَهُمْ

اور مستقل ہے تصرف میں، پس وہ اہل ہوگا وصایت کا، اور نہیں ہے کسی کو اس پر ولایت؛ کیونکہ بچے اگرچہ وہ مالک ہیں مگر نہیں ہے ان کے لیے

وِلَايَةُ الْمَنْعِ فَلَا مُنَافَاةَ ،﴿۸﴾وَإِيصَاءُ الْمَوْلَى إِلَيْهِ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ نَاظِرًا لَهُمْ وَصَارَ كَالْمُكَاتَبِ،

ولایتِ منع، پس منافات نہیں ہے، اور مولیٰ کا اسے وصی بنانا خبر دیتا ہے کہ وہ ان کی رعایت کرنے والا ہے، اور ہو گیا مکاتب کی طرح،

﴿۹﴾وَالْوِصَايَةُ قَدْ تَتَجَزَّأُ عَلَى مَا هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ، أَوْ نَقُولُ : يُصَارُ إِلَيْهِ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ

اور روایت کبھی متجزی ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے امام صاحبؒ سے، یا ہم کہتے ہیں رجوع کیا جائے گا اس کی طرف؛ تا کہ یہ مفضی نہ ہو

إِلَى إِبْطَالِ أَصْلِهِ ، وَتَغْيِيرُ الْوَصْفِ لِتَصْحِيحِ الْأَصْلِ أَوْلَى .

اصل ایصاء کے ابطال کو، اور وصف کو بدلنا اصل کی تصحیح کے لیے اولیٰ ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی نے غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو وصی مقرر کیا تو قاضی اس کو وصایت سے خارج کرے گا اور ان کے سوا دوسرے کو وصی مقرر کرے گا، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اشارہ کرتا ہے کہ اصل میں وصایت جائز ہو جائے گی؛ کیونکہ خارج کرنا وصایت ثابت ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ اور امام محمدؒ نے مبسوط میں فرمایا کہ مذکورہ تین صورتوں میں وصیت باطل ہے اس سے معلوم ہوا کہ وصیت ابتداء سے ثابت نہیں ہوئی ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ غلام، کافر اور فاسق کو وصی مقرر کرنے کی تینوں صورتوں میں یہ وصیت اس قابل ہے کہ باطل کی جائے گی بایں طور کہ قاضی اس کو وصایت سے خارج کردے گا تو چونکہ باطل کرنے کے قابل تھی اس لیے کہا کہ باطل ہے۔

{۲}اور بعض نے کہا ہے کہ غلام کو وصی مقرر کرنے کی صورت میں باطل کا معنی یہ ہے کہ حقیقۃً باطل ہے؛ کیونکہ غلام کو تصرف کی ولایت اور استقلال حاصل نہیں ہے؛ کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے۔ اور غلام کے علاوہ کافر اور فاسق کو وصی مقرر کرنے میں باطل ہونے کا یہ معنی ہے کہ عنقریب یہ وصایت باطل کردی جائے گی یعنی باطل ہونے کے لائق ہے؛ کیونکہ قاضی اس کو باطل کرے گا۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ کافر کی صورت میں بھی باطل کا معنی یہ ہے کہ حقیقۃً یہ وصیت باطل ہے؛ کیونکہ مسلمان پر کافر کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

{۳}پھر پہلی روایت کہ وصایت صحیح ہے مگر ایسا وصی وصایت سے خارج کیا جائے گا وجہ یہ ہے کہ اصل نظر تو ان تینوں کے لیے ثابت ہے یعنی وصایت تو نظر اور بہتری پر مبنی ہے اور یہ نظر دراصل موجود ہے؛ کیونکہ غلام کو حقیقۃً تصرفات کی قدرت حاصل ہے چنانچہ اسی قدرت کی وجہ سے غلام کو وکیل بنایا جاتا ہے، اور فاسق کو ہمارے اصول کے موافق ولایت حاصل ہوتی ہے چنانچہ نکاح میں ولی ہو جاتا ہے، اور کافر کو بھی مسلمان پر فی الجملہ ولایت حاصل ہے چنانچہ وہ مسلمان غلام کو خرید سکتا ہے جس کی وجہ سے اس کو مسلمان پر ملکیت اور ولایت حاصل ہو جاتی ہے پس اصل ولایتِ نظری پائی گئی لیکن یہ نظر تام نہیں ہے؛ کیونکہ غلام کی صورت میں غلام کی ولایت اول تو اس کے مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے پھر مولیٰ کی اجازت کے بعد احتمال ہے کہ مولیٰ اس کو ممنوع اور مجور کردے، اور کافر کی صورت میں یہ خوف موجود ہے کہ دینی دشمنی اس کافر کے لیے باعث ہو کہ وہ جن مسلمانوں پر وصی ہے ان

کے حق میں نظر اور شفقت کا معاملہ نہ کرے، اور فاسق کی صورت میں خیانت کی تہمت موجود ہے لہٰذا قاضی ایسے وصی کو وصایت سے خارج کر کے اس کے بجائے دوسرا مقرر کر دے گا تاکہ شفقتی نظر پوری ہو۔
اور مبسوط میں فاسق کے حق میں یہ شرط لگائی ہے کہ مال کے بارے میں اس کی جانب سے یہ خوف خیانت موجود ہو تو فاسق وصی کو وصایت سے خارج کر کے اس کی جگہ دوسرا قائم کرنے کے لیے عذر ہو سکتا ہے۔

فتوی :۔ راجح یہی ہے کہ تینوں صورتوں میں باطل ہونے کے قابل ہے لما فی رد المحتار: وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ إِنَّ الْإِيصَاءَ بَاطِلٌ وَاخْتَلَفُوا فِي مَعْنَاهُ، فَقِيلَ إِنَّهُ سَيَبْطُلُ بِإِبْطَالِ الْقَاضِي فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ، وَقِيلَ مُسْتَبْطَلٌ فِي غَيْرِ الْعَبْدِ لِعَدَمِ وِلَايَتِهِ فَيَكُونُ بَاطِلًا، وَقِيلَ سَيَبْطُلُ فِي الْفَاسِقِ لِأَنَّ الْكَافِرَ كَالْعَبْدِ كَمَا فِي الْكَافِي قُهُسْتَانِيٌّ وَالْأَوَّلُ قَوْلُ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ كَمَا فِي الْعِنَايَةِ. (رد المحتار: 5ص495)

[۴] اگر کسی نے اپنے غلام کو وصی مقرر کیا حالانکہ وارثوں میں بالغ موجود ہیں تو وصیت صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ بالغ وارث اب اس غلام کا متولی ہے لہٰذا وہ اس کو وصایت کے تصرف سے روک سکتا ہے یا یہ بالغ وارث اس غلام میں سے اپنا حصہ فروخت کرے تو مشتری اس غلام کو مجبور کر دے پس وہ حق وصایت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا تو وصایت کا جو فائدہ ہے غلام کی وصایت اس فائدے کے لیے مفید نہیں ہے۔

[۵] اور اگر سارے وارث نابالغ ہوں تو اس حالت میں اپنے غلام کو وصی بنانا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس بارے میں امام محمد کا قول مضطرب ہے کہ کبھی امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ روایت کیا جاتا ہے اور کبھی امام ابو یوسفؒ کے ساتھ روایت کیا جاتا ہے۔

[۶] عدم جواز والے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ غلام میں ولایت نہیں ہے؛ کیونکہ رقیق ہونا ولایت کے منافی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں مملوک کے لیے مالک پر ولایت ثابت کر دینا لازم آتا ہے حالانکہ یہ مشروع کا الٹ ہے؛ کیونکہ شریعت نے مالک کو مملوک پر ولایت دی ہے جبکہ یہاں مملوک کے لیے مالک پر ولایت ثابت ہو رہی ہے اور قلب مشروع فاسد ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ باپ سے جو ولایت صادر ہوئی تھی وہ ٹکڑے نہ تھی حالانکہ صغار پر غلام کی وصایت کے اعتبار کرنے میں اس کے ٹکڑے ہونا لازم آتا ہے اور یہ موضوع کو توڑ دینا ہے یعنی غیر متجزی کو متجزی بناتا ہے بایں طور باپ کو ہر چیز کے فروخت کرنے کی ولایت حاصل تھی اور جب اس نے اس غلام کو وصی بنایا تو وہ ولایت اس غلام کی طرف منتقل ہوئی لیکن یہی غلام اپنے آپ کو فروخت نہیں کر سکتا تو ولایت کے ٹکڑے ہو گئے حالانکہ وہ سالم تھی اس لیے اس غلام کا وصی ہونا باطل ہے۔

{۷}اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ غلام باری تعالیٰ کے خطاب کا قابل اور تصرف میں خود مستقل ہے یعنی وہ بچہ یا مجنون نہیں بلکہ قابل خطاب بالغ اور عاقل ہے جس کا تصرف نافذ ہوتا ہے اور تصرف میں بھی اس کو خود استقلال حاصل ہے یعنی ورثہ میں کوئی بالغ نہیں ہے جو اس میں سے اپنے حصے کو فروخت کر دے اس لیے وہ تصرف میں مستقل ہے اس کا تصرف دوسرے کی اجازت پر موقوف نہیں ہے لہذا یہ وصی ہونے کا اہل ہے، اور فی الحال کسی غیر کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہے؛ کیونکہ نابالغ ورثہ اگرچہ اس غلام کے مالک ہیں لیکن ان کو غلام کے مجبور کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے لہذا کوئی منافات نہیں ہے یعنی غلام کے مملوک ہونے میں اور صاحب ولایت ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے اور منافات تو تب ہوتا کہ صاحب ولایت مالک ہوتے ہوئے ہم غلام کے لیے ولایت ثابت کرتے۔

فتویٰ: امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: يظهر من عبارة مجمع الانهر والهداية ترجيح قول الامام ؛لان الاستحسان على القياس مقدم الا في المواضع المعدودة ،والله تعالىٰ أعلم بالصواب(هامش الهداية:4ص688)

{۸}اور مولیٰ کا اس غلام کو وصی مقرر کرنا اس امر کی خبر دیتا ہے کہ یہ ان بچوں کے لیے شفقت کی نظر رکھنے والا ہے پس یہ مکاتب کو وصی بنانے کی طرح ہے؛ کیونکہ مکاتب کو وصی مقرر کرنا بالاتفاق جائز ہے تو اس غلام کو وصی بنانا بھی جائز ہوگا۔

{۹}اور وصایت کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے، اور اگر مان لیا جائے کہ وصایت کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں تو بھی ہم کہتے ہیں کہ یہاں بناء بر ضرورت اسی کو اختیار کیا جائے گا تاکہ اصل وصایت باطل ہو جانے تک نوبت نہ پہنچے اور ایک وصف کو متغیر کرنا تاکہ اس سے اصل کی درستی ہو جائے، اس سے بہتر ہے کہ اصل ہی کو باطل کیا جائے یعنی اگرچہ عدم تجزی کا وصف متغیر ہو کر وصایت کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں مگر اصل وصایت کو باطل کرنے سے یہ بہتر ہے کہ وصف کو متغیر کر دیا جائے۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى إِلَى مَنْ يَعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ إِلَيْهِ الْقَاضِي غَيْرَهُ ؛ رِعَايَةً لِحَقِّ الْمُوصِي وَالْوَرَثَةِ ، وَهَذَا لِأَنَّ تَكْمِيلَ النَّظَرِ يَحْصُلُ بِضَمِّ الْآخَرِ إِلَيْهِ لِصِيَانَتِهِ وَبَعْضِ كِفَايَتِهِ

فرمایا: اور جس نے وصی بنایا ایسا شخص جو عاجز ہو وصیت قائم کرنے سے تو ملائے اس کے ساتھ قاضی غیر کو؛ رعایت کرتے ہوئے موصی اور ورثہ کے حق کی، اور یہ اس لیے کہ تکمیل نظر حاصل ہوتی ہے دوسرے کو ملانے سے اس کے ساتھ؛ اس کی صیانت اور کچھ کفایت کی وجہ سے

فَيَتِمُّ النَّظَرُ بِإِعَانَةِ غَيْرِهِ ، ﴿۲﴾وَلَوْ شَكَا إِلَيْهِ الْوَصِيُّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُهُ حَتَّى يَعْرِفَ
پس تام ہوگی نظر دوسرے کی اعانت سے۔اور اگر شکایت کی قاضی کو وصی نے اپنی بے بسی کی تو وہ اس کی بات نہ مانے یہاں تک کہ جان لے اس
ذَلِكَ حَقِيقَةً ، لِأَنَّ الشَّاكِيَ قَدْ يَكُونُ كَاذِبًا تَخْفِيفًا عَلَى نَفْسِهِ ، وَإِذَا ظَهَرَ عِنْدَ الْقَاضِي
اس کو حقیقۃً؛ کیونکہ شکایت کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اپنے نفس پر تخفیف کے لیے، اور جب ظاہر ہو جائے قاضی کے سامنے
عَجْزُهُ أَصْلًا اسْتَبْدَلَ بِهِ رِعَايَةً لِلنَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ ؛﴿۳﴾وَلَوْ كَانَ قَادِرًا عَلَى التَّصَرُّفِ أَمِينًا فِيهِ
اس کا عاجز ہونا یقینی طور پر تو بدل دے قاضی اس کو؛ رعایت کرتے ہوئے جانبین سے نظر کی، اور اگر وہ قادر ہو تصرف پر امین ہو اس میں
لَيْسَ لِلْقَاضِي أَنْ يُخْرِجَهُ ، لِأَنَّهُ لَوِ اخْتَارَ غَيْرَهُ كَانَ دُونَهُ لِمَا أَنَّهُ كَانَ مُخْتَارَ الْمَيِّتِ وَمَرْضِيَّهُ
تو قاضی کو حق نہیں کہ اس کو خارج کر دے؛ کیونکہ اگر وہ اس کا غیر اختیار کرے گا تو وہ اس سے کم ہوگا؛ کیونکہ یہ میت کا مختار اور اس کا پسندیدہ تھا
فَإِبْقَاؤُهُ أَوْلَى وَلِهَذَا قُدِّمَ عَلَى أَبِ الْمَيِّتِ مَعَ وُفُورِ شَفَقَتِهِ فَأَوْلَى أَنْ يُقَدَّمَ
پس اس کو باقی رکھنا اولیٰ ہوگا، اسی لیے مقدم کیا جائے گا ابِ میت پر باوجود اس کی کامل شفقت کے، پس اولیٰ ہے کہ اسے مقدم کیا جائے
عَلَى غَيْرِهِ ،﴿۴﴾وَكَذَا إِذَا شَكَا الْوَرَثَةُ أَوْ بَعْضُهُمْ الْوَصِيَّ إِلَى الْقَاضِي فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْزِلَهُ
اس کے غیر پر۔اور اسی طرح اگر شکایت کی ورثہ نے یا ان میں سے بعض نے وصی کی قاضی کو، تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ اس کو معزول کر دے
حَتَّى يَبْدُوَ لَهُ مِنْهُ خِيَانَةٌ لِأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْوِلَايَةَ مِنَ الْمَيِّتِ ، غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا ظَهَرَتِ الْخِيَانَةُ
یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے اس کے لیے وصی کی خیانت؛ کیونکہ اس نے حاصل کی ہے ولایت میت سے، البتہ جب ظاہر ہو گئی خیانت،
فَالْمَيِّتُ إِنَّمَا نَصَبَهُ وَصِيًّا لِأَمَانَتِهِ وَقَدْ فَاتَتْ ، وَلَوْ كَانَ فِي الْأَحْيَاءِ لَأَخْرَجَهُ مِنْهَا
تو میت نے تو اس کو وصیت بنایا تھا اس کی امانت کی وجہ سے حالانکہ وہ نہ رہی، اور اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کو خارج کر دیتا وصایت سے،
فَعِنْدَ عَجْزِهِ يَنُوبُ الْقَاضِي مَنَابَهُ كَأَنَّهُ لَا وَصِيَّ لَهُ . ﴿۵﴾قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى إِلَى اثْنَيْنِ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدِهِمَا
پس اس کے عجز کے وقت قاضی اس کا قائم مقام ہوگا گویا میت کا کوئی وصی نہیں ہے۔فرمایا: اور جس نے وصی بنایا دو کو تو ایک کو اختیار نہ ہوگا
أَنْ يَتَصَرَّفَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ دُونَ صَاحِبِهِ إِلَّا فِي أَشْيَاءَ مَعْدُودَةٍ نُبَيِّنُهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .وَقَالَ
کہ تصرف کرے طرفینؒ کے نزدیک اپنے ساتھی کے بغیر، مگر معدود چیزوں میں جن کو ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔اور فرمایا
أَبُو يُوسُفَ:يَنْفَرِدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ فِي جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ لِأَنَّ الْوِصَايَةَ سَبِيلُهَا الْوِلَايَةُ وَهِيَ وَصْفٌ شَرْعِيٌّ

امام ابو یوسفؒ نے متفرد ہوگا ہر ایک ان دونوں میں سے تصرف کے ساتھ تمام اشیاء میں؛ کیونکہ وصایت کی راہ ولایت ہے اور وہ وصفِ شرعی ہے

لَا تَتَجَزَّأُ فَيَثْبُتُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمَلًا كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ لِلْأَخَوَيْنِ ، وَهٰذَا لِأَنَّ

جو متجزی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا ثابت ہوگی ہر ایک کے لیے کامل طور پر جیسے دو بھائیوں کے نکاح کرانے کی ولایت، اور یہ اس لیے کہ

الْوِصَايَةَ خِلَافَةٌ ، وَإِنَّمَا تَتَحَقَّقُ إِذَا انْتَقَلَتِ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي كَانَ ثَابِتًا لِلْمُوصِي وَقَدْ كَانَ

وصایت خلافت ہے، اور متحقق ہوتی ہے جب منتقل ہو جائے ولایت اس کی طرف اس طریقے سے جو ثابت تھی موصی کے لیے، اور موصی کے لیے

بِوَصْفِ الْكَمَالِ ،﴿٦﴾وَلِأَنَّ اخْتِيَارَ الْأَبِ إِيَّاهُمَا يُؤْذِنُ بِاخْتِصَاصِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالشَّفَقَةِ

وصفِ کمال کے ساتھ ثابت تھی؛ کیونکہ اختیار کرنا باپ کا ان دونوں کو خبر دیتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے اختصاص کی شفقت کے ساتھ

فَيَنْزِلُ ذٰلِكَ مَنْزِلَةَ قَرَابَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا . ﴿٧﴾وَلَهُمَا أَنَّ الْوِلَايَةَ تَثْبُتُ بِالتَّفْوِيضِ فَيُرَاعَى

پس یہ اتر آئے گا ہر ایک کی قرابت کے درجے میں۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت ثابت ہوتی ہے تفویض سے، پس رعایت کی جائے گی

وَصْفُ التَّفْوِيضِ وَهُوَ وَصْفُ الِاجْتِمَاعِ إِذْ هُوَ شَرْطٌ مُفِيدٌ، وَمَا رَضِيَ الْمُوصِي إِلَّا بِالْمُثَنَّى وَلَيْسَ الْوَاحِدُ كَالْمُثَنَّى

وصفِ تفویض کی، اور وہ وصفِ اجتماع ہے؛ کیونکہ اجتماع شرط مفید ہے اور راضی نہیں ہوا موصی مگر دو سے، اور نہیں ہے ایک دو کی طرح

﴿٨﴾بِخِلَافِ الْأَخَوَيْنِ فِي الْإِنْكَاحِ لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَالِكَ الْقَرَابَةُ وَقَدْ قَامَتْ بِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمَلًا ، وَلِأَنَّ

برخلافِ اخوین کے نکاح کرانے میں؛ کیونکہ سبب یہاں قرابت ہے، اور قرابت قائم ہے ہر ایک کے ساتھ کامل طور پر، اور اس لیے کہ

الْإِنْكَاحَ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ لَهَا عَلَى الْوَلِيِّ ، حَتَّى لَوْ طَالَبَتْهُ بِإِنْكَاحِهَا مِنْ كُفْءٍ يَخْطُبُهَا

نکاح کرانا عورت کا حق واجب ہے ولی پر حتی کہ اگر اس نے مطالبہ کیا اس سے اس کا نکاح کرانے کا ایسے کفو میں جس نے نکاح کا پیغام دیا ہو تو واجب ہے

يَجِبُ عَلَيْهِ وَهٰهُنَا حَقُّ التَّصَرُّفِ لِلْوَصِيِّ، وَلِهٰذَا يَبْقَى مُخَيَّرًا فِي التَّصَرُّفِ، فَفِي الْأَوَّلِ أَوْفَى حَقًّا عَلَى صَاحِبِهِ

ولی پر، اور یہاں حقِ تصرف وصی کو ہے اسی لیے وصی بااختیار رہے گا تصرف میں، پس اول میں ولی نے ادا کیا ایسا حق جو اس کے ساتھی پر واجب ہے

فَصَحَّ ، وَفِي الثَّانِي اسْتَوْفَى؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لَهُمَا، فَإِذَا تَصَرَّفَ وَحْدَهُ حَقًّا لِصَاحِبِهِ

پس صحیح ہے، اور ثانی میں وصی نے وصول کیا ہے؛ کیونکہ ولایتِ تصرف دونوں کو حاصل ہے، پس جب تصرف کیا ایک نے اپنے ساتھی کے حق میں

فَلَا يَصِحُّ ﴿٩﴾أَصْلُهُ الدَّيْنُ الَّذِي عَلَيْهِمَا وَلَهُمَا ،﴿١٠﴾بِخِلَافِ الْأَشْيَاءِ الْمَعْدُودَةِ لِأَنَّهَا مِنْ بَابِ الضَّرُورَةِ

تو صحیح نہیں ہے، اس کی اصل وہ دَین ہے جو ان دونوں پر ہو اور ان دونوں کے لیے ہو۔ برخلاف اشیاءِ معدودہ کے؛ کیونکہ وہ بابِ ضرورت سے ہیں

لَا مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ ، وَمَوَاضِعُ الضَّرُورَةِ مُسْتَثْنَاةٌ أَبَدًا ، وَهِيَ مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ وَأَخَوَاتِهَا.

نہ کہ باب وصایت سے، اور مقاماتِ ضرورت مستثنیٰ ہوتے ہیں ہمیشہ، اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کو مستثنیٰ کیا ہے قدوری میں اور ان کے نظائر،

فَقَالَ : إلَّا فِي شِرَاءِ كَفَنِ الْمَيِّتِ وَتَجْهِيزِهِ ؛ لِأَنَّ فِي التَّأْخِيرِ فَسَادَ الْمَيِّتِ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الْجِيرَانُ عِنْدَ ذَلِكَ

چنانچہ فرمایا: مگر کفن خریدنے میں اور اس کی تجہیز میں؛ کیونکہ تاخیر میں فسادِ میت ہے، اسی لیے مالک ہیں پڑوسی تجہیز کے تاخیر کے وقت

وَطَعَامِ الصِّغَارِ وَكِسْوَتِهِمْ ؛ لِأَنَّهُ يَخَافُ مَوْتَهُمْ جُوعًا وَعُرْيَانًا

اور بچوں کا کھانا اور ان کے کپڑے خریدنے میں؛ کیونکہ خوف ہے ان کے مرنے کا بھوکے اور ننگے ہو کر،

تشریح: {۱} اگر کسی نے ایسے شخص کو وصی بنایا جو وصیت کا کام انجام دینے سے عاجز ہو تو موصی اور ورثہ کی رعایت کے لیے قاضی اس کے ساتھ دوسرے شخص کو ملا کر وصی بنادے اور اس کو وصایت سے خارج نہ کرے؛ اور یہ اس لیے کہ شفقت کی تکمیل اس کے ساتھ دوسرے شخص کو ملانے سے حاصل ہو جاتی ہے؛ کیونکہ دوسرا اس کو خسارے سے بچائے گا اور بعض ضروری امور میں کفایت بھی کرے گا تو دوسرے کی اعانت سے نگہداشت پوری ہو جائے گی۔

{۲} اگر وصی نے قاضی سے اپنی عاجزی کی شکایت کی تو قاضی اس کے ساتھ مددگار بنانے کو قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ حقیقۃً یہ امر ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی عاجز ہے؛ کیونکہ شکایت کرنے والا وصی کبھی اپنی ذات پر تخفیف اور آسانی کے لیے جھوٹی شکایت کرتا ہے، اور اگر قاضی کے نزدیک ظاہر ہوا کہ یہ شخص قطعاً وصایت سے عاجز ہے تو اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے گا تاکہ جانبین کی رعایت ہو؛ کیونکہ یہ شخص جب اس کام ہی کے لائق نہیں ہے تو میت کا مال تباہ ہوگا اور اس کی اولاد پریشان ہوگی پس دوسرا وصی مقرر کرنا بہتر ہے اور یہ شخص بھی وصایت کے کام کی مشقت سے چھوٹ جائے گا۔

{۳} اور اگر میت کا مقرر کیا ہوا وصی تصرفات پر قادر اور امانت دار ہو تو قاضی کو اختیار نہیں کہ اس کو وصایت سے خارج کردے؛ کیونکہ اگر قاضی نے بجائے اس کے دوسرے شخص کو منتخب کیا تو وہ بہرحال اس سے کمتر ہوگا؛ کیونکہ یہ شخص تو میت کا منتخب کیا ہوا پسندیدہ تھا اور دوسرے میں یہ بات غیر ممکن ہے تو اسی کو باقی رکھنا بہتر ہے اور جو امر بہتر ہو اسی پر عمل کرنا قاضی کے ذمہ واجب ہے؛ کیونکہ قاضی کی ولایت شفقتی ہے پس جس وصی کو لائق اور امین قرار دے کر میت نے رکھا اور وہ اس کا قابل بھی ہے تو وہی وصی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ وصی میت کے باپ پر مقدم کیا گیا ہے باوجودِ کہ میت کے باپ کی شفقت وافر ہے تو وہ غیر پر بدرجہ اولیٰ مقدم ہوگا خواہ اس دوسرے کو قاضی پسند کرے یا ورثہ پسند کریں۔

{۴} اسی طرح اگر تمام ورثہ نے یا بعض نے قاضی کے پاس وصی کی شکایت کی تو قاضی اس کو معزول نہ کرے یہاں تک کہ قاضی کے سامنے قطعی طور اس کی خیانت ظاہر ہو؛ کیونکہ اس وصی نے میت کی جانب سے ولایت حاصل کی ہے اور شکایت کرنے والا کبھی اپنی شکایت میں ظالم ہوتا ہے اس لیے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، البتہ جب اس کی خیانت ظاہر ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ میت نے اس کو صرف اس کی امانت کی وجہ سے وصی مقرر کیا تھا اور وہ باقی نہیں رہی حالانکہ اگر میت خود زندہ ہوتا تو وہ اس کو وصایت سے خارج کر دیتا تو میت کی عاجزی کے وقت قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا گویا اس کا کوئی وصی نہیں ہے یعنی یہ وہم نہ ہو کہ قاضی کیونکر قائم مقام ہوگا جبکہ میت کا وصی موجود ہے تو جواب دیا کہ ایسے خائن وصی کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

{۵} اگر میت نے دو شخصوں کو وصی مقرر کیا تو طرفین ؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کو تصرف کا اختیار نہیں ہے سوائے چند محدود تصرفات کے جن کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ اور امام ابو یوسف ؒ نے فرمایا کہ تمام چیزوں میں ہر ایک تنہا تصرف کر سکتا ہے؛ کیونکہ وصی ہونے کی راہ ولایت ہے اور ولایت ایک وصفِ شرعی ہے جس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں تو ہر ایک وصی کو پوری ولایت حاصل ہوگی جیسے دو بھائیوں کو اپنی حقیقی بہن کے نکاح کرنے کی ولایت ہوتی ہے یعنی جب دونوں ایک درجے کے ہوں تو ہر ایک کو اس کے نکاح کرنے کی پوری ولایت حاصل ہوگی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وصایت تو موصی کی خلافت ہے اور یہ خلافت اس وقت ثابت ہوگی جس وقت کہ ولایت وصی کی طرف اس طرح پر منتقل ہو جائے جس طرح موصی کے لیے ثابت تھی اور حال یہ کہ موصی کے لیے کامل ولایت حاصل تھی تو کامل ہی ہر وصی کی جانب منتقل ہوگی۔

{۶} دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ (میت) نے دونوں کو وصی ہونے کے لیے پسند کیا تو یہ خبر دیتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ورثہ پر خصوصی شفقت ہے پس اس کو ان دونوں میں سے ہر ایک کی قرابت کے قائم کیا گیا اور جو ولایت قرابت کی وجہ سے ثابت ہو وہ ہر ایک کے لیے کامل ثابت ہوتی ہے لہٰذا وصایت کی وجہ سے حاصل ولایت بھی کامل ہوگی۔

{۷} طرفین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت تو سپرد کرنے سے حاصل ہوتی ہے پس وصفِ سپردگی کی رعایت کی جائے گی اور یہاں وہ وصف اجتماع ہے یعنی دونوں کو مجتمع کرکے ولایت سپرد کی ہے تو یہ وصف معتبر ہوگی؛ کیونکہ یہ شرط (اجتماع کی شرط) مفید ہے اور مفید شرط کی رعایت ضروری ہے، اور موصی راضی نہیں ہوا مگر دونوں کی وصایت پر اور ایک دو کی طرح نہیں ہوتا ہے لہٰذا ایک کی وصایت پر موصی راضی نہیں ہے۔

{۸} باقی نکاح کرنے میں دو بھائیوں کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہاں تو سبب صرف قرابت ہے اور قرابت دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک کے ساتھ کامل قائم ہے لہٰذا ولایت بھی ہر ایک کے لیے کامل ثابت ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح کرنا تو ولی کے ذمہ بہن کا ایک واجب حق ہے حتی کہ اگر عورت کے کفو نے عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور عورت نے نکاح کرنے کا مطالبہ کیا تو ولی پر نکاح کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور یہاں وصی کے ذمہ کوئی حق نہیں بلکہ وصی کے لیے تصرف کا حق حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ وصی کو تصرف کرنے میں اختیار باقی رہتا ہے، پس نکاح کرنے کی صورت میں جب ایک بھائی نے تنہا نکاح کیا تو اس نے دوسرے بھائی پر جو حق لازم تھا اس کو ادا کر دیا اس لیے صحیح ہے اور بھائی کو کوئی مطالبہ نہ ہوگا، اور دوسری صورت میں یعنی جب ایک وصی تصرف کر دے تو اس نے دوسرے وصی کا حق حاصل کر لیا؛ کیونکہ تصرف کا اختیار دونوں وصیوں کو حاصل ہے پس جب ایک ہی وصی نے تنہا تصرف کیا تو اس نے دوسرے وصی کا حق حاصل کیا لہٰذا صحیح نہیں ہوا۔

{۹} اور اس مسئلہ کی اصل وہ قرضہ ہے جو دونوں کے ذمہ ہو اور دونوں کے لیے ہو یعنی اگر زید کا قرضہ بکر اور خالد کے ذمہ ہو پس دونوں قرضداروں میں سے ایک نے ادا کر دیا تو صحیح ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ جس نے ادا کیا تو اس نے دوسرے کے حکم کے بغیر ادا کیا اس لیے اس سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر زید کے ذمہ بکر اور خالد کا قرضہ ہو تو دونوں میں سے ایک قرضخواہ پورا قرضہ وصول نہیں کر سکتا ہے پس یہاں گویا دونوں بھائیوں پر عورت کا قرضہ تھا اس لیے ایک کا ادا کرنا اور بجالانا صحیح ہے، اور دونوں وصیوں کے لیے چونکہ تصرف کا حق تھا اس لیے ایک کا بجالانا صحیح نہیں، یوں دونوں صورتوں کے حکم میں فرق ہوا۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی تقریرات الرافعی :(قوله وعن ابی حنیفة لاینفرد بالتصرف الخ)قال فی الحاوی وبه ناخذ کما نقله السندی عن البیری ومثله فی حاشیة ابی السعود عن الحاوی(تقریرات الرافعی:350)

{۱۰} باقی اشیاءِ معدودہ کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ یہ چیزیں ضرورت کے باب سے ہیں ولایت کے باب سے نہیں ہیں اور قاعدہ ہے کہ ضروریات ہمیشہ مستثنیٰ ہوا کرتی ہیں، اور یہ اشیاء معدودہ وہ ہیں جن کو کتاب میں استثناء کیا اور ان کی دیگر امثال ہیں چنانچہ فرمایا کہ کفن کی خرید اور میت کی تجہیز کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے یعنی یہ کام جس کسی وصی نے کیا صحیح ہے؛ کیونکہ دوسرے کے انتظار میں تاخیر کرنے میں میت کی لاش بگڑ جانے کا خوف ہے یہی وجہ ہے کہ تاخیر کی صورت میں پڑوسیوں کو کفن خریدنے اور تجہیز کرنے کا اختیار ہو جاتا ہے اگرچہ ان کو ولایت نہیں ہے۔ اسی طرح موصی کی نابالغ اولاد کا کھانا اور کپڑا خریدنا بھی مذکورہ

حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی یہ کام بھی تنہا ہر وصی کے لیے جائز ہے؛ کیونکہ دوسرے وصی کے انتظار میں تاخیر میں ان کے بچوں کے ادھر

مر جانے کا خوف ہے۔

{۱} وَرَدِّ الْوَدِيعَةِ بِعَيْنِهَا وَرَدِّ الْمَغْصُوبِ وَالْمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا وَحِفْظِ الْأَمْوَالِ

اور ودیعت بعینہا واپس کرنے اور مغصوب واپس کرنے میں، اور شراءِ فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنے، اور اموال کی حفاظت میں،

وَقَضَاءِ الدُّيُونِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ فَإِنَّهُ يَمْلِكُهُ الْمَالِكُ، وَصَاحِبُ الدَّيْنِ إِذَا ظَفِرَ بِجِنْسِ حَقِّهِ

اور قرضوں کی ادائیگی میں؛ کیونکہ یہ چیزیں بابِ ولایت سے نہیں ہیں، چنانچہ مالک ہو جائیں گے اس چیز کے مالک اور صاحبِ قرض جب پا لے اپنے حق کی جنس کو،

وَحِفْظُ الْمَالِ يَمْلِكُهُ مَنْ يَقَعُ فِي يَدِهِ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْإِعَانَةِ. وَلِأَنَّهُ لَا يُحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الرَّأْيِ

اور حفظِ مال کا وہ شخص مالک ہو گا جس کے قبضہ میں مال واقع ہو، پس یہ بابِ اعانت سے ہے، اور اس لیے کہ احتیاج نہیں ہے اس میں رائے کو،

{۲} وَتَنْفِيذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يُحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الرَّأْيِ. وَالْخُصُومَةِ فِي حَقِّ الْمَيِّتِ؛

اور متعین وصیت نافذ کرنے میں اور متعین غلام آزاد کرنے میں؛ کیونکہ احتیاج نہیں ہے اس میں رائے کو، اور حقِ میت میں خصومت میں

لِأَنَّ الِاجْتِمَاعَ فِيهَا مُتَعَذِّرٌ وَلِهَذَا يَنْفَرِدُ بِهَا أَحَدُ الْوَكِيلَيْنِ {۳} وَقَبُولِ الْهِبَةِ؛ لِأَنَّ فِي التَّأْخِيرِ خِيفَةَ

کیونکہ اجتماع اس میں متعذر ہے، اسی لیے منفرد ہوتا ہے اس کے ساتھ دو وکیلوں میں سے ایک، اور قبولِ ہبہ میں؛ کیونکہ تاخیر میں خوف ہے

الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَالَّذِي فِي حِجْرِهِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ. وَبَيْعِ مَا

فوت ہونے کا، اور اس لیے کہ اس کی مالک ہے ماں اور وہ جس کی پرورش میں ہے، پس نہیں ہے یہ بابِ ولایت سے۔ اور اس چیز کی فروخت میں

يُخْشَى عَلَيْهِ التَّوَى وَالتَّلَفُ؛ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً لَا تَخْفَى {۴} وَجَمْعِ الْأَمْوَالِ الضَّائِعَةِ؛ لِأَنَّ فِي التَّأْخِيرِ

جس پر ہلاکت اور تلف ہونے کا خوف ہو؛ کیونکہ اس میں ضرورت ہے جو مخفی نہیں ہے، اور متفرق اموال کو جمع کرنے میں؛ کیونکہ تاخیر میں

خَشْيَةَ الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ كُلُّ مَنْ وَقَعَ فِي يَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ.

خوف ہے فوت ہونے کا، اور اس لیے کہ مالک ہوتا ہے اس کا ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں یہ واقع ہو، پس یہ نہیں ہے بابِ ولایت سے۔

{۵} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَلَيْسَ لِأَحَدِ الْوَصِيَّيْنِ أَنْ يَبِيعَ وَيَتَقَاضَى، وَالْمُرَادُ بِالتَّقَاضِي الِاقْتِضَاءُ،

اور جامع صغیر میں ہے: اور نہیں ہے دو وصیوں میں سے ایک کو اختیار کہ فروخت کر دے یا وصول کر دے، اور تقاضی سے مراد وصول کرنا ہے،

كَذَا كَانَ الْمُرَادُ مِنْهُ فِي عُرْفِهِمْ، وَهَذَا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِأَمَانَتِهِمَا جَمِيعًا فِي الْقَبْضِ؛ وَلِأَنَّهُ

یہی مراد تھا اس سے اہل کوفہ کے عرف میں، اور یہ اس لیے کہ موصی ان دونوں کی امانت پر راضی ہے قبضہ کرنے میں، اور اس لیے کہ

فِي مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ لَا سِيَّمَا عِنْدَ اخْتِلَافِ الْجِنْسِ عَلَى مَا عُرِفَ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ{6}وَلَوْ أَوْصَى

قبضہ مبادلہ کے معنیٰ میں ہے خاص کر اختلاف جنس کے وقت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، پس یہ باب ولایت سے ہے۔ اور اگر وصی بنایا

إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الِانْفِرَادِ قِيلَ يَنْفَرِدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلَيْنِ إِذَا وَكَّلَ كُلَّ وَاحِدٍ

ہر ایک کو علیحدہ، تو کہا گیا ہے کہ متفرد ہو گا ہر ایک ان دونوں میں سے تصرف کے ساتھ دو وکیلوں کی طرح جب وکیل بنایا ہو ہر ایک کو

عَلَى الِانْفِرَادِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَمَّا أَفْرَدَ فَقَدْ رَضِيَ بِرَأْيِ الْوَاحِدِ .وَقِيلَ الْخِلَافُ فِي الْفَصْلَيْنِ وَاحِدٌ،

علی الانفراد، اور یہ اس لیے کہ جب اس نے الگ کر کے وصی بنایا تو وہ راضی ہے ایک کی رائے سے، اور کہا گیا ہے کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے

وَهُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّ وُجُوبَ الْوَصِيَّةِ عِنْدَ الْمَوْتِ بِخِلَافِ الْوَكِيلَيْنِ،لِأَنَّ الْوَكَالَةَ تَتَعَاقَبُ .{7}فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا

کیونکہ وجوب وصیت موت کے وقت ہوگا، برخلاف دو وکیلوں کے؛ کیونکہ وکالت آگے پیچھے ہوتی ہے۔ پھر اگر مر گیا دونوں وصیوں میں سے ایک

جَعَلَ الْقَاضِي مَكَانَهُ وَصِيًّا آخَرَ ، أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ الْبَاقِيَ عَاجِزٌ عَنِ التَّفَرُّدِ بِالتَّصَرُّفِ

تو مقرر کر دے گا قاضی اس کی جگہ دوسرا وصی؛ بہر حال طرفین کے نزدیک تو اس لیے کہ باقی موصی عاجز ہے تنہا تصرف کرنے سے

فَيَضُمُّ الْقَاضِي إِلَيْهِ وَصِيًّا آخَرَ نَظَرًا لِلْمَيِّتِ عِنْدَ عَجْزِهِ .وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

پس ملا دے قاضی اس کے ساتھ دوسرا وصی؛ رعایتِ میت کے پیش نظر اس وصی کے عاجز ہونے کے وقت، اور امام ابو یوسف کے نزدیک

الْحَيُّ مِنْهُمَا وَإِنْ كَانَ يَقْدِرُ عَلَى التَّصَرُّفِ فَالْمُوصِي قَصَدَ أَنْ يَخْلُفَهُ مُتَصَرِّفَانِ فِي حُقُوقِهِ،

ان دونوں میں سے زندہ اگرچہ قادر ہے تصرف پر، مگر موصی نے قصد کیا ہے کہ اس کے خلیفہ ہوں دو تصرف کرنے والے اس کے حقوق میں

وَذَلِكَ مُمْكِنُ التَّحَقُّقِ بِنَصْبِ وَصِيٍّ آخَرَ مَكَانَ الْمَيِّتِ{8}وَلَوْ أَنَّ الْمَيِّتَ مِنْهُمَا أَوْصَى إِلَى الْحَيِّ فَلِلْحَيِّ أَنْ يَتَصَرَّفَ

اور یہ ممکن التحقق بھی ہے دوسرا وصی مقرر کرنے سے میت کی جگہ، اور اگر ان دونوں میں سے میت نے وصی بنایا ہو زندہ کو تو زندہ تصرف کر سکتا ہے

وَحْدَهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا إِذَا أَوْصَى إِلَى شَخْصٍ آخَرَ .وَلَا يَحْتَاجُ الْقَاضِي إِلَى نَصْبِ وَصِيٍّ آخَرَ

تنہا ظاہر الروایت میں جیسے اس صورت میں جب اس نے وصی بنایا ہو دوسرے شخص کو، اور محتاج نہ ہوگا قاضی دوسرا وصی مقرر کرنے کو

لِأَنَّ رَأْيَ الْمَيِّتِ بَاقٍ حُكْمًا بِرَأْيِ مَنْ يَخْلُفُهُ . {9}وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَنْفَرِدُ بِالتَّصَرُّفِ

کیونکہ میت کی رائے باقی ہے حکماً اس کے اس کی رائے سے جو اس کا خلیفہ ہے، اور امام صاحب سے مروی ہے کہ زندہ وصی تنہا تصرف نہیں کر سکتا ہے

لِأَنَّ الْمُوصِيَ مَا رَضِيَ بِتَصَرُّفِهِ وَحْدَهُ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى إِلَى غَيْرِهِ لِأَنَّهُ يَنْفُذُ تَصَرُّفُهُ

کیونکہ موصی راضی نہیں ہوا ہے تنہا اس کے تصرف سے، بر خلافِ اس کے جب وہ وصی بنائے غیر کو؛ کیونکہ نافذ ہو گا اس کا تصرف

بِرَأْيِ الْمُثَنَّى كَمَا رَضِيَهُ الْمُتَوَفَّى . ﴿۱۰﴾وَإِذَا مَاتَ الْوَصِيُّ وَأَوْصَى إلَى آخَرَ فَهُوَ وَصِيُّهُ فِي تَرِكَتِهِ

دو کی رائے ہو جانے سے جیسا کہ راضی تھا اس سے میت۔ اور اگر مر گیا وصی، اور اس نے وصی بنایا دوسرے کو تو وہ وصی ہے اس کے ترکہ میں

وَتَرِكَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَكُونُ وَصِيًّا فِي تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ اعْتِبَارًا بِالتَّوْكِيلِ

اور میتِ اول کے ترکہ میں ہمارے نزدیک، اور فرمایا امام شافعیؒ نے وصی نہ ہو گا میتِ اول کے ترکہ میں؛ قیاس کرتے ہوئے توکیل پر

فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ ، الْجَامِعُ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ رَضِيَ بِرَأْيِهِ لَا بِرَأْيِ غَيْرِهِ . ﴿۱۱﴾وَلَنَا أَنَّ

حالتِ حیاۃ میں، اور جامع ان دونوں میں یہ ہے کہ موصی راضی ہوا ہے اس کی رائے سے نہ کہ اس کے غیر کی رائے سے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

الْوَصِيَّ يَتَصَرَّفُ بِوِلَايَةٍ مُنْتَقِلَةٍ إلَيْهِ فَيَمْلِكُ الْإِيصَاءَ إلَى غَيْرِهِ كَالْجَدِّ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّ

کہ وصی تصرف کرتا ہے اس ولایت کے ذریعہ جو منتقل ہوئی اس کی طرف، پس وہ مالک ہو گا غیر کو وصی بنانے کا جیسے دادا، کیا نہیں دیکھتا کہ

الْوِلَايَةَ الَّتِي كَانَتْ ثَابِتَةً لِلْمُوصِي تَنْتَقِلُ إلَى الْوَصِيِّ فِي الْمَالِ وَإِلَى الْجَدِّ فِي النَّفْسِ، ثُمَّ الْجَدُّ قَائِمٌ مُقَامَ الْأَبِ

وہ ولایت جو ثابت تھی موصی کے لیے منتقل ہوتی ہے وصی کی طرف مال میں، اور جد کی طرف نفس میں، پھر جد قائم مقام ہوتا ہے اب کا

فِيمَا انْتَقَلَ إلَيْهِ فَكَذَا الْوَصِيُّ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْإِيصَاءَ إقَامَةُ غَيْرِهِ مُقَامَهُ فِيمَا

اس میں جو اس کی طرف منتقل ہوتی ہے پس اسی طرح وصی ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ایصاء اپنا قائم مقام بنانا ہے اپنے علاوہ کو اس میں جس میں

لَهُ وِلَايَتُهُ ، وَعِنْدَ الْمَوْتِ كَانَتْ لَهُ وِلَايَةٌ فِي التَّرِكَتَيْنِ فَيَنْزِلُ الثَّانِي مَنْزِلَتَهُ فِيهِمَا.

اس کو ولایت حاصل ہے اور موت کے وقت موصی کو ولایت حاصل تھی دونوں ترکوں میں پس اتر آئے گا ثانی اس کے درجے میں دونوں ترکوں میں

﴿۱۲﴾وَلِأَنَّهُ لَمَّا اسْتَعَانَ بِهِ فِي ذَلِكَ مَعَ عِلْمِهِ أَنَّهُ قَدْ تَعْتَرِيهِ الْمَنِيَّةُ قَبْلَ تَتْمِيمِ مَقْصُودِهِ بِنَفْسِهِ

اور اس لیے جب موصی نے مدد طلب کی اس میں باوجود اس کے علم کے کہ اس کو پیش آسکتی ہے موت موصی کا مقصود پورا ہونے سے پہلے

وَهُوَ تَلَافِي مَا فَرَّطَ مِنْهُ صَارَ رَاضِيًا بِإِيصَائِهِ إلَى غَيْرِهِ ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ لِأَنَّ الْمُوَكِّلَ حَيٌّ

اور وہ تلافی ہے اس کی جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے، تو وہ راضی ہو گیا ہے وصی کا غیر کو وصی بنانے پر، بر خلافِ وکیل کے؛ کیونکہ موکل زندہ ہے

يُمْكِنُهُ أَنْ يُحَصِّلَ مَقْصُودَهُ بِنَفْسِهِ فَلَا يَرْضَى بِتَوْكِيلِ غَيْرِهِ وَالْإِيصَاءُ إلَيْهِ .

ممکن ہے اس کے لیے کہ حاصل کر لے اپنا مقصود بذاتِ خود، پس وہ راضی نہیں غیر کو وکیل بنانے اور غیر کو وصی بنانے پر۔

تشریح:۔{۱}اور ودیعتِ معینہ کو واپس کر دینا، اور مال مغصوب واپس کر دینا، اور فاسد طریقہ سے خریدی ہوئی چیز کو واپس کر دینا، اور اموال کی حفاظت کرنا، اور قرضوں کو ادا کرنا بھی مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کاموں کو بھی تنہا ہر ایک وصی کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ امور بابِ ولایت سے نہیں ہیں بلکہ اعانت اور حاجت پوری کرنے کے قبیل سے ہیں چنانچہ مغصوب چیز کا مالک اور قرضہ کا قرضخواہ جب اپنی جنس حق پر قابو پائے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنا مغصوب مال لے لے اور اپنا قرضہ وصول کر لے، اور مال کی حفاظت ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کے قبضہ میں مال پڑ جائے لہٰذا یہ فعل از قبیل اعانت ہے نہ کہ از قبیل ولایت۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان امور میں رائے کی ضرورت نہیں ہے کہ دوسرے وصی کی رائے اس میں ضروری ہو؛ کیونکہ یہ چیزیں شرعاً واجبات ہیں اس لیے ان میں دونوں کی رائے کا اجتماع ضروری نہیں ہے۔

{۲}اور مذکورہ بالا حکم سے مستثنیٰ امور میں ایک معین چیز کی وصیت کو نافذ کرنا ہے، اور معین غلام کو آزاد کرنا ہے یعنی یہ کام دونوں وصیوں میں سے ایک بھی کر سکتا ہے؛ کیونکہ ان کاموں میں دونوں کی رائے کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا دونوں کا اجتماع ضروری نہیں ہے۔ اور مستثنیٰ امور میں سے کسی شخص پر میت کے حق کے بارے خصومت کرنا ہے کہ یہ خصومت دونوں وصیوں میں سے ایک کر سکتا ہے؛ کیونکہ خصومت میں دونوں کا مجتمع ہونا متعذر ہے یعنی قاضی اپنی مجلس میں دونوں کو بولنے کی اجازت نہیں دے گا؛ کیونکہ اس سے مجلس قضاء میں شور وشغف پیدا ہو گا، لہٰذا دونوں میں سے ایک کو خصومت کو اختیار ہوتا ہے۔

{۳}اور ان مستثنیٰ امور میں سے ہبہ قبول کرنا ہے یعنی اگر میت کی نابالغ اولاد کو کسی نے کوئی چیز ہبہ کی تو ایک وصی اس کو وصول کر سکتا ہے؛ کیونکہ تاخیر کرنے میں فوت ہو جانے کا خوف ہے لہٰذا دونوں کے اجتماع کو ضروری قرار دینے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہبہ کو قبول کرنا ماں کے اختیار میں ہے یا نابالغ بچہ جس کی پرورش میں ہو اسی کے اختیار میں ہے تو یہ تصرف ولایت کے قبیل سے نہیں ہے؛ کیونکہ ماں کو ولایت حاصل نہیں ہے۔ اور ان مستثنیٰ امور میں سے ترکہ کی ایسی چیز کو فروخت کرنا ہے جس کے بارے میں برباد اور تلف ہونے کا خوف ہو؛ کیونکہ ایسی چیز کو فروخت کرنے میں جو ضرورت ہے وہ مخفی نہیں ہے لہٰذا اس کے لیے دو وصیوں کا اجتماع ضروری نہیں ہے۔

{۴}اور ان مستثنیٰ امور میں سے متفرق اموال کو جمع کرنا ہے کہ یہ ہر ایک وصی کے اختیار میں ہے؛ کیونکہ دونوں کی رائے کے مجتمع ہونے تک مؤخر کرنے میں ان اموال کے برباد ہو جانے کا خوف ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے ہاتھ یہ اموال پڑ جائیں

وہ ان کی حفاظت کا مختار ہوتا ہے لہٰذا یہ از باب ولایت نہیں ہے کہ دوسرے وصی کی رائے کی ضرورت ہو لہٰذا ایک وصی بدرجہ اولیٰ اس پر قادر ہوگا۔

{۵} اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ دو وصیوں میں سے ایک کو تنہا یہ اختیار نہیں کہ ترکہ کی کوئی چیز فروخت کردے اور میت کے مال کا تقاضا کرے، اور تقاضا سے مراد یہ کہ میت کے مال کو وصول کرکے قبض کرنے اور فقہاء کے عرف میں لفظ تقاضا سے یہی معنی مراد ہوا کرتا تھا، اور کسی ایک وصی کو اس کا اختیار نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قبض کرنے میں میت ان دونوں کی یکجا امانت پر راضی ہوا تھا تو تنہا کسی ایک کی امانت پر راضی نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تقاضا بمعنی مبادلہ ہے خاص کر جبکہ جنس مختلف ہو چنانچہ سابق میں معلوم ہو چکا لہٰذا یہ ولایت کے قبیل سے ہے اس لیے اس میں سپردگی کے وصف کی رعایت کی جائے گی اور وہ دونوں وصیوں کا اجتماع ہے لہٰذا کسی ایک وصی کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔

{۶} اور اگر موصی نے ہر ایک وصی کو علیحدہ عقد سے وصی بنایا تو بعض مشائخ (شیخ ابو القاسم الصفار) نے کہا کہ ہر وصی کو تنہا تصرف کا اختیار ہے جیسے دو وکیلوں میں ہوتا ہے جبکہ ہر ایک وکیل کو علیحدہ مقرر کیا ہو؛ اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے ہر وصی کو علیحدہ وصی بنایا تو وہ ایک وصی کی رائے پر راضی ہو گیا اس لیے ہر ایک کو تنہا تصرف کا اختیار ہوگا۔ اور بعض مشائخ (ابو بکر الاسکافؒ) نے کہا ہے کہ خواہ یکجا دونوں کو وصی بنائے یا علیحدہ علیحدہ بنائے دونوں صورتوں میں طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ایک ہی اختلاف ہے: کیونکہ وصیت کا وجوب تو موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے پس دونوں کے لیے وصیت معاً ثابت ہوگی، باقی زندگی میں دو وکیلوں کو مقرر کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وکالت تو آگے پیچھے واقع ہوگی لہٰذا ہر ایک کے لیے الگ وکالت ثابت ہوگی۔

{۷} پھر اگر دونوں وصیوں میں سے ایک مر گیا تو قاضی مردہ کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے؛ طرفینؒ کے نزدیک تو اس وجہ سے دوسرا مقرر کرے گا کہ تنہا ایک وصی تو تصرف سے عاجز ہے تو میت کی عاجزی کی حالت میں کہ وہ مر چکا ہے قاضی اس کی رعایت کے لیے دوسرا وصی مقرر کردے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس وجہ سے دوسرا وصی مقرر کرے گا کہ تنہا ایک وصی اگرچہ تصرف کر سکتا ہے لیکن موصی نے قصد کیا تھا کہ اس کے خلیفہ بن کر دو وصی اس کے حقوق میں کام کریں اور اس بات کا تحقق ممکن ہے بایں طور کہ قاضی مردہ کی جگہ دوسرا وصی مقرر کرلے۔

﴿۸﴾ اور اگر اس طرح ہوا کہ دونوں وصیوں میں سے جو مر گیا ہے اس نے مرتے وقت اپنی طرف سے بھی زندہ وصی کو وصی مقرر کیا تو ظاہر الروایۃ میں زندہ کو اختیار ہو گا کہ تنہا تصرف کرے جیسے اگر مرتے وقت وہ کسی دوسرے کو وصی کر جاتا تو وہ زندہ کے ساتھ وصی ہو جاتا، اور اس صورت میں ضرورت نہیں رہی کہ قاضی دوسرا وصی کرے؛ کیونکہ مرے ہوئے وصی کے خلیفہ کی رائے سے اس کی حکمی رائے باقی ہے یعنی مرے ہوئے وصی نے جس کو وصی مقرر کیا تھا اس کی رائے گویا خود مرے ہوئے وصی کی رائے ہے اور جب تک کہ اس کی رائے باقی ہو دوسرے وصی کو مقرر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

﴿۹﴾ اور نوادر میں امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ دونوں وصیوں میں سے زندہ کو تنہا تصرف کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ موصی اپنی حیات میں تنہا اس کے تصرف پر راضی نہیں ہوا تھا اس لیے تنہا اس کو تصرف کا اختیار نہ ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر وصی نے مرتے وقت دوسرے شخص کو وصی مقرر کر دیا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ زندہ کا تصرف دو رائے سے نافذ ہوا جیسا کہ موصی میت کی پسند یہی تھی کہ تصرف میں دو رائے شریک ہوں۔

﴿۱۰﴾ اگر وصی مر گیا اور مرتے وقت اس نے دوسرے شخص کو وصی مقرر کیا تو ہمارے نزدیک یہ اس میت (وصی) کے ترکہ میں اور میت اول (موصی) کے ترکہ میں وصی ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ میت اول کے ترکہ میں وصی نہ ہو گا؛ قیاس کرتے ہوئے حالتِ حیاۃ کی توکیل پر، اور توکیل وایصاء میں عدمِ جواز کی علتِ جامعہ یہ ہے کہ موکل اور موصی اسی کی رائے پر راضی ہیں نہ کہ اس کے غیر کی رائے پر، یعنی اگر زید نے بکر کو وکیل بنایا اور بکر نے خالد کو وکیل بنایا تو خالد فقط بکر کا وکیل ہے زید کا وکیل نہ ہو گا؛ کیونکہ زید صرف بکر کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ خالد کی رائے پر پس وصی بنانا بھی اسی پر قیاس ہے۔

﴿۱۱﴾ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی اس ولایت کے ذریعہ تصرف کرتا ہے جو موصی کی طرف سے اس کی جانب منتقل ہوئی ہے تو موصی کی طرح وصی کو اختیار ہو گا کہ دوسرے کو وصی مقرر کر دے جیسے یتیموں کے دادا کو اختیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ موصی کو جو ولایت حاصل تھی وہ مال میں تصرف کے سلسلے میں وصی کی جانب منتقل ہوئی اور نفس وجان میں باپ کو جو ولایت حاصل تھی وہ دادا کی جانب منتقل ہوئی پھر دادا کی جانب جو ولایت منتقل ہوئی اس میں وہ باپ (یعنی موصی) کا قائم مقام ہے حتی کہ دادا کو نابالغ بچوں کے نکاح کرنے اور حقوقِ قصاص وصول کرنے کا اختیار ہے پس اسی طرح وصی کو بھی مال میں وصی مقرر کرنے کا اختیار ہے؛ کیونکہ وصی میت کا خلیفہ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی بنانے کا معنی یہ ہے کہ جس کام میں موصی کو ولایت حاصل ہے اس میں اپنی موت

کے بعد دوسرے کو اپنا قائم مقام کرے اور ہم جانتے ہیں کہ اس وصی کو اپنی موت کے وقت اول موصی کے ترکہ میں اور اپنے بل میں ولایت حاصل تھی پس اس نے جس شخص کو وصی بنایا وہ بھی دونوں ترکہ میں اس کا قائم مقام ہوگا۔

{۱۲} دوسری دلیل یہ ہے کہ اول موصی نے جب اپنی کوتاہی اور قصور کے تدارک میں اس وصی سے مدد لی حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ شاید اصل مقصود (یعنی میرے قصور کی تلافی سے) سے پہلے اس شخص کو خود موت آجائے تو وہ اس امر پر راضی ہو چکا کہ یہ اس وقت اپنی رائے سے دوسرے شخص کو وصی مقرر کردے۔

باقی وکیل کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہ دوسرے کو وکیل مقرر نہیں کرسکتا ہے؛ کیونکہ مؤکل خود زندہ موجود ہے پس اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ اپنا مقصود بذاتِ خود حاصل کرے تو وہ اس امر پر راضی نہ ہوگا کہ یہ وکیل کسی دوسرے کو وکیل مقرر کردے اور اس کو وصی بنائے بلکہ جب وکیل مرجائے گا تو وہ بذات خود اپنا دوسرا وکیل مقرر کرلے گا۔

{۱} قَالَ : وَمُقَاسَمَةُ الْوَصِيِّ الْمُوصَى لَهُ عَنِ الْوَرَثَةِ جَائِزَةٌ وَمُقَاسَمَتُهُ الْوَرَثَةَ عَنِ الْمُوصَى لَهُ بَاطِلَةٌ ؛ لِأَنَّ

فرمایا: اور تقسیم کرنا وصی کا موصی لہ سے ورثہ کی طرف سے جائز ہے اور تقسیم کرنا اس کا ورثہ سے موصی لہ کی طرف سے باطل ہے؛ کیونکہ

الْوَارِثَ خَلِيفَةُ الْمَيِّتِ حَتَّى يَرُدَّ بِالْعَيْبِ وَيُرَدَّ عَلَيْهِ بِهِ وَيَصِيرَ مَغْرُورًا

وارث خلیفہ ہے میت کا حتی کہ وہ رد کرسکتا ہے عیب کی وجہ سے اور رد کیا جاسکتا ہے اس پر عیب کی وجہ سے، اور وہ دھوکہ شدہ ہوجائے گا

بِشِرَاءِ الْمُوَرِّثِ وَالْوَصِيُّ خَلِيفَةُ الْمَيِّتِ أَيْضًا فَيَكُونُ خَصْمًا عَنِ الْوَارِثِ إِذَا كَانَ غَائِبًا فَصَحَّتْ قِسْمَتُهُ عَلَيْهِ، حَتَّى

مورث کی خرید سے، اور وصی بھی خلیفہ ہے میت کا، پس وہ خصم ہوگا وارث کی طرف سے جب وہ غائب ہو، لہٰذا صحیح ہے اس کی تقسیم حتی کہ

لَوْحَضَرَ وَقَدْ هَلَكَ مَا فِي يَدِ الْوَصِيِّ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُشَارِكَ الْمُوصَى لَهُ ، {۲} أَمَّا الْمُوصَى لَهُ فَلَيْسَ بِخَلِيفَةٍ

اگر وہ حاضر ہو اور ہلاک ہوجائے اس کے قبضہ میں جو مال ہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ شریک ہوجائے موصی لہ کا۔ رہا موصی لہ تو وہ خلیفہ نہیں ہے

عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِسَبَبٍ جَدِيدٍ ، وَلِهَذَا لَا يَرُدُّ بِالْعَيْبِ وَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِ،

میت کی طرف سے ہر طرح سے؛ کیونکہ وہ اس کا مالک ہوا ہے سبب جدید سے، اسی لیے وہ موصی بہ کو واپس نہیں کرسکتا ہے اور نہ اس پر رد کیا جاسکتا ہے

وَلَا يَصِيرُ مَغْرُورًا بِشِرَاءِ الْمُوصِي فَلَا يَكُونُ الْوَصِيُّ خَلِيفَةً عَنْهُ عِنْدَ غَيْبَتِهِ ، {۳} حَتَّى لَوْ هَلَكَ مَا

اور مغرور نہ ہوگا موصی کی خرید سے، پس وصی خلیفہ نہ ہوگا اس کی طرف سے اس کے غائب ہونے کے وقت حتی کہ اگر وہ مال ہلاک ہوا

أُفْرِزَ لَهُ عِنْدَ الْوَصِيِّ كَانَ لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ لَمْ تَنْفُذْ عَلَيْهِ ، غَيْرَ أَنَّ الْوَصِيَّ لَا يَضْمَنُ

جو الگ کیا ہے موصی لہ کے لیے وصی کے پاس، تو اس کے لیے باقی کا ثلث ہو گا؛ کیونکہ تقسیم نافذ نہیں ہوئی ہے، البتہ وصی ضامن نہ ہوگا

لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِيهِ ، وَلَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ فِي التَّرِكَةِ فَصَارَ كَمَا إذَا هَلَكَ بَعْضُ التَّرِكَةِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَكُونُ لَهُ

کیونکہ وہ امین ہے اس میں، اور اس کو ولایتِ حفظ ہے ترکہ میں پس ہو گیا جیسا کہ اگر ہلاک ہو جائے بعض ترکہ تقسیم سے پہلے تو ہو گا اس کے لیے

ثُلُثُ الْبَاقِي لِأَنَّ الْمُوصَى لَهُ شَرِيكُ الْوَارِثِ فَيَتْوَى مَا تَوِيَ مِنَ الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ عَلَى الشَّرِكَةِ وَيَبْقَى مَا بَقِيَ

باقی کا ثلث؛ کیونکہ موصی لہ وارث کا شریک ہے، پس ہلاک شمار ہو گا وہ جو ہلاک ہوا مالِ مشترک سے شرکت پر، اور باقی رہے گا جو باقی ہے

عَلَى الشَّرِكَةِ ﴿۴﴾ قَالَ : فَإِنْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ وَأَخَذَ نَصِيبَ الْمُوصَى لَهُ فَضَاعَ رَجَعَ الْمُوصَى لَهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ ؛ لِمَا

شرکت پر۔ فرمایا: اگر تقسیم کر لی ورثہ نے اور لے لیا موصی لہ کا حصہ، اور وہ ضائع ہو گیا تو واپس لے گا موصی لہ ما بقی کا ثلث؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا . ﴿۵﴾ قَالَ : وَإِنْ كَانَ الْمَيِّتُ أَوْصَى بِحَجَّةٍ فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ فَهَلَكَ مَا فِي يَدِهِ

جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور اگر میت نے وصیت کی ہو حج کی، پس وصی نے تقسیم کر لی ورثہ سے، اور ہلاک ہو گیا وہ مال جو اس کے قبضہ میں ہے

حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ ، وَكَذَلِكَ إنْ دَفَعَهُ إلَى رَجُلٍ لِيَحُجَّ عَنْهُ فَضَاعَ

تو حج کرایا جائے گا میت کی طرف ما بقی کے ثلث سے، اور اسی طرح اگر دیدیا وہ مال کسی شخص کو تا کہ وہ حج کرے اس کی طرف سے، پس وہ ضائع ہو گیا

فِي يَدِهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : إنْ كَانَ مُسْتَغْرِقًا لِلثُّلُثِ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ ، وَإِلَّا يَرْجِعُ بِتَمَامِ الثُّلُثِ

اس کے قبضہ میں، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے اگر ہلاک شدہ مال مستغرق ہو ثلث کو تو واپس نہیں لے سکتا ہے کچھ، ورنہ واپس لے ثلث مکمل ہونے تک

﴿۶﴾ وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا يَرْجِعُ بِشَيْءٍ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقُّ الْمُوصِي ، وَلَوْ أَفْرَزَ الْمُوصِي بِنَفْسِهِ مَالًا لِيُحَجَّ

اور فرمایا امام محمدؒ نے واپس نہیں لے سکتا ہے کچھ؛ کیونکہ تقسیم موصی کا حق ہے، اور اگر الگ کر لیا مال کو موصی نے بذاتِ خود تا کہ حج ادا کیا جاتا

عَنْهُ فَهَلَكَ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ ، فَكَذَا إذَا أَفْرَزَهُ وَصِيُّهُ الَّذِي

اس کی طرف سے، پس وہ ہلاک ہوا تو لازم نہ ہوتا اس پر کچھ، اور باطل ہو جاتی وصیت، پس اسی طرح جب الگ کر دے مال کو اس کا وہ وصی

قَامَ مَقَامَهُ . وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ فَيَجِبُ تَنْفِيذُهَا مَا بَقِيَ مَحَلُّهَا ،

جو اس کا قائم مقام ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ محلِ وصیت ثلث ہے پس واجب ہوگی اس کی تنفیذ جب تک کہ باقی ہو اس کا محل

وَإِذَا لَمْ يَبْقَ بَطَلَتْ لِفَوَاتِ مَحَلِّهَا . ﴿۷﴾ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْقِسْمَةَ لَا تُرَادُ لِذَاتِهَا

اور جب باقی نہ رہا تو وصیت باطل ہو جائے گی اس کا محل فوت ہونے سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم مراد نہیں ہوتی ہے بذاتِ خود

بنا لِمَقْصُودِهَا وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْحَجِّ فَلَمْ تُعْتَبَرْ دُونَهُ وَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ

بنا اس کے مقصود کے لیے، اور وہ حج کی ادائیگی ہے، پس معتبر نہ ہوگی اس کے بغیر، اور ہو گیا جیسا کہ اگر ہلاک ہو جائے تقسیم سے پہلے

يُحَجُّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ ، وَلِأَنَّ تَمَامَهَا بِالتَّسْلِيمِ إِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ ، إِذْ لَا قَابِضَ

تو حج کرایا جائے گا مابقی کے ثلث سے، اور اس لیے کہ تقسیم کی تکمیل سپرد کرنے سے ہے جہتِ متعین کی طرف؛ اس لیے کہ کوئی قابض نہیں ہے

لَهَا ، فَإِذَا لَمْ يُصْرَفْ إِلَى ذَلِكَ الْوَجْهِ لَمْ يَتِمَّ فَصَارَ كَهَلَاكِهِ قَبْلَهَا.

اس کے لیے، پس جب صرف نہ کیا جائے اس متعین جہت کی طرف، تو تقسیم تام نہ ہوگی، پس ہو گیا جیسے اس کا ہلاک ہونا تقسیم سے پہلے

{۸}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ أَلْفِ دِرْهَمٍ فَدَفَعَهَا الْوَرَثَةُ إِلَى الْقَاضِي فَقَسَمَهَا وَالْمُوصَى لَهُ غَائِبٌ

فرمایا: اور جس نے وصیت کی ایک ہزار کے ثلث کی، پس دیدیے ہزار ورثہ نے قاضی کو، اور قاضی نے تقسیم کیے حالانکہ موصی لہ غائب ہے

فَقِسْمَتُهُ جَائِزَةٌ ؛ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ صَحِيحَةٌ ، وَلِهَذَا لَوْ مَاتَ الْمُوصَى لَهُ قَبْلَ الْقَبُولِ تَصِيرُ الْوَصِيَّةُ مِيرَاثًا لِوَرَثَتِهِ

تو قاضی کی تقسیم جائز ہے؛ کیونکہ وصیت صحیح ہے، اسی لیے اگر مر گیا موصی لہ قبول کرنے سے پہلے تو ہو جائے گی وصیت میراث اس کے ورثہ کے لیے

{۹}وَالْقَاضِي نُصِبَ نَاظِرًا لَا سِيَّمَا فِي حَقِّ الْمَوْتَى وَالْغُيَّبِ ، وَمِنَ النَّظَرِ إِفْرَازُ نَصِيبِ الْغَائِبِ وَقَبْضِهِ

اور قاضی مقرر کیا گیا ہے نگران، خاص کر مُردوں اور غائبوں کے حق میں، اور نظر میں سے الگ کرنا ہے غائب کا حصہ اور اس پر قبضہ کرنا ہے

فَنَفَذَ ذَلِكَ وَصَحَّ، حَتَّى لَوْحَضَرَ الْغَائِبُ وَقَدْهَلَكَ الْمَقْبُوضُ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ سَبِيلٌ . {۱۰}قَالَ : وَإِذَا

پس نافذ ہوگی یہ تقسیم اور صحیح ہوگی، حتی کہ اگر حاضر ہوا غائب اور ہلاک ہو چکا ہو مقبوض تو نہ ہوگی اس کو ورثہ پر کوئی راہ۔ فرمایا: اور اگر

بَاعَ الْوَصِيُّ عَبْدًامِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ فَهُوَ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ الْوَصِيَّ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوصِي ، وَلَوْ تَوَلَّى

فروخت کر دیا وصی نے غلام ترکہ میں سے قرضخواہوں کی موجودگی کے بغیر تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ وصی قائم مقام ہے موصی کا، اور اگر وہ بیع کرتا

حَيًّا بِنَفْسِهِ يَجُوزُ بَيْعُهُ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ وَإِنْ كَانَ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ فَكَذَا

حالتِ حیاۃ میں بذاتِ خود تو جائز ہوتی اس کی بیع قرضخواہوں کی موجودگی کے بغیر، اگرچہ وہ اس کے مرض موت میں ہوتا، پس اسی طرح

إِذَا تَوَلَّاهُ مَنْ قَامَ مَقَامَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّ الْغُرَمَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَالِيَّةِ لَا بِالصُّورَةِ

جب بیع کر لی اس نے جو اس کا قائم مقام ہے، اور یہ اس لیے کہ قرضخواہوں کا حق متعلق ہے مالیت کے ساتھ نہ کہ صورت کے ساتھ،

وَالْبَيْعُ لَا يُبْطِلُ الْمَالِيَّةَ لِفَوَاتِهَا إِلَى خَلَفٍ وَهُوَ الثَّمَنُ . {۱۱}بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمَدْيُونِ لِأَنَّ

اور بیع باطل نہیں کرتی ہے مالیت کو؛ اس کے فوت ہونے کی وجہ سے خلیفہ کی طرف اور وہ ثمن ہے، برخلاف مقروض غلام کے؛ کیونکہ

لِلْغُرَمَاءِ حَقَّ الْاِسْتِسْعَاءِ وَأَمَّا هَاهُنَا فَبِخِلَافِهِ .

قرضخواہوں کو حق حاصل ہے کمائی کرانے کا، رہا یہاں کا معاملہ تو اس کے برخلاف ہے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ وصی کا وارثوں کی طرف سے موصی لہ کے ساتھ تقسیم کرنا جائز ہے اور موصی لہ کی طرف سے وارثوں کے ساتھ اس کا تقسیم کرنا باطل ہے مثلاً میت نے ورثہ چھوڑے اور ثلث ترکہ کی وصیت زید کے نام کی اور بکر کو وصی مقرر کیا پس وصی نے وارثوں کی طرف سے نائب ہو کر موصی لہ کے ساتھ ترکہ کو تقسیم کیا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نے موصی لہ کی طرف سے نائب ہو کر وارثوں کے ساتھ ترکہ کو تقسیم کیا تو یہ باطل ہے؛ کیونکہ وہ وارث کی طرف سے نائب ہو سکتا ہے اور موصی لہ کی طرف سے نائب نہیں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے حتی کہ مورث نے اگر کوئی عیب دار چیز خریدی ہو تو وارث اس کو اس عیب کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے اور اگر مورث نے کوئی عیب دار چیز فروخت کی ہو تو مشتری اس عیب دار چیز کو عیب کی وجہ سے وارث پر رد کر سکتا ہے، اور مورث نے اگر باندی خریدی پھر وہ بائع کے بجائے کسی اور کی نکل آئی تو وارث دھوکہ شدہ شمار ہوگا گویا بائع نے وارث کو دھوکہ دیا ہے، اور میت کا وصی بھی میت کا خلیفہ ہے البتہ وارث پیدائشی خلیفہ ہے اور وصی کو میت نے خلیفہ بنایا ہے، تو وصی اس وارث کی طرف سے خصم ہوگا بشرطیکہ وارث خود غائب ہو تو وصی کا تقسیم کرنا وارث پر نافذ اور صحیح ہوگا حتی کہ اگر تقسیم کے بعد غائب وارث حاضر ہوا اور حال یہ کہ وارث کا جو حصہ وصی کے قبضہ میں تھا وہ وصی کے فعل کے بغیر تلف ہو گیا تو وارث کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ موصی لہ کے قبضہ میں موجود مال میں شریک ہو جائے؛ کیونکہ تقسیم صحیح اور نافذ ہو چکی تھی، بہر حال اگر وصی نے وارث کی طرف سے موصی لہ کے ساتھ تقسیم کی تو یہ صحیح ہے۔

﴿۲﴾ رہا یہ کہ اگر وصی نے موصی لہ کی طرف سے وارث کے ساتھ تقسیم کی تو یہ باطل ہے؛ کیونکہ موصی لہ ہر اعتبار سے میت کا خلیفہ نہیں بلکہ صرف ثلث ترکہ میں وہ خلیفہ ہے؛ کیونکہ میت نے اس کو جدید سبب (وصیت) سے مالک کیا ہے لہذا شروع سے خلیفہ ہونے کا سبب نہیں رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ موصی لہ کو عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کا اختیار نہیں، اور نہ اس پر عیب کی وجہ سے مبیع رد کی جاسکتی ہے اور نہ وہ موصی کی خرید کی وجہ سے دھوکہ شدہ شمار ہوتا ہے لہذا موصی لہ کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں وصی اس کا خلیفہ نہ ہوگا کہ وارث کے ساتھ تقسیم کر دے۔

{۳} تو یہ بیوی کہ موصی لہ کے لیے جدا کیا گیا تھا اگر وہ وصی کے قبضہ میں تلف ہو گیا تو موصی لہ کو باقی مال کا ثلث ملے گا کیونکہ وصی کی یہ تقسیم موصی لہ پر نافذ نہیں ہوئی تھی، البتہ اتنی بات ہے کہ وصی اس کا ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ اس کی حفاظت میں امین ہے اور وصی کو ترکہ میں حفاظت کی ولایت حاصل ہے تو ایسا ہے جیسے تقسیم سے پہلے کچھ ترکہ تلف ہو جائے تو موصی لہ کے لیے باقی ترکہ کا ثلث ہے گا؛ کیونکہ موصی لہ تو وارث کے ساتھ شریک ہے اور شریک باقی میں شریک ہوتا ہے لہذا مالِ مشترک میں سے جو کچھ ہلاک ہوا وہ شرکت پر تلف شدہ ہوگا اور جو کچھ باقی رہے وہ شرکت پر باقی رہے گا۔

{۴} اگر وصی نے موصی لہ کی طرف سے وارثوں کے ساتھ تقسیم کر کے موصی لہ کا حصہ وصول کر لیا پھر یہ مال ضائع ہو گیا تو موصی لہ باقی ترکہ کا ثلث وصول کرے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ وصی کی یہ تقسیم اس پر نافذ نہیں ہے تو یہ مال مشترک ضائع ہوا اور جو باقی رہا وہ مشترک باقی رہا۔

{۵} اگر میت نے وصی کو وصیت کی ہو کہ میری طرف سے حج کرا دے پس وصی نے وارثوں کے ساتھ تقسیم کر لی پھر جو کچھ وصی کے قبضہ میں تھا وہ تلف ہو گیا تو باقی کے ثلث سے میت کی طرف سے حج کرایا جائے گا، اسی طرح اگر وصی نے یہ مال کسی شخص کو دیا ہو کہ وہ میت کی طرف سے حج کرے پس اس کے پاس سے وہ مال ضائع ہوا تو بھی باقی کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ اگر یہ ہلاک شدہ مال ترکہ کے پورے ثلث تک کو مستغرق ہو تو وصی اب کچھ نہیں لے سکتا ورنہ تو ثلث کو پورا کرنے تک وصول کرے گا۔

{۶} امام محمدؒ نے فرماتے ہیں کہ باقی مال سے وصی کچھ نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ تقسیم تو موصی کا حق ہے اور موصی اگر بذاتِ خود اتنا مال جدا کر کے رکھ لیتا کہ اس کی طرف سے حج کیا جائے پھر تلف ہو تا تو اس کے لیے مزید کچھ لازم نہ ہوتا اور وصیت باطل ہو جاتی پس اسی طرح جب اس کے قائم مقام وصی نے مال جدا کیا اور وہ تلف ہوا تو بھی کچھ واجب نہیں اور وصیت باطل ہو گئی۔

امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل صرف ثلثِ ترکہ تک ہے تو جب تک وصیت کا محل (ثلثِ ترکہ) باقی رہے اس وقت تک وصیت کو نافذ کرنا واجب ہے اور جب ثلث میں سے کچھ باقی نہ رہے تو محل وصیت باقی نہ رہنے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی۔

{۷} امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم ایسی چیز نہیں جس کی ذات مقصود ہو بلکہ تقسیم اس کے مقصود کے لیے کی جاتی ہے لہذا تقسیم اس مقصود کے بغیر معتبر نہ ہوگی اور اس کا مقصود حج کی ادائیگی ہے تو اس مقصد کے حاصل ہونے کے بغیر تقسیم معتبر نہیں

ہے تو یہ ایسا ہے جیسے تقسیم سے پہلے مال تلف ہو جائے تو بالاتفاق باقی کے ثلث سے حج کرایا جاتا ہے اسی طرح اس تقسیم کے بعد تلف ہونے کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا کہ باقی کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قبضہ کا پورا ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ میت نے جس راہ میں اسے صرف کرنے کی وصیت کی تھی وصی اسی راہ میں صرف کر دے تو تقسیم کے حصہ پر قبضہ پورا ہوگا پس جب اسی راہ میں صرف نہیں کیا گیا تو قبضہ تام نہ ہوگا لہذا یہ ایسا ہے جیسے تقسیم اور قبضہ سے پہلے یہ مال تلف ہو جائے تو بالاتفاق ثلث سے حج کرایا جاتا ہے۔

﴿۸﴾ ایک شخص نے ہزار درہم کے ثلث کی وصیت کسی شخص کے لیے کی پھر مر گیا پس موصی کے وارثوں نے یہ ہزار درہم قاضی کے سپرد کیے، اور قاضی نے ان ہزار کو وارثوں اور موصی لہ کے درمیان تقسیم کر دیا حالانکہ موصی لہ غائب ہے تو قاضی کا تقسیم کرنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ وصیت صحیح واقع ہوئی ہے اس لیے کہ غائب کا وصیت کو قبول کرنا شرط نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر موصی لہ اسے قبول کرنے سے پہلے مر گیا تو یہ حصہ موصی لہ کے وارثوں کے لیے میراث ہو جائے گا۔

﴿۹﴾ اور قاضی کو شریعت نے لوگوں کے حقوق کی نگہداشت رکھنے کے لیے مقرر کیا ہے خاص کر ایسے لوگوں کے حق میں جو مر گئے ہوں یا غائب ہوں؛ کیونکہ حاضر اور زندہ تو خود اپنے حقوق کی نگہداشت کر سکتا ہے اور مردہ اور غائب اپنے حقوق کی حفاظت سے معذور ہے تو قاضی ان کے حقوق کی حفاظت کرے گا۔ اور غائب کے حقوق کی نگہداشت کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ موصی لہ غائب کا حصہ الگ کر کے قبض کرلے تو یہ تقسیم نافذ اور صحیح ہوگی حتی کہ اگر موصی لہ جو غائب ہے ایسے وقت حاضر ہوا کہ اس کا مقبوضہ حصہ قاضی کے پاس تلف ہو چکا ہے تو موصی لہ کو وارثوں کے ساتھ شرکت کی کوئی راہ نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کا حصہ الگ ہو جانے کے بعد شرکت باقی نہیں رہی۔

﴿۱۰﴾ ایک شخص مقروض ہے اور اس نے موت کے وقت ایک شخص کو وصی بنایا پس اس وصی نے ترکہ میں سے کسی غلام کو قرضخواہوں کی موجودگی کے بغیر فروخت کیا تو یہ بیع جائز ہے؛ کیونکہ وصی اپنے موصی کا قائم مقام ہے تو اس کو موصی کی طرح ولایت حاصل ہے اور موصی اگر اپنی زندگی میں قرضخواہوں کی موجودگی کے بغیر غلام فروخت کرتا تو اس کی بیع جائز ہوتی اگرچہ وہ اپنے مرض الموت میں فروخت کر دیتا، پس اسی طرح جب اس کے قائم مقام نے فروخت کیا تو بھی جائز ہے اور فروخت کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ قرضخواہوں کا حق اس غلام کی مالیت سے متعلق ہے اس کی صورت سے متعلق نہیں ہے اور بیع اس کی مالیت کو باطل نہیں کرتی ہے ؛کیونکہ غلام اگرچہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا مگر اس نے اپنا خلیفہ یعنی ثمن چھوڑا تو گویا اس کے ہاتھ سے زائل ہی نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ عوض موجود ہے۔

{۱۱}اس کے برخلاف ماذون فی التجارۃ مقروض غلام کو مولیٰ قرضخواہ کی موجودگی کے بغیر فروخت نہیں کرے گا؛ کیونکہ اس کے قرضخواہوں کو اس سے کمائی کرانے کا حق حاصل ہے پس بیع سے ان کا حق باطل ہو جائے گا اس لیے قرضخواہوں کی موجودگی کے بغیر بیع جائز نہیں۔ اور یہاں وصی کا غیر مدیون غلام کو فروخت کرنے سے قرضخواہوں کا حق مؤکد ہو جاتا ہے باطل نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ ان کا حق ثمن میں ہے تو بیع سے ان کا حق حاصل ہو جاتا ہے اس لیے ان کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں میں یہ بیع جائز ہے۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُبَاعَ عَبْدُهُ وَيَتَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ عَلَى الْمَسَاكِينِ فَبَاعَهُ الْوَصِيُّ

فرمایا: اور جس نے وصیت کہ فروخت کیا جائے اس کا غلام اور صدقہ کردے اس کا ثمن مساکین پر، پس اس کو فروخت کیا وصی نے

وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَضَاعَ فِي يَدِهِ فَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ ضَمِنَ الْوَصِيُّ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ فَتَكُونُ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ ،

اور قبض کیا ثمن کو پھر وہ ضائع ہو گیا اس کے ہاتھ میں، پھر مستحق ہوا غلام تو ضامن ہو گا وصی؛ کیونکہ وہی عاقد ہے پس ذمہ داری اسی پر ہو گی

وَهَذِهِ عُهْدَةٌ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ مِنْهُ مَا رَضِيَ بِبَذْلِ الثَّمَنِ إلَّا لِيُسَلَّمَ لَهُ الْمَبِيعُ وَلَمْ يُسَلَّمْ

اور یہ ذمہ داری ہے؛ کیونکہ وصی سے خریدنے والا راضی نہیں ہوا ہے ثمن دینے پر مگر اس لیے تاکہ سپرد کی جائے اس کو مبیع، حالانکہ وہ سپرد نہیں کی گئی

فَقَدْ أَخَذَ الْوَصِيُّ الْبَائِعُ مَالَ الْغَيْرِ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّهُ . {۲}قَالَ : وَيَرْجِعُ فِيمَا

پس لے لیا بائع وصی نے غیر کا مال اس کی رضامندی کے بغیر پس واجب ہے اس پر اس کو واپس کرنا، اور رجوع کرے گا اس میں

تَرَكَ الْمَيِّتُ ؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ . {۳}وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ أَوَّلًا :

جو میت نے چھوڑا ہے؛ کیونکہ وصی عامل ہے میت کے لیے پس رجوع کرے گا اس پر وکیل کی طرح، اور امام صاحب اول کہا کرتے تھے

لَا يَرْجِعُ لِأَنَّهُ ضَمِنَ بِقَبْضِهِ ، ثُمَّ رَجَعَ إلَى مَا ذَكَرْنَا وَيَرْجِعُ

رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ وہ ضامن ہوا اس کو قبضہ کرنے سے، پھر رجوع فرمایا اس کی طرف جو ہم ذکر کر چکے، اور رجوع کرے گا

فِي جَمِيعِ التَّرِكَةِ . وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَرْجِعُ فِي الثُّلُثِ لِأَنَّ الرُّجُوعَ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ فَأَخَذَ

تمام ترکہ میں، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ رجوع کرے گا ثلث میں؛ کیونکہ رجوع کرنا حکم وصیت کی وجہ سے ہے پس رجوع نے لے لیا

حُكْمَهَا ، وَمَحَلُّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ . {۴}وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِحُكْمِ الْغُرُورِ وَذَلِكَ دَيْنٌ عَلَيْهِ

اس کا حکم، اور وصیت کا محل ثلث ہے، اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ رجوع کرے گا میت پر بحکم غرور اور یہ دَین ہے اس پر،

وَالدَّيْنُ يُقْضَى مِنْ جَمِيعِ التَّرِكَةِ ،﴿5﴾بِخِلَافِ الْقَاضِي أَوْ أَمِينِهِ إذَا تَوَلَّى الْبَيْعَ حَيْثُ لَا عُهْدَةَ عَلَيْهِ ، لِأَنَّ
اور دین ادا کیا جاتا ہے تمام ترکہ سے۔ برخلاف قاضی یا اس کے امین کے جب وہ بیع کرلے کہ ذمہ داری نہیں ہوگی اس پر؛ کیونکہ
فِي إلْزَامِهَا الْقَاضِي تَعْطِيلُ الْقَضَاءِ ، إذْ يَتَحَامَى عَنْ تَقَلُّدِ هَذِهِ الْأَمَانَةِ حَذَرًا عَنْ لُزُومِ الْغَرَامَةِ
قاضی پر ذمہ داری لازم کرنے میں قضاء کو معطل کرنا ہے؛ اس لیے کہ گریز کرے گا اس امانت کے تحمل سے لزوم غرامت سے بچنے کے لیے
فَيَتَعَطَّلُ مَصْلَحَةُ الْعَامَّةِ وَأَمِينُهُ سَفِيرٌ عَنْهُ كَالرَّسُولِ ، وَلَا كَذَلِكَ الْوَصِيُّ لِأَنَّهُ
پس معطل ہو جائے گی عام لوگوں کی مصلحت، اور قاضی کا امین اس کا سفیر ہوتا ہے جیسے قاصد، اور اس طرح نہیں ہے وصی؛ کیونکہ وہ
بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلِ وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ ،﴿6﴾فَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ قَدْ هَلَكَتْ أَوْ لَمْ يَكُنْ بِهَا وَفَاءٌ لَمْ يَرْجِعْ
وکیل کے درجے میں ہے، اور یہ گذر چکا کتاب القضاء میں، پھر اگر ترکہ ہلاک ہوگیا یا ترکہ سے اس کی ادائیگی نہ ہوسکی تو وصی واپس نہیں لے سکتا
بِشَيْءٍ كَمَا إذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ آخَرُ﴿7﴾قَالَ :وَإِنْ قَسَمَ الْوَصِيُّ الْمِيرَاثَ فَأَصَابَ صَغِيرًا مِنَ الْوَرَثَةِ عَبْدٌ
کچھ بھی جیسا کہ اگر میت پر دوسرا دین ہو۔ فرمایا: اور اگر تقسیم کیا وصی نے میراث کو، پس کسی بچے کے حصہ میں آیا ورثہ میں سے کوئی غلام
فَبَاعَهُ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَهَلَكَ وَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ رَجَعَ فِي مَالِ الصَّغِيرِ ؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ
پس اس نے اس کو فروخت کر دیا اور ثمن کو قبض کیا، پھر وہ ہلاک ہوا، اور غلام مستحق ہوا تو واپس لے گا مال صغیر سے؛ کیونکہ وصی عامل ہے
لَهُ ، وَيَرْجِعُ الصَّغِيرُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحِصَّتِهِ لِانْتِقَاضِ الْقِسْمَةِ بِاسْتِحْقَاقِ مَا أَصَابَهُ . ﴿8﴾قَالَ
صغیر کے لیے، اور واپس لے گا صغیر ورثہ سے اس کا حصہ؛ تقسیم ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کے مستحق ہونے سے جو اس کو پہنچا تھا۔ فرمایا:
وَإِذَا احْتَالَ الْوَصِيُّ بِمَالِ الْيَتِيمِ فَإِنْ كَانَ خَيْرًا لِلْيَتِيمِ جَازَ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ أَمْلَأَ ، إذِ الْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ
اور اگر حوالہ قبول کیا وصی نے مال یتیم کا، تو اگر وہ بہتر ہو یتیم کے لیے تو جائز ہے، اور وہ یہ کہ محتال علیہ مالدار ہو؛ اس لیے کہ ولایت نظری ہے۔

وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَمْلَأَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ فِيهِ تَضْيِيعَ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى بَعْضِ الْوُجُوهِ.

اور اگر اول مالدار ہو تو جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں تضییع ہے مال یتیم کی بعض وجوہ سے۔

تشریح:۔﴿1﴾اگر کسی نے وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن مسکینوں پر صدقہ کر دیا جائے پس اس کے وصی نے
غلام فروخت کر کے ثمن وصول کیا پھر یہ ثمن وصی کے قبضہ میں ضائع ہوگیا پھر اس غلام پر کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر کے مشتری
سے لے لیا تو وصی مشتری کے لیے ثمن کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ عقد کرنے والا یہی وصی ہے تو عقد کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی اور یہ بھی

لذی ذمہ داری میں سے ہے کہ مشتری کو مبیع سالم ملے یا ثمن واپس ہو؛ کیونکہ مشتری اپنا ثمن دینے پر فقط اسی صورت میں راضی ہوا کہ مبیع اس کو سالم ملے حالانکہ یہاں مبیع اس کو سالم نہیں ملی تو بائع وصی نے مشتری کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا اس لیے اس پر یہ مال واپس کرنا واجب ہے۔

{۲} پھر وصی نے جو تاوان مشتری کو ادا کیا وہ میت کے ترکہ سے واپس لے؛ کیونکہ وصی نے میت ہی کے لیے یہ کام (بیع) کیا جس میں اس نے تاوان اٹھایا تو تاوان اسی سے واپس لے جیسے وکالت میں وکیل موکل سے رجوع کرتا ہے مثلاً زید کے وکیل نے زید کا غلام فروخت کیا اور ثمن وصول کیا جو اس کے ہاتھ میں تلف ہو گیا پھر مشتری سے یہ غلام کسی نے استحقاق ثابت کر کے لے لیا اور مشتری نے وکیل سے اپنا ثمن واپس لیا تو وکیل اس تاوان کو موکل سے واپس لے گا؛ کیونکہ وکیل نے موکل ہی کے کام کی بنا پر تاوان اٹھایا ہے، اسی طرح وصی بھی میت کے ترکہ سے واپس لے گا۔

{۳} امام ابو حنیفہؒ پہلے فرماتے تھے کہ وصی کو میت کے ترکہ میں سے رجوع کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اپنے قبضہ کرنے کی وجہ سے ضامن ہوا ہے، پھر امام صاحبؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا اور اس قول کو اختیار کیا جو ہم نے بیان کیا کہ وصی کو میت کے ترکہ سے واپس لینے کا اختیار ہے۔ پھر وصی کو میت کے پورے ترکہ سے یہ تاوان واپس لینے کا استحقاق ہوگا یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

اور امام محمدؒ سے نوادر میں مروی ہے کہ وہ صرف ثلث ترکہ سے اپنا تاوان واپس لے سکتا ہے حتی کہ اگر ثلث غلام کے ثمن سے کم ہو تو بقدر ثلث ہی پائے گا؛ کیونکہ رجوع کا یہ استحقاق وصیت ہی کی وجہ سے ہے تو اس نے وصیت ہی کا حکم پایا اور وصیت کا محل صرف ثلث ترکہ ہوتا ہے لہٰذا رجوع کا محل بھی فقط ثلث ہوگا۔

{۴} ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ وہ دھوکا ہو جانے کی وجہ سے رجوع کرنے کا مستحق ہوا ہے وصیت کی وجہ سے مستحق نہیں ہوا ہے اور دھوکہ کا ضمان میت پر قرضہ ہے اور قرضہ پورے ترکہ سے ادا کیا جاتا ہے تو وصی کا یہ قرضہ بھی پورے ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔

{۵} باقی قاضی اور امین کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک بذاتِ خود بیع کرلے اور ثمن اس کے ہاتھ میں تلف ہو جائے اور مبیع کا کوئی اور شخص مستحق نکل آئے تو مشتری اس سے رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس پر بیع کی ذمہ داری نہیں آتی ہے؛ اس لیے کہ قاضی پر اس بیع کی ذمہ داری لازم کرنے میں منصبِ قضاء کو معطل کرنا لازم آئے گا؛ کیونکہ جب منصبِ قضاء کی وجہ سے وہ اس طرح کے اموال کا ذمہ دار قرار پائے تو ایسے تاوان کے خوف سے امانتِ قضا برداشت کرنے سے ہر شخص پرہیز کرے

گا جس کی وجہ سے عام لوگوں کی مصلحت معطل ہو جائے گی حالانکہ یہ شرعاً باطل ہے تو معلوم ہو گیا کہ شریعت نے قاضی پر اس طرح کے اموال کی ذمہ داری واجب نہیں کی ہے، رہا قاضی کا امین تو وہ قاضی کی جانب سے محض سفیر ہے جیسے ایلچی ہوتا ہے یعنی قاضی کا امین صرف قاضی کے الفاظِ بیع کو ادا کرتا ہے جیسے وکیل نکاح میں ہوتا ہے اس لیے امین ذمہ دار نہیں ہے، اور وصی کا یہ حال نہیں ہے لہٰذا وہ ذمہ دار ہوتا ہے؛ کیونکہ وصی وکیل بالبیع کے درجے میں ہے اور اس کی تفصیل "کتاب ادب القاضی" میں بیان ہو چکی ہے۔

﴿٦﴾ پھر واضح رہے کہ وصی اپنا تاوان پورے ترکہ سے اس وقت واپس لے گا کہ ترکہ موجود اور کافی ہو اور اگر ترکہ ختم ہو چکا ہو یا موجود ترکہ میں وصی کے تاوان ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وصی کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے یعنی میت کے وارثوں سے یا ان مساکین سے جن پر ثمن کو صدقہ کر دیا ہو کچھ واپس نہیں لے سکتا جیسا کہ اگر میت پر دوسرا قرضہ ہو جو ترکہ کو محیط ہو تو وصی کچھ واپس نہیں پائے گا۔

فتوی:۔ امام ابوحنیفہ کا مرجوع الیہ قول راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشہید: الراجح قول الامام ابی حنیفة الآخر المرجوع الیه وعلیه اعتمد الامام قاضیخان فی فتاواه والیه مال صاحب الهدایة (هامش الهدایة: ج4ص 3/ا)

﴿٧﴾ اگر وصی نے میراث کو تقسیم کیا اور وارثوں میں سے ایک نابالغ بچے کو ایک غلام ملا پس وصی نے یہ غلام فروخت کر کے اس کا ثمن وصول کیا پھر یہ ثمن تلف ہو گیا اور اس غلام کو بھی مشتری کے پاس سے کسی نے استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو مشتری اپنا ثمن وصی سے واپس لے اور وصی اس تاوان کو بچے کے مال سے واپس لے گا؛ کیونکہ وصی نے اسی بچے ہی کے لیے بیع کی تھی اور قاعدہ ہے کہ جس کے کام کی وجہ سے کسی پر تاوان آئے تو وہ اسی سے رجوع کرے گا، پھر یہ بچہ اپنا حصہ ان وارثوں سے واپس لے گا؛ کیونکہ بچے نے جو غلام پایا تھا وہ استحقاق میں لیے جانے کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ گئی؛ کیونکہ "کتاب القسمۃ" میں تو عدہ مذکور ہے کہ تقسیم میں اگر کسی کے حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو تقسیم ٹوٹ جاتی ہے۔

﴿٨﴾ اگر وصی نے یتیم کے مال کا حوالہ کسی شخص پر قبول کیا پس اگر یتیم کے لیے یہ حوالہ بہتر ہو مثلاً محتال علیہ غنی ہو تو یہ حوالہ قبول کرنا جائز ہے؛ کیونکہ وصی کی ولایت شفقتی ہے تو اس صورت میں چونکہ شفقت اسی میں ہے کہ حوالہ قبول کیا جائے اس لیے یہ حوالہ قبول کرنا جائز ہے۔ اور اگر اول شخص (حوالہ کرنے والا قرضدار) ہی زیادہ غنی ہو اور جس پر حوالہ دیا ہے وہ فقیر ہو تو وصی کا حوالہ قبول کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں بعض وجوہ سے یتیم کے مال کو برباد کرنا لازم آتا ہے مثلاً محتال علیہ فقیر ہو تو یتیم کے حق کی ادائیگی میں تاخیر لازم آئی گی اور تاخیر بھی ایک طرح سے اتلاف ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

﴿۱﴾قَالَ : وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْوَصِيِّ وَلَا شِرَاؤُهُ

فرمایا: اور جائز نہیں ہے وصی کی بیع اور نہ اس کی خرید

إِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِي مِثْلِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا نَظَرَ فِي الْغَبْنِ الْفَاحِشِ ، بِخِلَافِ الْيَسِيرِ لِأَنَّهُ

مگر اتنے میں جس کے مثل میں لوگ دھوکہ کھاتے ہوں؛ کیونکہ کوئی شفقت نہیں ہے غبن فاحش میں، برخلاف معمولی غبن کے؛ کیونکہ

لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ، فَفِي اعْتِبَارِهِ انْسِدَادُ بَابِهِ ﴿۲﴾وَالصَّبِيُّ الْمَأْذُونُ وَالْعَبْدُ الْمَأْذُونُ وَالْمُكَاتَبُ يَجُوزُ بَيْعُهُمْ وَشِرَاؤُهُمْ

ممکن نہیں ہے بچنا اس سے، پس اس کے اعتبار کرنے میں اس کا دروازہ بند کرنا ہے، اور ماذون بچے، ماذون غلام اور مکاتب کی بیع اور ان کی شراء جائز ہے

بِالْغَبْنِ الْفَاحِشِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُمْ يَتَصَرَّفُونَ بِحُكْمِ الْمَالِكِيَّةِ ، وَالْإِذْنُ فَكُّ الْحَجْرِ ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ

غبن فاحش کے ساتھ امام صاحب کے نزدیک؛ کیونکہ یہ لوگ تصرف کرتے ہیں بحکم مالکیت، اور اذن ختم کرتا ہے ممانعت کو، برخلاف وصی کے

لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ الشَّرْعِيَّةِ نَظَرًا فَيَتَقَيَّدُ بِمَوْضِعِ النَّظَرِ . وَعِنْدَهُمَا

کیونکہ وہ تصرف کرتا ہے نیابت شرعیہ کے حکم سے شفقت کی بناء پر، پس وہ مقید ہوگا موضع شفقت کے ساتھ، اور صاحبینؒ کے نزدیک

لَا يَمْلِكُونَهُ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ بِالْفَاحِشِ مِنْهُ تَبَرُّعٌ لَا ضَرُورَةَ فِيهِ وَهُمْ

یہ لوگ اس کے مالک نہیں؛ کیونکہ تصرف فحش غبن کے ساتھ اس کی طرف سے تبرع ہے اور کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی، اور یہ لوگ

لَيْسُوا مِنْ أَهْلِهِ ﴿۳﴾وَإِذَا كُتِبَ كِتَابُ الشِّرَاءِ عَلَى وَصِيٍّ كُتِبَ كِتَابُ الْوَصِيَّةِ عَلَى حِدَةٍ وَكِتَابُ الشِّرَاءِ عَلَى حِدَةٍ؛

اہل تبرع نہیں ہیں۔ اور جب لکھا جائے بیع نامہ کسی وصی پر تو لکھا جائے وصیت نامہ علیحدہ اور بیع نامہ علیحدہ

لِأَنَّ ذَلِكَ أَحْوَطُ وَلَوْ كُتِبَ جُمْلَةً عَسَى أَنْ يَكْتُبَ الشَّاهِدُ شَهَادَتَهُ فِي آخِرِهِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ فَيَصِيرُ ذَلِكَ حَمْلًا لَهُ عَلَى الْكَذِبِ

کیونکہ یہ احوط ہے اور اگر لکھا جائے یکجا تو ہو سکتا ہے کہ لکھ لے گواہ اپنی گواہی اس کے اخیر میں بلا تفصیل تو ہو جائے گا یہ باعث اس کو جھوٹ پر

﴿۴﴾ثُمَّ قِيلَ : يُكْتَبُ اشْتَرَى مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ وَلَا يُكْتَبُ مِنْ فُلَانٍ وَصِيِّ فُلَانٍ لِمَا بَيَّنَّا.

ابھارنے کا، پھر کہا گیا ہے کہ یوں لکھا جائے "خرید افلاں بن فلاں سے" یوں نہ لکھے کہ "فلاں سے جو وصی ہے فلاں کا" اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے

وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ لِأَنَّ الْوِصَايَةَ تُعْلَمُ ظَاهِرًا ﴿۵﴾قَالَ :وَبَيْعُ الْوَصِيِّ عَلَى الْكَبِيرِ الْغَائِبِ جَائِزٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ

اور کہا گیا ہے کہ کوئی حرج نہیں اس میں؛ کیونکہ وصایت معلوم ہوتی ہے ظاہراً۔ فرمایا: اور وصی کی بیع کبیر غائب پر جائز ہے ہر شئی میں،

إِلَّا فِي الْعَقَارِ ؛ لِأَنَّ الْأَبَ يَلِي مَا سِوَاهُ وَلَا يَلِيهِ ، فَكَذَا وَصِيُّهُ فِيهِ . ﴿۶﴾وَكَانَ الْقِيَاسُ أَنْ

گھر وغیرہ میں نہیں؛ کیونکہ باپ کو ولایت حاصل ہے منقول کے علاوہ کی اور عقار کی نہیں، تو اسی طرح وصی بھی ہے

لَا يَمْلِكُ الْوَصِيُّ غَيْرَ الْعَقَارِ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ الْأَبُ عَلَى الْكَبِيرِ . إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَّاهُ لِمَا أَنَّهُ حِفْظ

کہ وصی مالک نہ ہو غیر عقار کا بھی؛ کیونکہ مالک نہیں ہے اس کا باپ بالغ پر، مگر ہم نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے کیونکہ یہ حفاظت ہے

لِتَسَارُعِ الْفَسَادِ إِلَيْهِ ، وَحِفْظُ الثَّمَنِ أَيْسَرُ وَهُوَ يَمْلِكُ الْحِفْظَ . أَمَّا الْعَقَارُ فَمُحَصَّنٌ بِنَفْسِهِ

جلدی فساد آنے کی وجہ سے اس کی طرف، اور ثمن کی حفاظت آسان ہے، اور وصی حفاظت کا مالک ہے، رہا عقار تو وہ محفوظ ہے بذات خو

قَالَ : وَلَا يَتَّجِرُ فِي الْمَالِ ، لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهِ الْحِفْظُ دُونَ التِّجَارَةِ {۷} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: وَصِيُّ الْأَخِ فِي الصِّغَ

فرمایا: اور وصی تجارت نہیں کرے گا مال میں؛ کیونکہ اس کو سپرد کی گئی ہے حفاظت نہ کہ تجارت۔ اور فرمایا صاحبینؒ نے بھائی کا وصی صغ

وَالْكَبِيرِ الْغَائِبِ بِمَنْزِلَةِ وَصِيِّ الْأَبِ فِي الْكَبِيرِ الْغَائِبِ . وَكَذَا وَصِيُّ الْأُمِّ وَوَصِيُّ الْعَمِّ . وَهَذَا الْجَوَابُ فِي تَرِكَةِ هَؤُلَا

اور کبیر میں باپ کے وصی کی طرح ہے کبیر غائب میں، اور اسی طرح ماں اور چچا کا وصی ہے، اور یہی حکم ہے ان کے ترکہ میں

لِأَنَّ وَصِيَّهُمْ قَائِمٌ مَقَامَهُمْ وَهُمْ يَمْلِكُونَ مَا يَكُونُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ فَكَذَا وَصِيُّهُمْ . قَالَ : وَالْوَصِيُّ أَحَ

کیونکہ ان کا وصی ان کا قائم مقام ہے، اور وہ مالک ہیں اس چیز کے جو باب حفاظت سے ہو، پس اسی طرح ان کا وصی بھی مالک ہوگا۔ فرمایا: اور وصی زیادہ حقدار ہے

بِمَالِ الصَّغِيرِ مِنَ الْجَدِّ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : الْجَدُّ أَحَقُّ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَقَامَهُ مَقَامَ الْأَبِ حَالَ عَدَ

مال صغیر کا دادا سے، اور فرمایا امام شافعیؒ نے دادا زیادہ حقدار ہے؛ کیونکہ شریعت نے اس کو قائم مقام بنایا ہے باپ کا باپ کی غیر موجودگی م

حَتَّى أَحْرَزَ الْمِيرَاثَ فَيُقَدَّمُ عَلَى وَصِيِّهِ . {۸} وَلَنَا أَنَّ بِالْإِيصَاءِ تَنْتَقِلُ وِلَايَةُ الْأَ

حتی کہ وہ لے لیتا ہے میراث، پس مقدم ہوگا اس کے وصی پر۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی بنانے سے منتقل ہو جاتی ہے باپ کی ولایت

إِلَيْهِ فَكَانَتْ وِلَايَتُهُ قَائِمَةً مَعْنًى فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ كَالْأَبِ نَفْسِهِ . وَهَذَا لِأَنَّ اخْتِيَارَهُ الْوَصِ

وصی کی طرف پس باپ کی ولایت قائم ہے معنًی، پس وصی مقدم کیا جائے گا دادا پر جیسے خود باپ، اور یہ اس لیے کہ اس کا وصی کو اختیار کر

مَعَ عِلْمِهِ بِقِيَامِ الْجَدِّ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ تَصَرُّفَهُ أَنْظَرُ لِبَنِيهِ مِنْ تَصَرُّفِ أَ

باوجود اس کے علم کے دادا موجود ہونے کے دلالت کرتا ہے کہ اس کے تصرف میں رعایت زیادہ ہے اس کے بیٹوں کے لیے اس کے باپ کے تصرف سے

{۹} فَإِنْ لَمْ يُوصِ الْأَبُ فَالْجَدُّ بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ وَأَشْفَقُ

اور اگر باپ نے وصی نہیں بنایا تو دادا باپ کے درجے میں ہے؛ کیونکہ دادا سب سے زیادہ قریب ہے اس کے اور سب سے زیادہ مشفق ہے

عَلَيْهِ حَتَّى يَمْلِكَ الْإِنْكَاحَ دُونَ الْوَصِيِّ ، غَيْرَ أَنَّهُ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ وَصِيُّ الْأَبِ فِي التَّصَرُّفِ لِمَا بَ

اس پر حتی کہ مالک ہے نکاح کرانے کا نہ کہ وصی، البتہ مقدم کیا جائے گا اس پر باپ کا وصی تصرف میں؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے

تشریح:۔{۱} وصی کی خرید اور فروخت جائز نہیں مگر اتنے ثمن کے عوض جس کے برابر لوگ خسارہ برداشت کرتے ہوں اور اگر اتنے خسارہ سے فروخت کیا جتنے خسارہ کو لوگ برداشت نہ کرتے ہوں تو جائز نہیں؛ کیونکہ غبن فاحش میں کوئی بہتری اور رعایت نہیں ہے حالانکہ وصی کی ولایت بہتری اور رعایت کے شرط کے ساتھ مشروط ہے، باقی غبن یسیر کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی غبن یسیر کے ساتھ خرید اور فروخت جائز ہے؛ کیونکہ معمولی غبن سے بچنا ممکن نہیں ہے تو معمولی غبن کا اعتبار کرنے میں وصی کے تصرفات کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

{۲} ماذون فی التجارۃ بچے اور ماذون فی التجارۃ غلام اور مکاتب کی خرید و فروخت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غبن فاحش کے ساتھ بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہ لوگ مالکانہ تصرف کرتے ہیں پس یہ آزاد بالغ شخص کی طرح ہیں لہذا یہ لوگ جس طرح تصرف کریں کوئی قید نہیں ہے اور تجارت کی اجازت دینا ممانعت اور حجر کو دور کرنا ہے کہ یہ اب تصرف کر سکتا ہے۔ باقی وصی کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ وہ شفقت کے ساتھ شرعی نیابت کے حکم سے تصرف کرتا ہے تو اس کے تصرف میں شفقت اور بھلائی کی قید معتبر ہے اور مال تلف کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے اس لیے غبن فاحش کے ساتھ اس کا تصرف جائز نہیں۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان لوگوں کو بھی غبن فاحش کے ساتھ تصرف کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی طرف سے غبن فاحش بطور تبرع ہے اور اس میں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے اور یہ لوگ تبرع کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں لہذا یہ لوگ غبن فاحش کے ساتھ تصرف کے اہل نہیں ہیں پس اگر ماذون بچے یا ماذون غلام یا مکاتب نے غبن فحش کے ساتھ خرید یا فروخت کی تو صاحبینؒ کے نزدیک باطل ہے۔

{۳} وصی نے کوئی چیز فروخت کی جس پر بیع نامہ لکھا جا رہا ہے تو وہاں بیع نامہ اور وصیت نامہ ایک تحریر میں نہ ہو بلکہ ہر ایک الگ تحریر میں ہو؛ کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے؛ کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وصیت اور بیع کے گواہ الگ الگ ہوتے ہیں تو اگر بیع نامہ اور وصیت نامہ دونوں ایک تحریر میں ہوں تو بیع کے گواہ آخر میں اپنے دستخط کریں گے اور گواہی لکھیں گے تو ممکن ہے کہ وہ تفصیل نہ لکھا کر ہم فقط بیع کے گواہ ہیں تو یہ امر اس کو جھوٹ پر باعث ہو جائے گا کہ یہ دونوں باتوں کی گواہی ہے۔

{۴} پھر کہا گیا ہے کہ عنوان اس طرح لکھے کہ فلاں بن فلاں سے خریدا اور یوں نہ لکھے کہ فلاں سے خریدا جو فلاں کا وصی ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ اس میں احتیاط زیادہ ہے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ آخر میں گواہ کی گواہی تفصیل کے بغیر ہو جس سے

{۸} ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی مقرر کرنے کی وجہ سے باپ کی ولایت وصی کی جانب منتقل ہوتی ہے تو باپ کی ولایت معنیً
قائم ہے اگرچہ ظاہر میں باپ مر گیا تو وصی کو دادا پر مقدم کیا جائے گا جیسے خود باپ کو دادا پر مقدم کیا جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ
جانتا ہے کہ دادا موجود ہے پھر بھی اس نے وصی کو مقرر کیا تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وصی کے تصرف میں باپ کے بچوں کی
زیادہ رعایت ہے بنسبت اس کے باپ (دادا) کے تصرف کے، لہٰذا باپ کا وصی بچے کے مال میں تصرف کا بچے کے دادا سے زیادہ
حقدار ہے۔

{۹} اور اگر باپ نے وصی مقرر نہ کیا ہو تو نابالغ اولاد کے لیے دادا بمنزلہ باپ کے ہے؛ کیونکہ ان کے لیے تمام لوگوں سے
اقرب بھی دادا ہے اور یہی سب سے زیادہ شفقت والا ہے حتیٰ کہ دادا کو اس نابالغ کے نکاح کر دینے کا اختیار ہے اور وصی کو یہ اختیار نہیں
ہے البتہ اتنی بات ہے کہ مالی تصرف میں دادا پر باپ کے وصی کو مقدم کیا جائے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ وصی کو موصی
نے اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔

فَصْلٌ فِي الشَّهَادَةِ

یہ فصل احکام شہادت کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ وصیت کے بیان سے فارغ ہو گئے تو یہاں سے وصیت میں شہادت کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں، چونکہ وصیت اصل
ہے اور شہادت ایک عارض ہے اور عارض مؤخر ہوا کرتا ہے اس لئے شہادت کے احکام کو مؤخر کر دیا۔

{۱} قَالَ : وَإِذَا شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى إِلَى فُلَانٍ مَعَهُمَا فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ ؛ لِأَنَّهُمَا مُتَّهَمَانِ
فرمایا: اور جب گواہی دیں دو وصی کہ میت نے وصی بنایا فلاں کو ان دونوں کے ساتھ، تو ان کی شہادت باطل ہے؛ کیونکہ یہ دو متہم ہیں

لِإِثْبَاتِهِمَا مُعِينًا لِأَنْفُسِهِمَا .قَالَ : إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهَا الْمَشْهُودُ لَهُ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَهُوَ فِي الْقِيَاسِ كَالْأَوَّلِ
اپنے لیے مددگار ثابت کرنے کی وجہ سے۔ فرمایا: مگر یہ کہ دعویٰ کرے وصایت کا مشہود لہ، اور یہ استحسان ہے، اور یہ قیاس میں اول کی طرح ہے

لِمَا بَيَّنَّا مِنَ التُّهْمَةِ . {۲} وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ لِلْقَاضِي وِلَايَةَ نَصْبِ الْوَصِيِّ
اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے یعنی تہمت کی وجہ سے باطل ہے۔ وجہِ استحسان یہ ہے کہ قاضی کو ولایت حاصل ہے وصی مقرر کرنے کی

ابْتِدَاءً أَوْ ضَمَّ آخَرَ إِلَيْهِمَا بِرِضَاهُ بِدُونِ شَهَادَتِهِمَا فَيَسْقُطُ بِشَهَادَتِهِمَا مُؤْنَةُ التَّعْيِينِ عَنْهُ،

ابتداءً یا دوسرا ملا تو اس کی رضامندی سے ان دونوں کے ساتھ ان دونوں کی گواہی کے بغیر بھی ساقط ہو جائے گی ان کی گواہی سے تعیین کی ضرورت تو نہیں ہے

أَمَّا الْوِصَايَةُ تَثْبُتُ بِنَصْبِ الْقَاضِي . ﴿۳﴾قَالَ : وَكَذَلِكَ الِابْنَانِ مَعْنَاهُ إذَا شَهِدَا أَنَّ

رہی وصایت تو وہ ثابت ہوگی قاضی کے مقرر کرنے سے۔ فرمایا: اور اسی طرح دو بیٹے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب دونوں گواہی دیں کہ

الْمَيِّتَ أَوْصَى إلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُنْكِرُ لِأَنَّهُمَا يَجُرَّانِ إلَى أَنْفُسِهِمَا نَفْعًا بِنَصْبِ حَافِظٍ لِلتَّرِكَةِ

میت نے وصی بنایا ہے فلاں شخص کو حالانکہ وہ منکر ہے؛ کیونکہ یہ دونوں کھینچ رہے ہیں اپنی طرف نفع ترکہ کے لیے نگران مقرر کرنے کے ذریعے

﴿۴﴾ وَلَوْ شَهِدَا يَعْنِي الْوَصِيَّيْنِ ، لِوَارِثٍ صَغِيرٍ بِشَيْءٍ مِنْ مَالِ الْمَيِّتِ أَوْ غَيْرِهِ فَشَهَادَتُهُمَا بَاطِلَةٌ،

اور اگر دو نے گواہی دی یعنی دو وصیوں نے نابالغ وارث کے لیے کسی شئی کی مالِ میت سے یا اس کے غیر سے، تو ان دونوں کی گواہی باطل ہے

لِأَنَّهُمَا يُظْهِرَانِ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِأَنْفُسِهِمَا فِي الْمَشْهُودِ بِهِ . ﴿۵﴾قَالَ : وَإِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ فِي مَالِ الْمَيِّتِ

کیونکہ یہ دونوں ظاہر کرتے ہیں ولایتِ تصرف کو اپنے لیے مشہود بہ میں۔ فرمایا: اور اگر دونوں نے گواہی دی وارثِ کبیر کے لیے مالِ میت میں

لَمْ يَجُزْ ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ جَازَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : إنْ شَهِدَا

تو جائز نہیں ہے اور اگر مالِ میت کے علاوہ میں ہو تو جائز ہے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا: اگر ان دونوں نے گواہی دی

لِوَارِثٍ كَبِيرٍ تَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ ، لِأَنَّهُ لَا يَثْبُتُ لَهُمَا وِلَايَةُ التَّصَرُّفِ فِي التَّرِكَةِ إذَا كَانَتِ

وارثِ کبیر کے لیے تو جائز ہے دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ ثابت نہیں ہوتی ہے ان دونوں کے لیے ولایتِ تصرف ترکہ میں جب ہوں

الْوَرَثَةُ كِبَارًا فَعَرِيَتْ عَنِ التُّهْمَةِ . ﴿۶﴾وَلَهُ أَنَّهُ يَثْبُتُ لَهُمَا وِلَايَةُ الْحِفْظِ وَوِلَايَةُ بَيْعِ الْمَنْقُولِ

ورثہ بالغ، پس شہادت خالی ہوگئی تہمت سے، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثابت ہوتی ہے ان دونوں کے لیے ولایتِ حفاظت، اور بیع المنقول کی ولایت

عِنْدَ غَيْبَةِ الْوَارِثِ فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ بِخِلَافِ شَهَادَتِهِمَا فِي غَيْرِ التَّرِكَةِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ وَصِيِّ الْأَبِ

وارث غائب ہونے کے وقت، پس متحقق ہوگئی تہمت، برخلافِ ان کی شہادت کے غیر ترکہ میں؛ بوجہ منقطع ہونے باپ کے وصی کی ولایت کے

عَنْهُ ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ أَقَامَهُ مُقَامَ نَفْسِهِ فِي تَرِكَتِهِ لَا فِي غَيْرِهَا . ﴿۷﴾قَالَ : وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ

اس سے؛ کیونکہ میت نے اس کو قائم مقام بنایا ہے اس کے ترکہ میں نہ کہ اس کے علاوہ میں۔ فرمایا: اور اگر گواہی دی دو لوگوں نے

لِرَجُلَيْنِ عَلَى مَيِّتٍ بِدَيْنِ أَلْفِ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ الْآخَرَانِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِ ذَلِكَ جَازَتْ شَهَادَتُهُمَا ، فَإِنْ كَانَتْ

دو آدمیوں کے لیے میت پر ہزار درہم دَین کی، اور دوسرے دو نے اول دو کے لیے اسی طرح گواہی دی تو جائز ہے ان کی گواہی، اور اگر ہو

شَهَادَةُ كُلِّ فَرِيقٍ لِلْآخَرِينَ بِوَصِيَّةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ لَمْ تَجُزْ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ:
ایک فریق کی گواہی دوسرے فریق کے لیے ہزار درہم وصیت کی تو جائز نہیں، اور یہ طرفین کا قول ہے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے

تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا .وَأَبُو حَنِيفَةَ فِيمَا ذَكَرَ الْخَصَّافُ مَعَ أَبِي يُوسُفَ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ
قبول ہوگی دَین میں بھی، اور امام ابو حنیفہؒ امام خصافؒ کے بیان کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے

مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ . {٨}وَجْهُ الْقَبُولِ أَنَّ الدَّيْنَ يَجِبُ فِي الذِّمَّةِ وَهِيَ قَابِلَةٌ لِحُقُوقٍ شَتَّى
امام محمدؒ کے قول کی طرح۔ شہادت قبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دَین واجب ہوتا ہے ذمہ میں اور ذمہ قابل ہے کئی طرح کے حقوق کے لیے

فَلَا شَرِكَةَ ، وَلِهَذَا لَوْ تَبَرَّعَ أَجْنَبِيٌّ بِقَضَاءِ دَيْنِ أَحَدِهِمَا لَيْسَ لِلْآخَرِ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ.
پس شرکت نہیں ہے، اسی لیے اگر تبرع کیا کسی اجنبی نے دونوں میں سے ایک کا دَین ادا کرنے کے ساتھ تو نہ ہوگا دوسرے کو حقِ مشارکت

{٩}وَجْهُ الرَّدِّ أَنَّ الدَّيْنَ بِالْمَوْتِ يَتَعَلَّقُ بِالتَّرِكَةِ إِذِ الذِّمَّةُ خَرِبَتْ بِالْمَوْتِ ، وَلِهَذَا
اور وجہ رد یہ ہے کہ دَین موت کی وجہ سے متعلق ہو جاتا ہے ترکہ کے ساتھ؛ اس لیے کہ ذمہ خراب ہو گیا موت کی وجہ سے، اسی لیے

لَوْ اسْتَوْفَى أَحَدُهُمَا حَقَّهُ مِنَ التَّرِكَةِ يُشَارِكُهُ الْآخَرُ فِيهِ فَكَانَتِ الشَّهَادَةُ مُثْبِتَةً حَقَّ الشَّرِكَةِ
اگر وصول کیا ایک نے اپنا حق ترکہ سے تو شریک ہوگا اس کے ساتھ دوسرا اس میں، لہٰذا شہادت ثابت کرنے والی ہے حقِ شرکت کو،

فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ ، بِخِلَافِ حَالِ حَيَاةِ الْمَدْيُونِ لِأَنَّهُ فِي الذِّمَّةِ لِبَقَائِهَا لَا فِي الْمَالِ فَلَا تَتَحَقَّقُ
پس متحقق ہو گئی تہمت، برخلاف مدیون کی زندگی کی حالت کے؛ کیونکہ دَین ذمہ میں باقی ہے ذمہ کی بقاء کی وجہ سے نہ کہ مال میں، پس متحقق نہ ہوگی

الشَّرِكَةُ . {١٠}قَالَ : وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَوْصَى لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِجَارِيَتِهِ وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا
شرکت۔ فرمایا: اور اگر دونوں نے گواہی دی کہ میت نے وصیت کی ہے ان دونوں آدمیوں کے لیے اپنی باندی کی، اور گواہی دی مشہود لہمانے

أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى لِلشَّاهِدَيْنِ بِعَبْدِهِ جَازَتِ الشَّهَادَةُ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّهُ لَا شَرِكَةَ فَلَا تُهْمَةَ.
کہ میت نے وصیت کی ہے گواہوں کے لیے اپنے غلام کی تو جائز ہے شہادت بالاتفاق؛ کیونکہ شرکت نہیں ہے پس تہمت بھی نہیں ہے۔

{١١}وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَوْصَى لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا أَنَّهُ أَوْصَى
اور اگر دونوں نے گواہی دی کہ میت نے وصیت کی ان دو آدمیوں کے لیے اپنے ثلث مال کی، اور گواہی دی مشہود لہمانے کہ اس نے وصیت کی

لِلشَّاهِدَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ ، وَكَذَا إِذَا شَهِدَ الْأَوَّلَانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ

گواہوں کے لیے اپنے ثلث مال کی، تو یہ شہادت باطل ہے، اور اسی طرح جب گواہی دیں اول دو کہ میت نے وصیت کی ہے ان دو آدمیوں کے لیے

بِعَبْدٍ وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا أَنَّهُ أَوْصَى لِلْأَوَّلَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ فَهِيَ بَاطِلَةٌ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ مُثْبِتَةٌ لِلشَّرِكَةِ

غلام کی اور گواہی دیں مشہود لہما کہ اس نے وصیت کی ہے اول دو کے لیے اپنے ثلث مال کی، تو گواہی باطل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں شہادت ثابت کرنے والی ہے شرکت کو۔

تشریح:۔ {۱} اگر دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے اس تیسرے شخص کو ہمارے ساتھ وصی مقرر کیا ہے اور وہ تیسرا شخص انکاری ہے تو یہ گواہی باطل ہے یعنی قبول نہ ہوگی؛ کیونکہ دونوں اس میں متہم ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں اپنی اس گواہی سے اپنے لیے مددگار ثابت کرتے ہیں تو وہ اپنے نفع کے لیے گواہی دیتے ہیں پس اس تہمت کی وجہ سے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، البتہ اگر وہ شخص جس کے وصی ہونے کی یہ دو وصی گواہی دیتے ہیں وہ وصی ہونے کا دعویٰ کرے تو پھر استحساناً ان کی یہ گواہی قبول ہوگی، حالانکہ قیاس کے مطابق یہ صورت بھی اول صورت کی طرح ہے؛ کیونکہ اس صورت میں بھی تہمت موجود ہے کہ اس کے وصی ہونے سے ان کا معین اور مددگار پیدا ہوگا۔

{۲} وجہِ استحسان یہ ہے کہ قاضی کو ابتداء میں اختیار تھا کہ وصی مقرر کردے یا ان دونوں کی گواہی کے بغیر ان کے ساتھ تیسرا وصی ملادے بشرطیکہ تیسرا شخص راضی ہو پس ان دونوں کی گواہی سے قاضی تیسرا وصی تلاش کرنے اور معین کرنے کی مشقت سے بچ جائے گا اور وصایت قاضی کے مقرر کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔

{۳} اور دو بیٹوں کا بھی یہی حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر میت کے دو بیٹوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ میت نے اس شخص کو وصی مقرر کیا ہے حالانکہ یہ شخص منکر ہے تو ان کی یہ گواہی باطل ہے؛ کیونکہ یہ دونوں چاہتے ہیں کہ اس گواہی سے اپنے لیے نفع کھینچ کر لائیں بایں طور کہ ان کے ترکہ کا ایک محافظ مقرر ہو جائے پس اس تہمت کی وجہ سے ان کی یہ گواہی باطل ہے جیسے دونوں وصیوں کی گواہی باطل تھی۔

{۴} اگر دو وصیوں نے کسی نابالغ وارث کے لیے میت کے مال میں سے کسی شئی کی گواہی دی، یا میت کے مال کے علاوہ کسی دوسرے مال کی گواہی دی تو دونوں کی گواہی باطل ہے؛ کیونکہ یہ دونوں چاہتے ہیں کہ مشہود بہ مال میں اپنے تصرف کی ولایت ثابت کریں؛ کیونکہ نابالغ کے مال میں انہیں کو تصرف کی ولایت حاصل ہوگی۔

{۵} اگر دونوں وصیوں نے بالغ وارث کے لیے میت کے مال میں گواہی دی تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر میت کے مال کے علاوہ کسی دوسرے مال کی گواہی دی تو یہ جائز ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں وصیوں نے بالغ وارث کے لیے گواہی دی تو دونوں صورتوں میں جائز ہے یعنی خواہ میت کے مال میں اس بالغ کے لیے گواہی دیں یا میت کے علاوہ کسی دوسرے کے مال میں اس بالغ کے لیے گواہی دیں بہر دو صورت ان کی گواہی جائز ہے؛ کیونکہ جب یہ ورثہ بالغ ہوں تو گواہوں کو ترکہ میں تصرف کی ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے پس بالغ وارث کے ہوتے ہوئے ترکہ میں گواہ تصرف نہیں کر سکتے ہیں لہذا گواہوں کی گواہی تہمت سے خالی ہوگئی اس لیے ان کی گواہی جائز ہے۔

{۶} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں وصیوں کے لیے ایک تو حفاظتِ ترکہ کی ولایت ہے، اور دوم اگر بالغ وارث غائب ہو تو مالِ منقول فروخت کرنے کی ولایت بھی ان کو حاصل ہے لہذا تہمت ثابت ہوگئی اس لیے ان کی گواہی جائز نہیں ہے۔
اس کے برخلاف اگر دونوں وصیوں نے ترکہ کے سوا کسی دوسرے مال میں بالغ وارث کے لیے گواہی دی تو اس صورت میں تہمت نہیں ہے؛ کیونکہ ان وصیوں کی ولایت اس مال سے بالکلیہ منقطع ہے؛ کیونکہ میت نے اپنے ترکہ میں اس کو اپنا قائم مقام بنایا ہے نہ کہ ترکہ کے علاوہ دیگر مال میں پس ترکہ کے علاوہ مال جو کسی وارث کے پاس ہو اس میں وصی کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

{۷} اگر زید اور بکر نے خالد اور عمرو کے لیے میت پر ہزار درہم قرضہ ہونے کی گواہی دی اور خالد اور عمرو نے بھی زید اور بکر کے لیے میت پر ہزار درہم قرضہ کی گواہی دی تو دونوں فریق کی گواہی جائز ہے۔ اور اگر ہر فریق نے دوسرے کے لیے یہ گواہی دی کہ میت نے ان کے لیے ہزار درہم کی وصیت کی ہے تو طرفینؒ کے نزدیک یہ گواہی جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قرضہ کی صورت میں بھی گواہی قبول نہیں ہے۔ اور امام خصاف نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں امام صاحبؒ کا قول بھی امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے یعنی خصاف نے ذکر کیا ہے کہ شیخینؒ کے نزدیک وصیت اور قرضہ دونوں میں فریقین کی گواہی ایک دوسرے کے لیے قبول نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے ایک قول امام محمدؒ کے قول کی طرح مروی ہے یعنی ہر فریق کی گواہی دین کے حق میں قبول ہے مگر وصیت کے حق میں قبول نہیں ہے۔

{۸} گواہی قبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرضہ تو مقروض کے ذمہ واجب ہوتا ہے اور ذمہ ایسی چیز ہے کہ وہ متفرق حقوق کو قبول کرتا ہے تو شرکت نہیں رہی حتی کہ ہر فریق کی گواہی غیر شاہد کے لیے ہوئی پس تہمت ختم ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی اجنبی

نے بطورِ احسان ان دونوں فریق میں سے ایک کو میت کی طرف سے قرضہ ادا کیا تو دوسرے فریق کو مقبوض میں شرکت کا حق نہیں ہوتا ہے۔

{۹} گواہی رد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ موت کی وجہ سے قرضہ کا تعلق ترکہ سے ہو جاتا ہے ذمہ نہیں رہتا ہے؛ کیونکہ ذمہ تو موت کی وجہ سے خراب اور برباد ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اگر ایک فریق نے ترکہ سے اپنا حق وصول کیا تو دوسرے فریق قرضخواہ کو اس میں مشارکت کا اختیار ہوتا ہے تو یہ گواہی اس حق مشارکت کو ثابت کرنے والی ہوئی پس گواہی میں تہمت متحقق ہوگئی کہ اپنے نفع کے لیے گواہی دی ہے اس لیے یہ گواہی مردود ہے۔ اس کے برخلاف اگر مدیون زندہ ہو تو گواہی جائز ہے؛ کیونکہ اس وقت قرضہ ذمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے؛ کیونکہ ذمہ باقی ہے تو وہ مال سے متعلق نہیں ہوا ہے پس شرکت متحقق نہیں ہوئی لہذا اگر مدیون کی زندگی میں اس طرح قرضخواہوں کے ایک فریق نے دوسرے فریق کے حق میں گواہی دی تو قبول ہوتی ہے۔

فتویٰ:۔ علامہ شامیؒ نے تفصیل اور تطبیق بیان فرمائی ہے: (قَوْلُهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا) لِأَنَّ الدَّيْنَ بِالْمَوْتِ يَتَعَلَّقُ بِالتَّرِكَةِ إذْ الذِّمَّةُ خَرِبَتْ بِالْمَوْتِ وَلِهَذَا لَوْ اسْتَوْفَى أَحَدُهُمَا حَقَّهُ مِنْ التَّرِكَةِ يُشَارِكُهُ الْآخَرُ فَكَانَتْ الشَّهَادَةُ فِيهِ مُثْبِتَةً لِلشَّرِكَةِ فَتَحَقَّقَتْ التُّهْمَةُ. وَلَهُمَا أَنَّ الدَّيْنَ يَجِبُ فِي الذِّمَّةِ وَالِاسْتِيفَاءِ مِنْ التَّرِكَةِ ثَمَرَتُهُ وَالذِّمَّةُ قَابِلَةٌ لِحُقُوقٍ شَتَّى فَلَا شَرِكَةَ، وَلِهَذَا لَوْ تَبَرَّعَ أَحَدٌ بِقَضَاءِ دَيْنِ أَحَدِهِمَا لَيْسَ لِلْآخَرِ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّ الْحَقَّ فِيهَا لَا يَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ بَلْ فِي الْعَيْنِ فَصَارَ الْمَالُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَأَوْرَثَ شُبْهَةً اهـ دُرَرٌ، قَالَ الشَّيْخُ قَاسِمٌ فِي حَاشِيَةِ الْمَجْمَعِ: وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ اعْتَمَدَ النَّسَفِيُّ وَالْمَحْبُوبِيُّ. قَالَ الْمَقْدِسِيُّ: إنْ أَرَادَ النَّسَفِيُّ صَاحِبَ الْكَنْزِ فَإِنَّ مَا فِيهِ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَبُولُهَا فِي الدَّيْنِ فَقَطْ. ثُمَّ قَالَ: وَيَنْبَغِي عِنْدَ الْفَتْوَى فِي مِثْلِ هَذَا إنْ كَانَ الشُّهُودُ مَعْرُوفِينَ بِالْخَيْرِ أَنْ يُعْمَلَ بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ وَإِلَّا فَبِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ اهـ ط عَنْ شَرْحِ الْحَمَوِيِّ (رد المحتار: 5ص505)

{۱۰} اگر زید اور بکر نے گواہی دی کہ میت نے خالد اور شعیب کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی ہے اور خالد اور شعیب نے زید اور بکر کے لیے گواہی دی کہ میت نے ان دونوں کے لیے اپنے غلام کی وصیت کی ہے تو یہ گواہی بالاتفاق جائز ہے؛ کیونکہ مشہود بہ میں شرکت متحقق نہیں؛ کیونکہ ایک فریق کے لیے باندی معینہ ہے اور دوسرے کے لیے غلام معین ہے تو کسی کو دوسرے کے ساتھ شرکت نہیں ہے لہذا تہمت بھی نہیں رہے گی اس لیے یہ گواہی جائز ہے۔

[۱۱] اگر زید اور بکر نے گواہی دی کہ میت نے خالد اور عمرو کے لیے اپنے ثلثِ مال کی وصیت کی ہے اور خالد اور عمرو نے گواہی دی کہ میت نے زید اور بکر کے لیے ثلثِ مال کی وصیت کی ہے تو فریقین کی گواہی باطل ہے۔ اسی طرح اگر زید اور بکر نے گواہی دی کہ میت نے خالد اور عمرو کے لیے اپنے غلام کی وصیت کی ہے اور خالد اور عمرو نے گواہی دی کہ میت نے زید اور بکر کے لیے اپنے ثلثِ مال کی وصیت کی ہے تو یہ گواہی بھی باطل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں گواہی شرکت کو ثابت کرنے والی ہے؛ کیونکہ زید اور بکر غلام میں شریک ہو جائیں گے اور خالد اور عمرو ثلثِ مال میں شریک ہو جائیں گے؛ اس لیے مذکورہ غلام ثلثِ ترکہ میں سے ہو جائے گا، اور مذکورہ غلام بھی ثلثِ مال میں داخل ہے لہٰذا بہر صورت شرکت کی تہمت موجود ہے اس لیے یہ گواہی مردود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْخُنْثَى

یہ کتاب خنثیٰ کے بیان میں ہے۔

"خنثیٰ" فُعلیٰ کے وزن پر "تخنث" سے ہے بمعنی لچک اور نرمی، اور خنثیٰ کے اعضاء میں بھی لچک اور تکسر ہوتا ہے۔ اور اصطلاح میں خنثیٰ وہ مولود ہے جس کیلئے فرج و ذکر دونوں ہوں۔

اصل تو یہ ہے کہ انسان کا ایک ہی آلہ ہو خواہ مرد کا ہو یا عورت کا، اور دونوں آلوں کا جمع ہونا بہت ہی نادر ہے، لیکن بہر حال کبھی پیدا ہو جاتا ہے اس لیے اس کے احکام بیان کرنے کی ضرورت ہے، اور چونکہ یہ نادر ہے اس لیے مصنفؒ نے اس کو سب سے مؤخر کر کے بیان فرمایا ہے۔

فَصْلٌ فِي بَيَانِهِ

یہ فصل خنثیٰ کے بیان میں ہے۔

"کتاب الخنثیٰ" کے اندر دو فصلیں بیان کی گئی ہیں، اول فصل میں خنثیٰ کے بارے میں وضاحت کی ہے اور دوسری فصل میں خنثیٰ کے احکام بیان کئے ہیں۔

[۱] قَالَ: وَإِذَا كَانَ لِلْمَوْلُودِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثَى، فَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ، وَإِنْ كَانَ يَبُولُ

فرمایا: اور اگر بچے کا فرج بھی ہو اور ذکر بھی ہو تو وہ خنثیٰ ہے پس اگر وہ پیشاب کر رہا ہو ذکر سے تو وہ لڑکا ہے، اور اگر وہ پیشاب کر رہا ہو

مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ أُنْثَى؛ { لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سُئِلَ عَنْهُ كَيْفَ يُورَثُ؟ فَقَالَ مِنْ حَيْثُ يَبُولُ }

فرج سے تو وہ مؤنث ہے؛ کیونکہ حضورؐ سے سوال کیا گیا اس کے بارے میں کہ کس طرح میراث دی جائے؟ تو آپ نے فرمایا: جہاں سے وہ پیشاب کرتا

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِثْلُهُ. وَلِأَنَّ الْبَوْلَ مِنْ أَيِّ عُضْوٍ كَانَ فَهُوَ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِيُّ الصَّحِيحُ

اور حضرت علیؓ سے اسی طرح مروی ہے، اور اس لیے کہ پیشاب جس عضو سے ہو تو یہ دلیل ہے کہ یہی عضو اصلی اور صحیح ہے، اور دوسرا

وَالْآخَرُ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ ﴿۲﴾ وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ دَلَالَةٌ أُخْرَى عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِيُّ

عیب کے درجے میں ہے۔ اور اگر پیشاب کیا دونوں سے، تو حکم اسبق کے لیے ہوگا؛ کیونکہ یہ دوسری دلیل ہے کہ یہی اصلی عضو ہے

وَإِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ عَلَى السَّوَاءِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: يُنْسَبُ إِلَى أَكْثَرِهِمَا

اور اگر وہ دونوں سبقت میں برابر ہوں، تو اعتبار نہیں کثرت کا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا: منسوب ہوگا دونوں میں سے اکثر کی طرف

بَوْلًا؛ لِأَنَّهُ عَلَامَةُ قُوَّةِ ذَلِكَ الْعُضْوِ وَكَوْنِهِ عُضْوًا أَصْلِيًّا، وَلِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ

پیشاب کے اعتبار سے؛ کیونکہ یہ علامت ہے اس عضو کی قوت کی، اور اس کے اصلی عضو ہونے کی، اور اس لیے کہ اکثر کے لیے حکم کل کا ہے

فِي أُصُولِ الشَّرْعِ فَيَتَرَجَّحُ بِالْكَثْرَةِ. ﴿۳﴾ وَلَهُ أَنَّ كَثْرَةَ الْخُرُوجِ لَيْسَ يَدُلُّ عَلَى الْقُوَّةِ

اصول شرع میں، پس ترجیح دی جائے گی کثرت سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کثرتِ خروج دلالت نہیں کرتا ہے قوت پر

لِأَنَّهُ قَدْ يَكُونُ لِاتِّسَاعٍ فِي أَحَدِهِمَا وَضِيقٍ فِي الْآخَرِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ فَهُوَ مُشْكِلٌ

کیونکہ یہ کبھی دونوں میں سے ایک میں کشادگی اور دوسرے میں تنگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور اگر پیشاب نکلتا ہو دونوں سے برابر تو یہ خنثیٰ مشکل ہے

بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ لَا مُرَجِّحَ ﴿۴﴾ قَالَ: وَإِذَا بَلَغَ الْخُنْثَى وَخَرَجَتْ لَهُ اللِّحْيَةُ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ، وَكَذَا

بالاتفاق؛ کیونکہ کوئی مرجح نہیں ہے۔ فرمایا: اور جب بالغ ہو خنثیٰ، اور نکل آئی اس کی داڑھی، یا پہنچ گیا عورتوں تک تو وہ مرد ہے، اور اسی طرح

إِذَا احْتَلَمَ كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ. أَوْ كَانَ لَهُ ثَدْيٌ مُسْتَوٍ، لِأَنَّ هَذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ الذُّكْرَانِ ﴿۵﴾ وَلَوْ ظَهَرَ

اگر احتلام ہوا جس طرح کہ احتلام ہوتا ہے مرد کو، یا اس کے پستان برابر ہوں؛ کیونکہ یہ مردوں کی علامات میں سے ہیں، اور اگر ظاہر ہوگئے

لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِي ثَدْيِهِ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ الْوُصُولُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ

اس کے پستان عورت کی طرح، یا اتر آیا دودھ اس کے پستان میں یا اس کو حیض آیا یا اسے حمل ٹھہر گیا یا ممکن ہوا اس تک پہنچنا فرج کی راہ سے

فَهُوَ امْرَأَةٌ؛ لِأَنَّ هَذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ النِّسَاءِ. وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ إِحْدَى هَذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثَى مُشْكِلٌ

تو یہ عورت ہے؛ کیونکہ یہ عورتوں کی علامات میں سے ہیں، اور اگر ظاہر نہ ہو ان علامات میں سے کوئی علامت، تو یہ خنثیٰ مشکل ہے،

وَكَذَا إِذَا تَعَارَضَتْ هَذِهِ الْمَعَالِمُ.

اور اسی طرح اگر متعارض ہو گئیں یہ علامات۔

تشریح: [۱] اگر بچے کے لیے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ ہے، پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہے تو لڑکا ہے، اور فرج اس کا بمنزلہ زخم قرار دیا جائے گا، اور اگر وہ فرج سے پیشاب کرتا ہے تو لڑکی ہے اور ذکر بمنزلہ زائد انگلی کے عیب ہے؛ یہ تفصیل اس لیے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ خنثیٰ بچہ کو کس طرح وارث قرار دیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ "جس راہ سے پیشاب کرے"[1] یعنی اگر فرج سے پیشاب کرے تو لڑکی کا حصہ دو ورنہ لڑکے کا حصہ دو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت مروی ہے[2]۔ اور اس لیے کہ پیشاب جس عضو سے آتا ہو یہ دلیل ہے کہ یہی عضو اصلی اور صحیح ہے اور دوسرا بمنزلہ عیب کے ہے۔

[۲] اور اگر اس بچے نے دونوں سوراخوں سے پیشاب کیا تو اس کا اعتبار ہے جس سے پہلے پیشاب نکلے؛ کیونکہ یہ دوسری دلیل ہے کہ یہی عضو اصلی ہے۔ اور اگر پیشاب پہلے نکلنے میں دونوں برابر ہوں یعنی دونوں سوراخوں سے نکلنا برابر شروع ہوتا ہو کسی سے پہلے نہیں نکلتا ہو البتہ ایک عضو سے زیادہ نکلتا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کثرت اور زیادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں عضو میں سے جس سے پیشاب زیادہ آتا ہو اسی کی جانب منسوب کیا جائے؛ کیونکہ یہ امر اس عضو کے قوی ہونے کی دلیل ہے اور اس عضو کے اصلی ہونے کی دلیل ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اصول شریعت میں سے ہے کہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے پس کثرت کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی۔

[۳] امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کسی سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلنا اس کے قوی ہونے کی دلیل نہیں ہے؛ کیونکہ کثرت کبھی ایک سوراخ کے چوڑے ہونے اور دوسرے کے تنگ ہونے سے ہوتا ہے اس لیے نہیں ہوتا ہے کہ یہ اصل عضو ہے۔ اور اگر دونوں راہ سے پیشاب مساوی مقدار میں نکلے تو وہ بالاتفاق خنثیٰ مشکل ہے یعنی بلا ترجیح اس کے دونوں جانب مشتبہ ہیں؛ کیونکہ کوئی ترجیح دینے والا امر موجود نہیں ہے۔

---

[1] قلت. رواه ابن عدي في الكامل من حديث أبي يوسف القاضي عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه سئل عن مولود ولد، له قبل، وذكر، من أين يورث؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "من حيث يبول". (نصب الراية: 5ص263)

[2] قلت: رواه عبد الرزاق في مصنفه في الفرائض أخبرنا سفيان الثوري عن مغيرة عن الشعبي عن علي أنه ورث خنثى من حيث يبول، انتهى. ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه حدثنا الحسن بن كثير الأحمسي عن أبيه عن معاوية أنه أتي في خنثى، فأرسلهم إلى علي، فقال: يورث من حيث يبول. (نصب الراية: 5ص263)

فتوی:۔امام صاحبؒ کا قول راجح ہے لمافی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ) لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِدَلِيلٍ عَلَى الْقُوَّةِ لِأَنَّ ذَلِكَ لِاتِّسَاعِ الْمَخْرَجِ وَضِيقِهِ لَا لِأَنَّهُ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِيُّ، وَلِأَنَّ نَفْسَ الْخُرُوجِ دَلِيلٌ بِنَفْسِهِ فَالْكَثِيرُ مِنْ جِنْسِهِ لَا يَقَعُ بِهِ التَّرْجِيحُ عِنْدَ الْمُعَارَضَةِ كَالشَّاهِدَيْنِ وَالْأَرْبَعَةِ، وَقَدْ اسْتَقْبَحَ أَبُو حَنِيفَةَ ذَلِكَ فَقَالَ: وَهَلْ رَأَيْت قَاضِيًا يَكِيلُ الْبَوْلَ بِالْأَوَاقِي زَيْلَعِيٌّ (ردّ المحتار:۵/۵۱۳)

﴿۴﴾ پھر اگر خنثیٰ بالغ ہوا اور اس کی داڑھی نکلی یا عورتوں تک پہنچا یعنی عورت سے جماع کرنے لگا یا جماع کر سکتا ہو تو وہ مرد ہے۔اسی طرح اگر اس کو مردوں کی طرح احتلام ہوا یعنی عورت کے ساتھ وطی کا خواب دیکھ کر ذکر سے انزال ہو گیا یا اس کی چھاتیاں برابر رہیں یعنی عورتوں کی طرح نہیں ابھریں تو بھی یہ مرد ہے؛ کیونکہ یہ امور مردوں کی علامات ہیں۔

﴿۵﴾ اور اگر عورتوں کی طرح اس کی چھاتیاں ظاہر ہوئیں یا اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا، یا اس کو حیض آگیا، یا اس کو حمل ٹھہر گیا، یا فرج کی راہ سے اس کے ساتھ جماع کرنا ممکن ہوا تو یہ عورت ہے؛ کیونکہ یہ امور عورتوں کی علامات میں سے ہیں۔

اور اگر اس میں ان علامات میں سے کوئی علامت خاص ظاہر نہ ہوئی تو یہ خنثیٰ مشکل ہے کہ اس کا نہ عورت ہونا معلوم ہوتا ہو اور نہ مرد ہونا معلوم ہوتا ہو، اسی طرح اگر اس میں یہ علامتیں متعارض ہوئیں کہ مرد کی علامات بھی پائی گئیں اور عورت کی علامات بھی پائی گئیں تو بھی خنثیٰ مشکل ہے۔

فَصْلٌ فِي أَحْكَامِهِ

یہ فصل احکام خنثیٰ کے بیان میں ہے۔

چونکہ خنثیٰ کے ذکر سے غرض خنثیٰ مشکل کے احکام کی معرفت ہے؛ کیونکہ خنثیٰ مشکل کے علاوہ یا تو مرد ہوگا یا عورت ہوگی ان دونوں کے احکام معلوم ہیں اس لیے اس فصل میں فقط خنثیٰ مشکل کے احکام کو بیان فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ: الْأَصْلُ فِي الْخُنْثَى الْمُشْكِلِ أَنْ يُؤْخَذَ فِيهِ بِالْأَحْوَطِ وَالْأَوْثَقِ فِي أُمُورِ الدِّينِ، وَأَنْ لَا يُحْكَمَ بِثُبُوتِ حُكْمٍ

اصل خنثیٰ مشکل میں یہ ہے کہ عمل کیا جائے اس میں احوط اور اوثق پر امورِ دین میں، اور فیصلہ نہ کیا جائے ایسے حکم کے ثبوت کا

وَقَعَ الشَّكُّ فِي ثُبُوتِهِ ﴿۲﴾ قَالَ: وَإِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْإِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ؛ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ

کہ واقع ہو شک اس کے ثبوت میں۔ فرمایا: اور جب کھڑا ہو امام کے پیچھے تو کھڑا ہو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان؛ اس کے عورت ہونے کے احتمال کی وجہ سے

فَلَا يَتَخَلَّلُ الرِّجَالَ كَيْ لَا يُفْسِدَ صَلَاتَهُمْ وَلَا النِّسَاءَ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ

بیچ درمیان میں کھڑا نہ ہو مردوں کے؛ تاکہ فاسد نہ ہو جائے ان کی نماز، اور نہ عورتوں کی صف میں؛ اس کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے

فتفسد صَلَاتُهُ . فَإِنْ قَامَ فِي صَفِّ النِّسَاءِ فَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ صَلَاتَهُ ، لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ

پس فاسد ہو جائے گی اس کی نماز، پس اگر کھڑا ہوا عورتوں کی صف میں تو مجھے پسند ہے کہ لوٹائے اپنی نماز؛ اس کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے

{۳} وَإِنْ قَامَ فِي صَفِّ الرِّجَالِ فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ وَيُعِيدُ الَّذِي عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَالَّذِي خَلْفَهُ بِحِذَائِهِ

اور اگر کھڑا ہوا مردوں کی صف میں تو اس کی نماز تام ہے اور لوٹائیں وہ جو اس کے دائیں اور بائیں طرف ہو اور وہ جو اس کے پیچھے اس کے برابر میں کھڑا ہو

مِنْهُمْ احْتِيَاطًا ؛ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ . {۴} قَالَ : وَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُصَلِّيَ بِقِنَاعٍ ؛ لِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ

ان میں سے نمازیں احتیاطاً؛ اس کے عورت ہونے کے احتمال کی وجہ سے۔ فرمایا: اور ہمیں پسند یہ ہے کہ نماز پڑھے اوڑھنی کے ساتھ؛ کیونکہ احتمال ہے

أَنَّهُ امْرَأَةٌ {۵} وَيَجْلِسَ فِي صَلَاتِهِ جُلُوسَ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ رَجُلًا فَقَدْ تَرَكَ سُنَّةً وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْجُمْلَةِ، وَإِنْ كَانَ امْرَأَةً

کہ یہ عورت ہو، اور بیٹھے اپنی نماز میں عورت کی طرح؛ کیونکہ اگر وہ مرد ہو تو اس نے چھوڑ دی سنت اور یہ جائز ہے فی الجملہ، اور اگر عورت ہو

فَقَدْ ارْتَكَبَ مَكْرُوهًا لِأَنَّ السَّتْرَ عَلَى النِّسَاءِ وَاجِبٌ مَا أَمْكَنَ . وَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ قِنَاعٍ أَمَرْتُهُ

تو اس نے ارتکاب کیا مکروہ کا؛ کیونکہ ستر عورتوں پر واجب ہے حتی الامکان، اور اگر اس نے نماز پڑھی اوڑھنی کے بغیر تو میں اسے حکم کروں گا

أَنْ يُعِيدَ ؛ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَهُوَ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ

کہ لوٹائے؛ اس کے عورت ہونے کے احتمال کی وجہ سے، اور یہ حکم استحباب پر ہے، اور اگر اس نے نہ لوٹائے تو اس کے لیے کافی ہے۔

{۶} وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ ؛ لِأَنَّهُ يُبَاحُ لِمَمْلُوكَتِهِ النَّظَرُ

اور خریدی جائے گی اس کے لیے باندی وہ اس کا ختنہ کرے، اگر اس کے پاس مال ہو؛ کیونکہ مباح ہے اس کی مملوکہ باندی کے لیے دیکھنا

إِلَيْهِ رَجُلًا كَانَ أَوْ امْرَأَةً . وَيُكْرَهُ أَنْ يَخْتِنَهُ رَجُلٌ لِأَنَّهُ عَسَاهُ أُنْثَى أَوْ تَخْتِنَهُ امْرَأَةٌ

اس کی طرف خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، اور مکروہ ہے کہ اس کا ختنہ کرے مرد؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مؤنث ہو، یا اس کا ختنہ کرے عورت

لِأَنَّهُ لَعَلَّهُ رَجُلٌ فَكَانَ الِاحْتِيَاطُ فِيمَا قُلْنَا . وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ابْتَاعَ لَهُ الْإِمَامُ أَمَةً

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مرد ہو، پس احتیاط اسی میں ہے جو ہم کہہ چکے، اور اگر نہ ہو اس کے پاس مال تو خریدے گا اس کے لیے امام باندی

مِنْ بَيْتِ الْمَالِ ، لِأَنَّهُ أُعِدَّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ . فَإِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا

بیت المال سے؛ کیونکہ بیت المال بنایا گیا ہے مسلمانوں کی ضروریات کے لیے، پس جب وہ اس کا ختنہ کرے تو واپس کر دے اس کا ثمن

فِي بَيْتِ الْمَالِ ؛ لِوُقُوعِ الِاسْتِغْنَاءِ عَنْهَا . ﴿7﴾ وَيُكْرَهُ لَهُ فِي حَيَاتِهِ لُبْسُ الْحُلِيِّ وَالْحَرِيرِ ، وَأَنْ

بیت المال میں؛ اس سے استغناء حاصل ہونے کی وجہ سے۔ اور مکروہ ہے کہ اس کے لیے اس کی زندگی میں زیور اور ریشم پہننا، اور یہ کہ

يَتَكَشَّفَ قُدَّامَ الرِّجَالِ أَوْ قُدَّامَ النِّسَاءِ. وَأَنْ يَخْلُوَ بِهِ غَيْرُ مَحْرَمٍ مِنْ رَجُلٍ أَوِ امْرَأَةٍ، أَوْ يُسَافِرَ مَعَ غَيْرِ مَحْرَمٍ مِنَ الرِّجَالِ،

بے پردہ ہو مردوں اور عورتوں کے سامنے، اور یہ کہ خلوت کرے اس کے ساتھ غیر محرم مرد یا عورت، یا سفر کرے محرم مردوں کے بغیر

تَوَقِّيًا عَنِ احْتِمَالِ الْمُحَرَّمِ. وَإِنْ أَحْرَمَ وَقَدْ رَاهَقَ قَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا عِلْمَ لِي

بچتے ہوئے حرام کے احتمال سے، اور اگر اس نے احرام باندھا حالانکہ وہ بلوغ کے قریب ہو تو فرمایا امام ابو یوسف نے مجھے علم نہیں

فِي لِبَاسِهِ ؛ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا يُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْمَخِيطِ ، وَإِنْ كَانَ أُنْثَى يُكْرَهُ لَهُ

اس کے لباس کے بارے میں؛ کیونکہ اگر یہ مذکر ہے تو مکروہ ہے اس کے لیے سلا ہوا کپڑا، اور اگر مؤنث ہے تو مکروہ ہے اس کے لیے

تَرْكُهُ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَلْبَسُ لِبَاسَ الْمَرْأَةِ ؛ لِأَنَّ تَرْكَ لُبْسِ الْمَخِيطِ وَهُوَ امْرَأَةٌ أَفْحَشُ مِنْ لُبْسِهِ

اسے ترک کرنا، اور فرمایا امام محمدؒ نے پہن لے عورت کا لباس؛ کیونکہ ترک کرنا سلا ہوا کپڑا جبکہ وہ عورت ہو زیادہ فحش ہے اس کے پہننے سے۔

وَهُوَ رَجُلٌ. وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ ﴿8﴾ وَمَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ عَتَاقٍ إِنْ كَانَ أَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِينَهُ غُلَامًا فَوَلَدَتْ

جبکہ وہ مرد ہو اور اس پر کچھ ضمان نہیں؛ کیونکہ بالغ نہیں ہے۔ جس نے قسم کھائی طلاق یا عتاق کی کہ اگر تو پہلا بچہ جن لے لڑکا، پس اس نے جنا

خُنْثَى لَمْ يَقَعْ حَتَّى يَسْتَبِينَ أَمْرُ الْخُنْثَى ، لِأَنَّ الْحِنْثَ لَا يَثْبُتُ بِالشَّكِّ ﴿9﴾ وَلَوْ قَالَ كُلُّ عَبْدٍ لِي

خنثیٰ تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے خنثیٰ کا معاملہ؛ کیونکہ حنث ثابت نہیں ہوتا ہے شک سے۔ اور اگر کہا میرا ہر غلام

حُرٌّ أَوْ قَالَ كُلُّ أَمَةٍ لِي حُرَّةٌ وَلَهُ مَمْلُوكٌ خُنْثَى لَمْ يَعْتِقْ حَتَّى يَسْتَبِينَ أَمْرُهُ؛

آزاد ہے یا کہا میری ہر باندی آزاد ہے، اور اس کا ایک ہی مملوک ہے جو خنثیٰ ہے، تو آزاد نہ ہوگا یہاں تک کہ واضح ہو جائے اس کا معاملہ؛

لِمَا قُلْنَا . وَإِنْ قَالَ الْقَوْلَيْنِ جَمِيعًا عَتَقَ ؛ لِلتَّيَقُّنِ بِأَحَدِ الْوَصْفَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُهْمَلٍ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے، اور اگر اس نے کہے دونوں قول، تو آزاد ہو جائے گا؛ دونوں وصفوں میں سے ایک کے متیقن ہونے کی وجہ سے؛ کیونکہ خنثیٰ مہمل نہیں ہے۔

تشریح: {۱} صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کے بارے میں اصل یہ ہے کہ امور دین میں اس کے حق میں احوط اوثق ہے یعنی جس جانب میں احتیاط زیادہ ہو اسی کو لیا جائے گا، اور کسی ایسے حکم کے ثابت ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا جس کے ثبوت میں شک واقع ہو مثلاً اس کے لیے مذکر کا حصۂ میراث نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کے مذکر ہونے میں شک ہے۔

{۲} جب باجماعت نماز میں امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کے درمیان کھڑا ہو؛ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ عورت ہو اور مردوں کے درمیان میں کھڑا نہ ہو تاکہ ان کی نمازیں خراب نہ کرے، اور عورتوں کے درمیان بھی کھڑا نہ ہو؛ کیونکہ شاید وہ مرد ہو تو اس کی نماز خراب ہو جائے گی۔ پس اگر وہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تو مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے؛ کیونکہ شاید وہ مرد ہے اور عورتوں کی صف میں کھڑے مرد کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

{۳} اور اگر مردوں کی صف میں کھڑا ہو تو اس کی نماز پوری ہے، البتہ وہ شخص جو اس کے دائیں جانب ہے اور وہ جو بائیں جانب ہے اور وہ جو اس کے پیچھے اس کے برابر میں ہے یہ تینوں احتیاطاً اپنی نمازوں کا اعادہ کریں؛ کیونکہ شاید وہ عورت ہو اور عورت کی محاذات سے ان لوگوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

{۴} اور ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے جس سے اس کا سر، گردن اور کان سب ڈھک جائیں؛ کیونکہ شاید وہ عورت ہو اس لیے ان اعضاء کو ڈھانپنا چاہیے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت تک ہے کہ وہ بلوغ کو نہ پہنچا ہو ورنہ جب سن بلوغ کو پہنچ چکا تو پردہ سے نماز پڑھنا واجب ہے۔

{۵} اور تشہد میں عورتوں کی طرح بیٹھے اس لیے کہ وہ اگر مرد ہو تو اس نے ایک سنت ترک کی حالانکہ یہ سنت ترک کرنا فی نفسہ جائز ہے یعنی عذر وغیرہ کی وجہ سے عورت کی طرح بیٹھنا جائز ہے بلکہ بعض مجتہدوں کے نزدیک یہ بھی سنت ہے، اور اگر وہ عورت ہے تو اس نے مرد کی طرح بیٹھ کر مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا؛ کیونکہ جہاں تک ممکن ہو عورتوں پر پردہ پوشی واجب ہے۔
اور اگر اس نے پردے کے بغیر نماز پڑھی تو میں اس کو حکم دوں گا کہ اس نماز کا اعادہ کرے؛ کیونکہ شاید یہ عورت ہو البتہ یہ حکم استحبابی ہے اور اگر اس نے اعادہ نہ کیا تو بھی اس کے لیے یہی کافی ہے۔

{۶} اگر اس کے پاس مال ہو تو اس کے لیے ایک باندی خریدی جائے گی جو اس کا ختنہ کرے؛ کیونکہ اس کی باندی کو اس کی طرف دیکھنا مباح ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، اور یہ مکروہ ہے کہ مرد اس کو ختنہ کرے؛ کیونکہ شاید یہ عورت ہو، یا عورت اس کو ختنہ کرے؛ کیونکہ شاید یہ مرد ہو، تو اسی میں احتیاط ہے جو ہم نے بیان کیا کہ ایک باندی خریدی جائے جو اس کا ختنہ کرے، لیکن یہ اس وقت

ہے کہ خنثیٰ کے پاس مال ہو۔ اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو امام المسلمین اس کے لیے بیت المال سے ایک باندی خریدے جو اس کا ختنہ کردے؛ کیونکہ بیت المال مسلمانوں کی حاجات ہی کے لیے مہیا کیا گیا ہے، پھر جب یہ باندی اس کا ختنہ کردے تو امام اس کو فروخت کرکے اس کا ثمن بیت المال میں واپس کردے؛ کیونکہ اب اس کی حاجت نہیں رہی۔

{۷} اور خنثیٰ مشکل کو اپنی زندگی میں زیور اور ریشم پہننا مکروہ ہے، اور اس کے لیے مردوں یا عورتوں کے سامنے بدن کھولنا مکروہ ہے، اور اس کے لیے غیر محرم مرد یا عورت کے ساتھ خلوت کرنا مکروہ ہے، اور اس کے لیے محرم مردوں کے بغیر سفر کرنا مکروہ ہے تاکہ احتمالِ حرام سے پرہیز ہو یعنی ممکن ہے کہ عورت ہو جس کے لیے بلا محرم سفر ممنوع ہے۔

اگر خنثیٰ مشکل نے احرام باندھا حالانکہ وہ بلوغ کے قریب ہے تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے؛ کیونکہ اگر وہ مذکر لڑکا ہے تو اس کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے اور اگر وہ لڑکی ہے تو اس کے لیے یہ لباس چھوڑنا مکروہ ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ عورت کا لباس پہنے؛ کیونکہ عورت ہونے کی صورت میں اس کو یہ لباس سلا ہوا ترک کرنا بنسبت اس کے زیادہ فحش ہے کہ وہ مرد ہو کر یہ لباس پہنے، اور واضح رہے کہ پہننے سے اس پر کوئی جرمانہ واجب نہیں ہوگا؛ کیونکہ وہ بالغ نہیں ہوا ہے۔

فتویٰ:۔ امام محمد کا قول راجح ہے لما فی العناية شرح الهداية: وَقَوْلُهُ (لَا عِلْمَ لِي فِي لِبَاسِهِ) يَعْنِي لِاشْتِبَاهِ حَالِهِ وَعَدَمِ الْمُرَجِّحِ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ ظَاهِرٌ. (العناية على هامش فتح القدير:9ص442)

{۸} ایک شخص نے طلاق کی قسم کھائی یا عتاق کی قسم کھائی اس طرح کہ بیوی سے کہا کہ "اگر اول بچہ جس کو تو جنی وہ لڑکا ہو تو میرا غلام یا باندی آزاد ہے" یا کہا کہ "تجھے طلاق ہے"، پھر یہ عورت ایک بچہ جنی جو خنثیٰ مشکل ہے تو ابھی طلاق یا عتاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ اس خنثیٰ کا حال ظاہر ہو؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کرچکے کہ قسم میں حانث ہونا شک سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔

{۹} اور اگر اس نے کہا کہ میرا مملوک ہر غلام آزاد ہے یا کہا کہ میری مملوک ہر باندی آزاد ہے اور حال یہ کہ اس کی مِلک میں ایک خنثیٰ ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا حال ظاہر ہو؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کرچکے کہ شک سے حالف حانث نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر اس نے دونوں قول کہے یعنی میرا مملوک ہر غلام اور ہر باندی آزاد ہے حالانکہ اس کی مِلک میں خنثیٰ ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ دونوں وصفوں (مرد یا عورت) میں سے ایک کا تیقن ہے؛ اس لیے کہ خنثیٰ ان دونوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہے تو وہ بہر حال ایک قسم میں داخل ہو کر آزاد ہوگا۔

{۱} وَإِنْ قَالَ الْخُنْثَى أَنَا رَجُلٌ أَوْ أَنَا امْرَأَةٌ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِذَا كَانَ مُشْكِلًا ؛ لِأَنَّهُ

اور اگر کہا خنثیٰ نے کہ میں مرد ہوں یا عورت ہوں تو قبول نہ ہوگا اس کا قول اگر وہ مشکل ہو؛ کیونکہ یہ

يَدَّعِي يُخَالِفُ قَضِيَّةَ الدَّلِيلِ - وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْكِلًا يَنْبَغِي أَنْ يُقْبَلَ قَوْلُهُ ؛ لِأَنَّهُ أَعْلَمُ بِحَالِهِ مِنْ غَيْرِهِ

ایسا دعویٰ ہے جو مخالف ہے تقاضۂ دلیل کے، اور اگر وہ مشکل نہ ہو تو مناسب ہے کہ قبول ہو اس کا قول؛ کیونکہ وہ زیادہ جانتا ہے اپنا حال غیر سے

{۲} وَإِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبِينَ أَمْرُهُ لَمْ يُغَسِّلْهُ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ ؛ لِأَنَّ حِلَّ الْغُسْلِ غَيْرُ ثَابِتٍ

اور اگر وہ مرگیا پہلے اس سے کہ ظاہر ہوجائے اس کا معاملہ، تو غسل نہ دے اس کو نہ مرد اور نہ عورت؛ کیونکہ حلال ہونا غسل کا ثابت نہیں ہے

بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ - فَيُتَوَقَّى لِاحْتِمَالِ الْحُرْمَةِ وَيُيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ ؛ لِتَعَذُّرِ الْغُسْلِ

مردوں اور عورتوں کے درمیان، پس احتراز کیا جائے گا احتمالِ حرمت کی وجہ سے، اور اسے تیمم کرایا جائے گا مٹی سے؛ غسل متعذر ہونے کی وجہ سے

وَلَا يَحْضُرُ إِنْ كَانَ مُرَاهِقًا غُسْلَ رَجُلٍ وَلَا امْرَأَةٍ ؛ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى - وَإِنْ سُجِّيَ

اور حاضر نہ ہو اگر وہ مراہق ہو مرد کے غسل کو اور نہ عورت کے غسل کو؛ اس کے مذکر یا مؤنث ہونے کے احتمال کی وجہ سے، اور اگر ڈھانپ دی گئی

قَبْرُهُ فَهُوَ أَحَبُّ ؛ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ أُنْثَى يُقِيمُ وَاجِبًا ، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَالتَّسْجِيَةُ لَا تَضُرُّهُ.

اس کی قبر تو زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ اگر وہ مؤنث ہے تو ہم نے قائم کیا واجب کو، اور اگر وہ مذکر ہے تو قبر ڈھانپنا اس کے لیے مضر نہیں ہے۔

{۳} وَإِذَا مَاتَ فَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَعَلَى رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وُضِعَ الرَّجُلُ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ وَالْخُنْثَى خَلْفَهُ

اور اگر وہ مرجائے تو نماز پڑھی جائے اس پر اور ایک مرد اور ایک عورت پر، تو رکھا جائے مرد کو امام کے متصل، اور خنثیٰ کو اس کے پیچھے،

وَالْمَرْأَةُ خَلْفَ الْخُنْثَى فَيُؤَخَّرُ عَنِ الرَّجُلِ - لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ - وَيُقَدَّمُ عَلَى الْمَرْأَةِ؛

اور عورت کو خنثیٰ کے پیچھے، پس مؤخر کردیا جائے گا مرد سے؛ عورت ہونے کے احتمال کی وجہ سے، اور مقدم رکھا جائے عورت سے

لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ . {۴} وَلَوْ دُفِنَ مَعَ رَجُلٍ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ عُذْرٍ جُعِلَ الْخُنْثَى خَلْفَ الرَّجُلِ؛

مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے۔ اور اگر دفن کردیا گیا مرد کے ساتھ ایک قبر میں عذر کی وجہ سے تو رکھا جائے خنثیٰ کو مرد کے پیچھے

لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ - وَيُجْعَلُ بَيْنَهُمَا حَاجِزٌ مِنْ صَعِيدٍ ، وَإِنْ كَانَ مَعَ امْرَأَةٍ قُدِّمَ الْخُنْثَى؛

عورت ہونے کے احتمال کی وجہ سے، اور کردے دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ، اور اگر عورت کے ساتھ ہو تو مقدم رکھا جائے خنثیٰ کو

لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ {۵} وَإِنْ جُعِلَ عَلَى السَّرِيرِ نَعْشُ الْمَرْأَةِ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ ؛ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ عَوْرَةٌ،

مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے، اور اگر ڈال دی جائے چارپائی پر عورت کی چادر تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے؛ عورت ہونے کے احتمال کی وجہ سے

وَيُكَفَّنُ كَمَا تُكَفَّنُ الْجَارِيَةُ وَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ يَعْنِي يُكَفَّنُ فِي خَمْسِ أَثْوَابٍ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ أُنْثَى فَقَدْ أُقِيمَتْ

اور کفن دیا جائے جیسے لڑکی کو کفن دیا جاتا ہے، اور یہ مجھے زیادہ پسند ہے یعنی کفن دیا جائے پانچ کپڑوں میں؛ کیونکہ اگر وہ مؤنث ہو تو قائم کر دی گئی

سُنَّةٌ ، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَقَدْ زَادُوا عَلَى الثَّلَاثِ وَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ . ﴿٦﴾ وَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ وَخَلَّفَ ابْنًا

ایک سنت، اور اگر وہ مذکر ہو تو انہوں نے اضافہ کیا ہے تین پر، اور کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔ اور اگر مر گیا اس کا باپ اور ایک بیٹا چھوڑا

فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَثْلَاثًا لِلِابْنِ سَهْمَانِ ، وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ وَهُوَ أُنْثَى عِنْدَهُ

تو مال ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک اثلاثا، لڑکے کو دو حصے اور خنثیٰ کو ایک حصہ ملے گا اور وہ مؤنث ہے امام صاحبؒ کے نزدیک

فِي الْمِيرَاثِ إِلَّا أَنْ يَتَبَيَّنَ غَيْرُ ذَلِكَ . ﴿٧﴾ وَقَالَا : لِلْخُنْثَى نِصْفُ مِيرَاثِ ذَكَرٍ وَنِصْفُ مِيرَاثِ أُنْثَى

میراث میں، مگر یہ کہ ظاہر ہو جائے اس کے علاوہ، اور صاحبینؒ نے فرمایا: کہ خنثیٰ کو مذکر کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف ملے گا

وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِيِّ . وَاخْتَلَفُوا فِي قِيَاسِ قَوْلِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ : الْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلَى اثْنَيْ عَشَرَ سَهْمًا

اور یہی امام شعبیؒ کا قول ہے، اور فقہاء نے اختلاف کیا ہے امام شعبیؒ کے قول کے قیاس میں۔ امام محمدؒ نے فرمایا مال دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا

لِلِابْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثَى خَمْسَةٌ . ﴿٨﴾ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : الْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلَى سَبْعَةٍ لِلِابْنِ أَرْبَعَةٌ

بیٹے کے لیے سات اور خنثیٰ کے لیے پانچ حصے ہوں گے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ مال ان دونوں کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا، بیٹے کو چار

وَلِلْخُنْثَى ثَلَاثَةٌ لِأَنَّ الِابْنَ يَسْتَحِقُّ كُلَّ الْمِيرَاثِ عِنْدَ الِانْفِرَادِ وَالْخُنْثَى ثَلَاثَةَ الْأَرْبَاعِ

اور خنثیٰ کو تین حصے ملیں گے؛ کیونکہ بیٹا مستحق ہوتا ہے پوری میراث کا تنہا ہونے کی صورت میں، اور خنثیٰ تین چوتھائی کا

فَعِنْدَ الِاجْتِمَاعِ يُقْسَمُ بَيْنَهُمَا عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا هَذَا يَضْرِبُ بِثَلَاثَةٍ

پس اجتماع کے وقت مال تقسیم کیا جائے گا ان دونوں کے درمیان ان کے حق کے بقدر، خنثیٰ تین حصے لے گا

وَذَلِكَ يَضْرِبُ بِأَرْبَعَةٍ فَيَكُونُ سَبْعَةً ﴿٩﴾ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْخُنْثَى لَوْ كَانَ ذَكَرًا يَكُونُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، وَإِنْ كَانَ أُنْثَى يَكُونُ الْمَالُ

اور ابن چار حصے، پس سات حصے ہو جائیں گے اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مرد ہوتا تو مال ان کے درمیان نصف نصف ہوتا اور اگر عورت ہوتا تو مال

بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا احْتَجْنَا إِلَى حِسَابٍ لَهُ نِصْفٌ وَثُلُثٌ ، وَأَقَلُّ ذَلِكَ سِتَّةٌ ، فَفِي حَالٍ

ان کے درمیان اثلاثا ہوتا پس ہم محتاج ہو گئے ایسے عدد کے جس کا نصف بھی ہو اور ثلث بھی ہو اور اس طرح کا سب سے چھوٹا عدد چھ ہے، تو ایک حالت میں مال

يَكُونُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ ثَلَاثَةٌ ، وَفِي حَالٍ يَكُونُ أَثْلَاثًا لِلْخُنْثَى سَهْمَانِ وَلِلِابْنِ أَرْبَعَةٌ،

دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا ہر ایک کو تین حصے ملیں گے، اور دوسری حالت میں اثلاثا ہوگا خنثیٰ کو دو حصے اور ابن کو چار حصے ملیں گے

سهمان للخنثى ثابتان بيقين .ووقع الشك في السهم الزائد فيتنصف فيكون له سهمان ونصف

دو حصے خنثیٰ کے لیے ثابت ہیں یقینی طور پر اور واقع ہوا شک زائد سہم میں، تو اسے آدھا آدھا کیا جائے گا، پس ہوں گے خنثیٰ کے لیے دو حصے اور نصف

فكسر فيضعف ليزول الكسر فصار الحساب من اثني عشر للخنثى خمسة وللابن سبعة【10】ولأبي حنيفة

کسر واقع ہو گئی، پس دوگنا کیا جائے گا تاکہ دور ہو کسر، پس حساب بارہ سے ہوگا: خنثیٰ کو پانچ اور ابن کو سات حصے ملیں گے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے

أن الحاجة هاهنا إلى إثبات المال ابتداء، والأقل وهو ميراث الأنثى متيقن به ، وفيما زاد عليه شك ، فأثبتنا

کہ حاجت یہاں اثبات مال کو ہے ابتداء، اور اقل یعنی مؤنث کی میراث متیقن ہے، اور اس سے زائد میں شک ہے پس ہم نے ثابت کر دیا

المتيقن قصرا عليه لأن المال لا يجب بالشك وصار كما إذا كان الشك في وجوب المال بسبب آخر

متیقن کو اقل پر قصر کرتے ہوئے؛ کیونکہ مال واجب نہیں ہوتا ہے شک سے، اور ہو گیا جیسا کہ اگر شک ہو وجوب مال میں دوسرے سبب سے

فإنه لا يؤخذ فيه بالمتيقن ، كذا هذا ،【11】إلا أن يكون نصيبه الأقل لو قدرناه ذكرا فحينئذ يعطى

تو عمل کیا جائے گا اس میں متیقن پر، اسی طرح یہاں بھی ہے۔ مگر یہ کہ ہو اس کا حصہ اقل اگر ہم اس کو فرض کر لیں مذکر تو اس وقت دیا جائے گا

نصيب الابن في تلك الصورة لكونه متيقنا به وهو أن تكون الورثة زوجا ، وأما وأختا لأب وأم هي خنثى

بیٹے کا حصہ اس صورت میں؛ اس کے متیقن ہونے کی وجہ سے، اور وہ یہ ہے کہ ہوں ورثہ: زوج، ماں اور حقیقی بہن جو خنثیٰ ہو،

【12】أو امرأة وأخوين لأم وأختا لأب وأم هي خنثى. فعندنا في الأولى للزوج النصف وللأم الثلث والباقي للخنثى

یا بیوی، دو اخیافی بھائی، اور ایک حقیقی بہن جو خنثیٰ ہو، تو ہمارے نزدیک اول صورت میں زوج کو نصف، ماں کو ثلث اور باقی خنثیٰ کو ملے گا،

وفي الثانية للمرأة الربع وللأخوين لأم الثلث والباقي للخنثى لأنه أقل النصيبين فيهما والله أعلم .

اور دوسری صورت میں عورت کو ربع، اخیافی بھائیوں کو ثلث اور باقی خنثیٰ کو ملے گا؛ کیونکہ یہ دو حصوں میں سے کم ہے دونوں صورتوں

میں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تشریح:۔【1】اور اگر خنثیٰ نے کہا کہ میں مرد ہوں یا کہا کہ میں عورت ہوں تو دیکھا جائے کہ اگر وہ خنثیٰ مشکل ہے تو اس کا قول قبول

نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ دعویٰ مقتضاءِ دلیل کے خلاف ہے اس لیے کہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا خنثیٰ مشکل ہونا برقرار ہو۔ اور اگر وہ خنثیٰ

مشکل نہ ہو تو اس کا قول قبول ہونا چاہیے؛ کیونکہ وہ خود اپنے حال سے غیر کی بنسبت زیادہ واقف ہے لہٰذا اس کے حق میں خود اسی کا قول قبول ہوگا غیر کا قول اس کے حق میں قبول نہ ہوگا۔

﴿۲﴾ اور اگر خنثیٰ کا حال ظاہر ہونے سے پہلے وہ مر گیا تو اس کو مرد یا عورت کوئی غسل نہیں دے گا؛ کیونکہ مردوں اور عورتوں میں باہم ایک دوسرے کو غسل دینے کی حلت ثابت نہیں ہے یعنی یہ جائز نہیں کہ مرد مردہ عورت کو یا عورت مردہ مرد کو غسل دے تو یہاں بھی احتمالِ حرمت سے بچنے کے لیے اس کو کوئی غسل نہ دے گا، بلکہ اس کو پاک مٹی سے تیمم کرا دیا جائے گا ؛کیونکہ غسل دینا متعذر ہے۔

اور خنثیٰ اگر بلوغ کے قریب پہنچ گیا تو وہ کسی مرد میت یا عورت میت کے نہلانے میں حاضر نہ ہو اس احتمال سے کہ شاید وہ مرد ہو یا عورت ہو یعنی عورت کے احتمال سے وہ مرد میت کے غسل میں نہ آئے اور مرد کے احتمال سے عورت میت کے غسل میں حاضر نہ ہو۔

اور اگر خنثیٰ کو دفن کرنے کے وقت اس کی قبر پر پردہ کرایا گیا تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے؛ کیونکہ اگر وہ عورت ہو تو ہم نے واجب ادا کیا اور اگر وہ مذکر ہو تو پردہ کرنا اس کو مضر نہیں ہے۔

﴿۳﴾ اور اگر خنثیٰ مشکل کا انتقال ہوا اور ایک مرد اور ایک عورت کا بھی انتقال ہو گیا ہو اور اتفاق سے تینوں پر یکبارگی نماز پڑھنا چاہا تو امام کے متصل مرد کا جنازہ رکھا جائے اور اس کے بعد خنثیٰ کا جنازہ رکھا جائے اور اس کے پیچھے عورت کا جنازہ رکھا جائے پس خنثیٰ کے جنازہ کو مرد سے اس لیے پیچھے کیا گیا کہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ عورت ہو اور اس کو عورت سے اس لیے پہلے کیا گیا کہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ مرد ہو۔

﴿۴﴾ اور اگر خنثیٰ کو مرد کے ساتھ ایک ہی قبر میں کسی عذر کی وجہ سے دفن کرنا چاہا تو خنثیٰ کو مرد کے پیچھے کیا جائے یعنی مرد کو قبلہ رُخ پر مقدم رکھا جائے گا اور اس کے پیچھے خنثیٰ کو رکھا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان میں مٹی سے آڑ کر دی جائے گی؛ کیونکہ شاید یہ خنثیٰ عورت ہو۔ اور اگر خنثیٰ کو ایک عورت کے ساتھ کسی عذر سے ایک ہی قبر میں دفن کرنا چاہا تو خنثیٰ کو قبر کے قبلہ کی جانب مقدم کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ شاید وہ مرد ہو۔

{۵}اور اگر خنثیٰ مشکل کے جنازہ کی چارپائی پر عورت کی طرح نعش (پردہ) ڈالی جائے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے؛ کیونکہ احتمال ہے کہ واجب الستر عورت ہو یعنی جیسے عورت کے جنازہ پر محرابی طور پر کپڑا ڈالا جاتا ہے اور اس کو عربی میں نعش کہتے ہیں خنثیٰ کے جنازہ پر بھی ڈالنا بہتر ہے؛ کیونکہ احتمال ہے کہ شاید یہ بھی عورت ہو۔

خنثیٰ مشکل کو عورت کا کفن دیا جائے اور یہی مجھے زیادہ پسند ہے یعنی مؤنث لڑکی کی طرح پانچ کپڑوں میں خنثیٰ کو بھی کفن دیا جائے تو بہتر ہے؛ کیونکہ خنثیٰ اگر عورت ہے تو ایک سنت ادا ہو گئی؛ کیونکہ عورت کے لیے پانچ کپڑوں کا کفن مسنون ہے، اور اگر وہ ذکر ہے تو لوگوں نے اس کے کفن میں تین کپڑوں پر زیادتی کی حالانکہ تین کپڑوں سے زیادہ کفن دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

{۶}اور اگر خنثیٰ کا باپ مر گیا اور اس نے خنثیٰ کے علاوہ ایک لڑکا بھی چھوڑا تو مالِ ترکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں میں تین تہائی تقسیم ہوگا، جن میں سے بیٹے کو دو حصے اور خنثیٰ کو ایک حصہ دیا جائے گا اور میراث کے حق میں امام صاحبؒ کے نزدیک خنثیٰ مؤنث یعنی لڑکی ہے البتہ اگر اس کے سوا دوسرا امر ظاہر ہو یعنی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ لڑکا ہے تو وہ بیٹے کی میرث پائے گا۔

فتویٰ:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی مجمع الانہر: (وَلَهُ) أَيْ لِلْخُنْثَى الْمُشْكِلِ (أَخَسُّ النَّصِيبَيْنِ مِنْ الْمِيرَاثِ عِنْدَ الْإِمَامِ) وَأَصْحَابِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي السِّرَاجِيَّةِ.وَفِي الْكِفَايَةِ أَنَّ مُحَمَّدًا مَعَ الْإِمَامِ.وَفِي النَّظْمِ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ مَعَهُمَا فِي ظَاهِرِ الْأُصُولِ أَيْ الْأَقَلَّ مِنْ نَصِيبِ الذَّكَرِ وَمِنْ نَصِيبِ الْأُنْثَى فَإِنَّهُ يُنْظَرُ نَصِيبُهُ عَلَى أَنَّهُ ذَكَرٌ وَعَلَى أَنَّهُ أُنْثَى لِيُعْطَى الْأَقَلَّ مِنْهُمَا، وَإِنْ كَانَ مَحْرُومًا عَلَى أَحَدِ التَّقْدِيرَيْنِ فَلَا شَيْءَ لَهُ ثُمَّ فَرَّعَهُ وَقَالَ (فَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ عَنْهُ) أَيْ الْخُنْثَى (وَعَنْ ابْنٍ فَلِلِابْنِ سَهْمَانِ وَلَهُ سَهْمٌ) عِنْدَهُ؛ لِأَنَّ الْأَقَلَّ مُتَيَقَّنٌ وَفِيمَا زَادَ عَلَيْهِ شَكٌّ، وَالْمَالُ لَا يَجِبُ بِالشَّكِّ وَلَوْ تَرَكَهُ وَبِنْتًا فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَرْضًا وَرَدًّا.(مجمع الانہر:4ص470)

{۷}اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کے لیے نصف میراث بیٹے کی اور نصف میراث بیٹی کی ہوگی، اور یہی امام عامر بن شراحیل شعبیؒ (جو کبار تابعین میں سے ہیں) کا قول ہے اور امام شعبیؒ کا قول کچھ مبہم ہے اس لیے اس کی تخریج اور تفصیل میں فقہاء کرامؒ نے اختلاف کیا ہے۔چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مالِ ترکہ کو خنثیٰ اور بیٹے کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے بیٹے کو سات حصے دیئے جائیں گے اور خنثیٰ کو پانچ حصے دیئے جائیں گے۔

{۸}اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مالِ ترکہ کے سات حصے کئے جائیں گے جن میں سے بیٹے کو چار حصے دیئے جائیں گے اور خنثیٰ کو تین حصے دیئے جائیں گے؛ کیونکہ تنہا بیٹا ہونے کی صورت میں بیٹا کل میراث کا مستحق ہوگا اور خنثیٰ فقط تین چوتھائی کا مستحق ہے؛ کیونکہ خنثیٰ ایک اعتبار سے بیٹا اور ایک اعتبار سے بیٹی ہے تو اس کو بیٹی اور بیٹے میں سے ہر ایک کے حصہ کا نصف ملنا چاہیئے

اور تنہا بیٹی کا حصہ نصف مال ہے تو اس کا آدھا ایک چوتھائی مال ہوا اور تنہا بیٹے کا حصہ کل مال ہے تو اس کا آدھا نصف مال ہوا پس ملا کر تین چوتھائی حصہ ہوا، پس جب لڑکا اور خنثیٰ دونوں جمع ہوئے تو دونوں میں مال کو دونوں کے مقدار حق پر تقسیم کیا جائے گا کہ خنثیٰ کو تین کے حساب سے اور بیٹے کو چار کے حساب سے شریک کیا جائے گا تو کل مال کے سات حصے ہوئے جن میں سے خنثیٰ کو تین حصے دیئے جائیں گے اور بیٹے کو چار حصے دیئے جائیں گے۔

{۹} اور امام محمدؒ نے جو کل بارہ حصوں میں سے بیٹے کو سات اور خنثیٰ کو پانچ حصے دلوائے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ خنثیٰ اگر مذکر ہو تو کل مال ان دونوں میں نصف نصف ہوگا اور اگر خنثیٰ لڑکی ہو تو کل مال ان دونوں میں تین تہائی ہوگا دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ خنثیٰ کو ملے گا پس ہم کو ایسے عدد کی ضرورت پڑی جس کا نصف اور ثلث مستقیم ہو اور کم از کم ایسا عدد چھ ہے، پس خنثیٰ کو لڑکا فرض کرنے کی حالت میں مال دونوں میں نصف نصف ہوگا کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے تین حصے ہوں گے اور ایک حال میں (جب خنثیٰ کو لڑکی فرض کریں) مال ان دونوں میں تین تہائی تقسیم ہوگا پس خنثیٰ کو دو حصے اور بیٹے کو چار حصے ملیں گے، پس ثابت ہوا کہ خنثیٰ کے لیے دو حصے تو یقینی ثابت ہیں اور شک صرف ایک زائد حصے میں ہے جو لڑکا فرض کرنے میں اس کو ملتا تھا تو اسی حصے کو دو حصہ کر دیا جائے گا پس خنثیٰ کے لیے دو حصے اور نصف حصہ ہوا، لیکن کسر واقع ہو گئی تو ہم نے اصل مخرج یعنی چھ کو دو گنا کر دیا تاکہ کسر ختم ہو جائے، تو اب حساب بارہ سے ہوگا جس میں کسر واقع نہ ہو گی پس بارہ میں سے خنثیٰ کے لیے پانچ حصے اور بیٹے کے لیے سات حصے ہوں گے، جس کو یوں سمجھیں کہ خنثیٰ کو لڑکا فرض کرنے میں چھ حصے خنثیٰ کے لیے اور چھ بیٹے کے لیے ہوتے ہیں اور خنثیٰ کو لڑکی فرض کرنے میں خنثیٰ کے لیے چار اور بیٹے کے لیے آٹھ ہوں گے پس چار میں تو شک نہیں ہے اور تردد صرف دو زائد میں ہے تو ان دو کو نصف کر کے چار میں ملا دیا؛ تو خنثیٰ کے لیے پانچ سہام ہوئے اور بیٹے کے لیے سات حصے ہوئے۔

{۱۰} اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ابتداء سے مال ثابت کرنے کی حاجت ہے اور لڑکی کی میراث جو اقل ہے وہ یہاں یقینی ہے یعنی قطعی طور پر اس کا حصہ بیٹی کے حصہ سے کم نہیں ہو سکتا اور اس سے زائد میں شک ہے تو ہم نے یقینی حصہ کو اس کے لیے ثابت کر کے اسی پر منحصر کر دیا؛ کیونکہ شک کے ذریعہ سے مال نہیں ثابت ہوتا ہے پس مال کے تین حصے کر کے ایک حصہ یقینی خنثیٰ کو دیا اور باقی بیٹے کو دیدیا، اور یہ ایسا ہے جیسے میراث کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے مال واجب ہونے میں شک ہو تو وہاں بھی متیقن کو لیا جاتا ہے اور مشکوک کو چھوڑ دیا جاتا ہے پس اسی طرح میراث میں بھی یہی حکم ہوگا کہ متیقن مقدار کو لیا جائے گا اور مشکوک ثابت نہ ہوگا۔

{۱۱} البتہ اگر یہ صورت ہو کہ اگر ہم خنثیٰ کو لڑکا فرض کریں تو اس کو جس قدر ملتا ہے وہ حصہ کم ہو اور لڑکی فرض کرنے کی صورت میں زیادہ ہو تو ایسی صورت میں خنثیٰ کو بیٹے کا حصہ دیدیا جائے گا جیسے اگر عورت مرگئی اور ورثہ میں زوج، ماں اور ایک ماں باپ شریک خنثیٰ چھوڑدیا تو زوج کو نصف ملے گا اور ام کو ثلث ملے، اور خنثیٰ کو اگر ہم مؤنث فرض کریں تو اس کو نصف ملے گا اور مسئلہ عولیہ ہو کر آٹھ سے بنے گا، اور اگر خنثیٰ کو ہم نے مذکر فرض کرلیا تو اس کو سدس ملے گا تو خنثیٰ کو مذکر فرض کرکے سدس دیا جائے گا؛ کیونکہ سدس نصف سے کم ہے۔

{۱۲} یا دوسری صورت یہ ہے کہ مرد میت نے اپنی بیوی اور ماں شریک دو بھائی اور ماں باپ شریک ایک خنثیٰ چھوڑا، تو اس دوسری صورت میں عورت کے لیے ربع اور دونوں بھائیوں کے لیے ثلث ہے اور باقی اس خنثیٰ کے لیے ہے اصل مسئلہ بارہ سے بنے گا بارہ میں سے تین حصے عورت کو چار حصے دونوں بھائیوں کو اور پانچ حصے خنثیٰ مذکر کو ملیں گے؛ کیونکہ یہ جو کچھ ہم نے بتایا یہی دونوں حصوں میں سے کمتر ہے؛ اس لیے کہ اگر خنثیٰ کو بیٹی فرض کریں تو اس کو نصف (چھ حصے) ملے گا پس ہم نے لڑکا فرض کرکے اس کو اقل متیقن دیدیا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مَسَائِلُ شَتَّى

یہ مسائل متفرقہ کا بیان ہے۔

مصنفین رحمہم اللہ کی عادت ہے کہ وہ ماقبل میں بیان سے رہ جانے والے متفرق مسائل کو مسائل شتّٰی کا عنوان دے کر بیان کرتے ہیں یہاں بھی مصنف رحمہ اللہ نے اسی طرح کے چند متفرق مسائل بیان فرمائے ہیں۔

{۱} قَالَ : وَإِذَا قُرِئَ عَلَى الْأَخْرَسِ كِتَابُ وَصِيَّتِهِ فَقِيلَ لَهُ أَنَشْهَدُ عَلَيْك بِمَا فِي هَذَا الْكِتَابِ

فرمایا: اور جب پڑھا جائے گونگے پر اس کا وصیت نامہ، اور کہا گیا اس سے کہ ہم گواہی دیں گے تجھ پر اس چیز کی جو اس وصیت نامہ میں ہے

فَأَوْمَأَ بِرَأْسِهِ : أَيْ نَعَمْ أَوْ كَتَبَ ، فَإِذَا جَاءَ مِنْ ذَلِكَ مَا يُعْرَفُ أَنَّهُ إِقْرَارٌ

تو اس نے اشارہ کیا اپنے سر سے کہ ہاں، یا لکھ لیا، پھر جب آئے اس کی طرف سے ایسی بات جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ اقرار ہے

فَهُوَ جَائِزٌ ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ فِي الَّذِي يَعْتَقِلُ لِسَانُهُ {۲} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ

تو یہ جائز ہے، اور یہ جائز نہیں ہے اس شخص کے متعلق جس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ اور فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ نے جائز ہے دونوں صورتوں میں

لِأَنَّ الْمُجَوِّزَ إِنَّمَا هُوَ الْعَجْزُ وَقَدْ شَمِلَ الْفَصْلَيْنِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ كَالْوَحْشِيِّ

؛کیونکہ جائز قرار دینے والی چیز عجز ہے اور وہ شامل ہے دونوں صورتوں کو، اور کوئی فرق نہیں اصلی اور عارضی کے مابین جیسے وحشی جانور

وَالْمُتَوَحِّشِ مِنَ الْأَهْلِيِّ فِي حَقِّ الذَّكَاةِ ﴿٣﴾ وَالْفَرْقُ لِأَصْحَابِنَا رَحِمَهُمُ اللهُ أَنَّ الْإِشَارَةَ إِنَّمَا تُعْتَبَرُ إِذَا صَارَتْ مَعْهُودَةً

اور وحشی بنایا گیا پالتو جانور ذبح کے حق میں۔ اور فرق ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ ہے کہ اشارہ اس وقت معتبر ہوتا ہے جب وہ معہود

مَعْلُومَةً وَذَلِكَ فِي الْأَخْرَسِ دُونَ الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ .حَتَّى لَوْ امْتَدَّ ذَلِكَ وَصَارَتْ لَهُ إِشَارَاتٌ مَعْلُومَةٌ قَالُوا

اور معلوم ہو جائے، اور یہ گونگے میں ہے نہ کہ معتقل اللسان میں، حتی کہ اگر یہ طویل ہوا اور ہو گئے اس کے لیے معلوم اشارات، تو مشائخ نے کہا ہے

هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْأَخْرَسِ ، ﴿٤﴾ وَلِأَنَّ التَّفْرِيطَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهِ حَيْثُ أَخَّرَ الْوَصِيَّةَ إِلَى هَذَا الْوَقْتِ،

کہ یہ گونگے کے درجے میں ہے، اور اس لیے کہ کوتاہی آئی ہے اس کی جانب سے کہ اس نے مؤخر کر دی ہے وصیت کو اس وقت تک،

أَمَّا الْأَخْرَسُ فَلَا تَفْرِيطَ مِنْهُ ، وَلِأَنَّ الْعَارِضِيَّ عَلَى شَرَفِ الزَّوَالِ دُونَ الْأَصْلِيِّ فَلَا يَتَقَاسَانِ،

رہا گونگا تو کوئی کوتاہی نہیں ہے اس کی طرف سے، اور اس لیے عارض زوال کے کنارے پر ہوتا ہے نہ کہ اصلی، پس ایک دوسرے پر قیاس نہیں ہو سکتے

وَفِي الْآبِدَةِ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ ﴿٥﴾ قَالَ :وَإِذَا كَانَ الْأَخْرَسُ يَكْتُبُ كِتَابًا أَوْ يُومِئُ إِيمَاءً يُعْرَفُ بِهِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ نِكَاحُهُ

اور وحشی میں ہم نے جانا ہے اس کو نص سے۔ فرمایا: اور اگر گونگا خط لکھتا ہو یا اشارہ کرتا ہو جس سے پہچان لیا جاتا ہو، تو جائز ہے اس کا نکاح

وَطَلَاقُهُ وَعَتَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَيُقْتَصُّ لَهُ وَمِنْهُ ، وَلَا يُحَدُّ وَلَا يُحَدُّ لَهُ،

طلاق، عتاق، بیع اور شراء، اور قصاص لیا جائے گا اس کے لیے اور اس سے، اور اس کو حد نہیں ماری جائے گی اور نہ اس کے لیے حد ماری جائے گی۔

أَمَّا الْكِتَابَةُ فَلِأَنَّهَا مِمَّنْ نَأَى بِمَنْزِلَةِ الْخِطَابِ مِمَّنْ دَنَا ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَدَّى

بہرحال کتابت تو وہ دور والے کی طرف خطاب کے درجے میں ہے قریب کی طرف، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حضورؐ نے ادا کر دی

وَاجِبَ التَّبْلِيغِ مَرَّةً بِالْعِبَارَةِ وَتَارَةً بِالْكِتَابَةِ إِلَى الْغُيَّبِ ، ﴿٦﴾ وَالْمُجَوِّزُ فِي حَقِّ الْغَائِبِ الْعَجْزُ وَهُوَ

واجب تبلیغ ایک مرتبہ عبارت سے اور کبھی کتابت سے غائب کی طرف، اور جائز قرار دینے والی چیز غائب کے حق میں عجز ہے اور عاجزی

فِي حَقِّ الْأَخْرَسِ أَظْهَرُ وَأَلْزَمُ ﴿٧﴾ ثُمَّ الْكِتَابُ عَلَى ثَلَاثِ مَرَاتِبَ: مُسْتَبِينٌ مَرْسُومٌ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ النُّطْقِ فِي الْغَائِبِ

گونگے کے حق میں زیادہ ظاہر اور زیادہ لازم ہے۔ پھر کتابت تین مراتب پر ہے، واضح معنون، اور وہ گفتگو کے درجے میں ہے غائب

وَالْحَاضِرِ عَلَى مَا قَالُوا .وَمُسْتَبِينٌ غَيْرُ مَرْسُومٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْجِدَارِ وَأَوْرَاقِ الْأَشْجَارِ ، وَيُنْوَى

اور حاضر کے حق میں جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے، واضح غیر معنون جیسے کتابت دیوار پر اور درختوں کے پتوں پر اور نیت کا مطالبہ کیا جائے گا

بِهِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ صَرِيحِ الْكِنَايَةِ فَلَابُدَّ مِنَ النِّيَّةِ. وَغَيْرُ مُسْتَبِينٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ وَالْمَاءِ، وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلَامٍ غَيْرِ مَسْمُوعٍ

اس میں؛ کیونکہ یہ صریح کنایہ کے درجے میں ہے، پس ضروری ہے نیت، اور غیر واضح جیسے کتابت ہوا اور پانی پر، اور یہ کلام غیر مسموع کے درجے میں ہے

فَلَا يَثْبُتُ بِهِ الْحُكْمُ {٨} وَأَمَّا الْإِشَارَةُ فَجُعِلَتْ حُجَّةً فِي حَقِّ الْأَخْرَسِ فِي حَقِّ هَذِهِ الْأَحْكَامِ لِلْحَاجَةِ إِلَى ذَلِكَ

پس ثابت نہ ہوگا اس سے حکم۔ رہا اشارہ تو اسے حجت قرار دیا ہے گونگے کے حق اور ان احکام کے حق میں؛ اس کی طرف حاجت کی وجہ سے

لِأَنَّهَا مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَلَا تَخْتَصُّ بِلَفْظٍ دُونَ لَفْظٍ، وَقَدْ تَثْبُتُ بِدُونِ اللَّفْظِ. وَالْقِصَاصُ حَقُّ الْعَبْدِ أَيْضًا، وَلَا حَاجَةَ

کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے پس مختص نہیں ہیں ایک لفظ کے ساتھ نہ کہ دوسرے لفظ کے ساتھ، اور قصاص بھی حق العبد ہے، اور حاجت نہیں

إِلَى الْحُدُودِ لِأَنَّهَا حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى، وَلِأَنَّهَا تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ، {٩} وَلَعَلَّهُ كَانَ مُصَدِّقًا

حدود کی طرف؛ کیونکہ حدود حق اللہ ہیں، اور اس لیے کہ حدود دور ہو جاتی ہیں شبہات کی وجہ سے، اور شاید کہ گونگا تصدیق کرنے والا ہو

لِلْقَاذِفِ فَلَا يُحَدُّ لِلشُّبْهَةِ، وَلَا يُحَدُّ أَيْضًا بِالْإِشَارَةِ فِي الْقَذْفِ لِانْعِدَامِ الْقَذْفِ صَرِيحًا

قاذف کی، پس حد نہیں لگائی جائے گی شبہ کی وجہ سے اور حد نہیں لگائی جاتی ہے اشارہ سے قذف میں بھی؛ صریح قذف نہ ہونے کی وجہ سے

وَهُوَ الشَّرْطُ. {١٠} ثُمَّ الْفَرْقُ بَيْنَ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ أَنَّ الْحَدَّ لَا يَثْبُتُ بِبَيَانٍ فِيهِ شُبْهَةٌ؛ أَلَا تَرَى

حالانکہ یہ شرط ہے۔ پھر فرق حدود اور قصاص میں یہ ہے کہ حد ثابت نہیں ہوتی ہے ایسے بیان سے جس میں شبہ ہو، کیا نہیں دیکھتے ہو

أَنَّهُمْ لَوْ شَهِدُوا بِالْوَطْءِ الْحَرَامِ أَوْ أَقَرَّ بِالْوَطْءِ الْحَرَامِ لَا يَجِبُ الْحَدُّ، {١١} وَلَوْ شَهِدُوا بِالْقَتْلِ الْمُطْلَقِ

کہ اگر گواہوں نے حرام وطی کی گواہی دی یا اقرار کیا حرام وطی کا، تو واجب نہ ہوگی حد، اور اگر گواہوں نے گواہی دی قتل مطلق کی

أَوْ أَقَرَّ بِمُطْلَقِ الْقَتْلِ يَجِبُ الْقِصَاصُ وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ لَفْظُ التَّعَمُّدِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْقِصَاصَ فِيهِ مَعْنَى الْعِوَضِيَّةِ لِأَنَّهُ شُرِعَ

یا اقرار کیا مطلق قتل کا تو واجب ہوگا قصاص اگرچہ نہیں پایا گیا لفظ تعمد؛ اور یہ اس لیے کہ قصاص میں عوضیت کا معنیٰ ہے؛ کیونکہ مشروع ہوا ہے

جَابِرًا فَجَازَ أَنْ يَثْبُتَ مَعَ الشُّبْهَةِ كَسَائِرِ الْمُعَاوَضَاتِ الَّتِي هِيَ حَقُّ الْعَبْدِ. أَمَّا الْحُدُودُ الْخَالِصَةُ لِلَّهِ تَعَالَى

جابر بن کر، پس جائز ہے کہ ثابت ہو شبہ کے ساتھ جیسے دیگر وہ معاوضات جو بندہ کا حق ہیں، رہے وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں

فَشُرِعَتْ زَوَاجِرَ وَلَيْسَ فِيهَا مَعْنَى الْعِوَضِيَّةِ فَلَا تَثْبُتُ مَعَ الشُّبْهَةِ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ. {١٢} وَذَكَرَ

تو وہ مشروع ہوئے ہیں زواجر بن کر، اور نہیں ہے ان میں عوضیت کا معنیٰ، پس ثابت نہ ہوں گے؛ عدم حاجت کی وجہ سے۔ اور ذکر کیا ہے

في كتاب الإقرار أن الكتاب من الغائب ليس بحجة، فيحتمل في القصاص وجهان، ويحتمل أن يكون الجواب هنا كذلك

کتاب الاقرار میں کہ تحریر غائب کی طرف سے حجت نہیں ہے، تو احتمال ہے کہ قصاص میں دو وجہیں ہوں اور احتمال رکھتا ہے کہ حکم یہاں اسی طرح ہو

فيكون فيهما روايتان [۱۳] ويحتمل أن يكون مفارقا له، لأنه يمكن الوصول إلى نطق الغائب في الجملة

پس ہوں گی ان دونوں میں دو روایتیں، اور احتمال رکھتا ہے کہ الگ ہو اس سے اس لیے کہ ممکن ہے رسائی غائب کے نطق تک فی الجملہ

لقيام أهلية النطق، ولا كذلك الأخرس لتعذر الوصول إلى النطق للآفة المانعة [۱۴] ودلت المسألة

اہلیت نطق موجود ہونے کی وجہ سے، اور اس طرح نہیں ہے گونگا، بوجہ متعذر ہونے رسائی کے نطق تک، آفت مانعہ کی وجہ سے۔ اور دلالت کرتا ہے مسئلہ

على أن الإشارة معتبرة وإن كان قادرا على الكتابة، بخلاف ما توهمه بعض أصحابنا رحمهم الله أنه لا تعتبر الإشارة

اس پر کہ اشارہ معتبر ہے اگرچہ قادر ہو کتابت پر، برخلاف اس کے جو وہم ہوا ہمارے بعض اصحاب کو کہ معتبر نہیں ہے اشارہ

مع القدرة على الكتابة لأنه حجة ضرورية، ولا ضرورة لأنه جمع ههنا بينهما فقال: أشار

کتابت پر قدرت کے ساتھ؛ کیونکہ اشارہ حجت ضروریہ ہے، اور یہاں ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ جمع کیا ہے یہاں دونوں کو، پس کہا ہے وہ اشارہ کرے

أو كتب [۱۵] وإنما استويا لأن كل واحد منهما حجة ضرورية، وفي الكتابة زيادة بيان لم يوجد في الإشارة، وفي الإشارة

یا تحریر لکھے اور یہ دونوں برابر ہیں؛ کیونکہ ہر ایک حجت ضروریہ ہے، اور کتابت میں جو بیان کی زیادتی ہے وہ نہیں پائی گئی اشارہ میں

زيادة أثر لم يوجد في الكتاب لما أنه أقرب إلى النطق من آثار الأقلام فاستويا

اور اشارہ میں جس امر کی زیادتی ہے وہ نہیں پائی گئی کتابت میں؛ کیونکہ اشارہ زیادہ قریب ہے نطق کو قلموں کے آثار سے، پس دونوں برابر ہو گئے

تشریح:۔ [۱] اگر کسی گونگے نے وصیت لکھوائی پھر گواس کی وصیت کی تحریر سنائی گئی اور گواہوں نے اس سے کہا کہ جو کچھ اس تحریر میں ہے کیا ہم تجھ پر اس کی گواہی دیں؟ پس اس نے اپنا سر ہلایا کہ ہاں، یا اس نے لکھ دیا کہ ہاں، تو اگر گونگے کی طرف سے ایسی بات پائی گئی جو معروف ہو کہ یہ اقرار ہے تو گواہوں کے لیے جائز ہے کہ اس کے اقرار کی گواہی دیں۔ اور جس شخص کی زبان بند ہو گئی اس کے حق میں یہ بات جائز نہیں ہے یعنی پہلے وہ باتیں کرتا تھا پھر کسی وجہ سے اس کی زبان بند ہو گئی تو اس کے اشارہ پر گواہی دینا درست نہ ہوگا بشرطیکہ زمانہ گذرنے سے اس کا یہ اشارہ معروف نہ ہو۔

[۲] اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اشارہ پر گواہی دینا جائز ہے یعنی خواہ گونگے کا اشارہ ہو یا معتقل کا اشارہ ہو؛ کیونکہ گواہی کو جائز قرار دینے والا امر اس کا عاجز ہونا ہے اور یہ امر دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی جس طرح کہ گونگا کلام

کرنے سے عاجز ہے اسی طرح جس کی زبانی بند ہوگئی ہو وہ بھی کلام سے عاجز ہے۔ اور اصلی عاجزی (گونگے کی عاجزی) میں اور عارضی عاجزی (معتقل کی عاجزی) میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے ذبح اضطراری کے اعتبار میں اصل وحشی جانور میں اور گھریلو بدکے ہوئے جانور میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے دونوں کے حق میں ذبح اضطراری کافی ہے۔

﴿۳﴾ اور ہمارے علماءؒ کے لیے گونگے اور معتقل کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ اشارہ اس وقت معتبر ہوتا ہے کہ وہ معہود معلوم ہو جائے یعنی ایک طویل مدت تک تجربہ سے معہود ہو جائے کہ جب یہ گونگا اس طرح حرکت کرتا ہے تو اس سے یہی مقصود ہوتا ہے، اور ایسا تجربہ صرف گونگے میں ہوتا ہے نہ اس شخص میں جس کی زبان بند ہوگئی ہو؛ کیونکہ وہ تو ابھی اس بلاء میں مبتلا ہوا ہے حتی کہ اگر اس کی زبان بند ہوئے بھی زمانہ دراز گذر گیا اور اس کے اشارات بھی معلوم ہو گئے تو مشائخؒ نے کہا ہے کہ وہ بھی گونگے کی طرح ہے۔

﴿۴﴾ اور دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ معتقل کی صورت میں تو خود معتقل ہی کی جانب سے یہ قصور ہوا ہے کہ اس نے وصیت کو اس وقت تک مؤخر کر دیا کہ اس کی زبان بند ہوئی تو شریعت نے بھی اس کا لحاظ نہیں رکھا، رہا گونگا تو اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں پائی گئی ہے اس لیے اس کا اشارہ معتبر ہوگا۔ تیسری وجہ فرق یہ ہے کہ عارضی عاجزی تو زائل ہونے کے کنارے لگی ہوتی ہے یعنی ممکن ہے کہ وہ زائل ہو کر اپنی اصل حالت کی طرف لوٹ جائے جبکہ اصلی عاجزی اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ دائمی ہے تو دونوں کو باہم قیاس نہیں کر سکتے ہیں۔ باقی بدکے ہوئے جانور کو ذبح اضطراری کے حق میں ہم وحشی جانور پر قیاس نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے جائز ہونے کو ہم نے نص سے جانا ہے لہٰذا اس پر غیر کو قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

﴿۵﴾ گونگا شخص اگر کچھ لکھتا ہو، یا ایسا اشارہ کرتا ہو جو اس سے معروف ہے یعنی لوگ اس کے اس اشارہ کو اس معنی میں پہچانتے ہوں تو اس کا نکاح، طلاق، عتاق اور خرید و فروخت جائز ہے اور اس کے لیے قصاص لیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا، اور اس کو حد نہیں ماری جائے گی اور نہ اس کے لیے دوسرے کو حد ماری جائے گی۔ پھر تحریر کے مذکورہ بالا حکم کی وجہ یہ ہے کہ تحریر ایسے شخص کی جانب سے جو دور اور غائب ہو ایسی ہے جیسے قریب شخص کا خطاب یعنی تحریر بمنزلہ خطاب کے ہوتی ہے لیکن صریح خطاب نہیں ہے پس جن امور (حدود) میں صریح خطاب شرط ہے ان میں تحریر کافی نہیں ہے ورنہ کافی ہے یہی وجہ ہے کہ

حضور ﷺ نے رسالت کی واجب تبلیغ کا فرض کبھی تو خطاب سے ادا کیا اور کبھی غائبوں کو تحریر کے ذریعہ دعوتِ اسلام فرمائی[1]، لہٰذا غائب کی تحریر خطاب کے درجے میں ہے۔

{٦} اور عقلی دلیل یہ ہے کہ غائب کے حق میں جو امر کتابت کو جائز کرنے والا ہے وہ یہی عاجزی ہے یعنی خطاب کرنے سے وہ عاجز ہے اسی وجہ سے اس کی طرف سے تحریر نے خطاب کا کام دیا پس خطاب سے عاجزی اس کی علت ہے، اور خطاب سے عاجز ہونا گونگے کے حق میں زیادہ ظاہر اور لازم ہے؛ کیونکہ غائب تو حاضر ہو سکتا ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ گونگے کا عذر دور نہیں ہو سکتا ہے اس لیے اس کی تحریر اس کے خطاب کی طرح ہے۔

{٧} پھر کتابت کے تین مرتبے ہیں (1) ایک یہ کہ اس کے نقوش ظاہر اور معہود رسم کے مطابق ہو جیسے روشنائی سے کاغذ پر از فلاں بجانب فلاں لکھنا ہمارے زمانے میں معہود ہے، تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ ایسی تحریر کا حکم یہ ہے کہ وہ غائب اور حاضر دونوں کے حق میں گفتگو کے درجے میں ہے۔ (2) دوم یہ کہ اس کے نقوش ظاہر ہوں مگر معہود رسم کے مطابق از فلاں بجانب فلاں کے عنوان کے ساتھ نہ ہو جیسے دیوار یا درخت کے پتوں پر تحریر، تو ایسی تحریر کا حکم یہ ہے کہ مدار لکھنے والے کی نیت پر ہے؛ کیونکہ یہ صریح کنایہ کے درجے میں ہے جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ مجھے تجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے تو اس کا مدار نیت پر ہے کہ اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی، پس اس قسم میں نیت ضروری ہے۔ (3) سوم یہ کہ اس کے نقوش ہی ظاہر نہ ہوں جیسے ہوا یا پانی پر تحریر، تو یہ غیر مسموع کلام کی طرح ہے یعنی ایسا کلام جس کو خود کہنے والا نے نہ سنا ہو، لہٰذا اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہوگا۔

{٨} رہا اشارہ معہودہ تو وہ گونگے کے حق میں ان احکام مذکورہ میں اس لیے حجت قرار دیا گیا کہ اس کی حاجت درپیش ہے مثلاً نکاح اور خرید و فروخت وغیرہ کے ثبوت کے لیے گونگے کی جانب سے ایجاب اور قبول کی حاجت ہے؛ کیونکہ یہ امور بندوں کے حقوق میں سے ہیں اور یہ کسی خاص لفظ کے ساتھ مختص بھی نہیں ہیں کہ فلاں لفظ سے ہوں اور فلاں لفظ سے نہ ہوں، بلکہ کبھی تو لفظ

([1]) قلت: أما تبليغه عليه السلام بالعبارة، فمعروف، وأما بالكتابة إلى الغيب ففي الصحيحين عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى قيصر يدعوه إلى الإسلام، وبعث بكتابه مع دحية الكلبي، وأمره أن يدفعه إلى عظيم بصرى ليدفعه إلى قيصر، فدفعه عظيم بصرى إلى قيصر، الحديث بطوله، إلى أن قال: قال أبو سفيان: ثم دعا قيصر بكتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقرئ، فإذا فيه: "بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد بن عبد الله، إلى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى، أما بعد فإني أدعوك بداعية الله، أسلم تسلم، وأسلم يؤتك الله أجرك مرتين، فإن توليت، فإن عليك إثم الأريسيين، ويا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم، أن لا نعبد إلا الله، ولا نشرك به شيئا، ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله، فإن تولوا فقولوا: اشهدوا بأنا مسلمون" مختصر، والكتاب لم يختصر، أخرجه البخاري في أول الكتاب أغنى الصحيح. (نصب الراية: 5ص265)

کے بغیر بھی ثابت ہو جاتے ہیں مثلاً بیع تعاطی میں لینے دینے کا فعل ہوتا ہے لفظ نہیں ہوتا ہے پس حقوق العباد میں سے جن احکام میں ضرورت ہے ان میں اشارہ معہودہ بمنزلہ عبارت کے قرار دیا گیا اور قصاص بھی بندہ کا حق ہے تو اس میں ضرورت کی وجہ سے گونگے کے اشارہ کو حجت ٹھہرایا گیا۔ اور حدود میں کوئی حاجت ثابت نہیں ہے؛ کیونکہ حدود تو خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حدود ایسی ہیں کہ شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں حالانکہ صریح کلام کی بنسبت اشارہ معہودہ میں پھر بھی شبہ موجود ہے اس لیے حدود اشارہ سے ثابت نہ ہوں گی۔

﴿۹﴾ اور حد القذف میں اگرچہ بندہ کا حق ہے لیکن اگر گونگے پر کسی نے زنا کی تہمت لگائی تو گونگے کے اشارہ سے اس پر حد قذف ثابت نہ ہوگی؛ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ قاذف کی تصدیق کر رہا ہو پس اس شبہ کی وجہ سے گونگے پر تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جائے گی۔ اور خود گونگے نے اگر کسی پر اشارہ سے زنا کی تہمت لگائی تو اس کو بھی اشارہ سے تہمت لگانے کی وجہ سے حد نہیں ماری جائے گی؛ کیونکہ یہاں صریح تہمت نہیں پائی جا رہی ہے حالانکہ وجوبِ حد کے لیے صریح تہمت شرط ہے۔

﴿۱۰﴾ حدود اور قصاص میں فرق یہ ہے کہ حد ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہ ہو تو اشارہ اور تحریر سے بھی ثابت نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر زنا کے گواہوں نے کسی پر حرام وطی کی گواہی دی یا کسی نے خود حرام وطی کا اقرار کیا تو حد واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ شبہ موجود ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے گھورا اور بوسہ لیا ہو اور اس کو زنا کہہ رہا ہو؛ کیونکہ یہ بھی معصیت کے اعتبار سے آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا حرام زنا ہے۔

﴿۱۱﴾ اور اگر گواہوں نے قتل مطلق کی گواہی دی یا خود قاتل نے مطلق قتل کا اقرار کیا تو قصاص واجب ہو جائے گا اگرچہ صریح لفظ "عمداً قتل کرنے کا" نہیں پایا گیا حالانکہ قصاص کا واجب ہونا تو عمداً قتل کرنے میں ہوتا ہے مگر یہ شبہ یہاں معتبر نہیں؛ کیونکہ قصاص میں عوض ہونے کا معنی ہے؛ کیونکہ قصاص تو مقتول کے نقصان کے جبیرہ کے لیے مشروع ہوا ہے تو شبہہ کے باوجود اس کا ثابت ہونا جائز ہے جیسے دیگر وہ معاوضات جن میں بندہ کا حق ہوتا ہے شبہہ کے ساتھ بھی ثابت ہوتے ہیں یعنی مثلاً بندہ نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا حالانکہ قطعی خبر متواتر کے بغیر صرف دو گواہوں کی مظنون گواہی پر حکم دیا جاتا ہے اسی طرح قصاص میں بھی گونگے کے اشارہ میں شبہ ہونے کے باوجود قصاص ثابت ہو جائے گا۔
رہے وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں تو یہ زجر کے لیے مشروع ہیں اور ان میں عوض کا معنی نہیں ہے تو شبہ کے ساتھ یہ ثابت نہ ہوں گی؛ کیونکہ یہاں ضرورت نہیں ہے۔

{۱۲}اور مبسوط کی "کتاب الاقرار" میں بیان فرمایا کہ غائب کی طرف سے تحریر ایسے قصاص کے بارے میں حجت نہیں ہے جو اس پر واجب ہو یعنی اگر غائب نے خط لکھا اور اس میں اپنے اوپر قصاص کا اقرار کیا تو یہ تحریر اس پر وجوب قصاص میں حجت نہ ہوگی اور یہ بات ظاہر ہے کہ گونگے کا اشارہ تحریر کی بنسبت ضعیف یا مساوی ہے پس احتمال ہے کہ یہاں بھی اسی طرح جواب ہو کہ گونگے کی تحریر اس پر قصاص واجب ہونے میں حجت نہیں ہے، تو گونگے کے بارے میں اور گونگے کے علاوہ غائب کے بارے میں دو روایتیں ہو جائیں گی۔

{۱۳}اور یہ بھی احتمال ہے کہ گونگے کا حکم غائب سے جدا ہو یعنی غائب کے حق میں تحریر سے قصاص واجب نہیں اور گونگے کے حق میں تحریر سے قصاص واجب ہوتا ہو؛ اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ غائب سے فی الجملہ کلام حاصل ہونا ممکن ہے بایں طور کہ وہ حاضر ہو کر صریح اقرار کرے؛ کیونکہ اس میں گویائی کی اہلیت موجود ہے لہٰذا اس میں تحریر سے قصاص ثابت نہ ہوگا، جبکہ گونگے میں یہ امید نہیں ہے کہ صریح کلام اس سے حاصل ہو؛ کیونکہ اس میں آفتِ خرس گویائی سے مانع ہے تو گونگے کی تحریر معتبر ہو کر قصاص لیا جائے گا۔

{۱۴}واضح رہے کہ گونگے کا مسئلہ دلالت کرتا ہے کہ گونگے کا اشارہ مطلقاً معتبر ہے اگرچہ گونگے کو تحریر پر قدرت حاصل ہو، اس کے برخلاف ہمارے بعض مشائخ کو توہم ہوا ہے کہ تحریر پر قدرت ہونے کے ساتھ اشارہ معتبر نہیں ہے؛ کیونکہ اشارہ بنابر ضرورت حجت ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ تحریر کے ذریعہ سے کام ہو جاتا ہے لہٰذا اشارہ بلاضرورت کارآمد نہ ہوگا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ان مشائخ کا یہ توہم غلط ہے؛ کیونکہ امام محمدؒ نے اشارہ اور کتابت کو جمع کر دیا چنانچہ فرمایا کہ "گونگے نے اشارہ کیا یا لکھ دیا" تو معلوم ہوا کہ دونوں کی قدرت کی حالت میں اس نے جو بھی کام کیا وہ کارآمد حجت ہے۔

{۱۵}واضح رہے کہ تحریر اور اشارہ کا مساوی مفید ہونا اس وجہ سے ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک بنابر ضرورت حجت ہے تو یہ دونوں یکساں ہوئے اور کتابت میں ایک طرح کا ظہور زیادہ ہے جو اشارہ میں نہیں پایا جاتا ہے؛ کیونکہ اس سے بلاشبہ مقصود مفہوم ہوتا ہے جبکہ اشارہ میں ایک طرح کا ابہام پایا جاتا ہے، اسی طرح اشارہ میں بھی ایک امر زائد ہے جو کتابت میں نہیں پایا جاتا ہے؛ کیونکہ اشارہ نقوشِ قلم کی بنسبت کلام سے زیادہ قریب ہے لہٰذا تحریر اور اشارہ دونوں برابر ہو گئے۔

{1} وَكَذَلِكَ الَّذِي صَمَتَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ لِعَارِضٍ ؛ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ
اور اسی طرح وہ شخص جو خاموش ہو جائے ایک یا دو دن کسی عارض کی وجہ سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے معتقل اللسان کے بارے میں
أَنَّ آلَةَ النُّطْقِ قَائِمَةٌ، وَقِيلَ هَذَا تَفْسِيرٌ لِمُعْتَقَلِ اللِّسَانِ . {2} قَالَ : وَإِذَا كَانَتِ الْغَنَمُ مَذْبُوحَةً وَفِيهَا مَيْتَةٌ
کہ آلۂ نطق موجود ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ تفسیر ہے معتقل اللسان کی۔ فرمایا: اور اگر مذبوحہ بکریاں ہو اور ان میں مردار بھی ہوں،
فَإِنْ كَانَتِ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ تَحَرَّى فِيهَا وَأَكَلَ ، وَإِنْ كَانَتِ الْمَيْتَةُ أَكْثَرَ أَوْ كَانَا نِصْفَيْنِ لَمْ يُؤْكَلْ
تو اگر مذبوحہ زیادہ ہوں، تو غور کرے ان میں اور کھالے، اور اگر مردار زیادہ ہوں یا دونوں نصف نصف ہوں، تو نہیں کھائی جائے گی،
وَهَذَا إِذَا كَانَتِ الْحَالَةُ حَالَةَ الِاخْتِيَارِ . أَمَّا فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ يَحِلُّ لَهُ التَّنَاوُلُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ . لِأَنَّ الْمَيْتَةَ الْمُتَيَقَّنَةَ تَحِلُّ
اور یہ اس وقت ہے کہ حالت اختیار ہو، رہی حالتِ ضرورت تو حلال ہے اس کے لیے کھانا ان تمام صورتوں میں؛ کیونکہ متیقن مردار حلال ہے
لَهُ فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ ، فَالَّتِي تَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ ذَكِيَّةً أَوْلَى ، غَيْرَ أَنَّهُ يَتَحَرَّى لِأَنَّهُ طَرِيقٌ
اس کے لیے حالتِ ضرورت میں تو وہ جو محتمل ہے کہ مذبوحہ ہو گی بطریقۂ اولیٰ حلال ہو گی، البتہ غور و فکر کرے گا؛ کیونکہ غور و فکر ایسی راہ ہے
يُوَصِّلُهُ إِلَى الذَّكِيَّةِ فِي الْجُمْلَةِ فَلَا يَتْرُكُهُ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ {3} وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ الْأَكْلُ فِي حَالَةِ الِاخْتِيَارِ
جو پہنچا دیتی ہے اس کو مذبوحہ تک فی الجملہ، پس غور نہیں چھوڑا جائے گا بلا ضرورت۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے جائز نہیں ہے کھانا حالتِ اختیار میں
وَإِنْ كَانَتِ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ لِأَنَّ التَّحَرِّيَ دَلِيلٌ ضَرُورِيٌّ فَلَا يُصَارُ إِلَيْهِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ ، وَلَا ضَرُورَةَ
اگرچہ مذبوحہ زیادہ ہوں؛ کیونکہ تحری دلیل ضروری ہے پس رجوع نہیں کیا جائے گا اس کی طرح بلا ضرورت، اور یہاں ضرورت نہیں ہے
لِأَنَّ الْحَالَةَ حَالَةُ الِاخْتِيَارِ . {4} وَلَنَا أَنَّ الْغَلَبَةَ تُنَزَّلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُورَةِ فِي إِفَادَةِ الْإِبَاحَةِ ؛ أَلَا تَرَى
کیونکہ حالت حالتِ اختیار ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غلبہ اتار لیا جاتا ہے ضرورت کے درجہ میں اباحت کا فائدہ دینے میں، کیا نہیں دیکھتے ہو
أَنَّ أَسْوَاقَ الْمُسْلِمِينَ لَا تَخْلُو عَنِ الْمُحَرَّمِ الْمَسْرُوقِ وَالْمَغْصُوبِ وَمَعَ ذَلِكَ يُبَاحُ التَّنَاوُلُ اعْتِمَادًا عَلَى الْغَالِبِ، وَهَذَا لِأَنَّ
کہ مسلمانوں کے بازار خالی نہیں ہوتے ہیں حرام سے، مسروق اور مغصوب سے، پھر بھی مباح ہے تناول؛ اعتماد کرتے ہوئے غالب پر، اور یہ اس لیے
الْقَلِيلَ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ وَلَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْهُ فَسَقَطَ اعْتِبَارُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ كَقَلِيلِ النَّجَاسَةِ
کہ قلیل سے ممکن نہیں ہے بچنا، اور نہ طاقت ہے بچنے کی اس سے، پس ساقط ہو گیا اس کا اعتبار؛ دفع کرتے ہوئے حرج کو جیسے تھوڑی سی نجاست
وَقَلِيلِ الِانْكِشَافِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَا نِصْفَيْنِ أَوْ كَانَتِ الْمَيْتَةُ أَغْلَبَ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ فِيهِ،
اور تھوڑا سا کشفِ عورت ، بر خلاف اس کے اگر ہوں وہ نصف نصف یا مردار غالب ہوں؛ کیونکہ کوئی ضرورت نہیں ہے اس میں،

وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ، وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ .

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

تشریح:۔{۱} اسی طرح جو کسی عارض کی وجہ سے ایک دو روز چپ رہا تو اس کے اشارہ کے ذریعہ اقرار پر بھی گواہی دینا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ بہرے معتقل کے حق میں جو دلیل بیان کی وہ یہاں بھی جاری ہے کہ اس کی گویائی کا آلہ حقیقۃً قائم ہے اور امر مرض سریع الزوال ہے لہذا کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ ضرورت موجود ہے، اور بعض مشائخؒ نے کہا ہے کہ معتقل کی یہی تفسیر ہے کہ ایک دو روز اس کی زبان بند ہو۔

{۲} اگر کچھ بکریاں مذبوحہ ہوں اور ان میں غیر مذبوحہ مردار بکریاں بھی ہوں، تو اگر ان میں مذبوحہ بکریاں زیادہ ہوں یعنی نصف سے زائد مذبوحہ ہوں تو ان میں تحری (غور و فکر) کرکے کھائے یعنی جس کے بارے میں دل جم جائے کہ یہ مذبوحہ ہے تو اسے کھائے، اور اگر مردار بکریاں زیادہ ہوں یا مذبوحہ اور مردار برابر ہوں تو کوئی نہیں کھائی جائے گی۔ اور یہ حکم جو مذکور ہوا حالت اختیاری میں ہے جب بھوک سے بے تاب نہ ہو، اور اگر حالتِ اضطرار ہو تو اس حالت میں اس کو ان سب بکریوں سے کھانا جائز ہے؛ کیونکہ اضطرار کی حالت میں تو اس کے لیے یقینی مردار حلال ہو جاتی ہے تو جس میں یہ احتمال ہے کہ شاید مذبوحہ ہو وہ بدرجہ اولیٰ حلال ہوگی، البتہ اتنی بات ہے کہ حالتِ اضطرار میں بھی وہ مذبوحہ کے لیے تحری کرے گا؛ کیونکہ تحری بھی فی الجملہ ایسا طریقہ ہے جو اس کو مذبوحہ تک پہنچا دیتا ہے تو بغیر ضرورت کے تحری کو ترک نہ کرے۔

{۳} اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اختیاری حالت میں ان میں سے کھانا جائز نہیں ہے اگرچہ مذبوحہ نصف سے زائد ہوں اگرچہ تحری کرے؛ کیونکہ تحری تو ضرورت کے وقت دلیل ہو جاتی ہے پس بغیر ضرورت کے تحری کی جانب رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہاں ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں حالت اختیاری ہے یعنی اضطرار کی حالت نہیں ہے بلکہ کھانے کی حاجت نہیں ہے، یا دوسری چیز کھانے کے لیے میسر ہے۔

{۴} ہماری دلیل یہ ہے کہ مذبوحہ کا غالب ہونا اباحت کا فائدہ دینے میں بمنزلہ ضرورت کے قرار دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے بازار حرام ہانوں، چوری کے مالوں اور غصب کی ہوئی چیزوں سے خالی نہیں ہوتے ہیں، پھر بھی غالب پر اعتماد کرکے ان میں سے کھانا مباح کیا جاتا ہے، اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ قلیل حرام ایسی چیز ہے کہ جس سے بچنا ممکن نہیں ہے اور نہ اس سے باز رہنے کی استطاعت ہے حالانکہ بندوں کو بقدر وسعت ہی مکلف کیا گیا ہے تو قلیل کا اعتبار ساقط ہو گیا؛ تاکہ حرج دور ہو جیسے قلیل

نجاست معاف ہے اور قلیل واجب الستر بدن کا کھل جانا معاف ہے، لیکن یہ سب قلیل ہی مقدار میں معاف ہیں، اس کے بر خلاف اگر مذبوحہ اور مردار بکریاں نصف نصف ہوں یا مردار زیادہ ہوں تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں نہ حقیقۃً ضرورت ہے؛ کیونکہ حالت اختیاری ہے اور نہ حکماً ضرورت ہے؛ کیونکہ مذبوحہ بکریاں غالب نہیں ہیں، وَاللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ . وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ .

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَ أَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَه، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عُيُوْبَنَا وَ اغْفِرْ ذُنُوْبَنَا ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِتَرْکِ الْمَعَاصِی، اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنَا إِلٰى أَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا،وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ابتداء: بروز بدھ، 20 جنوری، 2021 بمطابق: 6 جمادی الثانی 1442ھ

انتہاء: بروز اتوار، 07 نومبر / 2021، 13:18:7 صبح ۔ بمطابق یکم ربیع الثانی 1443ھ